هداية الواعی

در ترجمه عدة الداعی ونجاح الساعی

مؤلف:
علامہ حلیؒ

مترجم:
سیّد ضیاالحسن نقوی النجفی



یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

یا عباسؑ

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

یاصاحب الزّماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

NOT FOR COMMERCIAL

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

ہدایۃ الواعی

درترجمہ عدۃ الداعی ونجاح الساعی

مؤلف علامہ حلیؒ

مترجم سیّد ضیا الحسن نقوی النجفی

نام کتاب: **هداية الواعي**
در ترجمه عدة الداعي ونجاح الساعي

مؤلف: علامہ حلیؒ

مترجم: سیّد ضیاالحسن نقوی النجفی

کمپوزنگ: سید حسن رضا

ایڈیشن سن اشاعت: 2008ء

مطبع: معراج دین پرنٹرز لاہور

قیمت: -/300 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين و صلى الله على سيدنا ونبينا محمد و اهل بيته المعصومين ولعنة الله على اعدائهم اجمعين امابعد فقد قال رب العالمين "ادعونى استجب لكم".

قارئین کرام کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف تصنیف "عدۃ الداعی" کا ترجمہ ہے اور جہاں تک علامہ حلی کی شخصیت اور آپ کی تصانیف کا تعلق ہے۔ وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ادعیہ کی متعدد کتب مختلف ادوار میں گونا گوں اسلوب سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آتی رہیں ہیں اور ہمارے جید علماء کرام ان کتب کے آسان و سلیس تراجم کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ ان میں دو معتبر مجموعے

1- مفاتیح الجنان۔ شیخ عباس قمیؒ

اور 2- صحیفہ کاملہ قابل ذکر ہیں۔ البتہ انہی میں سے ایک کتاب ہذا بھی ہے جو کچھ عرصہ قبل صحیفہ دعا کے نام سے ترجمہ ہو کر منظر عام پر آئی مگر نہایت اختصار و اجمال کی وجہ سے مومنین کرام کی عرفانی و روحانی تشنگی و پیاس بجھانے سے قاصر رہی۔ جہاں تک پہلے دو دعاؤں کے مجموعوں کا تعلق ہے۔ وہ فقط دعاؤں کے ذخیرہ کی حد تک ہی تھیں مگر بہت سارے عناوین، ابواب اور موضوعات جن کا تعلق داعی اور دعا کی کیفیت و شرائط سے ہوتا ہے کے بیان سے خالی تھیں۔ لہٰذا برادر عزیز محترم جناب مولانا السید ضیاء الحسن نقوی نجفی نے اپنی مساعی جمیلہ سے اس کتاب جمیل و شریف کا انتہائی احسن انداز سے سلیس اور آسان زبان میں ترجمہ و تشریح فرما کر ایک عظیم احساس فرمایا جزاک اللہ احسن الجزاء یہ کتاب جہاں سریع الاجابہ دعاؤں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح دعا کی اہمیت، ضرورت، آداب و شرائط، دعا کا انداز اور کیفیت، دعا کا سلیقہ و طریقہ، دعا کا زمان و مکان، داعی کے آداب و شرائط، داعی کی کیفیت نو، قارئین کرام کی خدمت میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب جلیل القدر میں آیات قرآنیہ کے انکار و اوراد اور دیگر اذکار،

تسبیحات، اسماء حسنیٰ کی تشریحات فضائل اور فوائد بھی انبیاء کرام اور چہاردہ معصومین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس طرح واضح و روشن انداز سے رقم کیے گئے ہیں کہ

جو انسانی زندگی کے ہر کٹھن لمحات، مضطرب حالات مصائب، مشکلات میں مدد و معاون اور اُخروی نجات کے ضامن ہوں۔

الابذکر الله تطمئن القلوب اور

تقدیر بدلتی ہے دعاؤں کے اثر سے

آخر پر فرمان معصوم "من لم یشکر المخلوق لم یشکر الخالق" کے تحت جیسا کہ ہم مترجم موصوف کے شکر گزار ہیں اور وہ اپنے اس عظیم فعل پر لائق ستائش بھی ہیں۔ اسی طرح جنہوں نے اس کارخیر میں دامے، درمے، سخنے قدمے مدد فرمائی اور حوصلہ افزائی کی بالخصوص مولانا سید حسن رضا، مولانا جعفر علی اور مولانا ظفر علی کے انتہائی مشکور ہیں۔ پروردگار عالم محسن محمد و آل محمد ان سب کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور ہم سب کو ان ادعیہ اعمال کو پڑھنے اور بجالانے کی توفیق عطا فرمائے اور بالخصوص مترجم موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی اس خدمت دینی کو قبول فرمائے۔

آمین یارب العالمین

محتاج دعا

سید نجم الحسن نقوی

مدرس حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر H بلاک لاہور

قارئین سے استدعا ہے کہ!

جملہ مومنین مرحومین، مومنات مرحومات کیلئے اور بالخصوص!

سید معصوم علی شاہ (مرحوم) سیوا ساادات
سید کریم شاہ (مرحوم) مدینہ سیداں

سید احمد علی شاہ (مرحوم) سیوا ساادات
سید سردار شاہ کریم شاہی (مرحوم) مدینہ سیداں

زوار مشتاق احمد ملانہ (مرحوم) گڑھ مہاراجہ
ڈاکٹر غلام ہانی جمشید (مرحوم) گڑھ مہاراجہ

نور دین ملانہ (مرحوم) گڑھ مہاراجہ
مولوی احمد دین ملانہ (مرحوم) گڑھ مہاراجہ

کہ جن کے ایصال ثواب کیلئے یہ کتاب شائع کی گئی ہے سورۃ فاتحہ تلاوت فرمائیں۔ شکریہ!

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤلف کے حالات زندگی

مؤلف کا نام ونسب شریف:۔ حضرت مؤلف کا نام جمال الدین ابو العباس احمد بن شمس الدین محمد بن فہد الحلی اسدی ہے۔

مؤلف کی ولادت و پرورش:۔ حضرت مؤلفؒ باختلاف روایت ۷۵۶ سن ہجری یا ۷۵۷ سن ہجری کو عراق کے معروف شہر حلہ سیفیۃ میں پیدا ہوئے آپ نے اپنے وقت کے آکابر اور عظیم علماء کرام جن کا ذکر بھی آئے گا کے ہاں علم کے حصول کے لیے زانوئے تلمذتہہ کیا اور آپ ایک مدت تک حلہ ہی کے ایک مدرسہ جس کا نام "مدرسہ زینبیہ" تھا میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے پھر آپ کربلاء معلیٰ منتقل ہوگئے اور پھر وہیں رہے کربلاء علیٰ میں حوزہ علمیہ کی بنیاد ڈالی اور آپ کے کربلاء معلیٰ منتقل ہونے سے وہاں کی علمی حرکت چراغ کی طرح چمکنے لگی اور پھر کربلاء معلیٰ کے حوزہ کے حوزہ علمیہ کا شمار نجف، حلہ، بغداد و کاظمین کی طرح بہت بڑے مراکز علمیہ میں ہونے لگا۔

علماء اعلام کی طرف سے مؤلف کی مدح وثناء

(۱) کتاب امل آمل کے مؤلف الشیخ محمد ابن الحسن الحر العاملیؒ نے اپنی اس کتاب میں حضرت ابن فہد الحلی کو فاضل عالم اور ثقہ، صالح وزہد، عابد، صاحب تقویٰ اور جلیل القدر کی صفات سے ذکر کیا ہے

(۲) صاحب ریاض العلماء المیرزا عبداللہ الافندی الاصبہانیؒ نے بھی سابق الذکر صفات سے مشابہہ الفاضل العالم، العلامۃ، الفہامۃ، الثقہ، الجلیل، الزاہد، العابد، العظیم، القدر جیسی صفات سے مدح کی ہے۔

(۳) روضات الجنات میں اس کے مؤلف علامۃ محمد باقر خوانساریؒ نے حضرت ابن فھد الحلی کو الشیخ العالم، العارف الملی اور کاشف اسرار الفضائل بالفھم الجلی یعنی چھپے ہوئے فضائل آل محمد کو واضح اور صاف فہم طریقہ سے ظاہر کرنے والے القاب سے یاد کیا ہے۔صاحب روضات الجنات حضرت بن فھد الحلی کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ فضل و تقویٰ کے اعلیٰ مرتبوں پر فائز ہونے کے ساتھ مشہور تھے۔

اسی طرح آپ صاحب ذوق اور عرفان، زہد واخلاق اور اللہ سے ڈرنے اور اس جیسی دیگر اچھی اور اعلیٰ صفات کے ساتھ مشہور تھے۔

پھر آگے رقم طراز ہوتے ہیں کہ علامۃ ابن فھد الحلی علوم معقول (منطق و فلسفہ) اور علوم منقول دونوں کی ایک جامع شخصیت تھیں ایک ہی وقت میں ایک بہترین عظیم فقیہ اور اصولی تھے

اساتذہ

(۱) الشیخ فخر الدین احمد بن عبداللہ بن سعید بن المتوج البحرانی (۲) جمال الدین بن الاعرج الحمیدی (۳) الشیخ جلال الدین عبد اللہ بن شرف شاہ (۴) الشیخ زین الدین علی بن الخازن الحائری (۵) السید المرتضی بہاء الدین علی بن عبد الحمید النسابۃ الحسینی النجفی (۶) الشیخ نظام الدین علی بن عبدالحمید النیلی الحائری (۷) الشیخ الفقیہ ضیاء الدین علی بن محمد بن مکی، شھید اول صاحب لمعہ کے بیٹے (۸) الشیخ ظھیر الدین علی بن یوسف بن عبد الحمید النیلی (۹) الشیخ الفاضل المقداد بن عبد اللہ السیوریؒ۔

بعض اساتذہ کی طرف سے آپ کو دی جانے والی اسناد

(۱) الشیخ علی بن محمد بن عبدالحمید النیلی :۔ اپنی طرف سے حضرت ابن فھد الحلی کو دی جانے والی سند میں خطبہ شریف کے بعد حضرت ابن فھد الحلی کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں جن سے حضرت مؤلف کی عظمت اساتذہ کے ہاں کس قدر تھی معلوم ہو جاتی ہے۔

الشیخ نیلی فرماتے ہیں کہ :۔ ذات کردگار سے استخارہ کرنے کے بعد میں بہت زیادہ جلالت و قدر والے شیخ اور وہ جو کہ اپنی نظیر میں مثال نہیں رکھتے، امتزاج، علم و عمل کی مثال، فضل و کمال کی بلندی پر فائز، صاحب تقوی اور محقق علماء کا سرمایہ، افتخار و عزت، فضلاء و علماء کا مرکز، سلف صالحین کا بقیہ اور اس زمانے مین ان کی مثال اور درخت صالح کی شاخ، حجاج کرام اور عمرہ کرنے والوں کی زینت و فخر دین مبین حق مذہب کے لیے باعث عزت اور قوم و مذہب کے حق کا جمال احمد بن المرحوم شمس الدین محمد بن فہد ادام اللہ فضلہ (اللہ ان کے علم و فضل میں اضافہ فرمائے اور خداوند متعال علماء کرام میں ان جیسوں کی کثرت فرمائے) کو یہ میں سند دیتا ہوں (اس کے بعد یہ سند بحار الانوار، ۱۰۴، ۲۱۵ میں دیکھا جاسکتا ہے)

(۲) حضرت ابن فہد الحلی کے ایک اور بزرگ استاد الشیخ علی بن الحسن بن محمد الخازن خطبہ حمد و درود محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد سند مبارک میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اللہ تبارک و تعالی کی طرف محتاج، اس کی درگزر اور مغفرت کی پناہ کا طالب بندہ، اور اس کے فضل و کرم کی امید رکھنے والا

''علی بن الحسن بن محمد الخازن'' کہتا ہے کہ جب آقا، فقیہ مقرون علم وعمل کی مثال، صاحب ورع وتقویٰ، صاف وشفاف شخصیت صفات حمیدہ کی جامع شخصیت، علماء وفضلاء کا محور ومرکز اجتماع، علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت کی رغبت رکھنے والا ،کمال نفس کے حصول کے لیے کوشش کرنے والا، بلند درجہ پر فائز، تمام طلاب علم بھائیوں سے افضل، حجاج کرام اور عمرہ کرنے والوں کا رہنما اور پیشواء مذہب وملت کا جمال وفخر امامیہ اثنا عشریہ اور اس فرقہ کے مکمل نظام کی مجسم شخصیت احمد بن المرحوم شمس الدین محمد بن فہد الحلی (اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ لطف فرمائے) نے میرے سامنے زانوئے تلمذ پھیلا کر اور مجھ سے سند طلب کر کے مجھے شرف ووقار بخشا ہے جیسے مجھے بہت بڑے فقیہ، مذہب شیعہ کے بہت بڑے عالم اور رہنما، جن کے مقابلے تمام علماء اپنے آپ کو کچھ بھی تصور نہیں کرتے ،فرقہ جعفریہ امامیہ کے پیشواء اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والی مظلوم ہستی اور اعلیٰ درجات پر فائز شخصیت الشیخ ابوعبداللہ محمد بن مکی کی طرف سے سند ملی تھی اللہ تعالیٰ اس شہید مظلوم کو اپنی مظلومیت کا عوض عطا فرمائے اور اسے اپنے محبین میں شمار فرمائے، اگرچہ میں اس سند کے عطا کرنے کا اہل نہیں ہوں لیکن ابن فہد الحلی نے مجھے اس سند کے عطا کرنے کا اہل سمجھا تو پھر فوراً حضرت ابن فہد الحلی کی اس التماس کو پورا کیا کیونکہ حضرت بن فہد الحلی کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہوئے اور ان کے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں نے سرعت اختیار کی ....الخ(تو یہ سند جاری ہے بحار الانوار ۱۰۴/ ۲۱۷ میں رجوع فرمائیں)اسی طرح مؤلف نے بھی اپنے بعض شاگردوں کو اجازہ جات اور اسناد مرحمت فرمائیں تھیں خوف طوالت سے ان کو ذکر نہیں کیا جاتا

آپ کے شاگرد:۔ آپ کے حلقہ درس میں بعض عظیم ،فضلاء شاگردوں کے اسماء کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں:

(۱) الشیخ فخر الدین احمد بن محمد سبعی

(۲) شیخ حسن بن حسین الجزائری

(۳) الشیخ عز الدین حسن بن علی المعروف الکرکی العاملی

(۴) الشیخ رضی الدین حسین القطیفی (یعنی سعودیہ کے رہنے والے)

(۵) الشیخ عبد السمیع بن فیاض الاسدی الحلی

(۶) السید رضی الدین عبد الملک بن شمس الدین اسحاق القمی

(۷) الشیخ علی بن فضل بن ہیکل الحلی

(۸) الشیخ علی بن ہلال الجزائری

(۹) الشیخ زین الدین علی بن محمد بن طی العاملی

(۱۰) السید محمد بن فلاح بن محمد الموسوی الحویزی الواسطی

(۱۱) السید محمد نوربخش

(۱۲) الشیخ مفلح بن حسن الصیمری

حضرت کی تالیفات اور تصنیفات

(۱) الادعیہ والختوم (۲) استخراج الحوادث

(۳) بغیۃ الراغبین فی ما اشتملت علیہ مسئلہ الکثرۃ فی سھو المصلین (یہ کتاب نماز میں کثرت سھو کے بارے میں ہے)

(۴) تاریخ الائمۃ (۵) التحصین فی صفات العارفین

(۶) ترجمۃ الصلاۃ فی بیان معانی افعالھا واقوالھا (۷) التواریخ الشرعیہ عن الائمۃ المھدیہ (۸) جوابات المسائل البحرانیۃ

(۹) جوابات المسائل الشامیۃ الاولی

(۱۰) جوابات المسائل الشامیۃ الثانیۃ (۱۱) الخلل فی الصلاۃ (۱۲) الدر الفرید فی التوحید

(۱۳) الدر النضید فی فقہ الصلاۃ (۱۴) رسالۃ وجیزۃ فی واجبات الحج (۱۵) رسالۃ الی اہل الجزائر (۱۷) رسالۃ فی تحمل العبادۃ عن الغیر

(۱۸) رسالۃ فی السھو فی الصلاۃ (۱۹) رسالۃ فی عبادات الخمس (۲۰) رسالۃ فی فضل الجماعۃ (۲۱) رسالۃ فی کثیر الشک

(۲۲) شرح الالفیۃ للشھید الاول (۲۳) شرح الارشاد

(۲۴) عدۃ الداعی ونجاح الساعی (یہ کتاب جو ہمارے ہاتھوں میں ہے)

(۲۵) اللوامع (۲۶) المھذب البارع فی شرح المختصر النافع (۲۷) نبذۃ الباغی فی مالا بد منہ من آداب الداعی (یہ اس کتاب کا خلاصہ ہے)

(۲۸) الھدایہ فی فقہ الصلاۃ (۲۹) مصباح المبتدی وھدایۃ المقتدی (۳۰) کفایۃ المحتاج فی مناسک الحاج (۳۱) رسالۃ فی منافیات نیۃ الحج۔

اس کے علاوہ اور بہت ساری ان کی تألیفات ہیں ان میں سے کافی کا ذکر کتاب الذریعہ میں مل جاتا ہے۔

آپ کی تاریخ وفات اور مدت عمر مبارک

آپ ۸۴۱ سن ھجری میں وفات پاگئے اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۴ سال تھی ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۵۸ برس تھی

آپ کا مرقد مبارک

کتاب (مراقد المعارف) میں ملتا ہے کہ آپ کی قبر مبارک کربلاء مقدسہ میں آپ کے اس گھر کے قریب ہے کہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرقد اطہر کے قبلہ کی جانب تھا آپ کے مرقد مبارک کے اردگرد آپ کے گھر کا صحن ہے جس میں امام حسین علیہ السلام کے زواروں کے لیے کمرے بنائے گئے ہیں وہاں مولا کے زائرین آرام فرماتے تھے اور اس گھر کے پاس حضرت ابن فھد الحلی کا باغ بھی تھا۔ جسے آپ نے اپنے گھر کے ساتھ مولا حسین علیہ السلام کے زائرین کے لیے وقف کردیا ہے اور گرمیوں میں امام حسین علیہ السلام کے زائرین ٹھہرتے ہیں اور یہ باغ (بستان بن فھد الحلی) کے نام سے معروف ہے۔

آپ کا ہم نام

حضرت ابن فھد الحلیؒ کے ساتھ نام میں ان کے ہی عصر میں اور وقت کا عالم شریک ہے اور وہ شھاب الدین احمد بن فھد بن حسن بن محمد بن ادریس بن فھد الاحسائی ہیں۔ لیکن ابن فھد الاحسائی اس کتاب کے مؤلف بن فھد الحلی الاسدی کے بعد بھی زندہ رہا۔ اور وہ ۹ ھجری تک زندہ رہا اور احسائی کی ایک کتاب ''خلاصۃ التنقیح'' ہے اور عجب یہ ہے کہ ہر دو علماء نے یعنی بن فھد الحلی اور بن فھد الاحسائی نے علامۃ حلی کی معروف کتاب ''ارشاد الاذہان'' کی شرح بھی لکھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله سامع الدعاء و دافع البلائو مفيض الضياء و كاشف الظلماء و باسط الرجاء و سابغ النعماء و مجزل العطاء و مردف الآلاء وسامك السماء وماسك البطحاء۔

والصلاة على خاتم الانبياء و سيد الاصفياء محمد المخصوص بعموم الدعاء وخصوص الاصطفاء والحجة على من في الارض والسماء وعلى آله الفائزين بخلوص الانتماء و وجوب الاقتداء ما اظلت الزرقاء و أقلت الغبراء صلوة باقية الىٰ يوم البعث والجزاء۔ وبعد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پناہ کرم کے ناطے ہمیں دعا کی تعلیم دی ہے اور اسے مستحب قرار دیا ہے سوال کرنے کا طریقہ سکھانے اور کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو اپنے خالق کے

ساتھ سوال کے ذریعہ معاملہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کرنے کو خالق نے مخلوق کی نجات کا سبب قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح خالق کائنات نے جہاں اپنے سے سوال کرنے کو ہدایات اور عنایات کی مفاتیح قرار دیا ہے وہاں پر دعاؤں کے مستجاب ہونے کے اسباب بھی بیان فرمائے ہیں کہ کس وقت دعا مستجاب ہوتی ہے اور کس جگہ کو دعا کے جلد مستجاب ہونے میں اثر و دخل ہے اور اسی طرح دعا مانگنے والوں کی صفات کیا ہونی چاہیں اور دعا کن امور پر مشتمل ہو۔تو ان تمام اسباب کی خالق کائنات نے اپنی صفت کرم کے وسیع ہونے کی بناء پر ہمیں تعلیم فرمائی ہے۔

ہم نے اس اپنے مختصر رسالۃ اور کتاب کو انھیں امور اور اسباب کے ذکر میں تحریر کیا ہے اور اس کا نام ''عدۃ الداعی ونجاح الساعی''یعنی:۔دعا مانگنے والے کے وسائل اور سعی کرنے والے کی نجات رکھا ہے۔

اور یہ کتاب اور رسالۃ ایک مقدمۃ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

مقدمہ

تعریف دعا اور اس کی ترغیب احادیث کی روشنی میں

مقدمہ:۔سب سے پہلے یہاں پر دعا کی لغت اور اصطلاح ہر دو اعتبار سے تعریف کرتے ہیں۔

دعا کے لغوی معنی ۔لغت عربی میں دعا کو پکارنا، طلب کرنا، مدد چاہنا وغیرہ کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً آپ کہتے ہیں کہ (دعوت فلانا) جب آپ کسی کو پکارتے اور نداء دیتے ہیں۔

دعا کے اصطلاحی معنی:۔علماء اخلاق کی اصطلاح میں ''کسی ادنیٰ اور چھوٹے کا اپنے سے بڑے اور اعلیٰ سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ کسی کام کے طلب کرنے کو''دعا کہتے ہیں۔

اس کتاب کے تحریر کرنے کا ہدف اور مقصد یہ تھا کہ دعا کی ترغیب دی جائے اور اس پر شوق اور تاکید کی جائے اللہ تبارک وتعالیٰ پر حسن ظن کرنے کے ساتھ جو اس کے پاس ہے اس کو طلب کیا جائے۔

پس جان لو کہ آئمہ اطہار علیہم السلام سے وارد شدہ اخبارات بھی اس معنیٰ کی تاکید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں جسے ہم نے بیان کیا ہے۔اور اسی معنیٰ پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ترغیب اور شوق دلاتی ہوئی رہنمائی کرتی ہیں۔

(۱) الشیخ الصدوق علیہ الرحمۃ اپنے خاص سلسلہ روایت جو کہ آئمہ اطہار علیہم السلام تک ملتا ہے سے روایت کرتے ہیں کہ ''ان من بلغه شی من الخير فعمل به كان له من الثواب ما بلغه و ان لم يكن الامر كما نقل اليه'' یعنی جس

شخص نے خیر کو سنا اور اچھی چیز پر عمل کیا تو اسے اس اچھی چیز کا ثواب ملے گا اگر چہ حقیقت میں ایسا نہ ہو جیسا اس کی طرف نقل کیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح ایک اور روایت میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنے سلسلہ روایت سے صفوان راوی کی طرف سے حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ "من بلغه شي من الخير فعمل به كان له اجر ذالك وان كان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم لم يقله" یعنی اگر کوئی شخص جب کسی اچھی بات اور عمل کو سن کر اس پر عمل کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا اگر چہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نہ کہا ہو۔

(۳) محمد بن یعقوب علی بن ابراہیم مختلف راویوں سے نقل کرتے ہوئے ہشام بن سالم کے واسطہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان نقل کرتا ہے کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"من سمع شيئا من الثواب على شيء فصنعه كان له اجره وان لم يكن علىٰ ما بلغه" یعنی۔ اگر کسی نے اچھے امر کا ثواب سنا اور پھر اس کو انجام دیا تو اسے اس کار خیر کا ثواب ملے گا اگر چہ وہ ثواب اس طرح نہ ہو جس طرح اسے خبر ملی لیکن پھر بھی اسے وہ سنا ہوا ثواب ملے گا۔

عامہ یعنی اہل سنت والجماعت کے سلسلہ روایت سے عبد الرحمان حلوانی نے جابر بن عبد اللہ کی طرف نسبت دیتے ہوئے ایک روایت نقل کی ہے کہ جابر ابن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "من بلغه عن الله فضيلة فاخذ بها و عمل بها فيها ايمانا بالله ورجاءَ ثوابه اعطاه الله تعالىٰ ذالك وان لم يكن كذالك" یعنی:۔ اگر کسی کو ایک کام کی فضیلت اور اجر معلوم ہوتا ہے اور وہ خدا کی ذات پر ایمان رکھتے ہوئے اس پر عمل کرتا ہے اور خدا سے ثواب کی امید رکھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو یہ ثواب دیتا ہے اگر چہ وہ حقیقت میں اس طرح نہ بھی ہو۔

ان مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کام اور عمل خیر کے ثواب کو سن کر اس پر عمل کیا جائے تو اسے اس کا ثواب ملتا ہے یہ بات دونوں فریق (شیعہ اور سنی) کے درمیان متفق علیہ اور غیر متنازع ہے۔

الباب الاول

دعا پر تشویق کے بارے میں

عقل ونقل ہر دو کی طرف سے نہ فقط دعا مانگنے پر ادلہ موجود ہیں بلکہ عقل دعا پر برانگیختہ کرتی ہے جس طرح نقل یعنی آیات قرآنیہ اور احادیث معصومین علیہم السلام سے اس معنیٰ تشویق کا استفادہ ہوتا ہے۔

تشویق دعا پر ادلہ عقلیہ

یہ دلیل عقلی دو امور پر مشتمل ہے:۔

انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ سے ضرر اور نقصان پہنچانے والی اشیاء کو دور رکھے اور اپنے آپ کو ضرر سے بچائے جب تک کہ اس میں اس امر کی قدرت ہو اور وہ ضرر کو دور ہٹانے پر طاقت رکھتا ہو اور جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان کے لیے کسی ضرر اور نقصان کا حاصل اور واقع ہونا بدیہی اور ضروری امر ہے جو کسی برہان و دلیل کا محتاج نھیں ہے۔ کیونکہ ہر انسان اس چیز سے جدا اور منفصل نھیں ہوسکتا جو اس کے نفس کو تشویش میں ڈالے اور اسے ضرر دے اور اس کی عقل کو مشغول کردے چاہے یہ امر جو اس کو ضرر اور اس کی عقل کو مشغول کردے اور اسے تشویش میں ڈال دے یہ اس کی داخلی طبیعت کے اثار ہوں جیسے کسی امر کے عارض ہونے سے اس کی طبیعت اور مزاج متاثر ہو اور نتیجہ میں وہ انسان دھوکہ میں پڑ جائے یا یہ ضرر و تشویش انسان کے خارجی ماحول سے حاصل ہو مثلاً کسی ظالم نے اذیت دی ہو یا اسے اپنے کسی ساتھی یا پڑوسی سے کوئی ناپسندیدہ عمل کی اذیت ہوئی ہو اگر چہ وہ تمام امور کہ جو ضرر دیتے ہیں حال میں واقع ہونا ضروری نھیں ہے ممکن ہے انسان بعض اوقات ان سے خالی ہو لیکن ان ضرر دہ امور کے وقوع کا امکان ہوتا ہے اور ان سے کسی نہ کسی طرح سامنا ضرور ہوتا ہے اور یہ کیسے نھیں ہوسکتا؟ جبکہ انسان ایک تبدلات اور تغیرات کے گھر میں رہ رہا ہے یعنی:۔ اس دنیا میں کوئی استقرار نھیں ہے اور کسی ایک حالت پر قائم نھیں ہے تو پھر ان امور کے وقوع کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے اور یہ مصیبت زدہ اور غم میں ڈال دینے والے امور انسان سے جدا اور منفک نھیں ہیں تو یہ بالفعل یا بالقوۃ موجود ہیں یعنی یا تو انسان ان میں مبتلاء ہے یا ان کے وقوع اور حاصل ہونے سے کوئی مانع موجود نھیں ہے۔

پس درد پہنچانے والے امور یا تو ابھی حاصل ہو چکے ہیں یا ان کا حصول متوقع ہے اور ہر دو صورت میں چاہے حاصل ہو چکے ہیں یا ان کا حصول ممکن ہے اگر قدرت ہو تو ان کا دفاع کرنا اور ان کا دور کرنا واجب اور ضروری ہے اور وہ

فقط دعا ہی ہے جس سے ان ضررده اور تکلیف پہنچانے والے امور کو دور کیا جاسکتا ہے ۔ اور دعا ایک فعل مقدور ہے یعنی انسان اس پر قدرت رکھتا ہے یہ کوئی مستحیل اور غیر مقدور اور ناممکن امر نہیں ہے پس دلیل عقلی سے دعا کا وجوب ثابت ہوگیا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے

حضرت امیر المؤمنین سید الوصیین علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی اسی معنیٰ مذکور جو کہ عقلی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے پر متنبہ کیا ہے اور فرمایا کہ

"**مامن احد ابتلیٰ وان عظمت بلواہ بأحق بالدعاء من المعافی الذی لا یأمن البلاء**" کسی مصیبت میں مبتلاء شخص چاہے وہ مصیبت جتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو اس شخص سے دعا کا زیادہ حق دار نہیں ہے جو ابھی تو شدت میں مبتلا نہیں ہے لیکن وہ اس بلاء کے واقع ہونے سے محفوظ بھی نہیں ہے ۔

اس حدیث مبارک سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہم میں سے ہر ایک دعا کا محتاج ہے چاہے وہ ابھی مصائب وآلام میں مبتلاء ہے یا وہ ابھی مبتلاء نہیں ہے اور عافیت میں ہے کیونکہ جب تک کسی مصیبت اور ضرر کا حصول متوقع ہے تو عقل یہ کہتا ہے کہ اگر قدرت ہے تو اس متوقع ضرر کو دور کیا جائے اور یہ دعا سے دفع ہوسکتا ہے (جیسا کہ ابھی ہم آیات قرآنیہ اور احادیث سے ثابت کریں گے)

اور دعا کا فائدہ یہ ہے کہ حاصل شدہ مصیبت اور بلاء کو رفع کرنا اور اس سے نجات حاصل کرنا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نازل ہونے والی اور متوقع الحصول مصیبت و بلاء کو اپنے آپ سے دفع اور دور ہٹانا ۔(۱)

اور ساتھ ساتھ دعا کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ جو اچھائی اور خیر انسان میں موجود ہے اس کو تقویت اور دوام وہمیشگی حاصل ہو اور اسے زائل ہونے سے بچایا جائے اس لیے آئمہ علیہم السلام دعا کو مؤمن کے اسلحہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اسلحہ کے ساتھ ہی نفع کو جلب کیا جاتا ہے اور متوقع ضرر و نقصان کو دفع کیا جاتا ہے اسی دعا کو معصومین علیہم السلام نے ڈھال کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور ڈھال وہ حفاظتی چیز ہوتی ہے جس سے انسان اپنے آپ کو تکلیف دہ اور گزند پہنچانے والی چیزوں سے بچاتا ہے ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

---

(۱) رفع و دفع کا فرق اھل علم و فضل پر مخفی نہیں ہے ۔ آئی ہوئی چیز کے دور کرنے کو "رفع" کہا جاتا ہے ۔ اور جس چیز کے نزول کی توقع ہو اسے ہٹانے کو "دفع" کہا جاتا ہے ۔)

"الا ادلکم علی سلاح ینجیکم من اعدائکم و یدر أرزاقکم ؟قالو بلی قال: تدعون ربکم باللیل والنهار فان سلاح المؤمن الدعاء" یعنی۔ کیا میں آپ کو ایسے اسلحہ کی نشاندہی کرادوں کہ جو تجھے اپنے دشمنوں سے نجات اور آپ کے رزق کو وافر کردے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ تو آپ نے فرمایا کہ دن رات اپنے مولا سے دعا مانگا کرو۔ کیونکہ دعا مؤمن کے لیے اسلحہ ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"الدعاء ترس المؤمن ومتی تکثر قرع الباب یفتح لک" یعنی۔ دعا مؤمن کی ڈھال ہے اور مؤمن جتنا زیادہ دروازہ کو کھٹکھٹائے گا آخر کار وہ دروازہ کھول دیا جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ

"الدعاء انفذ من السنان الحدید" یعنی۔ لوہے کے دانتوں سے زیادہ دعا چھید کر پار کر جاتی ہے یعنی زیادہ اثر کرتی ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ان الدعاء یرد ماقدر وما لم یقدر قلت: ما قدر فقد عرفته فما لم یقدر؟ قال: حتی لایکون۔" امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دعا ہر اس (بلاء ومصیبت) کو انسان سے دور کر دیتی ہے جسے خداوند تعالیٰ نے انسان کے لیے مقدر کیا ہو یا ابھی انسان کے حق میں مقدر نہ کیا ہو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا جو چیز مقدر ہوگئی ہے اس کا دور ہونا تو معلوم ہوگیا لیکن جو ابھی مقدر نہیں ہوئی وہ کیسے دور ہوگی؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مقدر نہیں ہوگی اس کا مقدر نہ ہونا گویا دعا نے اس کو رد کر دیا ہے۔

اسی طرح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"علیکم بالدعاء فان الدعاء والطلب الی الله تعالیٰ یرد البلاء وقد قدّر و قضی فلم یبق الا امضاؤه فاذا دعیٰ و سئل صرفه و صرفه" یعنی۔ آپ کا کام دعا کرنا ہے کیونکہ دعا اور اللہ سے طلب بلاء کو دور کر دیتی ہے بلاء مقدر ہوچکی ہے اور اس کا انسان کے حق میں اندازہ ہو چکا ہے اب فقط خالق کی طرف سے اس کے نافذ اور جاری کرنے کا حکم باقی رہتا ہے اگر اللہ کو پکارا گیا اور اس سے اس بلاء کے دور کرنے کا سوال کیا گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اسے صرف کر دے گا اور ہٹا دے گا۔

زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ

" قال علیه السلام: الا ادلکم علی شی لم یستثن فیه رسول الله (ص) قلت بلی قال الدعاء یرد القضاء و قدابرم ابراما۔ وضم اصابعه یعنی:۔حضرت فرماتے ہیں کہ اے زرارہ کیا میں تم کو ایک ایسے امر کی طرف رہنمائی نہ کردوں جس میں رسول خدا (ص) بھی شریک ہیں اور اس امر سے خارج نھیں ہیں میں نے کہا ہاں تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ دعا قضاء وقدر کورد کردیتی ہے چاہے وہ پختہ اور اٹل ہی کیوں نہ ہو پھر امام دونوں انگلیوں کو ہاتھوں میں ڈال کر پختگی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

حضرت سید العابدین امام علی بن حسین علیہما السلام سے مروی ہے کہ

"ان الدعاء والبلاء لیتوافقان الی یوم القیامة وان الدعاء لیرد البلاء و قد ابرم ابراماً" یعنی:۔دعا اور مصیبت قیامت تک اکٹھی رہیں گی اور (جبکہ) دعاء مصیبت کو دور کردیگی چاہے وہ جتنی حتمی اور اٹل ہی کیوں نہ ہو۔

امام زین العابدین علی بن حسین علیہما السلام سے ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ " الدعاء یدفع البلاء النازل و مالم ینزل "یعنی:۔دعا نازل شدہ بلاء اور جو ابھی نازل نھیں ہوئی دونوں کو دور کرتی ہے۔

ان مذکورہ بالا احادیث سے اور اسی طرح اور بھی احادیث جو اسی معنیٰ میں ہیں جنھیں کثرت کی وجہ سے خوف طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ترک کردیا گیا ہے ثابت یہ ہوا کہ ضرر اور نقصان کو دور کرنا اور اس سے دفاع کرنا ایک قطعی امر ہے۔

ترغیب دعاء پر ادلہ نقلیہ

اسی طرح ادلہ نقلیہ بھی دو قسموں پر ہیں۔

(۱) بعض دلیلیں قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ہیں (۲) اور بعض سنت نبوی اور کلام معصومین علیہم السلام میں سے ہیں۔

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو اس میں سے بعض آیات کو یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے جو اس معنیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ارشاد خداوندی ہے کہ

" قل مایعبؤا بکم ربی لولا دعائکم "فرقان ۷۷ ترجمہ:۔اے رسول کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری پرواہ نہ کرتا۔

قوله تعالیٰ " وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخـــریـــن " ترجمہ:۔اور تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور جو لوگ میری عبادت سے

تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب یقیناً ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہونگے ۔(سورہ غافر ۶۰ آیت)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت قرار دیا ہے اور اس سے انکار اور تکبر کرنے والوں کو کافر کے مرتبہ میں قرار دیا ہے۔

قولہ تعالیٰ:۔" وادعوہ خوفا و طمعاً" الاعراف ۵۶ ترجمہ:۔خدا سے خوف اور رجا کے ساتھ دعا کرو۔

قولہ تعالیٰ " واذا سألك عبادی عنی فانی قریب أجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبو الی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون البقرہ ۱۸۶ ترجمہ:۔اے رسول اگر میرے بندے میرے بارے میں تم سے سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں پکارنے والے کی نداء کو سنتا ہوں جب وہ پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے قبولیت طلب کریں اور مجھ پر ہی ایمان و اعتقاد رکھیں شاید راہ راست پر آجائیں۔

یہ آیۃ مبارکہ چند امور پر دلالت کرتی ہے

الاول:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس قول " واذا سألك عبادی عنی فانی قریب" یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہ دو میں ان کے قریب ہوں" سے بندوں پر تنقید کرتے ہوئے اور سرزنش کے لہجہ میں فرما رہا ہے کہ اے میرے بندے تم میرے غیر کے آگے کیوں سوال کرتے ہو جبکہ میں ان سے زیادہ آپ کے قریب ہوں مجھے کیوں نہیں پکارتے ہو۔

الثانی:۔ دوسرا فائدہ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جلد سوال کے جواب دینے کا اہتمام ہے اسی نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے خالق کائنات نے اپنے جواب میں بندہ اور اپنے درمیان رسول خدا کو واسطہ قرار نہیں دیا کہ اے میرے حبیب ان کو کہہ دو کہ میں ان کے قریب ہوں اور ان کو جواب دوں گا بلکہ بغیر کسی پر موقوف کیئے خود ہی فرما دیا "فانی قریب"

الثالث:۔ خالق کائنات نے اپنے اس جواب " فانی قریب" پر "ف" داخل کرکے یہ بتا دیا کہ میرا جواب آپ کے سوال کے بغیر کسی فاصلہ اور وقفہ کے فوراً آئیگا اگر کوئی مانع بندہ کی طرف سے نہ ہو۔

الرابع:۔ اس آیت مبارکہ سے جہاں یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود جواب دے کر اپنے بندے کو اس سے شرف بخشتا ہے وہاں اپنے ہاں دعا کی منزلت اور کمال وشرف کو بھی بیان فرما دیا کیونکہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا جب بندہ مجھ سے سوال کرے گا تو میری طرف سے کوئی اور جواب دے گا بلکہ فرمایا کہ میں خود اس سے زیادہ قریب ہوں اور میں ہی اسے جواب سوال دوں گا اور یہ ایک مؤمن کے لیے مقام شرف وعظمت ہے۔اسی لیے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے

ہیں کہ

"ولا تمل من الدعاء فانه من الله بمکان" یعنی:۔اے مؤمن دعا مانگنے سے تنگ نہ آنا کیونکہ دعا کی خالق کے ہاں بہت قدرومنزلت ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بریربن معاویہ بن وہب سے کہتے ہیں جب بریر نے مولا سے سوال کیا کہ آیا کثرت تلاوت قرآن افضل ہے یا کثرت دعا افضل ہے؟ تو مولا نے فرمایا کثرت دعا افضل ہے پھر امام نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی" قل مایعبؤا بکم ربی لولا دعائکم "ترجمہ اے رسول کہہ دو اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری پروانہ کرتا۔

الخامس:۔ پانچواں نکتہ اس آیت سے یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی مکان مخصوص میں محدود نھیں ہے اگر اس کے لیے کوئی مکان ہوتا تو وہ ہر جگہ ہر پکارنے والے کے قریب نہ ہوتا۔

السادس:۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی مخلوق کو اس سے دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے مثلاً فرماتا ہے کہ " فلیستجیبو الی" اس کا معنی یہ ہے کہ "فلیدعونی" مجھے پکارو۔

السابع:۔ خالق کائنات آیۂ مذکورہ میں فرماتا ہے کہ "ولیؤمنوا بی" اس کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ "ولیستحققوا انی قادر علی اعطائهم ما سألوا" یعنی:۔مخلوق خدا اس بات کو یقینی سمجھیں کہ جس کا وہ سوال کرتے ہیں میں اس کے عطا کرنے پر قادر ہوں۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے پر اپنی قدرت کے بارے میں لوگوں کو اس پر اعتقاد رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

دو اہم فائدے

پہلا فائدہ یہ ہے کہ اللہ نے مخلوق کو اپنی قدرت اور اس صفت عظیم کے ساتھ ثابت ہونے کا اعلان کیا ہے۔اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے اندر اپنی خواہشات، اور حاجات کے حصول کی وسیع امید پیدا کی ہے۔اور ان کو اپنی مرادوں اور مطلوبہ امور تک پہنچنے کی بشارت دی ہے کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جب کسی سے کوئی معاملہ کرتا ہے تو وہ اس کا عوض دینے پر قدرت اور معاوضہ پر دسترس کا علم حاصل کرلے تو یہ علم اسے اس کے ساتھ معاملہ اور تجارت کرنے پر

اکساتا اور وادار کرتا ہے اور اگر امر اس کے برعکس ہو یعنی جس سے معاملہ کیا جا رہا ہو اگر اس کے عاجز ہونے کا علم ہو جائے تو وہ کبھی بھی اس کے ساتھ معاملہ نہیں کرے گا یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مفلس شخص کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا بلکہ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

الثامن: ۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس آیت میں راہ ہدایت کی بشارت دی ہے اس لیے فرمایا کہ "**لعلهم يرشدون**" اور رشد و ہدایت وہ راستہ ہے جو انسان کو اس کے مطلوب اور ہدف تک پہنچاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو دعا کی اجابت کی بشارت دی ہے۔ اور یہی ہر انسان کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔

اس سے ملتا جلتا امام صادق علیہ السلام کا ایک فرمان ملتا ہے کہ

"**من تمنیٰ شیئا وهو لله رضا لم يخرج من الدنيا حتیٰ يعطاه**" یعنی:۔ جو شخص کسی ایسی چیز کی خواہش کرے جس میں رضائے الٰہی ہو تو اس وقت تک اسے موت نہیں آتی کہ جب تک اسے عطا نہیں کی جاتی ہے۔ اور یہی حدیث رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہے۔

ایک اور مقام پہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"**اذا دعوت فظن حاجتك بالباب**" یعنی:۔ جب تم دعا مانگتے ہو تو حاجت کے پورا ہونے کا حسن ظن کرو۔

اشکال اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ اکثر اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ مگر ان کی دعا مستجاب نہیں ہوتی ہے تو پھر کیا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا "**اجیب دعوة الداع**"؟

اس اشکال کے دو طرح سے جواب دیئے جا سکتے ہیں

الجواب الاول: ۔ اس سوال و اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم حقیقت میں یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم نے دعا مانگ دی ہے اور اب دعا اللہ کی طرف سے مستجاب نہیں ہوئی حالانکہ سائل کی جانب سے اجابت دعا کی بعض شروط میں خلل ہونے کی وجہ سے دعا کی اجابت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ موانع اجابتِ دعاء بعض اوقات سائل کے شروط دعا کے جامع اور ان شروط کے ثابت اور متحقق نہ ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات آداب دعا کے فقدان کیوجہ سے قبولیت دعا کے موانع پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دعا کے شروط و آداب ہیں جن کا دعا مانگتے وقت لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اور یہ شروط و آداب

آ گے چل کر ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے عثمان بن عیسیٰ روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے مولا سے کہا کہ " آیتان فی کتاب الله أطلبهما و لا اجدهما" راوی کہتا ہے کہ قرآن مجید میں دو آیتوں کو طلب کرتا ہوں لیکن کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو رہا ہے (قال :ما هما) فرماتے ہیں کہ وہ دونوں کونسی آیات ہیں؟ (قلت :قول الله عزوجل " ادعونی استجب لکم " فندعوه فلا نری اجابة " راوی کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ مجھے پکارو میں جواب دوں گا اور جب پکارتے ہیں تو اجابت دکھائی نہیں دیتی تو اس کا سبب مجھے معلوم نہیں ہے "فقال :اتری الله أخلف وعده ؟ کیا سمجھتا ہے کہ اللہ نے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے؟" قلت لا " راوی کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے "قال فمم ذالك؟" مولا نے فرمایا کہ پھر ایسا کیوں ہے؟" قلت لا ادری " راوی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے پکارو اور میں اس کا جواب دوں گا اور جب پکارتے ہیں تو اجابت دکھائی نہیں دیتی تو اس کا سبب مجھے بھی معلوم نہیں ہے (فقال :ولکنی اخبرك من اطاع الله فيما امره ثم دعاه من جهة الدعاء اجابه "امام فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں تجھے بتاتا ہوں کہ جو شخص بھی اللہ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کر کے اس کے بیان کردہ طریقہ دعاء کے ساتھ دعا مانگے تو پھر دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔(قلت وما جهة الدعاء) راوی کہتا ہے کہ میں نے پھر عرض کی کہ وہ کونسا دعا مانگنے کا طریقہ ہے جس سے دعا مانگی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے۔(قال :تبداء فتحمد الله وتذکر نعمه عندك ثم تشکره ثم تصلی علی النبی و آله ثم تذکر ذنوبك فتقربها ثم تستغفر منها فهذه جهة الدعاء" یعنی:۔مولا فرماتے ہیں کہ دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کر پھر اس کی طرف سے جو تجھ پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کر اور ان نعمات پر خالق کا شکر ادا کر اور پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطہار پر درود وسلام بھیج پھر اس کے بعد گناہوں کو یاد کر کے ان کا اعتراف کر اور اللہ سے ان گناہوں کی مغفرت طلب کر یہ ہے دعا مانگنے کا طریقہ جو اس پر عمل کرے گا اس کی دعا قبول ہوگی (ثم قال علیه السلام وما الآیة الاخری؟) پھر مولائے امام صادق علیہ السلام نے راوی سے دوسری آیۂ قرآنیہ کے بارے میں پوچھا کہ جس میں شک کرتا ہے وہ کونسی آیت ہے۔

"قلت قول الله عزوجل(وما انفقتم من شیء فهو یخلفه وهو خیر الرازقین)سورہ سبا۳۹ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے جو بھی تم راہ خدا میں خرچ کرتے ہو خدا اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ جبکہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں لیکن عوض اور بدلہ نہیں دیکھ رہا۔ "قال (ع) افتری

الله أخلف وعده؟" یعنی:۔کیا اللہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔ "قلت لا" میں نے کہا ایسا نہیں ہے "قال فلم ذالك؟" تو پھر ایسا کیوں ہے؟ "قلت لا ادری" راوی نے کہا مجھے معلوم نہیں ہے۔ "قال (ع) لو ان احدکم اکتسب المال من حله وانفقه فی حقه لم ینفق رجل درهما الا اخلف علیه" امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی شخص حلال طریقہ سے کمائے اور راہ خدا میں خرچ کرے تو وہ ایک درہم بھی خرچ نہیں کرے گا مگر اسے اس کا عوض و بدل مل جائے گا۔

الجواب الثانی:۔ دوسرا جواب اس اشکال مذکور کا یوں دیا جاسکتا ہے کہ سائل بسا اوقات اس امر کا خالق سے سوال کرتا ہے جس میں اس کی بہتری اور صلاح نہیں ہوتی ہے بلکہ اس مطلوبہ امر میں اس کے لیے یا اس کے علاوہ کسی اور مؤمن کے لیے ضرر اور نقصان ہوتا ہے۔

کیونکہ کوئی بھی ایسا امر نہیں ہے جس کو کسی نے خدا سے طلب کیا ہو اور اس میں اس کی بھلائی ہو مگر یہ کہ خالق کائنات نے اس دعا کو قبول فرمایا ہے۔

اس جواب سے یہ معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والا اثناء دعا زبان سے یا دل میں اس شرط کو ذکر کرے کہ الٰہی اگر میری اس مطلوبہ دعا میں مصلحت اور حکمت ہے تو قبول فرما تو ایسی صورت میں اگر مصلحت اور حکمت نے تقاضا کیا تو خدا اس وقت دعاء مستجاب کرتا ہے اور اگر تاخیر کا حکمت نے تقاضا کیا تو اسے ایک وقت تک تاخیر کردیتا ہے۔ لیکن دعا مستجاب ضرور ہوتی ہے اگر اس میں دعا کرنے والے کے لیے بھلائی اور خیر ہو۔

"قال الله ولو یعجل الله للناس الشر استعجالهم بالخیر لقضی الیهم اجلهم (یونس ۱۱) یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے برائی اور نقصان میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنا وہ لوگ بھلائی اور خیر میں جلدی چاہتے تو کب کا ان کی موت کا فیصلہ ہو جاتا۔

آئمہ علیہم السلام کی ادعیہ میں بھی ملتا ہے "یا من لا تغیر حکمتہ الوسائل" یا الٰہی تیری حکمت اور مصلحت کو وسائل تبدیل نہیں کرسکتے۔

علم غیب پر ایک عام انسان دسترس نہیں رکھتا، بسا اوقات انسان کی عقل اس کی قوت شہوت سے ٹکرا جاتی ہے اور اس کے نفس کے خیالات اور خواہشات عقل سے خلط ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں انسان ایک ایسے امر کو اپنے لیے خیر اور صلاح سمجھتا ہے جبکہ حقیقت میں اس میں اس کے لیے نقصان اور ضرر ہوتا ہے اور اسی اختلاط عقل و شہوت نفسانیہ کے

نتیجہ میں خالق کائنات سے اس امر مذموم کی اجابت کو طلب کرتا ہے اور بہت شدت سے اس بارے سوال کرتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کر لے تو وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو واضح اور کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ اکثر اوقات ہمارے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ہم کتنی چیزوں کے حاصل ہونیکی خبط سے دعا کرتے ہیں اور پھر جب امر واضح ہوجاتا ہے اور حقیقت منکشف ہوجاتی ہے تو خدا سے ان کی پناہ مانگتے ہیں اور اسی طرح برعکس بھی کتنی دفعہ بعض چیزوں سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور بعد میں پھر اسی کو خالق کائنات سے طلب کرتے ہیں اسی معنیٰ پر حضرت علیؑ کا قول مبارک دلالت کرتا ہے۔" رب امر حرص الانسان علیه فلما ادرکه ود ان لم یکن ادرکه" یعنی:۔ بسا اوقات انسان کسی امر کے حصول پر حریص ہوتا ہے اور جب اس کو پالیتا ہے تو پھر اس کے نہ پانے کو پسند کرنے لگتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول اس معنیٰ میں رہنمائی کرنے پر کافی ووافی ہے۔

قوله تعالیٰ " وعسیٰ ان تکرهوا شیئا وهو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیاءً وهو شر لکم والله یعلم و انتم لا تعلمون(البقرہ ۲۱۶ ترجمہ:۔ ممکن ہے جسے تم برا سمجھتے ہو وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور جسے تم پسند کرتے ہو وہ تمہارے حق میں برا ہو خدا ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے کرم بے پناہ اور اپنی عظیم نعمتوں کی وجہ سے بندہ کو اس قسم کی دعا پر جواب نہیں دیتا جن پر خود وہ بندہ بعد میں پشیمان ہوتا ہے اور اس قسم کا کرم اور خالق کی طرف سے بندہ پر نعمت عظمیٰ دووجہ سے ہوسکتی ہے۔

(۱) ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ پر پہلے ہوتی ہے چونکہ خالق کی صفات میں سے ہے کہ" ہو الذی سبقت رحمتہ غضبہ" یعنی جس کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب سے وسیع ہے پہلے اس کی رحمت بندہ کو شامل ہوتی ہے قبل اس کے کہ اس کا غضب آئے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر رحمت نازل کرتے ہوئے بندہ کی اس قسم کی دعا کہ جو حقیقت میں اس کے لیے ضرر اور نقصان پر مشتمل ہوتی ہے قبول نہیں کرتا۔

(۲) دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ بندہ کی ہمیشہ دعا مانگنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی حالت کی بہتری اور اصلاح ہو گویا وہ اس دعا کی اجابت میں اپنے اصلاح احوال اور بہتری کو پوشیدہ تصور کرر ہا ہے اب اس سے معلوم ہوا کہ جو وہ ظاہراً اپنی اس دعا میں مانگ رہا ہے وہ امر بغیر قید وشرط کے مطلوب نہیں ہے بلکہ وہ اس شرط پر مطلوب ہے کہ اگر اس میں دعا مانگنے والے کے لیے نفع ہو تو خدا اسے مستجاب فرمائے۔ اور اگر اس میں اس کے لیے نفع نہ ہو تو ایسی دعا حقیقت میں بندہ کی طرف سے مطلوب اجابت بھی نہیں ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ جب کوئی دعا قبول نہیں ہوتی تو

ایسے ضرر دہ اور نقصان پر مشتمل ہوتی ہے جس کی اجابت کا حقیقت میں بندہ طلب گار بھی نہیں ہوتا چونکہ اس کی دعا کی اجابت اسے نفع پہچانے کی شرط پر موقوف اور مقید ہے۔ چاہے وہ اس شرط کو زبان پر بیان کرے یا اسے اپنی نیت میں رکھے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اثناء دعا اس شرط کی طرف اس کا قلبی میلان اور توجہ بھی نہ ہو تو پھر بھی اس شرط کو قبولیت دعا میں مدنظر رکھا جائے گا ایسی صورت میں اس دعا مانگنے والے کی مثال اس شخص کی مانند ہوگی جو کسی لغت کے لفظ کو بغیر معنیٰ سمجھے پڑھ دے تو ایسی صورت میں اہل زبان اس سے اس کا مقصود حقیقی اور مراد اصلی سمجھیں گے نہ وہ کہ جس پر اس کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

دعا میں غلطی کے بارے میں

سابقہ بیان اور امثلہ سے واضح ہوگیا کہ یہی وہ غلط دعائیں ہیں کہ جن کے بارے میں بعض روایات اور اخبارات میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں قبول نہیں کرتا۔

حضرت امام جواد علیہ السلام سے مروی ہے کہ!

"قال مااستوی رجلان فی حسب ودین قط الا کان افضلهما عندالله آدبهما " یعنی:۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں دوشخصوں میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا اور دین دار وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے زیادہ ادب والا ہو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ مولا میں آپ پر قربان ہوجاؤں لوگوں کے ہاں اس کی قوم کی مجالس ومحافل میں تو اس کی فضیلت معلوم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی برتری اور فضیلت کیوں ہے؟" قال بقرائة القرآن کما انزل و دعائه الله عزوجل من حیث لا یلحن و ذالك ان الدعاء الملحون لا یصعد الی الله عزوجل " آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید نازل ہوا اس طرح اس کی تلاوت کرنے سے اور اللہ تعالیٰ سے بغیر اعرابی خطاء و غلطی کیے دعا مانگنے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی برتری وفضیلت ہے۔ کیونکہ غلط دعا خدا کی بارگاہ میں نہیں پہنچتی۔

اس حدیث سے ملتا جلتا ایک اور قول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے کہ "**نحن قوم فصحاء اذا رویتم عنا فاعربوا**" یعنی:۔ ہم فصیح و بلیغ قوم ہیں اگر ہم سے کوئی روایت نقل کرو تو اس کو نحوی اعراب کے ساتھ بیان کرو۔

ایک اشکال اور جواب

اگر ان دو روایتوں کو اپنے ظاہری معنیٰ میں مراد لیا جائے جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ دعا میں علم نحو وغیرہ کی

غلطی نہیں ہونی چاہیے تو بہت زیادہ بغیر اعراب نحوی کے ادعیہ کا مستجاب ہونا کیسے ہوگا ؟اور اس طرح اگر ان روایات کے ظاہری مفہوم کو سمجھ کر دعا میں نحوی قواعد و اعراب کی شرط لگا دی جائے تو ہمارے روز مرہ کا مشاہدہ اس کے خلاف نظر آتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے صاحبان تقویٰ اور اچھے اور نیک لوگوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں جبکہ وہ نحوی قواعد میں سے کچھ بھی نہیں جانتے ہوتے ۔اور اسی طرح اگر ان کی دعا سنی نہ جاتی تو پھر کیا فائدہ تھا ان کی دعا کا اور انہیں پھر کیوں خالق کائنات دعا مانگنے کا حکم دیتا۔؟تو ایسی صورت میں دعا کا حکم صرف ان لوگوں کو ہوگا جو صحیح طور پر قواعد نحویہ اور عربیہ کے ماہر ہوں بلکہ نحوی بھی بسا اوقات دعا میں اعرابی غلطی کر سکتا ہے ۔کیونکہ جب وہ دعا میں خضوع و خشوع کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں قواعد نحویہ اور ادلہ نحویہ تقدیر و حذف وغیرہ کو ذہن میں حاضر نہیں رکھ سکتا۔جبکہ یہ تمام مذکورہ امور باطل اور مشاہدہ کے خلاف ہیں۔

اسی طرح معصومین علیہم السلام سے وارد اخبارات اور ان کی وصایا سے جو حاصل ہوتا ہے اس کے بھی منافی ہے۔کیونکہ آئمہ اطہارؑ نے جہاں لوگوں کو ان کی مصلحتوں کے متعلق تمام امور پر رہنمائی کی ہے تو وہاں دعا کے آداب و شروط بھی ذکر فرمائے ہیں انشاء اللہ ان آداب و شروط کا آگے چل کر ذکر آئے گا۔تو ان شروط و آداب دعا میں معصومینؑ کی طرف سے اعراب اور قواعد نحو کی معرفت جیسی شرط کا ذکر نہیں ملتا۔تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان روایات سے مراد یہ ظاہری معنیٰ نہیں ہے تو ان کے کیا معنیٰ ہیں؟

اشکال کا جواب

پس جان لو کہ جب ان کے معنیٰ ظاہری خلاف حقیقت و مشاہدہ تھے تو علماء مختلف تاویلات کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں۔اس اعتراض مذکور کا چند وجوہ کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے۔

پہلا جواب:۔بعض علماء نے فرمایا ہے کہ غلط دعا سے مراد نحوی قواعد کی غلطی مراد نہیں ہے بلکہ جب انسان تنگ آکر غصے میں اپنے لیے دعا کرتا ہے جس میں اس کو نقصان و ضرر ہو وہ مراد ہے اور اس پر اس نے قرآن کی آیت کو شاہد کے طور پر پیش کیا ہے۔

”**ولو یعجل الله للناس الشر استعجالهم بالخیر لقضی الیهم اجلهم** یعنی:۔اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شر و ضرر کی جلدی کرتا جیسے وہ خیر کی جلدی کو طلب کرتے ہیں تو وہ کب کے ختم ہو جاتے۔

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا ہے کہ اگر خدا کی ذات لوگوں کے غصہ میں آکر اپنے بارے نقصان

پہنچانے والی دعاؤں (مثلا الٰہی مجھے ان کے درمیان سے اٹھالے) اور ضرر دہ مانگی جانے والی دعاؤں کو قبول کر لیتا جس طرح ان کی اچھی اور خیر والی دعاؤں کو قبول کرنے میں جلدی کرتا ہے تو وہ کب کے ہلاک ہو جاتے۔ لیکن اللہ کی ذات انھیں مہلت دیتی ہے تاکہ وہ اس قسم کی دعاؤں کی توبہ کر لیں۔

دوسرا جواب:۔ بعض علماء نے دعا میں غلطی اور غلط دعا کے نہ مانگنے پر دلالت کرنے والی احادیثِ مذکور کی تأویلات کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ غلط دعا سے مراد والد کی بیٹے کو غصہ میں آکر بددعا دینا ہے اور یہ دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خالق کائنات سے خصوصی دعا مانگی تھی کی خدایا کسی محبّ کی اس کے محبوب کے بارے میں بددعا کو قبول نہ کرنا۔

تیسرا جواب:۔ اور بعض علماء نے غلط سے مراد ایسی دعا سمجھا ہے جو شروط وآداب دعا سے خالی ہو اور جامع نہ ہو۔

مصنف کی رائے اور تحقیق

مصنف کے نزدیک یہ تمام جواب تحقیق سے عاری اور خالی ہیں کیونکہ ان روایات کی ابتداء ان جوابات اور تأویلات کی طرف دلالت نہیں کرتی کیونکہ ان روایات کی ابتداء اور مقدمہ میں معصومین علیہم السلام سے نحویوں کی مدح وارد ہوئی ہے اور پھر ذیل حدیث میں دعا میں لحن اور غلطی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو ایسی صورت میں تحقیقی جواب یہ ہے کہ جہاں تک ان دو روایات میں سے پہلی روایت" **بقرائة القرآن كما انزل دعائه الله عزوجل من حيث لايلحن ......الخ**" کا تعلق ہے تو امام علیہ السلام کے قول مبارک کہ "اللہ تعالیٰ غلط دعا کو نہیں سنتا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غلط جاری ہونے والی دعا کے مقابلے میں بندے کو جزا وغیرہ اور اس پر اثرات مرتب نہیں کرتا بلکہ اس کی دعا کے ظاہری غلط الفاظ کو قطع نظر رکھ کر اس انسان نے جس امر کا اس دعا میں قصد کیا ہے اس پر خالق کائنات جزا اور اس قصد حقیقی کو مستجاب کرتا ہے۔

اور اسی طرح جیسے کسی شخص نے زیارت امام علیہ السلام پڑھتے ہوئے ایک زائر سے سنا کہ زیارت کو یوں پڑھ رہا تھا" **اشهد انك قد قتلتَ و ظلمتَ وغصبتَ**" تو اب اگر اس ظاہری غلطی کو دیکھ کر حکم لگایا جائے تو گویا بجائے زیارت امام علیہ السلام کے مولا کو کہہ رہا ہے کہ مولا آپ نے ظلم کیا آپ نے غصب کیا اور آپ نے قتل کیا (العیاذ باللہ) اور یہ واضح ہے کہ اس ظاہری غلطی کو دیکھ کر حکم لگایا جائے تو اس پر مرتد ہونے کا حکم ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ اسے سزا بھی ہوگی لیکن کوئی بھی اس کو ایسا نہیں کہتا کیونکہ یہ زائر حقیقت میں ان غلط الفاظ کے معانی کا قصد نہیں کیے ہوئے تھا بلکہ

اس کا قصد صحیح ہے لیکن الفاظ میں لحن اور غلطی ہوگئی ہے۔
تو ایسی صورت میں ثابت یہ ہوا کہ اگر دعا میں لفظ کی غلطی ہوجائے اور اس کا مقصد کچھ اور ہو تو اس دعا کرنے والے کو ان ظاہری الفاظ پر جزا نہیں دی جائے گی اور ان ظاہری الفاظ پر استجابت نہیں ہوگی۔(۱)
بلکہ اس دعا مانگنے والے کے مقصود حقیقی کو خدا کیونکہ جانتا ہے اسے مدنظر رکھ کر استجابت دعا ہوگی۔اور ہمارے اس بیان کردہ معنیٰ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ تمام فقہاء اس بات پر اتفاق و اجماع کرتے ہیں کہ اگر انسان کسی کو ایسے لفظ سے تہمت لگاتا ہے جس سے اس تہمت لگانے والے کے عرف اور معاشرہ میں اس تہمت کا استفادہ نہیں ہوتا تو وہ تہمت لگانے کے حکم میں نہیں ہوتا اور وہ عقاب کا بھی مستحق نہیں ہوگا اگرچہ اس لفظ سے اس کہنے والے کے علاوہ کے عرف اور معاشرہ میں معنیٰ تہمت سمجھا جاتا ہے۔تو قصد نہ رکھنے کی وجہ سے وہ عقوبت کا مستحق نہیں ہوگا۔تو لہذا اب مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ دعا میں اعراب نحوی دعاء کے مستجاب ہونے کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ اس کی فضیلت اور رفعت و بلندیء مرتبہ میں شرط ہے۔

---

(۱) اور مصنف علامؒ کے اس تحقیقی جواب باصواب کی تائید مزید شاعر کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے کہ الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا۔غواص کو موتی کی ضرورت ہے نہ صدف کی)

حضرت امام جواد علیہ السلام کا قول مبارک

" دعاء ہ اللہ عزوجل من حیث لا یلحن " بھی نحو کے قواعد اور نحویوں کی مدح میں صادر ہوا ہے نہ یہ کہ شرط دعا کے طور پر صادر ہوا ہے۔ اور اس مدح کو اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ اگر دعا لحن اور لفظی غلطی سے پاک ہو تو اپنے معنیٰ میں واضح اور ظاہر ہوتی ہے اور اس صورت میں دعا کے الفاظ کسی تأویل وغیرہ کے محتاج نہیں ہوتے اور یہ واضح ہے جو الفاظ اپنے معانی پر واضح طور پر دلالت کرتے ہوں وہ ان الفاظ سے افضل ہیں جو تأویلات کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حقیقت مجاز سے اولیٰ ہوتی ہے اور واضح بیان اور صاف مراد والی کلام کسی مجمل اور غیر واضح کلام سے اچھی اور افضل ہوتی ہے۔(۱)

اور اسی طرح جو دعا غلطی سے پاک ہو وہ فصیح ہوتی ہے اور فصاحت دعا میں مراد ہوتی ہے خصوصا جب دعا آئمہ علیہم السلام سے منقول ہو تو ایسی صورت میں فصاحت کی حفاظت اور اس کا لحاظ رکھنا اور مہم ہوتا ہے کیونکہ اس میں جس سے دعا منقول ہوئی ہے اس کی فصاحت و بلاغت کا اظہار اور فضیلت وعظمت کا بیان کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔

اور دعا کا اعرابی غلطی سے پاک ہونے کی صورت میں دعا سننے والے کو نفرت اور اس کی طبیعت مضمحل نہیں ہوتی۔ خصوصا اگر کوئی نحوی غلط عبارت سن رہا ہو تو اسے کافی اذیت اور نفرت ہوتی ہے۔(۲)

---

(۱) بسا اوقات بلاغت اس کے برعکس کا تقاضا کرتی ہے تو یہ افضلیت فی الجملہ ہے یعنی مقتضائے مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے کلام میں مجازی الفاظ کو استعمال کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح واضح کلام کی بجائے مجمل گفتگو کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اصل کے طور پر یہ صحیح ہے کہ حقیقت اور واضح کلام مجاز اور مجمل وغیرہ سے بہتر ہوتی ہے۔)

(۲) جیسا کہ ایک شاعر کی مجلس میں شاعر اشعار کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہو تو اسے اذیت ہوتی ہے۔ اور یہ ایک مشا

ھداتی امر ہے کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے)

قصہ نحوی

ایک اعمش نامی نحوی کے بارے کہا جاتا ہے کہ اس نے کسی شخص کو سلام کرتے سنا تو پوچھا کون کلام کر رہا ہے مجھے اس کی غلط کلام سے اذیت ہو رہی ہے۔

اور اسی طرح ایک اور شخص کے بارے میں ملتا ہے کہ اس نے کسی شخص سے پوچھا کہ آیا آپ اپنے کپڑے بیچتے ہو؟ تو اس نے جواب میں کہا (لا عافاک اللہ) یعنی:۔نہیں بیچتا اللہ آپ کو عافیت و خیریت میں رکھے یہ اس کا اصل مقصد تھا لیکن ظاہری عبارت میں غلطی ہونے کی وجہ سے معنیٰ یوں سمجھے جاتے ہیں کہ گویا اس نے اسے کہا ہے کہ'' اللہ آپ کو عافیت وخیریت نہ دے تو ایسا جواب سن کر اس شخص نے کہا کہ اس طرح عبارت کو کہو '' لا وعافاك الله '' یعنی:۔ میں نے کپڑے نہیں بیچنے اور خدا آپ کو عافیت دے ۔تو معلوم یہ ہوا کہ ایسی صورت میں حرف (واو) کے ذکر نہ کرنے سے اس کی کلام میں غلطی اور لحن تھی جس سے معنیٰ میں خرابی اور گڑ بڑ ہو جاتی تھی اور سننے والے کو ایسی کلام سے نفرت ہوتی ہے اسی طرح ایک اور جگہ میں ملتا ہے کہ جب کسی کو اس کے سوال کے جواب میں اسے دعا یوں الفاظ میں دی ''لاو اطال الله بقاك'' تو دوسرے شخص نے اس عبارت پر اسے داد تحسین دی اور کہا کہ (واو) کے ذکر کرنے کا یہ بہترین مقام ہے اور اگر ذکر نہ کرتا تو معنیٰ میں خرابی ہو جاتی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور امام علیہ السلام کا فرمان کہ ''ان الدعاء الملحون لا یصعد الی الله ''یعنی:۔ غلطی پر مشتمل دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں جاتی۔

اس حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو اس غلط معنیٰ والی دعا پر عوض نہیں دیا جاتا بلکہ عوض اور استجابت دعا اس کے اصل مقصد اور اس کی دعا سے مراد حقیقی پر خالق کائنات دیتا ہے ۔اور اس معنیٰ مذکور کی تائید محمد بن یعقوب سے مروی روایت جو اس نے علی بن ابراہیم اور اس نے اپنے باپ اور اس نے النوفلی اور سکونی کے واسطے سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے راوی ابن یعقوب کہتا ہے کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''ان الرجل الاعجمی من امتی لیقرأ القرآن بعجمته فترفعه الملائکة علی عربیته'' یعنی:۔ میری امت میں سے عجمی شخص جب قرآن پڑھتا ہے تو اس کی اس قرائت قرآن کو ملائکہ صحیح عربی کے ساتھ خالق کے ہاں پیش کرتے ہیں۔

اور اسی طرح ہم اہلبیت علیہم السلام کی بیان کردہ ادعیہ میں ایسے الفاظ کا ملاحظہ کرتے ہیں جن کے معانی ہم نہیں جانتے ہیں جبکہ ان میں ایسے اسماء اور اغراض و حاجات اور فوائد وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔اور ان کے واسطہ سے خالق کائنات سے حاجات اور دعا کو طلب بھی کرتے ہیں مگر ان کے تمام معانی سے حقیقی طور پر عارف نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہتا کہ اس قسم کی ادعیہ اگر اعراب نحوی سے خالی ہوں اور صحیح اعراب نہ ہوں تو یہ ادعیہ مبارکہ رد ہو جائیں گی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی انسان کو اس کے قصد کے مطابق عوض اور جزا دیتا ہے اور جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " الاعمال بالنیات " یعنی:۔اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی نیت کو مدنظر رکھ کر ثواب دیتا ہے۔

اور اسی طرح رسول خدا کا ایک اور فرمان

" نیة المؤمن خیر من عمله " یعنی:۔مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

یہ ہمارے بیان کردہ مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ خالق کی طرف سے جزاء اور عوض دعا مانگنے والے کی نیت پر موقوف ہوتا ہے۔اور اگر عمل ظاہری پر عوض واقع ہوتا تو دعا مانگنے والے کو نفع کے بجائے دعا سے ضرر ہوتا اور وہ ہلاک ہو جاتا اور اس مضمون سابق پر اور جو معنیٰ دعا میں غلطی کرنے کے بارے میں ہم نے بیان کیا ہے اس کے ضمن میں معصومین علیہم السلام سے اسی طرح کافی فرامین موجود ہیں۔اس پر رسول خدا کے سابقہ فرامین کی طرح رسول خدا کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ

" قال (ع) ان سین بلال عند الله شین " یعنی:۔بلال کی سین اللہ کے ہاں شین ہے چونکہ حضرت بلال نے اذان میں اشهدان......الخ کہتے ہوئے وقت نیت اور قصد (ش) کا کیا تھا نہ کہ (س) کا اور عوض اور اجر ہمیشہ قصد پر ہوتا ہے۔

بلال کی فضیلت

امیر المؤمنین کی کلام سے ایک مرتبہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر کہتا ہے کہ اے امیر المؤمنین علیہ السلام بلال آج کسی شخص سے مناظرہ کر رہا تھا اور وہ اپنی کلام (زبان میں لکنت کی وجہ سے) غلطی کرتا تھا تو دوسرا شخص جو اس کے مقابلہ میں تھا بلال کا مزاق اڑا رہا تھا اور اس پر ہنس رہا تھا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا یا عبد اللہ " انما یراد اعراب الکلام و تقویمه لیقوم الاعمال ویهذبها ما ینفع فلانا اعرابه و تقویمه لکلامه اذا کانت افعاله ملحونة اقبح لحن ما ذا یضر بلالا لحنه فی کلامه اذا کانت افعاله مقومة احسن تقویم و مهذبة احسن تهذیب "

کلام کو غلطیوں سے پاک بیان کرنا اور اسے صحیح ارکان کے ساتھ بولنے سے غرض انسان کا اپنے اعمال کو غلطیوں سے پاک کرنا ہے۔اور اس شخص کی اچھی کلام اور قوائد نحو یہ پر مشتمل کلام اسے کوئی منفعت نہیں دے سکتی جب تک افعال میں قباحت ہو اور بلال کو اس کی کلام میں (بوجہ لکنت) ظاہری غلطیاں نقصان نہیں دے سکتیں کیونکہ اس کے افعال اور اس کی سیرت قباحت اور غلطیوں سے پاک ہے۔

مذکورہ حدیث مبارک سے یہ ثابت ہوگیا کہ خطا اور غلطی کبھی عمل میں ہوتی ہے جیسے کلام میں ہوتی ہے۔لیکن اعمال میں ہونے والی غلطیاں کلام میں ہونے والی غلطیوں سے زیادہ موجب ضرر اور نقصان دہ ہے۔

دوسری روایت کا حل

دوسری روایت جو لحن اور دعا میں غلطی کے بارے ظاہراً دلالت کرتی ہے اس سے حقیقت میں مراد یہ ہے کہ امام فرماتے ہیں کہ ہمارے کلام کو اعراب نحوی کے ساتھ نقل کرو تا کہ لوگوں کو اس سے احکام شرعیہ کے سمجھنے میں کہیں اشتباہ نہ ہو جائے۔اس قسم کی ملتی جلتی بہت زیادہ روایات پائی جاتی ہیں قال الرسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم (نضر الله عبداً سمع مقالتی فوعاها واداها کما سمعها فرب حامل علم لیس بفقیه)اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں اس عبد کو وافر عطا کرتا ہے جو میرے قول کو سن کر اچھی طرح سمجھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔اور بہت سارے ایسے حاملین علم ہوتے ہیں جو اچھی طرح بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ملتا ہوا حضرت امام صادق علیہ السلام کا یہ فرمان ہے (اذا رویتم عنا فاعربوا)اگر ہم سے کوئی روایت کرو تو اعراب بیان کرو۔کیونکہ تھوڑی سی اعرابی تبدیلی اور نحوی تغیرات سے اس حدیث اور کلام معصومین علیہ السلام سے حاصل ہونے والا حکم شرعی متغیر ہو جاتا ہے۔جیسا کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ ہم ناقہ اور گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہوئے اس کے پیٹ سے اس کے بچے کو پائیں ایسی صورت میں اس بچہ کا کیا حکم ہے آیا اسے پھینک دیں کیونکہ مر گیا ہے اور حرام ہے یا اسے کھائیں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا(کلوه ان شئتم فان ذكاة الجنين ذكاة امه) بعض لوگوں نے اس حدیث کو دوسرے (ذکاۃ) کو رفع (پیش) کے ساتھ نقل کیا ہے تو اس صورت میں حدیث کا معنیٰ یوں ہوگا اس بچہ کی ماں کو ذبح کرنے سے بچہ کا کھانا حلال ہو جاتا ہے اور وہی ماں کا ذبح اس کے بچے کا ذبح سمجھا جاتا ہے اور ماں کا ذبح کرنا بچہ کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے۔اور بعض لوگوں نے دوسرے لفظ (ذکاۃ) کو نصب (زبر) کے ساتھ نقل کیا ہے۔تو ایسی صورت میں حدیث کا معنیٰ پہلے معنیٰ سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔اور مراد یوں ہوگی کہ گائے بکری وغیرہ

کے بچہ کو بھی اسی طرح ذبح کرو جیسے ماں کو کیا ہے۔اور اس کی ماں کے ذبح کرنے سے بچہ حلال نہیں ہو سکتا۔دوسری حدیث جو ظاہری طور پر دعا میں غلطی پر دلالت کرتی ہے حقیقت میں وہ احکام شرعیہ کے بارے میں ہے۔ جسے ہم نے تفصیلاً ذکر کر دیا ہے فافھم (اور اس کو بخوبی سمجھنا کیونکہ یہ بہت دقیق اور گہرے علمی مطالب اور فہم سے مربوط ہے)

اعتراض اور جواب

اگر کوئی معترض یوں اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تقاضہ حکمت کے ساتھ افعال سرانجام دیتا ہے اور وہ جو بھی کرتا ہے حکمت اور مصلحت کے مطابق اور موافق ہوتا ہے وہ ایسی ذات ہے جسکی حکمتوں کو کسی قسم کے وسائل ظاہری تبدیل نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں جو مصلحت اور حکمت کے منافی ہو اور حکمت و مصلحت خداوندی اس کا تقاضہ نہ کرے تو خداوند ذوالجلال اسے متحقق نہیں کرتا۔اور اس کے برعکس جس امر کا حکمت خداوندی اور مصلحت ایزدی تقاضہ کرے تو وہ اسے متحقق کرتا ہے چاہے بندہ خدا سے طلب کرے یا نہ کرے کیونکہ اگر خدا بجا نہ لائے گا تو مخالفت حکمت لازم آئیگی۔لہٰذا ایسی صورت میں دعا کا کیا فائدہ ہے؟اور چہ معنیٰ دارید؟

الجواب: اس اشکال مذکور کا جواب کئی وجوہ اور طریقوں سے دیا جا سکتا ہے

الاول: ممکن ہے جس امر کو خدا نے انسان کیلئے واقع کیا ہے وہ انسان کی دعا مانگنے کی وجہ سے حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوا ہو اور دعا میں کسی وجہ سے مصلحت پیدا ہوئی ہو۔اور نتیجہ میں خداوند کریم نے اسے انسان کیلئے متحقق کیا ہو اور عین ممکن ہے کہ دعا سے پہلے اس میں مصلحت نہ ہو۔اور اسی معنیٰ کی طرف حضرت امام جعفر صادقؑ نے میسر بن عبدالعزیز کو اپنے قول میں اشارہ فرمایا ہے اور تنبیہ کرتے ہوئے اسے فرماتے ہیں کہ (**یا میسر ادع ولا تقل ان الامر قدفرغ منه ان عند الله منزلةلاتنال الابمسالته و لو ان عبدا سدفاه و لم یسال لم یعط شیأفسل تعط یا میسر انه لیس من باب یقرع الا یوشك ان یفتح لصاحبه**)

اے میسر اللہ سے دعا مانگ اور یہ نہ کہہ کہ یہ امر اب ہو گیا ہے۔کیونکہ اللہ کے ہاں ایک ایسی منزلت ہوتی ہے جس کو انسان حاصل نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اللہ سے دعا مانگے اور اگر انسان نے دعا نہ مانگی اور اپنی زبان کو بند کر دیا تو اسے کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ پس اے میسر اللہ سے دعا مانگ تا کہ تجھے عطاء کیا جائے۔اے میسر کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹائے اور اس کے لیے دروازہ کوئی نہ کھولے یعنی کوشش کرنے والا اپنی مراد کو پا ہی لیتا ہے اور اسی طرح ایک اور مقام پر عمرو بن جمیع نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ (**من لم یسئل الله عزوجل من فضله افتقر** جو شخص

اللہ تبارک وتعالی کے فضل وکرم کا متمنی نہیں ہوتا وہ لوگوں کا محتاج ہو جاتا ہے۔حضرت امام علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ (ما کان اللہ لیفتح باب الدعاو یغلق عنه باب الاجابة) ایسا نہیں ہوسکتا کہ خالق کائنات دعا ومناجات کے باب کو تو کھولے اور استجابت کے دروازہ کو بند کردے۔حضرت امام علیؑ اور ایک جگہ پر فرماتے ہیں (من اعطی الدعا لم یحرم الاجابة) جس ے خدا نے دعا اور خدا کو پکارنے کا شرف عطا کیا ہے اسے دعا کے قبول ہونے سے محروم نہیں رکھا

الثانی:۔دوسرا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ دعا بذات خود ایک عبادت ہے اللہ کے بندے خالق کائنات سے دعا مانگ کر جہاں اس کی عبادت کرتے ہیں وہاں خالق کی طرف اپنی احتیاج اور اپنی عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ ایک ایسا امر ہے جو خالق کائنات کی طرف سے مرغوب اور اسکے بندوں سے مطلوب ہے .کیونکہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ (وماخلقت الجن و الانس الا لیعبدون) عبادت لغت میں تواضع اور عاجزی وانکساری ہے اور اصطلاح علماء میں وہ امر ہے جس سے سب سے زیادہ معبود کیلئے خشوع اور خضوع وانکساری ہو اور اسی طرح دوسرے جواب کی تائید رسول خداؐ کے فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ (الدعا منح العبادة) دعا عبادت کا مغز ہے حضرت عیسیٰؑ کو جب خدا نے وعظ فرمایا تو اُن کلمات مبارکہ سے بھی اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے جس کو ہم نے اوپر ذکر کردیا ہے کہ دعا ایک تواضع اور خدا کے سامنے ذلت کا مظہر ہے اور خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو یوں وعظ فرمایا (یاعیسیٰؑ اذل لی قلبك واکثر ذکری فی الخلوات واعلم انسروری ان تبصبص الی و کن فی ذالك حیا ولاتکن میتا)

اے عیسیٰؑ میرے لیے اپنے دل کو متواضع کرو اور تنہائی میں میرا ذکر بہت زیادہ کیا کرو اے عیسیٰؑ جان لو میرے لیے اس وقت سرور ہوگا جب تم بیم ورجاء کے ساتھ میرے قریب آؤ گے اور اس میں تیرے لیے حیات وزندگی جاودانی ہے۔

الثالث: تیسرا جواب اس روایت سے سمجھا جاتا ہے کہ (ان دعا المومن یضاف الی عمله یثاب علیه فی الآخرة کما یثاب علی عمله) مومن کی مانگی ہوئی دعا کو اس کے اعمال حسنہ میں شمار کرکے قیامت کے دن جہاں اس کے دیگر اعمال کی جزاء دی جائے گی وہاں اسے اس دعا پر بھی ثواب عطا ہوگا۔

الرابع: دعا کے صدقہ اگر قبولیت دعا میں مصلحت ہو اور مصلحت بھی جلدی کا تقاضا کرے تو دعا کو جلد مستجاب کردیا جاتا ہے اور اگر حکمت ومصلحت اس دعا کی تاخیر کا تقاضا کرتی ہو تو اس کو مؤخر کردیا جاتا ہے۔لیکن دعا سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مقصود ومطلوب حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ جب تک اس حاجت میں مصلحت نہیں تھی اس وقت تک اس پر صبر کرنے پر دعا کرنیوالے کے اجر میں اضافہ کردیا جاتا ہے اور اجابت دعا میں دعا کرنیوالے کیلئے ضرر ونقصان کی صورت میں اس دعا

کے عوض ثواب ملتا ہے اور اس سے اس قسم کی دیگر برائیوں وضرردہ امور کو خدا دور کر دیتا ہے۔

اور اس جملہ پر ابو سعید خدری کی وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے اس نے رسول خدا سے نقل کیا قال رسول اللہؐ

ما من مسلم دعا الله سبحانه و تعالى دعوة ليس فيها قطيعة رحم لا اثم الا اعطاه الله بها احدى خصال ثلاث اما ان تعجل دعو ته و اما ان تد خر له و اما ان تد فع عنه من السو ء مثلها) (۱)

راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی بھی ایسا دعا مانگنے والا نہیں ہے جس نے خدا سے دعا مانگی ہو اور یہ دعا قطع رحم یا کسی اور گناہ پر مشتمل نہ ہو مگر یہ کہ خالق کائنات اسے تین نعمتوں میں سے ایک نعمت عطا کرتا ہے

۱۔: اس کی دعا کی اجابت میں جلدی کرتا ہے

۲۔: یا اسکی مطلوبہ دعا کو قیامت کے دن کے لیے خزانہ کر لیتا ہے اور آخرت میں اسے عطا کرتا ہے۔

۳۔: یا یہ کہ اس سے برائی کو دور کر لیتا ہے تو پھر یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اذاً نکثر تو پھر ہم دعاؤں میں اضافہ کر دیں۔

قال: (اللہ تعالیٰ اکثر) خالق بھی اپنی عطاء میں اضافہ کر دے گا ایک اور راوی انس ابن مالک نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے پھر تین بار کہا (اللہ تعالیٰ اکثر واطیب) اور یہ کثرت عطاء الٰہی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا **(ربما اخرت عن العبد اجابة الدعا ليكون اعظم الاجر السائل و اجزل لعطاء ا لآمل)**

بسا اوقات استجابت دعا کو موخر کرنے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے کے اجر میں اضافہ اور اس کے اجر کو عظیم کیا جائے اور امید والے کی امید کو بڑی عطا کے ساتھ پورا کیا جائے

الخامس۔: بسا اوقات دعا کی اجابت اور قبولیت کی تاخیر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دعا کی قبولیت کو موخر کر کے عبد کی منفعت اور صلاح اور بھلائی میں اللہ تعالیٰ اضافہ چاہتا ہے اور خالق اپنے ہاں اس عبد کے رتبہ اور مقام کو بلند کرنا چاہتا ہے اور کیونکہ

(۱) قطع رحمی: اس حدیث مبارک میں رسول خدا نے قطع رحمی کو علیحدہ اور مستقل ذکر کیا ہے اور باقی گناہوں کو فقط (اثم) کیساتھ اجمالی طور پر ذکر کر دیا ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ کہ قطع رحمی بہت بڑی برائی اور جرم ہے اس لیے اس کو منفرد ذکر کر کے اس کے بڑے گناہ ہونے اور جرم پر تنبیہ کرنا مقصود تھا۔ واللہ اعلم

اس بندہ کی آواز خالق کو بہت پسند ہے اور وہ دعا کی قبولیت میں تاخیر کر کے بار بار اس کی آواز کو سننا چاہتا ہے اسی مضمون اور معنی پر جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہؐ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ قال النبیؐ (ان العبد لیدعو اللّٰہ **وھو یحبہ فیقول لجبرئیل اقض لعبدی ھذا حاجتہ و اخرھا فانی احب ان لاازال اسمع صوتہ وان العبدلیدعو اللہ وھو یبقضۃ فیقول یا جبرائیل اقض لعبدی ھذا حاجاتہ و عجلھافانی أکرہ ان اسمع صوتہ۔**

رسول خداؐ فرماتے ہیں جب اللہ کا محبوب بندہ دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالی جبرائیل کو حکم دیتا ہے اے جبرائیل میرے اس بندے کی حاجت کو پورا کر دے لیکن تھوڑی سی تاخیر کرنا کیونکہ اس کی آواز کو میں بار بار سننا پسند کرتا ہوں اور جب اللہ کا مبغوض اور وہ شخص جس سے خالق ناراض ہو دعا مانگتا ہے تو خالق جبرئیل کو اس کی دعا کو جلد قبول کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ میں اس کی بار بار آواز کو سننا پسند نہیں کرتا ہوں

تنبیہ۔: جب ہم خالق سے دعا مانگتے ہیں تو یہ دعا دو حال سے خالی نہیں ہوتی یا تو اجابت دعا اور قبولیت کے آثار دکھائی دیتے ہیں یا قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے تو اگر قبولیت کے آثار نظر آنے لگیں تو تھوڑا سا توقف کر لینا چاہیے اور خود پسندی کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور اس گمان اور وہم میں نہ پڑنا کہ آپ کی دعا مستجاب ہوئی ہے کیونکہ اچھے آدمی کا نفس پاک و طاہر ہوتا ہے لیکن ممکن ہے آپ کی آواز ان افراد میں سے ہو جن کی آواز کو خدا بار بار سننا پسند نہیں کرتا۔لہذا جلد اس دعا کو قبول کر کے اس کو خاموش کر دیتا ہے اور خدا کی طرف سے آپ کی دعا کا قبول ہونا قیامت کے دن آپ پر حجت ہو گی اور بروز قیامت اس جلد قبولیت دعا کے ساتھ آپ کے اچھے نہ ہونے پر دلیل قائم کرے گا اور فرمائے گا کہ چونکہ آپ میرے نزدیک مبغوض اور غیر محبوب تھے اس لیے جب آپ نے مجھ سے دعا کی تو میں نے آپ سے منہ موڑنے کیلئے آپ کی دعا کو قبول کر لیا تا کہ پھر دوبارہ آپ اور میرے درمیان کلام نہ ہو اور میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے گویا جلد قبولیت دعا اس لیے نہیں تھا کہ تو اس بات کا مستحق تھا کہ تجھ سے منہ موڑا جائے تو ایسی حالت میں جلد دعا کے قبول ہونے سے اسے غرور اور اپنے متقی و نیک ہونے کا خالی تصور نہیں کرنا چاہیے بلکہ ضروری ہے کہ تجھے خالق ایزدی کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ میں اضافہ کرنا چاہیے اور جس امر میں خالق اسے اپنی الطافات کشادہ کہ جس کی وہ دعا مانگنے والا امید رکھتا تھا اور مہربانیوں کے ساتھ نیکی اور احسان کیا ہے اس میں خالق کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اسے اپنے آپ کو اس کا اہل بنانا

چاہیے اور تجھے خالق سے دعا مانگنا چاہیے کہ خدا اس امر کو کہ جسکی قبولیت میں جلدی کی ہے۔تیرے لیے باب رحمت قرار دے اور اس تعجیل قبولیت کہ جس کا تو اہل نہیں تھا اگر چہ خالق کائنات اس کا اہل اور سزاوار تھا پر خدا سے توفیق شکر کی دعا کرنی چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خالق ایزدی سے قبولیت دعا میں جلدی اس کی طرف سے استدراج نہ ہو(۱) تو دعا کے قبول ہونے کی صورت میں آپ کو دو کام کرنے چاہئیں

۱۔: ایک خالق کی کثرت کے ساتھ حمد کرنی چاہیے کیونکہ اگر یہ قبولیت دعا اسکی رحمت کی وجہ سے ہے تو اس نعمت اور احسان کے مقابلے میں حمد ہوگی۔

۲۔:اور دوسرا کام کہ انسان کو اس صورت میں خالق سے استغفار کرنا چاہیے کیونکہ اگر یہ قبولیت دعا کا سبب اس کی ناراضگی اور استدراج ہے تو پھر اس استغفار سے ہی رضا الٰہی حاصل ہوسکتی ہے ۔اگر قبولیت دعا کے آثار دکھائی نہ دیں تو خالق کی قدرت اور رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی امیدوں کو اس کے کرم اور رحمت کے بارے میں کشادہ کرنا چاہیے کبھی کبھار استجابت دعا میں تاخیر اس لیے ہو جاتی ہے کہ خالق کائنات عبد کی دعا اور اسکی آواز کو بار بار سننا پسند کرتا ہے لہذا اے بندہ خدا تجھے اپنے سوال میں اصرار کرتے رہنا چاہیے اور مایوسی وغیرہ سے دو چار نہیں ہونا چاہیے اور یہ دعا پر اصرار چند امور کی وجہ سے ہے۔

اولا۔:دعا پر اصرار کرنے والے کے لیے امامؑ نے دعا کی ہے تو دعا امام میں اپنا حصہ لینے کے لیے دعا پر اصرار کریں کیونکہ امام فرماتے ہیں کہ

(رحم الله عبدا طلب من الله شئیا فالح علیه)

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر رحم فرمائے جو اللہ سے کوئی چیز طلب کرے اور پھر اس پر اصرار کرے۔

ثانیا۔:دعا پر اصرار کرو تا کہ تجھے بھی محبت الٰہی شامل ہو کیونکہ دعا کو قبول ہونے سے خالق کائنات دیر بسا اوقات اس لیے کر دیتا ہے کہ وہ بار بار اپنے عبد کی اواز کو پسند کرتا ہے لہذا بنا برایں دعا کی تاخیر کی صورت میں آپ کو مایوسی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

---

(۱)استدراج۔: اسے کہتے ہیں کہ جب بھی عبد کوئی غلطی اور خطاء کرے اس کے مقابلے میں خالق اپنی ایک نعمت کا اضافہ کر کے اسے طلب و مغفرت گناہ پر پردہ ڈال کر بھلوا دیتا ہے اور پھر وہ اسے چھوٹا سمجھ کر خالق کے پاس نہیں آتا اور اسی

طرح گناہ پر گناہ کر کے نامہ حیات کو سیاہ کر دیتا ہے اعاذنا الله و ایاکم)

ثالثاً:دعا کی قبولیت نہ ہونے کی صورت میں ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خالق کائنات کو یہ امر عبد سے مطلوب ہے کہ وہ بار بار دعا مانگے تا کہ اس کی حاجت برآوری میں جلدی کی جائے جیسا کہ بعض روایات سے یہی معنی ملتا ہے اور اپنے نفس امارہ اور خواہشات کو خوف خدا کے ساتھ کنٹرول کرے اور یوں کہے میری دعا اس لیے مستجاب نہیں ہوئی کیونکہ موانع قبولیت موجود ہیں اور یوں انسان کہے کہ دعا کی قبولیت کے موانع میرے کثیر گناہ اور دوسروں پر ظلم و تعدی ہے جسکی وجہ سے ملائکہ میرے اعمال کو مقام قبولیت تک نہیں لے جاتے دل کے سخت وسیاہ اور جاہلانہ نظام قبائیلی اور معاشرے کی بے جا قیودات پر عمل داری اور خالق کائنات کی رحمت واسعہ پر سوء ظن جیسے تمام امور دعا کی قبولیت میں مانع شمار ہوتے ہیں اور ان کا تفصیلی ذکر عنقریب آئے گا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ دعا کرنیوالا اس کمال اور مطلوب کا اہل نہ ہو اس لیئے دعا نہ قبول ہوئی ہو پس ان تمام صورتوں میں انسان کو خالق ایزدی سے ہمیشہ خوف کرتے ہوے ہمیشہ اپنے آپ کو تاہی اور تقصیر کے مقام پر رکھے کیونکہ انسان کا مقام خالق کے مقابلے میں پست اور عبودیت کا مقام ہے اور یہ بہت عظیم مرتبہ ہے جسے گناہوں کی وجہ سے کھو بیٹھا ہے۔اور خالق سے دور ہو گیا ہے اور اپنے اعمال نے انسان کو لاغر اور لاچار بنا دیا ہے اور ترقی کی منازل پر فائز ہونے کے لیے خواہشات نفسانیاں اور غلط نظام قبائلی جو کہ اسلام سے کوسوں دور ہے پر عمل کرنے نے روک دیا ہے۔

تو ایسی حالت میں اے بندہ خدا تجھے اپنے مولا و آقا سے دوری اور اپنے سوء اعمال کی وجہ سے لاچاری اور مومنین بھائیوں سے منفرد اور گمراہیوں کے کنوئیں میں رہنے پر راضی نہیں ہونا چاہیے اور مایوسیوں کے تھپیڑوں کا شکار ہو کر اپنے خالق و مالک حقیقی سے آہ و بکاء اور استغاثہ کرنے سے بخل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس رب سے اپنی ہدایت اور ثابت قدمی کے لیے طلب گار رہنا ہوگا کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی کامیاب فرصت کو پا کر انسان کا دائمی دشمن شیطان ملعون تجھے اپنے دائرہ نجس میں نہ گھیرے اور پھر شکاری کی طرح تجھے اپنا شکار نہ بنائے تو پھر کبھی بھی اس ملعون کے پنجوں سے نجات نہیں مل سکتی اور پھر اشقیا کے ساتھ منسلک ہو جائے گا بلکہ تجھے اپنے رب سے کثرت کے ساتھ آہ و زاری کرتے ہوئے رحمت الہٰی کے دروازے کو بار بار کھٹکھٹانا چاہیے قبل اس کے کہ تو شیطان ملعون کا شکار ہو جائے اور یہ امید کرتے ہوے کہ خدا ان موانع قبولیت دعا کو اٹھائے تو عاجزی و انکساری کے ساتھ تنہائی میں ان الفاظ کے ساتھ اپنے مالک حقیقی کے سامنے دعا کر (اے میرے اللہ جسے میں نے تیرے کرم اور تیری سخاوت کو مدنظر رکھ کر طلب کیا ہے اگر یہ طلب میرے دین کی بہتری اور صلاح

میں نہیں ہے اور مصلحت اور حکمت اس کے قبول نہ ہونے میں ہے تو الہی مجھے اپنی اس قضاء اور فیصلے پر راضی ہونے کی قوت عطاء فرما اور میرے نصیب و مقدر کو میرے لیے مبارک کرتا کہ جسے تو متاخر کرے اسکی جلدی میں مجھے خواہش نہ ہو اور مصلحت وحکمت پر مبنی تیرے تاخیر کردہ عمل کی جلدی کا متمنی نہ ہوں الہی جو کچھ مجھ پر تیری طرف سے انعام ہو اس پر مطمئن اور راضی کردے اور جسے تو پسند کرتا ہے اسے سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب قرار دے یا الٰہی اگر تیرا مجھ سے رخ پھیرنا اور دعا کو قبول ہونے سے منع فرمانا گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے تو میں تیرے دربار میں تیرے رب ہونے کا وسیلہ دیتا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے اور انکی آل اطہار کے سردار ہونے کو وسیلہ بنا کر اپنی مغفرت اور قبولیت دعا کو طلب کرتا ہوں اور الہی آپ کا مجھ سے بے نیاز ہونا اور میرا تیری طرف محتاج ہونے کا واسطہ دیتا ہوں اور بندہ اگر اپنے مولا وآقا سے سوال نہ کرے تو اسے چھوڑ کر کہاں جائے الہی تیرے دروازے کے علاوہ کوئی اور دروازہ قبولیت دعا کا نہیں ہے پس تو ہی رحم فرما اور دعا کو منع کرنا تیرے خزانوں میں اضافہ نہیں کر سکتا اور عطا کرنے سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی)۔اس طرح دعا مانگنے کے بعد انسان کو اس دعا کو پڑھنا چاہیے جسے امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہے اور ساتھ اس دعا کے کلمات پر غور وفکر کرے جو مایوسی کو ختم کر کے امید کی بساط کے وسیع ہونے پر متضمن ہے۔

(الهي و عزتك و جلالك لو قرنتني في الاصفاد و منعتني سيبك من بين الاشهاد و دللت على فضائحي عيون العباد و امرت بي الى النار و حلت بيني و بين الابرار ما قطعت رجائي منك و لا صرفت تأميلي للعفو عنك و لا خرج حبك عن قلبي انا لا انسى اياديك عندي و سترك علي في دار الدنيا و حسن صنيعك الي)۔

اے میرے مولا وآقا تجھے تیری عزت وجلالت کی قسم اگر تو نے مجھے زنجیروں کے ساتھ قید بھی کر دیا اور مجھ سے اپنی عطا کو روک بھی لیا اور اگر لوگوں پر میری برائیوں اور عیبوں کو ظاہر بھی کر دیا اور تو نے مجھے جہنم میں بھیجنے کا حکم بھی صادر فرما دیا اور مجھے نیک بندوں سے نکال بھی دیا تو پھر بھی میری امید تجھ سے ختم نہیں ہوگی اور تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی کی امنگوں اور امیدوں کو نہیں موڑوں گا اور تیری محبت میرے دل سے نہیں نکلے گی میں کبھی بھی تیری کشادہ رحمت وکرم جو مجھ پر ہے اس کو نہیں بھولوں گا اور دنیا میں جو تو نے میرے گناہوں کو لوگوں سے مخفی رکھا اور مجھ پر تیری طرف سے جو احسانات ہیں انہیں فراموش نہیں کروں گا، اس قسم کی دیگر آئمہ علیہم الصلوۃ والسلام سے مروی ادعیہ کے ذریعے خدا سے اپنی امید کو وسعت دے تا کہ خوف کی جانب زیادہ میلان کر کے مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہ ہو جائے۔

کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے گمراہ لوگوں کے اور کوئی ناامید اور مایوس نہیں ہوتا اور نہ ہی جانب امید کی طرف زیادہ

رجحان ہوتا کہ غرور اور دھوکہ نہ ہو جائے لہذا انسان کو خوف اور رجاء کے درمیان رہنا چاہیے اور یہی منزل نجات ہے۔
قال رسولؐ اللہ الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت و الاحمق و العاجز من اتبع نفسه هو اها و تمنی علی الله المغفرة
عقل مند وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کو پست سمجھ کر آخرت کے لیے عمل کرتا ہے جبکہ نادان اپنے نفس کو خواہشات نفسانیہ کی اتباع پر مجبور کرتا ہے اور پھر اللہ سے مغفرت کی امید رکھتا ہے اسی طرح کے مضمون کی ایک روایت آئمہؑ سے مروی ہے کہ
(و انما المومن کالطائر و له جناحان الرجاء و الخوف)
مومن پرندہ کی طرح ہے جیسے اس کے دو پر ہوتے ہیں (اسی طرح بلندی نجات پر اڑنے کیلئے) انسان کے بھی دو پر ہوتے ہیں ایک اللہ سے خوف اور دوسرا اس سے امید اور توقع رکھنا۔
حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے (نامان) کوفرمایا کہ (یا بنی لو شق جوف المومن لو جد علی قلبه سطران من نور لو وزنا لم یر جح احد هما علی الآخر مثقال حبة من خردل احدهما الرجاء و الآخر الخوف)
اے میرے بیٹے اگر مومن کے دل کو چاک کر کے دیکھا جائے تو اس پر نور کے دو خط ہوں گے اور دونوں کو وزن کرنے سے کسی ایک کو دوسرے پر خردل کے دانہ کے برابر بھی ترجیح نہیں ہوگی ان میں سے ایک خدا سے امید اور دوسرا خوف خدا ہے لیکن بعض روایات معصومینؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ حالت مرض میں خصوصا مرض الموت کے وقت انسان کا خدا سے امید کا پلڑا خوف سے زیادہ بھاری ہونا چاہیے۔
نصیحت:۔ اجابت دعائیں تاخیر ہونے کی صورت میں آپ کو قضاء الٰہی پر راضی ہونا چاہیے اور عدم قبولیت دعا کو خالق کی طرف سے بندے کے حق میں بھلائی تصور کرنا چاہیے اور انسان کو اس منزل پر پہنچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی بندہ کے حق میں کرتا ہے اس میں اس کیلئے بھلائی ہوتی ہے اپنے امور کو خدا کے سپرد کرنا چاہیے کیونکہ رسول خداؐ سے مروی ہے کہ:
(لا تسخطوا نعم الله و لا تقترحوا علی الله و اذا ابتلی احدکم فی رزقه و معیشته فلا یحدثن شیئا یسأله لعل فی ذالك حتفه و هلاكه و لكن لیقل اللهم بجاه محمد صلی الله علیه و آله وسلم و آله الطیبین ان كان ما كرهته من امری هذا خیرا لی و افضل فی دینی فصبرنی علیه و قونی علی احتماله ونشطنی للنهوض بثقله و ان كان خلاف ذالك خیراً لی فجد علی به و رضنی بقضائك علی كل حال فلك الحمد)

نعمات الہیہ کو غضب میں آ کر معمولی نہ سمجھو اور اللہ پر اپنی طرف سے بغیر کسی تامل کے کوئی ایسی چیز طلب نہ کرو جو تباہی اور ہلاکت کی موجب ہو اور اگر تم میں سے کوئی قلت رزق اور معاشی مسائل میں شکار ہو جائے تو کسی ایسی بات کو نہ کہنا اور سوال نہ کرنا جس میں تمہاری ہلاکت اور موت ہو بلکہ یوں کہنا خدایا بحق محمد و آل محمدؐ مجھے اس امر پر صبر کرنے کی توفیق دے جسے میں ناپسند کر رہا ہوں اگر یہ میرے لیے اچھا اور میرے دین کے اعتبار سے میرے لیئے افضل ہے تو مجھے اس بوجھ کو اٹھانے میں تقویت اور ہمت عطا کر اور اگر اسکے علاوہ کے امر میں میرے لیے اچھائی ہے تو اسے میرے لیے ایجاد فرما۔

بہرحال مجھے ہر صورت میں اپنی رضا اور قضا و قدر پر راضی رہنے کی توفیق دے اور تیری ہی حمد کرتا ہوں۔ اور اسی معنی مذکور سے ملتا جلتا امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے۔

(فیما اوحی اللہ الی موسی بن عمران یا موسی ماخلقت خلقا احب الی من عبدی المومن و انی انما ابتلیه لما هو خیر له و اعافیه لما هو خیر له و انا اعلم بما یصلح عبدی علیه فلیصبر علی بلائی و لیشکر نعمائی اثبته فی الصدیقین عندی اذا عمل برضائی و اطاع امری)

اللہ تعالیٰ نے موسی بن عمران کو وحی کرتے ہوئے فرمایا اے موسی میں نے اپنے مومن بندہ سے بڑھ کر زیادہ محبوب کسی کو خلق نہیں کیا اور میں مومن کو صرف ان امور میں مبتلا کرتا ہوں جسمیں اس کیلئے بھلائی ہے اور اسی طرح جسمیں اس کے لیئے صلاح ہوتی ہے اور اسمیں اسے راحت و عافیت بھی دیتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ کس چیز میں میرے بندے کیلئے بھلائی ہے لہذا اسے میری آزمائشوں پر صبر کرنے کے ساتھ ساتھ میری نعمتوں کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے تا کہ اسے میں اپنے دوستوں کی فہرست میں شمار کروں اور اسے میرے احکام کی اطاعت کرنی چاہیے اور میری رضاء کے مطابق حرکت کرنی چاہیے۔

حضرت امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ **(قال اللہ عزوجل من فوق عرشه یا عبادی اعبدونی فیما امرتکم به و لا تعلمونی بما یصلحکم فانی اعلم به و لا ابخل علیکم بمصالحکم)**

اللہ تعالیٰ اپنے عرش بریں سے اپنے بندوں کو پکار کر کہتا ہے کہ اے میرے بندو میرے احکام میں میری اطاعت کرو اور مجھے اس چیز کی تعلیم نہ دو کہ کونسا امر میرے بندوں کے لیے مفید ہے اور کونسا مفید نہیں ہے۔ بلکہ مجھے اس کا زیادہ علم ہے اور آپ کیلئے بہتر اور مفید امور کے عطاء کرنے میں بخل نہیں کرتا ہوں۔

رسول اسلامؐ سے مروی ہے کہ

(یا عباد الله انتم کا لمرضیٰ و رب العالمین کالطبیب و فصلاح المرضیٰ فیما یعلمه الطبیب و یدبره لا فیما یشتهیه المریض و یقترحة الا فسلموا الله امره تکونوا من الفائزین) اے اللہ کے بندو آپ مریضوں کی طرح ہیں اور خالق کائنات طبیب کی طرح ہے اور مریض کی بھلائی اور بہتری طبیب ہی اچھی طرح جانتا ہے اور اس کی بھلائی اسمیں نہیں ہوتی جسے مریض پسند کرتا ہے لہذا تم اپنے امور اللہ کے سپرد کرو تا کہ آپ کامیاب ہونے والوں میں سے ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ۔

(عجبت للمرء المسلم لا یقضی الله عزو جل له قضآء الا کان خیراً له و ان قرض بالمقاریض کان خیراً له و ان ملك مشارق الارض و مغاربها کان خیرا له)

مجھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد مسلم کی کوئی بھی حاجت پوری نہیں کرتا مگر یہ کہ اسمیں اس کیلئے بہتری ہوتی ہے چا ہے وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تب بھی اسمیں اسکی بہتری ہے یا خالق اسے مشرق و مغرب کی سلطنت و ملک عطا کرے تب بھی اسمیں اس کی بھلائی اور بہتری ہے۔

نبی کرمؐ سے مروی ہے کہ۔

(یقول الله سبحانه لیحذر عبدی الذی لیستبطئ رزقی ان اغضب فا فتح علیه باباً من ا لدنیا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو انسان میری عطا و رزق کو آہستہ سمجھتا ہے اسے میرے اس غضب سے ڈرنا چاہیے جس کے نتیجہ میں اس پر ابواب دنیا کھول دوں گا اور وہ اس شدید امتحان میں مبتلا ہو جائے گا

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ

" من انقطع الیّ کفیته و من سألنی اعطیته و من دعانی اجبته و انما أوخر دعوته و هی معلقة و قد استجبتها له حتی یتم قضائی فاذا تم قضائی أنفذت ماسئل

قل للمظلوم انما اؤخر دعوتك وقد استجبتها لك علی من ظلمك لضروب کثیرة غابت عنك و انا احکم الحاکمین اما ان تکون قد ظلمت رجلا فدعا علیك فتکون هذه بهذه لالك و لا علیك ۔ واما ان تکون لك درجة فی الجنة لا تبلغها عندی الا بظلمه لك لانی اختبر عبادی فی

اموالهم و انفسهم ولربما أمرضت العبد فقلت صلاته و خدمته و لصوته اذا دعانی فی کربته احب الی من صلاة المصلين ولربما صلى العبد فأضرب بها وجهه وأحجب عنی صوته أتدری من ذالك يا داؤد ؟ذالك الذی يكثر الالتفات الى حرم المؤمنين بعين الفسق وذالك الذی حدثته نفسه لو ولیٰ امراً لضرب فيه ألا عناق ظلماً

يا داؤد ، نح على خطيئتك كالمرأة الثكلى على ولدها لو رأيت الذين يأكلون الناس بالسنتهم وقد بسطتها بسط الأديم، ضربت نواحي ألسنتهم بمقامع من نار ثم سلطت عليهم موبخا لهم يقول يأهل النار هذا فلان السليط فأعرفوه

کم رکعة طويلة فيها بكاء بخشية قد صلاها صاحبها لا تساوئ عندی فتيلا حين نظرت فی قلبه فوجدته ان سلّم من الصلاة وبرزت له امرأة وعرضت عليه نفسها أجابها وان عامله مؤمن خاتله ‘‘

یعنی:۔ جو سب دنیا کو چھوڑ کر میرا ہوا میں اس کے لیے کافی ہوں اور پھر وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا، اور جس نے مجھ سے سوال کیا میں اسے عطا کرونگا، اور جو دعا کرے گا اس کو جواب دونگا لیکن بسا اوقات دعا کو مؤخر اس لیے کرتا ہوں جبکہ یہ قبول ہو چکی ہوتی ہے چونکہ میری قضا وقدر کی انتظار ہوتی ہے جب میری قضاوقدر پوری ہوجاتی ہے تو جو کچھ وہ چاہتا ہے اسے پورا کر دیتا ہوں۔

اے داؤد مظلوم کو کہہ دو! جس نے تجھ پر ظلم کیا ہوتا ہے اس کے حقوق میں تیری بد دعا کو قبول کر لیتا ہوں لیکن اس کی قبولیت میں تاخیر کچھ امور کی وجہ سے ہوتی ہے جن سے وہ مظلوم غافل ہوتا ہے اور میں سب سے بہترین حکم کرنے والا ہوں۔

(۱) پہلا سبب جس کی بدولت مظلوم کی دعا کے قبول ہونے میں دیر ہوتی ہے وہ یہ کہ اس نے بھی کسی پر ظلم کیا ہوتا ہے اور اس نے اس کے لیے بد دعا کی ہوئی ہوتی ہے تو یہ بد دعا اس کے مقابلے میں آکر ختم ہوجاتی ہے۔لہٰذا نہ اس مظلوم کی کہ جس نے تجھ پر بد دعا کی ہوتی ہے اس کی بد دعا کو قبول کرتا ہوں اور نہ تیری کی ہوئی بد دعا اس ظالم کے حق میں قبول کرتا ہوں۔

(۲):۔اور دوسرا سبب مظلوم کی دعا قبول نہ ہونے کا یہ ہے کہ خدا نے اس مظلوم کے لیے جنت میں ایک خاص درجہ اور رتبہ مخصوص کیا ہوتا ہے اور یہ رتبہ اس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک ظالم تجھ پر ظلم نہ کرے چونکہ خدا اپنے بندوں کی جان و

مال کے ذریعے آزمائش کرتا ہے۔

بسا اوقات میں جب بندے کو کسی مرض میں مبتلا کرتا ہوں تو اس کی نماز اور دیگر میرے حق میں اس کی خدمات کم تو ہو جاتی ہیں لیکن جب وہ اس مصیبت اور شدت کے وقت مبتلا ہو کر مجھ سے دعا مانگتا ہے تو یہ آواز میرے نزدیک نمازیوں کی نماز سے زیادہ محبوب ہے۔

بسا اوقات انسان نماز تو پڑھتا ہے لیکن یہ واپس اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے اور رد کر دی جاتی ہے میرے اور اس کی آواز کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں اور اس کی آواز پر توجہ بھی نہیں دیتا ہوں اے داؤد کیا تجھے معلوم ہے کہ ایسا شخص کون ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو مؤمنین کی خواتین اور عزتوں پر (العیاذ باللہ) فسق، و فجور کی نیت سے نگاہ دوڑاتا ہے یہ ایسا شخص ہے کہ اگر اسے کوئی اختیارات مل جائیں اور حکمرانی ملے تو وہ لوگوں پر ظلم و ستم ڈھائے۔

اے داؤد! اپنی خطاوں پر اس طرح آہ وزاری کرو جیسے ماں اپنے جوان بیٹے کی میت پر آہ و بکاء کرتی ہے اے داؤد اگر تو نے ان کو دیکھا ہوتا جو اپنی زبانوں سے لوگوں کو کاٹتے اور کھاتے ہیں یعنی اذیت دیتے ہیں میں ایسے لوگوں کی زبانوں کو چمڑے کی چھڑیوں سے ماروں گا۔ اور ان کی زبانوں کے کناروں کو آگ کے کوڑوں سے ماروں گا، پھر ان پر ایک ایسا سخت فرشتہ مسلط کروں گا جو ان کو جھڑکتا اور دھمکیاں دیتا رہے گا۔ اور کہے گا اے جہنم والو! یہ وہ ظالم ہے جو دنیا میں ظلم کیا کرتا تھا یہ بہت سختی کرنے والا ہے اسے جان لو بہت سے ایسے ہیں جو لمبی لمبی نمازوں کی رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اور ان میں خشوع و خضوع سے آہ و بکاء بھی کرتے ہیں لیکن جونہی نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ اور عورت اپنے آپ کو ان کے سامنے بنا سنوار کر پیش کرے تو یہ لمبی نمازوں اور لمبی رکعتوں والے اس عورت کی دعوت فاحش کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایسوں کی نمازیں میرے نزدیک کھجور کی گٹھلی کے اندر والے کمزور چھلکے کے برابر بھی نہیں ہے اور ایسے لوگوں سے جب کوئی مؤمن معاملہ کرتا ہے تو اسے دھوکہ دیتے ہیں۔

دوسری قسم کی دلیل نقلی

ترغیب دعاء پر کلام نبی (ص) اور کلام آئمہ:۔ کلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی بہت زیادہ مقدار دعا کی تشویق پر دلالت کرتی ہے اور ان تمام کو ذکر کرنا اور جاننا ایک مشکل امر ہے لیکن ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(ا) حنان بن سدیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ کونسی عبادت

افضل ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ!

(مامن شی ء احب الی اللہ من ان یسئل و یطلب ما عندہ وما احد ابغض الی اللہ ممن یستکبر عن عبادتہ ولا یسئل ما عندہ) یعنی:۔ اللہ کے نزدیک اس سے کوئی شخص زیادہ محبوب نہیں جو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کو وہ طلب کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا ہے اور اس کے خزانوں سے طلب نہیں کرتا ہے اور اس کی عبادت سے تکبر کرتا ہے تو ایسا شخص سب سے زیادہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔

(۲) زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ

(قال ان اللہ عزوجل یقول: ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین) سورۃ غافر ۶۰

قال علیہ السلام ھو الدعاء و افضل العبادۃ الدعاء،،

یعنی:۔ حضرت نے فرمایا کہ خالق کائنات کے اس قول ''جو میری عبادت سے روگردانی اختیار کرتے ہیں وہ تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہونگے'' میں عبادت سے مراد دعا ہے اور بہترین عبادت دعا ہی ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے مولا سے کہا (**ان ابراھیم لأوّاہ حلیم**) سورۃ التوبہ ۱۱۴ یعنی:۔ حضرت ابراہیم بہت زیادہ تضرع کرنے والے اور بردبار تھے مولا امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''**الاوّاہ ھو الدعاء**'' دعا ہی بہت زیادہ بارگاہ الٰہی میں تضرع ہے۔

(۳) ابن القداح امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ!

''**قال امیر المؤمنین احب الاعمال الی اللہ فی الارض الدعاء وافضل العبادۃ العفاف**'' یعنی:۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین میں اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل دعا ہے اور بہترین عبادت پاکدامنی وعفت ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''**کان رجلا دعّاء**'' یعنی:۔ حضرت علی علیہ السلام بہت زیادہ دعا کرنے والے تھے۔

(۴) عبید بن زرارہ نے مجہول طریقہ سے حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ

'' **الدعاء ھو العبادۃ التی قال اللہ '' ان الذین یستکبرون عن عبادتی .... الخ'' ادع اللہ ولا تقل ان الامر قد فرغ منہ** '' یعنی:۔ دعا ایک ایسی عبادت ہے جس کی شان میں خدا نے فرمایا ہے کہ '' جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے،'' پس اللہ سے دعا کرو اور یہ نہ کہو کہ بس اب قضاء و قدر لکھی جا چکی ہے۔ اور اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۵) عبداللہ بن میمون القداح ایک اور روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ!

"قال (ع): الدعاء کھف الاجابة کما ان السماء کھف المطر" یعنی: ۔قبولیت دعا دعا میں اس طرح پوشیدہ ہے جیسے بارش بادلوں کے نیچے چھپی ہوئی ہوتی ہے ۔اور آسمان پر بادل چھانے کے بعد ہوتی ہے۔

(۶) ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"أتعرفون طول البلاء من قصره؟" قلنا لا قال: (ع) اذا الھم احدکم الدعاء عند البلاء فاعلموا ان البلاء قصیر" یعنی: ۔کیا جانتے ہو کہ کب مصیبت لمبی ہوتی ہے؟ اور کب تھوڑی ہوتی ہے؟ تو ہم نے عرض کی مولا ہم تو نہیں جانتے تو مولا نے فرمایا کہ جب مصیبت زدہ شخص مصیبت کے وقت دعا مانگتا ہے تو اس وقت اس کی مصیبت کم ہوجاتی ہے۔

(۷) ابو ولاد کہتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ!

" مامن بلاء ینزل علی عبد مؤمن فیلھمه الله الدعاء الا کان کشف ذالك البلاء وشیکا ومامن بلاء ینزل علی عبد مؤمن فیمسك عن الدعاء الا کان ذالك البلاء طویلا فاذا نزل البلاء فعلیکم بالدعاء والتضرع الی الله عزوجل " یعنی: ۔کوئی بھی مؤمن پر نازل ہونے والی ایسی مصیبت نہیں ہے کہ اللہ نے مؤمن کو اس مصیبت کے دور ہونے کیلئے دعا کرنے کا الہام فرمایا ہو۔مگر یہ کہ نازل شدہ مصیبت بہت جلد دور ہوجاتی ہے اور اسی طرح اگر مؤمن اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت کی حالت میں دعا نہ مانگے تو اس بلاء و مصیبت کا عرصہ لمبا ہوجاتا ہے لہذا جب آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اللہ کی بارگاہ میں آہ و بکاء اور دعا کرنا۔

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ!

"افزعوا الی الله فی حوائجکم والجاؤا الیه فی ملما تکم و تضرعوا الیه وادعوه فان الدعاء مخ العبادة ومامن مؤمن یدعوا الله الا استجاب له فاما ان یعجل له فی الدنیا او یؤجل له فی الآخره واما ان یکفر عنه من ذنوبه بقدر ما دعا مالم یدع بمأثم "یعنی: ۔اپنی حاجات کی برآوری کے لیے بارگاہ ایزدی میں بہت زیادہ گریہ کیا کرو اور اپنے مسائل اور مشکلات کے حل کے لیے اللہ کی طرف رجوع کیا کرو اسی کے سامنے عاجزی و انکساری کرو اور اس سے دعا مانگو کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے کوئی بھی ایسا مؤمن نہیں جس نے دعا مانگی ہو مگر اس کی دعا تین حالتوں میں سے ایک حالت سے خالی نہیں ہے۔

۱: یا تو اس کی دعا کو دنیا ہی میں بہت جلد قبول کر دیا جاتا ہے۔

۲: یا پھر اس کو آخرت میں قبول کیا جاتا ہے۔

۳: تیسری حالت یہ ہے کہ اس کی دعا کی مقدار گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس کی دعا کسی برائی اور گناہ پر مشتمل نہ ہو۔

۹: نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ (اعجز الناس من عجز عن الدعا و ابخل الناس من بخل بالسلام) سب سے زیادہ عاجز انسان وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز ہے اور سب سے زیادہ بخیل اور کنجوس وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے

۱۰: رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ (الا ادلکم علی ابخل الناس و اکسل الناس و اسرق الناس و اجفی الناس و اعجز الناس) کیا میں آپ کو سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ سست اور سب سے بڑا چور اور بڑا جفا کار اور سب سے زیادہ عاجز شخص کی نشاندہی نہ کردوں؟ قالو بلی: لوگوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ قال رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم (اما ابخل الناس فرجل یمر بمسلم فلا یسلم علیه و اما اکسل الناس فعبد صحیح فارغ لا یذکر الله بشفع و لا بلسان اما اسرق الناس فالذی یسرق من صلاته فصلاته تلف کمایلف الثوب الخلق فیضرب بها وجهه و اما اجفی الناس فرجل ذکرت بین یدیه فلم یصل علی و اما اعجز الناس فمن عجز عن الدعا) سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو کسی مسلمان کے پاس سے گزرے اور اس کو سلام نہ کرے اور سب سے زیادہ سست ترین انسان وہ ہے جو صحیح و سالم ہو اور فارغ بیٹھا ہو اور پھر بھی اپنے ہونٹوں پر اور زبان سے ذکر خدا نہ کرے اور سب سے زیادہ چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے اور نماز کو ایسے جلدی جلدی ادا کرکے لپیٹتا ہے جیسے لوگ کپڑوں کو لپیٹتے ہیں تو ایسی نماز اس کے منہ پر ماردی جائے گی۔ اور سب سے بڑا جفا کار انسان وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور سب سے زیادہ عاجز انسان وہ ہے جو دعا مانگنے سے عاجز ہو

۱۱: نبی اکرم صلی علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں (افضل العبادة الدّعا و اذااذن الله للعبدفی الدعا فتح له باب الرحمه و انه لن یهلك مع الدعا احد) سب سے بہترین عبادت دعا ہے اور جب خالق اپنے بندے کو دعا کی اجازت وتوفیق دیتا ہے تو اس کیلئے اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہے جو بھی دعا مانگتا ہے وہ کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔

۱۲: معاویہ بن عمار روایت کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا دو مرد اکھٹے ایک ہی وقت میں نماز کو شروع کرتے ہیں ان میں سے ایک قرآن مجید کی تلاوت دعا مانگنے سے زیادہ کرتا ہے اور دوسرا قرآن مجید کی تلاوت کی بجائے دعا زیادہ مانگتا ہے اور پھر دونوں ایک ہی وقت میں واپس چلے جاتے ہیں تو ان میں سے کون سا افضل ہے؟ قال

(کل فیہ فضل و کل حسن) ہر ایک صاحب فضیلت اور اچھا ہے۔راوی کہتا ہے کہ یہ معلوم ہے کہ دونوں اچھے ہیں اور بہترین ہیں لیکن ان دونوں میں سے سب سے بہتر کون ہے قالؑ (الدعا افضل اما سمعت قول الله عزو جل وقال ربکم ادعو نی استجب لکم ان الذین یستکبرو ن عن عبادتی سید خلو ن جهنم داخر ین هی و الله العبادة هی و الله افضل الیست هی العبادة؟هی و الله العبادةهی و الله العبادة الیست هی اشد هن ؟هی و الله اشد هن هی و الله اشد هن) دعا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول آپ نے نہیں سنا جس میں فرماتا ہے تمھارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا اور جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے خدا کی قسم دعا عبادت ہے اور یہ سب سے افضل ہے کیا یہ عبادت نہیں ہے؟واللہ یہ عبادت ہے واللہ یہ عبادت ہے کیا یہ تمام عبادات سے اہم نہیں ہے؟ خدا کی قسم یہ سب سے زیادہ مھم ہے خدا کی قسم یہ سب سے زیادہ مھم ہے

۱۳:یعقوب بن شعیب نے کہا میں نے سنا ہے کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ (ان الله او حی الی آدمؑ انی سا جمع لك الكلام فی ار بع كلمات قال یا رب وما هن؟قال و احدة لی و احدة لك و و احدة فیما بینی و بینك و واحدةبینك و بین النا س فقال آدمؑ بینهن لی یا رب فقال الله تعالیٰ اما التی هی لی فتعبد نی لا تشر ك بی شیا ئو اما التی لك فا جزیك بعملك احو ج ما تكو ن الیه واما التی بینی و بینك فعلیك الدعا و علی الاجا بة و اما التی بینك و بین النا س فتر ضی للنا س ما تر ضی لنفسك) اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی طرف وحی فرمائی کہ میں تیرے لیے کلام کو چار کلمات میں جمع کرتا ہوں ۔حضرت آدمؑ نے کہا اے میرے رب وہ کون سے چار کلمات ہیں۔خالق نے کہا ایک کلمہ میرے لیے خاص ہے دوسرا تیرے لیے خاص ہے اور تیسرا تیرے اور میرے درمیان مشترک ہے اور چوتھا تیرے اور لوگوں کے درمیان ہے حضرت آدم نے پھر سوال کیا الٰہی ان کلمات کی تفصیلات بیان فرما خالق نے کہا جو میرے لیے مختص ہے وہ یہ ہے کہ فقط میری ہی عبادت کر کسی اور کو میرا شریک نہ کر اور جو تیرے ساتھ مختص ہے وہ یہ ہے کہ تیرے ہر عمل پر تجھے اس کے ساتھ جزا دوں گا۔جس کی طرف تو بہت زیادہ محتاج ہو گا۔اور جو میرے درمیان مشترکہ ہے وہ تجھ پر دعا ہے اور مجھ پر قبولیت ہے اور جو لوگوں اور تیرے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے وہی پسند کر جسے تو اپنے لیے چاہتا ہے

۱۴:محمد بن حسن مضادکی کتاب دعا میں مختلف راویوں کے سلسلہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جانب سے منسوب ہے رسول اسلام نے فرمایا(یدخل الجنه رجلان کا نا یعملا ن عملاً وحداً فیر ی احد هما صا حبه

فو قه فیقو ل یارب بما اعطیته و کا ن عملنا واحداً؟فیقو ل تبا ر ك و تعا لیٰ :سا لنی و لم تسا لنی ثم قال صلی اللہ علیه و اله وسلم اسا لو االلہ و اجزلو ا فا نه لا یتعا ظمه شیء)دوقسم کے شخص دنیا میں ایک جیسا عمل کرتے تھے جب انھیں جنت میں مکان دیا جائے گا تو ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی کو اپنے سے بلند درجہ پر پائے گا تو ایسی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا یا الٰہی کس عمل کی وجہ سے تو نے اسے یہ بلند مرتبہ عطا کیا ہے جبکہ ہم ظاہراً عمل ایک جیسا کرتے تھے اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کو جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تیرا بلند مرتبے والا ساتھی مجھ سے سوال کرتا تھا لیکن تو مجھ سے سوال نہیں کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تم بھی اللہ سے سوال کرو اور کثرت کے ساتھ کرو کوئی بھی شے اس کے ہاں دعا سے زیادہ عظیم نہیں ہے

۱۵: نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مروی ہے کہ لتسألن اللہ او لیغضبن علیکم ان للہ عبا داً یعملو ن فیعطیھم و آخر ین یسا لو نه صا دقین فیعطیھم ثم یجمعھم فی الجنه فیقو ل الذ ین عملو ا ربنا عملنا ا عطیتنا فبما اعطیت ھؤلا ء ؟فیقو ل ھؤلا ء عبا دی اعطیتکم اجو ر کم ولم ألتکم من اعما لکم شیاء وس لنی ھؤلا ء فا عطیتھم وھو فضلی او تیه من اشاء تم ضرور اللہ سے سوال کرو۔

اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے ہیں جب وہ کوئی عمل کرتے ہیں تو اللہ ان کو عطا کرتا ہے اور بعض ایسے ہیں جو سچے دل سے دعا کرتے ہیں تو وہ انھیں عطا کرتا ہے اور پھر جب خالق ان کو جنت میں جمع کرتا ہے تو جنھوں نے عمل کیا تھا کہیں گے الٰہی ہم نے تو عمل کیا تھا اور اس کے بدلے تو نے ہمیں عطا کیا۔لیکن دوسروں کو کس چیز کے بدلے اپنی نعمتیں عطا کی ہیں؟ خالق فرمائے گا یہ میرے بندے ہیں تمھیں میں نے تمھارے اعمال میں بغیر کمی کیے اس کا اجر دیا ہے اور ان کو ان کے سوال کرنے پر دیا ہے میں اپنے فضل وکرم کو جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہو

الباب الثانی

قبولیت دعا کے اسباب:

دعا کی قبولیت کے اسباب کو سات اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱:بعض اسباب جو خود دعا کے ساتھ متعلق ہیں۔

۲:بعض اسباب قبولیت دعا وقت دعا کے ساتھ مربوط ہیں۔

۳: کچھ اسباب دعا مکان دعا کے حوالے سے ہیں۔

۴: دعا مانگنے والے کے حالات کے لحاظ سے دعا کی قبولیت پر اثر ہوتا ہے۔
۵: اور جن حالات میں دعا مانگی جا رہی ہوتی ہے اور وہ بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔
۶: بعض قبولیت دعا کے اسباب ایسے ہیں جو مکان دعا یعنی جہاں پر دعا مانگی جا رہی ہوتی اور اسی طرح جو دعا میں مانگا جاتا ہے ان دونوں کے مجموعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔
۷: اس طرح زمان دعا اور خود دعا کے مجموعہ سے بعض اسبابِ قبولیت مربوط ہیں۔
ان سات قسموں کی تفصیل ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

القسم الاول: جو وقت دعا کے ساتھ متعلق ہیں۔

جمعۃ المبارک کی رات اور دن کو دعا مانگنے کی افضلیت: حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں (**ما طلعت الشمس بیوم افضل من یوم الجمعه وان کلام الطیر فیه اذا لقی بعضها بعضاً سلام سلام یوم صالح**) جمعۃ المبارک سے بہتر اور افضل دن کوئی اور دن نہیں ہے جس میں سورج طلوع ہوا ہو چونکہ جمعہ کے دن پرندے بھی آپس میں ملتے وقت ایک دوسرے کو سلامتی اور نیک دن ہونیکی خوشیوں کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔

روایت میں ملتا ہے (**ان رسول اللهؐ کان اذا خرج من البیت فی دخول الصیف خرج یوم الخمیس و اذا اراد ان یدخل عند دخول الشتاء دخل یوم الجمعة**)
رسول خدا گرمیوں میں گھر سے باہر آتے تو جمعرات کو نکلتے تھے۔ اور سردیوں میں جمعہ کو گھر میں داخل ہوتے۔
لیکن ابن عباس سے روایت ہے کہ جمعہ کی رات کو نکلتے تھے۔ اور جمعہ کی رات کو ہی اپنے ہی گھر میں دعا کیلئے داخل ہوتے تھے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ
(**اذا أردت ان تتصدق بشیء قبل الجمعة فأخره الی یوم الجمعة**)
ترجمہ: اگر آپ جمعہ کے علاوہ کسی اور دن میں جمعہ سے پہلے صدقہ دینا چاہتے ہو تو اس کو جمعہ کے دن تک تاخیر کر کے جمعہ کے دن دینا بہتر ہے۔
اسی طرح ایک اور جگہ پر حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ
(**ان الله ینادی کل لیلة جمعة من فوق عرشه من اول اللیل الیٰ آخره _ ألا عبد مومن یدعونی لدینه د**

نیا ہ قبل طلو ع الفجر فأجیبه ؟أ لا عبد مو من یتو ب الیّ من ذ نو به قبل طلو ع الفجر فأتو ب الیه ؟ أ لا عبـد مو من قد قترت علیه ر ز قه فیسألنی الز یا دة فی رز قه قبل طلو ع الفجر فأ ز ید ہ و او سع علیه ؟أ لا عبد مو من (سقیم)فیسألنی ان أ شفیه قبل طلو ع الفجر فا عا فیه؟أ لا عبد مو من محبو س مغمو م یسأ لنـی ان اطـلقه من سجنه فا خلیّ سر به ؟أ لا عبد مو من مظلو م یسألنی ان اخذ (له)ظلا مته قبل طلو ع الفجر فأنتصر له و اخذ له بظلا مته ؟)

قالؑ :(فلا یز ال ینا دی بهذا حتی یطلع الفجر)

اللہ تعالیٰ ہر شب کو عرش بر یں سے رات کی ابتداء سے لیکر آخر تک اپنے بندوں کو ندا دیتا ہے کہ کون مومن بندہ ہے جو طلوع فجر سے پہلے مجھے اپنی دنیا و دین کی صلاح اور بھلائی کیلئے پکارتا ہے اور میں اسے جواب دیتا ہوں۔

کون وہ مومن بندہ ہے جو آج طلوع فجر سے پہلے مجھ سے اپنے گناہوں کی توبہ مانگے تاکہ میں اس کی توبہ قبول کروں کوئی ہے مومن جس پر رزق کو تنگ کر دینے کی وجہ سے مجھ سے کشادگی رزق کا سوال کرے اور فجر سے پہلے اس کے رزق میں اضافہ کردوں گا۔

کون ہے وہ مریض مومن جو مجھ سے فجر سے پہلے شفاء یابی کو طلب کرے تاکہ میں اسے شفاء دوں۔

اس بابرکت رات کو اگر کوئی قیدی پریشان حال مجھ سے اپنی رہائی کی دعا کرے تو میں اسے قید خانے سے رہا کردوں۔

کون ہے مظلوم مومن جو مجھ سے اس رات طلوع فجر سے پہلے پہلے اپنے لیے اس شخص پر جس نے اس پر ظلم کیا ہو نصرت طلب کرے تاکہ میں اسکی اس ظالم شخص پر نصرت کروں۔

امامؑ نے فرمایا کہ خالق یہ ندا طلوع فجر تک دیتا رہتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ یا امام محمد باقرؑ نے فرمایا(ان الـعبد المو من یسا ل الله الحا جة فیو خر الله قضا ء حا جة التـی سأل الـی یو م الجمعه) اللہ تعالیٰ مومن بندہ کی طلب کردہ حاجت کو جمعہ تک پورا ہونے میں دیر کرتا ہے بروز جمعہ اسے قبولیت کا شرف بخشتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا (ان یـو م جـمـعـةسیـد الایـا م واعـظـمـهـا عـنـدالـلـه تـعـا لـی واعـظـم عند الله من یو م الفطر و یو م الاضحی وفیه خمس خصال خلق الله فیه آدم واهبـط الـلـه فیـه آ دم الی الارض و فیه تو فی الله آدم وفیه سا عة لا یسا ل الله تعا لیٰ فیها احد شیا ء الا أعـطـا ہ ما لـم یسـال حـر اماوما من ملك مقرب ولا سما ء ولا ار ض ولا ریاح ولا جبا ل ولا شجر الا وهو یشفق من یو م الجمعه ان تقو م السا عة فیه)جمعۃ المبارک تمام دنوں کا سردار دن ہے اللہ کے ہاں سب سے

عظیم دن ہے اس دن کی پانچ صفات ہیں۔

ا: حضرت آدمؑ کو اس دن پیدا کیا۔

۲: جنت سے زمین پر حضرت آدمؑ کو اسی دن اُتارا۔

۳: خالق نے جمعہ کے دن حضرت آدمؑ کی روح قبض کی تھی۔

۴: جمعہ کے دن ایک ایسا وقت ہے جس میں بندہ کوئی بھی خالق سے سوال کرے اور وہ حرام نہ ہو تو اسکی دعا کو قبول کر کے اسے وہ چیز عطا کی جاتی ہے۔اللہ کے برگزیدہ فرشتے آسمان و زمین ہوا پہاڑ درخت سب مخلوق اور پوری کائنات جمعہ کے دن سے ڈرتی ہے کیونکہ جمعہ قیامت کے برپا ہونے کا دن ہے۔ (۱)

حضرت صادقؑ حضرت یعقوب کے اپنے بیٹوں کو کہے ہوئے اس جملہ **(سوف استغفر لکم ربی یوسف ۹۸** عنقریب تمھارے حق میں استغفار کروں گا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں **(اخرهم الی السحر من لیلة الجمعه)** حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کے لیے استغفار کو جمعہ کی رات سحری تک موخر کیا اور پھر سحری کے وقت ان کے لیے استغفار کیا۔روایات میں ملتا ہے کہ جمعہ کے دن میں دو گھڑیاں قبولیت کی ہوتی ہیں **(ما بین فراغ الخطیب من الخطبة الی ان تستوی الصفوف بالناس واخری من اخر النهار)** خطیب جمعہ جب خطبہ سے فارغ ہو جائے اُس وقت سے لے کر لوگوں کا صفوف منظم کرنے کے وقت اور دوسری گھڑی جمعہ کے دن کا آخری وقت ہے۔بعض روایت کرتے ہیں کہ دوسرا وقت آدھے شمس کے غروب ہونے کے بعد ہے حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں **(اول وقت الجمعة ساعة تزول الشمس الی ان تمضی ساعه یحافظ علیها فان رسول الله قال لا یسأل الله تعالیٰ فیها عبدخیر ااِلا اعطاه)** اول وقت جمعہ جو کہ زوال شمس سے لے کر ایک گھنٹہ بعد تک ہے اسے غنیمت سمجھو چونکہ رسول خدا فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خالق سے اس گھڑی میں کوئی اچھی دعا نہیں کرتا مگر یہ کہ خالق اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری روایت کرتے ہیں۔رسول خدا نے سوموار اور منگل کے دن جنگ خندق میں کفار و مشرکین کیلئے بد دعا کی اور جب یہ دعا بدھ کے دن کو ظہر وعصر کے درمیانی وقت مستجاب ہوئی تو رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے اثار نمودار ہوئے۔جابر کہتا ہے جب بھی مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو میں اس گھڑی

---

(۱) اس حدیث مبارک سے حقیقت میں امامؑ حضرت انسان کو تنبیہ کر رہے ہیں کہ یہ تمام غیر مکلّف اشیاء جب خالق سے

بقیہ صفحہ نمبر ۴۶ پر

اللہ کی طرف خلوص نیت کے ساتھ متوجہ ہو کر دعا کرتا ہوں تو وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے منقول ہے کہ (من کان لہ حاجۃ فلیطلبھا فی العشاء الاخرۃ فانھا لم یعطھا احد من الامم قبلکم یعنی العشاء الاخرۃ) جس کے پاس حاجت ہو تو اسے عشاء کے آخری وقت میں طلب کرنی چاہیے مستجاب ہوگی اور یہ وقت استجابت خالق کائنات نے آپ سے پہلے والی امتوں کو عطا نہیں کیا۔ ایک اور روایت ہے کہ (فی السدس الاول من النصف الثانی من اللیل) آدھی رات کے بعد پہلے والے چھٹویں حصہ میں دعا مانگنی چاہیے۔ اور اس مذکورہ روایت کو ان بعض روایات سے تقویت حاصل ہوتی ہے جن میں اس شخص کی فضیلت اور اسے تشویق و ترغیب کے بارے میں ملتی ہیں کہ جو نماز تہجد کو اس وقت پڑھتا ہے جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ شخص غفلت کی نیند سونے والوں میں کھڑے ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس وقت جبکہ نیند بہت زیادہ لوگوں پر غالب آ جاتی ہے کیونکہ آدھی رات سے پہلے وقت میں نیند اتنی زیادہ غلبہ نہیں کرتی کیونکہ اکثر لوگوں کی حالت اس وقت دن ہی کی طرح ہوتی ہے یعنی جاگ رہے ہوتے ہیں اور کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں اور صبح ہوتے ہی اپنا رزق کمانے کے لیے ادھر ادھر منتشر ہو جاتے ہیں۔ لیکن آدھی رات کا وقت مغزرات کے نام سے پکارا جاتا ہے اور یہی وقت عبادت کا وقت ہوتا ہے۔ جبکہ اسی وقت غفلت بھی بہت زیادہ غالب آ جاتی ہے لیکن عبادت میں چونکہ قلب کا تمام دنیاوی امور اور مشاغل سے فارغ ہونا ضروری ہے تاکہ حضور قلب کے ساتھ انسان خدا کی عبادت کر سکے اور کیونکہ رات کے آخری وقت میں انسان کا دل تمام مشاغل سے پاک ہوتا ہے لہذا عبادت خدا کے لیے یہ ایک بہترین وقت ہے لیکن اس وقت انسان غفلت کا شکار اس لیے ہوتا ہے کہ کیونکہ اس وقت خواہشات نفس کے ساتھ جہاد کر کے پیاری نیند کو ترک کرنا پڑتا ہے دنیا و آخرت کے سلطان کائنات کے مالک کے ساتھ راز و نیاز کی باتوں کیلیے نرم و نازک بستر کو چھوڑنا پڑتا ہے اور آخر رات کے چھٹویں حصہ کی گھڑی ایسی گھڑی ہے جس کے بارے میں عمر بن اذینہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ (ان فی اللیل ساعۃ ما یوافق فیھا عبد مومن یصلی و یدعو اللہ فیھا الا استجاب لہ قلت اصلحک اللہ و ای ساعات اللیل ھی ؟قال اذا مضی نصف اللیل و بقی السدس الاول من اول النصف الثانی) رات میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں انسان کوئی بھی دعا اللہ سے نہیں مانگتا مگر یہ کہ اللہ اسے قبول کرتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا مولاً خدا آپ کی بھلائی کرے وہ کون سی گھڑی ہے؟ حضرت

ڈرتی رہتی ہیں کہ معلوم نہیں اسی جمعہ قیامت قائم ہو جائے۔ اور حشر و نشر ہو۔ انسان کو تو بدرجہ اولیٰ ہر جمعہ کو قیامت کے قیام کی توقع کرتے ہوئے خالق سے اسکی معصیت سے ڈرنا چاہیے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں رات کے آدھا حصہ گزرنے کے بعد اس کے پہلے چھٹویں حصہ کی گھڑی ہے رات کی آخری تہائی کی فضیلت میں روایات: رسول اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایات میں ملتا ہے کہ (اذا کان اخر اللیل یقول اللہ سبحانہ وتعالیٰ هل من داع فاجیبه ؟هل من سائل فاعطیه سؤله ؟هل من مستغفر فاغفر له ؟هل من تائب فأتوب علیه؟) ترجمہ رات کے آخری وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندہ کو ندا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کوئی مجھ سے حاجت طلب کرنے والا ہے تاکہ اسے جواب دوں؟ کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا تاکہ اسے وہ مطلوبہ شے عطا کردوں؟ آیا کوئی ہے مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا میں اسے رات کے اس وقت بخشوں؟ کون ہے مجھ سے توبہ طلب کرے تاکہ میں اس کی توبہ کو قبول کروں؟ ایک راوی ابراہیم بن ابی محمود روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے عرض کی کہ مولا اس حدیث مبارک کے بارے کیا فرماتے ہو جسکو بعض لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس طرح نقل کیا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی ہر رات آسمان دنیا میں نازل ہوتا ہے امامؑ نے فرمایا (لعن الله المحرفین الکلم عن مواضعه والله ما قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم کذلك انما قال صلی الله علیه واله وسلم ان الله تبارك وتعالی ینزل ملکا الی السماء الدنیا کل لیلة فی الثلث الاخیر ولیلة الجمعه فی اول اللیل فیامره فینادی هل من سائل فاعطیه سؤله ؟هل من تائب فاتوب علیه ؟هل من مستغفر فاغفر له ؟یا طالب الخیر اقبل یا طالب الشر اقصر فلا یزال ینادی بها حتی یطلع الفجر فاذا طلع عاد الی محله من ملکوت السماء حدثنی بذلك ابی عن جدی عن ابائه علیهم السلام عن رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ترجمہ اللہ تعالی ان لوگوں پر لعنت کرے جو کلام رسول میں ہیرا پھیری کرتے ہوئے کلمات کو اپنی موضع اور صحیح جگہ سے ادھر ادھر کردیتے ہیں خدا کی قسم رسول خدا نے ایسا نہیں فرمایا جیسا نقل کیا جارہا ہے بلکہ رسول خدا نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ عرش کو دنیا پر بھیجتا ہے اور یہ فرشتہ ہر رات آخری تہائی حصہ اور شب جمعہ کو رات کے ابتدا میں حکم خدا پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو خدا کی طرف سے ندا دیتا ہے کہ آیا کوئی سوالی ہے جو اس وقت خدا سے سوال کرے اور میں (خدا) اس سوال کو پورا کروں کون ہے توبہ کو طلب کرنیوالا تاکہ اس کی توبہ کو قبول کروں۔ کوئی ہے جو مغفرت کو طلب کرنیوالا تاکہ اس کی طلب مغفرت کو قبول کروں اے نیکی کرنے والا نیکیوں میں اضافہ کر۔ برائی پھیلانے والوں کو ندا دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے برائی پھیلانے والا ذرا برائیوں کو کم کر۔ اور خدا کی جانب سے یہ ندا طلوع صبح تک جاری رہتی ہے جب طلوع فجر ہوجاتی ہے تو یہ فرشتہ واپس چلا جاتا ہے جہاں سے آیا ہوتا ہے اور اس روایت کو مجھے آبا واجداد نے رسول اسلام سے نقل کی ہے۔

نصیحت: جو شخص قوی ایمان اور پختہ عقیدے کا مالک ہے۔رسول اسلام اور جناب زہراء کی اولاد اطہار جس بات کی خالق کائنات سے ہمیں خبر دیتے ہیں وہ حق وحقیقت پر مبنی ہوتی ہے ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ ایسی گھڑی جس کی رسول خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ خالق کی طرف سے منادی اپنے مومن بندوں کو ندا دیتا ہے لہذا ایسی گھڑی کو اپنی حوائج اور دعاؤں اور مطالبات کو اس ندا مبارک کے جواب میں بارگاہ الہی میں ارسال کریں اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے ایک مثال عرض کرتے ہیں جیسے دنیا کے بادشاہوں میں کوئی بادشاہ جب اپنا قاصد اپنی رعیت کی طرف بھیجتا ہے اور اس شخص کے دروازہ پر کھڑا ہو کر اس کی حاجات کو بادشاہ کی طرف سے طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بادشاہ وقت نے مجھے آپ کی طرف اذن دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ کی حاجات کو اس کی بارگاہ میں لے جاؤں اور بادشاہ آپ کی حاجتوں کو پورا کرے۔ایسی صورت میں رعیت ایسی فرصت اور حالت کو غنیمت سمجھتے ہوئے جو سب سے زیادہ مہم حاجات ہوتی ہیں ان تمام حاجات کو قاصد کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کوئی ایسی حاجت نہیں رہ جاتی جس کو اس نے پیش نہ کیا ہو اور یہ حالت اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔جب وہ بادشاہ وقت جود و کرم کے ساتھ موصوف ہونے میں معروف ہو تو ایسی صورت میں رعیت کبھی بھی ایسی ندا کو نظر انداز نہیں کرتی اور اپنی حاجات کے ارسال کرنے میں روگردانی نہیں کرتے لیکن جو جان بوجھ کر سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے جہاں روگردانی کر کے مقصد کو ضائع کر بیٹھتا ہے وہاں اپنے مالک کی ناراضگی کا مستحق بھی ٹھہرتا ہے اور خالق کی جانب سے اسے اس آیت کے ساتھ جواب لوٹتا ہے کہ (ان الــذیــن یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین) جو میری عبادت سے روگردانی کرتا ہے عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوگا۔اور جو شخص غفلت کی نیند میں رہ کر اس ندا کا جواب نہیں دیتا اور روگردانی اختیار کرتا ہے تو وہ ہمیشہ محرومین کی فہرست میں رہتا ہے (ومن تـرك مساءلة الله افتقر) جو اللہ سے سوال کرنا چھوڑ دیتا ہے وہ محتاج و فقیر ہو جاتا ہے حضرت علامہ رضی الدین علی ابن موسیٰ بن طاؤس (قدس اللہ روحہ) بیان فرماتے ہیں جب خالق کی طرف سے فرشتہ مقرب مخلوق کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کیلئے ندا دیتا ہے تو اس وقت انسان کو چاہیے اس قسم کی دعا مانگے اور یوں کہے۔الہی میں تیری ربوبیت کی تصدیق کرتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تیرا آخری نبی سمجھتا ہوں اور تیری جانب سے بھیجے ہوئے اس منادی کے ذریعہ مجھ پر تیرے جود و کرم کی واضح ہونے والی حقیقت کی صداقت پر گواہی دیتا ہوں اگرچہ (میرے گناہوں کے پردہ کی وجہ سے) میرے کان اس منادی کی ندا نہیں سن رہے ہیں۔لیکن میرا عقل و دماغ اس ندا کو سن اور سمجھ رہا ہے اور تیرے کیے ہوئے وعدوں کی حقانیت کی تصدیق کر رہا ہے تو ایسی حالت میں عرض کرتا ہوں کہ اے میرے محبوب اور میرے بردبار اور مجھ پر احسان کرنیوالے سخی آقا تیری طرف سے نازل ہو

نے والا پیغمبر اور مقرب فرشتہ کو میں فراخ دلی کے ساتھ استقبال کرتا ہوں۔اور تیرے ہی اس قول کو ہماری عقلوں نے زبان حال سے حاجتوں کی برآوری کرنیوالے خزانہ ہمارے آقا و مالک کی جانب سے یہ کہا (هل من سائل فاعطته سؤله) ہے کوئی سوال کرنے والا تاکہ اسکے طلب کردہ سوال کو عطا کروں؟اور میں ہر اس امر کا سوال کرتا ہوں جو خالق کی مجھ پر ہمیشہ رضائیت اور خوشی کا موجب ہو اور ہمیشہ مجھے خالق کے ساتھ مربوط رہنے کی توفیق کا سبب ہو اور اس حاجت کے صدقہ مجھ پر اپنی نعمتوں اور احسانات کو پورا کرے اور مجھے خالق کی بارگاہ میں کمال ادب حاصل ہو اور اس امر کے صدقہ خدا مجھے اپنی حفاظت میں رکھے اور مجھ پر خالق اپنے احسانات کو محفوظ رکھے اور دائم رکھے حضرت ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ ندا کے دوسرے کلمہ کے جواب میں آپ کو یوں کہنا چاہیے ہم نے اپنے آقا و مولا جس سے ہم نے اپنی امیدیں باندھی ہوئی ہیں کیطرف سے قول سن رہے ہیں (هل من تائب فائوب الیه) ہے کوئی توبہ کو طلب کرنے والا تاکہ میں اس کی توبہ کو قبول کروں؟اور اے خدایا میں آپ سے اختیاری و اضطراری طور پر توبہ کو چاہتا ہوں کیونکہ میں خدا کے غضب اور عقاب کو برداشت کرنے سے عاجز و لاچار ہوں اور رضائے الٰہی کا محتاج اور اس کی طرف مضطر ہوں۔ میری عقل لسان حال کے ساتھ خالق و مالک سے توبہ کررہی ہے۔اے میرے آقا و مالک کیطرف سے پیغام لیکر آنے والا مقرب فرشتہ تو نے قول خدا (هل من مستغفر فاغفر له) ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا تاکہ میں اسے معاف کردوں؟کو ہر تک صحیح معنوں کیساتھ پہنچا دیا ہے اور میں خدا کا عبد اور غلام ہوں اور اس سے ہر اس چیز کی مغفرت و معافی چاہتا ہوں جو اسے ناپسند ہے اور مجھ سے سرزد ہوئی ہے میں خالق کو اسکی ذات کا واسطہ دیکر طلب عفو کرتا ہوں میرا دل و زبان اس معبود حقیقی سے استغفار کررہا ہے اور اگر دل و زبان سے تصدیق نہ بھی ہو تو میری عقل بھی لسان حال سے عاجزی و انکساری کے ساتھ خالق کی رحمت اور عفو و کرم کا واسطہ دیکر مغفرت طلب کررہی ہے اور میں اس کی عظمت و عزت کے سامنے ذلیل و حقیر ہوں اے میرے آقا و مالک کی طرف سے آنیوالا امین فرشتہ میں نے اپنی عاجزی و انکساری اور خدا سے طلب توبہ و مغفرت کو تیرے حوالے بطور امانت سپرد کردی ہے اور تو ان امانات کو اپنی بے پناہ کرم وجود اور رحمتوں کے ساتھ مجھ پر احسانات کرنیوالے آقا و مالک تک پہنچانا۔(اور اے فرشتہ) خالق نے آپ کو ہماری طرف بھیج کر اپنی رحمت کے دروازوں کو ہم پر کھول دیا ہے۔(اس کے بعد سید ابن طاؤس فرماتے ہیں) اگر اس تمام دعا کو جو ہم نے ذکر کی ہے یاد نہ کرسکو تو اسے ایک کاغذ پر لکھ کر ہمیشہ اپنے ساتھ تکیہ کے نیچے رکھ دیا کرو اور اسے تعویذ بنا کر اس طرح حفاظت کرو جس طرح آپ کسی قیمتی چیز کی حفاظت کرتے ہیں جب رات کا تہائی حصہ آئے تو اس ورقہ اور تعویذ کو اپنے سامنے کھول کر اس منادی خدا کو ان الفاظ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے خدا سے دعا کرنا اے بہت زیادہ رحمت و

کرم کرنے والے کی جانب سے منادی کرنے والا فرشتہ یہ (ورقہ اور تعویذ کی طرف اشارہ کرنا) میری حالت زار ہے جسے میں خالق کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیرے سپرد کر رہا ہوں۔ نہ میری زبان صلاحیت رکھتی ہے کہ میں ان احوال کو تیرے سامنے عرض کرسکوں۔ اور نہ ہی میرا دل اس قابل ہے کہ وہ تجھے کچھ بیان کر سکے۔

مصنف کی کلام: حضرت علامہ سید ابن طاؤس کی کلام کے آخر پر مصنفؒ عبد مومن کو خالق کی طرف سے منادی کی ندا کے وقت نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر آپ کو سہولت میسر ہو تو اہل بیتؑ سے مروی اور انکی طرف منسوب وظائف وادعیہ کو پڑھیں۔ اور یہ عمل سب سے اچھا ہے اور اگر ان ادعیہ کو نہ پڑھ سکیں تو ایسی صورت میں یہ دعا کرو الٰہی میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آل رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہوں اور جو کچھ وہ معصومینؑ تیرے لطف کی خبریں دیتے ہیں ان سب کے حق ہونے کی تصدیق کرتا ہوں الٰہی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم واھل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی رحمتوں کو نازل فرما۔ دنیا وآخرت میں سے اس رات کو تجھ سے جو انسان کی بہتری اور بھلائی کے لیے طلب کیا گیا ہے اس میں مجھے بھی شامل فرما نا الٰہی میرے ساتھ وہ کرنا جس کا تو اہل ہے نہ وہ جس کا میں اہل ہوں اے ارحم الراحمین محمد وآل محمد پر رحمتیں نازل فرما جان لو حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ (**لا تعطوا العین حظها فانها اقل شیء شکر اً**) آنکھوں کو زیادہ سونے نہ دینا چونکہ تمام اعضاء سے بہت کم شکر گزار آنکھیں ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت ہے (**اذا قام العبد من لذیذ مضجعه والنعاس فی عینیه لیرضی ربه لصلاة لیله باهی الله به ملائکته فقال اما ترون عبدی هذا قد قام من لذیذ مضجعه الی صلاة لم افرضها علیه؟ اشهدوا انی قد غفرت له**) جب بندہ اپنی پیاری نیند کو چھوڑ کر خالق کی رضا کے لیے نماز تہجد کے لیے کھڑا ہوتا ہے جبکہ اس کی آنکھوں میں نیند کے آثار ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کی محفل میں فخر ومباہات کرتے ہوئے یوں فرماتا ہے اے ملائکہ کیا میرے اس بندے کو نہیں دیکھ رہے ہو جو اپنی پیاری نیند کو چھوڑ کر نماز شب ادا کر رہا ہے جس کو میں نے اس پر واجب نہیں کیا۔ آپ (ملائکہ) گواہ رہنا میں نے اس بندہ کو بخش دیا ہے۔

فائدہ: جیسا کہ معلوم ہے کہ دن کے بارہ گھنٹے ہوتے ہیں اور اس میں کسی بھی وقت آپ خالق کی طرف اپنے آئمہ علیہم السلام کو واسطہ بنا کر خدا سے خلوص دل کے ساتھ اپنی حاجات کو طلب کر سکتے ہیں اور اسی معنی پر مشتمل صاحب مصباح المتهجد نے اپنی کتاب میں آئمہؑ سے مروی دعا کو روایت فرمایا ہے سید رضی الدینؒ ذکر کرتے ہیں کہ مومن ہفتہ

میں ہر روز آئمہؑ میں سے کسی امام کا مہمان شمار ہوتا ہے اور اس دن کی آفات و بلیات سے مہمان نواز معصوم کی پناہ و امان میں ہوتا ہے تو ایسی صورت مین ہر دن میں معصوم کی ایک خاص زیارت ہے اس مخصوص زیارت سے مومن اپنے مہمان ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ اور معصوم مہمان نواز کی پناہ گاہ میں آنے کا اظہار کرتا ہے۔

۱: ہفتہ کے دن مومن رسول خداؐ کی ضیافت میں ہوتا ہے اس صورت میں اپنے مہمان بننے کا اظہار نبی کیساتھ مختص زیارت سے کرے۔

۲: اتوار کے دن علی ابن ابی طالبؑ عبد مومن کی ضیافت کرتے ہیں تو اس دن ان کی خاص زیارت ہے جس سے مومن اپنے امیر و آقا کے مہمان ہونے کا ثبوت دیتا ہے اور امام اس دن مومن کو تمام مشاکل اور مصائب سے اپنی پناہ میں لیتے ہیں۔

۳: سوموار کے دن امام حسنؑ کی ضیافت کا دن ہے اور ان کی زیارت سے مومن ان کے مہمان ہونے کا اظہار کرے۔

۴: منگل کو امام سجادؑ مومن کی مہمان نوازی فرماتے ہیں اور اس طرح امام محمد باقر اور جعفر صادقؑ بھی مومن کو مہمان ٹھہراتے ہیں اور مومن اس ایک دن میں تین معصومینؑ کی پناہ میں ہوتا ہے لہذا وہ ان معصومین کی زیارت کے ساتھ اس ضیافت اور امان میں ہونے کا اظہار کرے۔

۵: بدھ کے دن حضرت امام موسیٰ کاظمؑ امام علی رضاؑ امام محمد تقیؑ اور امام علی نقی کی زیارت کے ساتھ مختص ہے اور اس دن مومن ان معصومینؑ کی ضیافت و پناہ میں ہوتا ہے۔

۶: جمعرات کے دن مومن امام حسن عسکریؑ کی زیارت پڑھ کر ان کی مہمان نوازی اور امام کی پناہ میں ہونے کا اظہار و اعلان کرے۔

۷: جمعہ کے دن امام ولی العصر امام الحجۃ ابن الحسن القائمؑ کے ساتھ مختص ہے۔

دوسرا اہم وقت دعا کیلئے:

شب قدر کی فضیلت: شب قدر کو دعا کی قبولیت میں اثر ہے۔ اور یہ رات رمضان المبارک کی ان تین راتوں ۱۹، ۲۱، ۲۳ میں سے کوئی ایک ہے اور بعض روایات کی بنا پر ۲۳ رمضان المبارک کی رات کا قوی امکان ہے اور اس کی تاکید وارد ہوئی ہے۔

تیسرا وہ وقت جو قبولیت دعا میں اثر انداز ہے:

بیداری کی راتیں: وہ راتیں جن میں پوری رات بیدار رہ کر عبادت خدا کرنے کا حکم ہوا ہے ان راتوں کو بھی مانگی ہوئی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور وہ راتیں درج ذیل ہیں۔

ا: ماہ رجب المرجب کی پہلی رات۔

۲: نیمہ شعبان کی رات۔

۳: عید الفطر کی رات۔

۴: عید الاضحیٰ کی رات۔

بعض روایات میں یوں وارد ہوا ہے (فان امیر المومنین کان یعجبه ان یفرغ نفسه فی هذه اللیالی) امیرالمومنین کو یہ پسند تھا کہ وہ اپنے آپ کو ان راتوں کو خصوصاً عبادت خدا کیلئے مختص کرتے۔

چوتھا مہم وقت

یوم عرفہ: روز عرفہ (۹ ذوالحجہ) اللہ سے سوال کرنے اور دعا مانگنے کے ساتھ معروف ہے اس لیے روایات میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اس دن روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزور پڑ جائے اور دعا نہ مانگ سکے تو ایسے شخص کے لیے افضل یہ ہے کہ روزہ چھوڑ دے اور دعا میں کوتاہی نہ کرے جب کہ اس دن روزہ رکھنے پر تاکید بھی کی گئی ہے۔

دیگر اوقات مہم کا ذکر: ذیل میں چند ایک اور اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا قبولیت دعا میں اثر ہے۔

ا: ہوا کے چلنے کے وقت۔

۲: سورج کے ڈھل جانے کے وقت۔

۳: جب بارش ہو رہی ہو۔

۴: جب کوئی مومن شہید ہو تو اس کے خون ناحق کے پہلے قطرہ کے بہنے کے وقت مظلوموں کے حامی اور ناصر خالق سے دعا مانگی جائے تو اسے قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ زید الشحام حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے اطلبوا الدعا فی اربع ساعات عند هبوب الریاح وزوال الافیاء ونزول المطر واول قطرة من دم القتیل المومن فان ابواب السماء تفتح عند هذه الاشیاء) دعا کو ان چار اوقات میں مانگو۔

ا: چلتی ہوا کے وقت۔

۲: سورج کا سایہ ڈھلتے وقت۔

۳: بارش ہوتے وقت۔

۴: اور مومن شہید کے خون کے قطرہ کے گرتے وقت۔

کیونکہ ان اوقات میں رحمت الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک اور روایت ہے۔(اذا زالت الشمس فتحت ابواب السماء و ابواب الجنان وقضیت الحوائج العظام فقلت من ای وقت؟فقال مقدار مایصلی الرجل اربع رکعات مترسلاً)

جب سورج ڈھلتا ہے تو اس وقت خالق کی رحمتوں کے دروازے اور اس کی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس وقت عظیم حاجتیں قبول ہوتی ہیں۔راوی کہتا ہے کہ سورج ڈھلنے سے آپ کتنا وقت مراد لیتے ہیں؟ آپؑ فرماتے ہیں اتنی مقدار وقت جس میں ایک عادی شخص (نہ جلدی کرتا ہے نہ دیر کرتا ہے) چار رکعت نماز پڑھ سکے۔ابو الصباح الکنانی حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ قالؑ (ان اللہ یحب من عباده کل دعاء ،فعلیکم بالدعاء فی السحر الی طلوع الشمس فانها ساعة تفتح فیها ابواب السماء وتقسم فیها الارزاق وتقضی فیها الحوائج العظام) اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے زیادہ دعا کرنے والا پسند ہے لہذا آپ وقت سحر سے لیکر سورج نکلنے تک زیادہ سے زیادہ دعا مانگا کرو کیونکہ اس وقت رحمت خدا کے دروازے کھل جاتے ہیں اور رزق کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔اور اس وقت بڑی بڑی حاجتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔

القسم الثانی: قبولیت دعا میں مکان کی اہمیت۔

وادی عرفات: روایت میں ہے کہ (ان اللہ سبحانه تعالی یقول للملائکه فی ذلك الیوم یا ملائکتی الا ترون الی عبادی واء مائی جاءوا من اطراف البلاد شعثاً غبراً اتدرون ما یسالون ؟فیقولون :ربنا انهم یسالونك المغفرہ فیقول اشهد کم انی قد غفرت لهم) اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن اپنے ملائکہ سے کہتا ہے کہ اے میرے ملائکہ کیا جانتے ہو کہ مختلف اطراف دنیا اور مختلف ممالک سے آنیوالے میرے بندے مرد اور عورتیں جن کے بال اور چہرے گرد آلود ہیں کس چیز کا سوال کر رہے ہیں؟ ملائکہ جواب میں کہیں گے الٰہی یہ بندے تیری مغفرت طلب کر رہے ہیں۔تو خدا فرمائے گا کہ آپ گواہ رہنا میں نے اپنے ان بندوں کو معاف کر دیا ہے۔روایت میں ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں جو وادی عرفات اور مشعر الحرام میں ہی دعا مانگنے سے خدا بخشتا ہے جیسا کہ خالق فرماتا ہے قال اللہ تعالیٰ (فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام) جب تم عرفات سے کوچ کرو تو مشعر الحرام

کے پاس ذکر خدا کرو۔ اور اس طرح شب بیداری کی راتوں میں بھی خالق کائنات نہ بخشنے والے گناہوں کو بھی بخش دیتا ہے۔

مسجد الحرام اور کعبہ کی فضیلت: حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ (ما وقف احد بتلك الجبال الا استجيب له فاما المومنون فيستجاب لهم في اخراهم واما الكفار فيستجاب لهم في دنياهم) جو شخص بھی مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر دعا مانگے گا وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اگر وہ دعا مانگنے والا مومن ہو تو اس کی حاجت کو آخرت میں خزانہ کیا جاتا ہے۔ اور اگر کافر ہو تو اسے دنیا میں ہی اجر دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کا کوئی حق نہیں ہے۔

مساجد کی فضیلت: مساجد اللہ کے گھر ہیں اور جو شخص مساجد میں آئے گا گویا اس نے اللہ کی زیارت کی ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے (الا ان بيوتي في الارض المساجد فطوبى لعبد تطهر في بيته ثم زارني في بيتي) مساجد زمین پر میرے گھر ہیں خوش قسمتی ہے اس شخص کی جو اپنے گھر میں پاکیزہ ہو کر میری زیارت کے لیے میرے گھر آئے ۔ جب مومن خدا کی زیارت کے لیے جائے تو خالق کائنات اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ اس زائر مومن کو نامراد واپس لوٹا دے۔ بلکہ اس کی مرادوں کو خالق پورا کرتا ہے۔(۱)

سعید بن مسلم معاویہ بن عمار سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میرا باپ جب حاجت طلب کرتے تو سورج کے زوال کے وقت دعا مانگتے اور دعا مانگنے سے پہلے صدقہ دیتے اپنے آپ کو خوشبو سے معطر فرماتے اور مساجد میں جاکر دعاؤں کو طلب کرتے۔ یہ روایت چند امور پر دلالت کرتی ہے۔

۱: دعا مانگنے سے پہلے صدقہ دینا مستحب ہے۔

۲: زوال کا وقت حاجتوں کے طلب کرنے کا وقت ہے۔

۳: اچھی خوشبو لگانا چاہیے ۔

۴: مسجد حاجت کے طلب کرنے کا مکان ہے۔

---

(۱) کیونکہ بقول مشہور مقولہ کے کہ "لکل قادم کرامۃ" دروازے پر آنے والے کی کرامت اور عزت ہوتی ہے۔ لہٰذا جب ایک عام شریف انسان اس کے ہاں آنیوالے شخص کی عزت اور لاج رکھتا ہے تو کیا خالق حقیقی محسن کائنات اللہ تعالی جس نے انسان مومن کو عزت و شرف بخشا ہے وہ اس آنیوالے اپنے بندہ کا احترام نہیں کرے گا؟

قبولیت دعا کا بہترین مکان :۔

روضہ امام حسینؑ ۔روضہ امام حسینؑ قبولیت دعا میں سے بہترین مقام ہے۔روایت میں ملتا ہے۔(**ان اللہ سبحانہ تعالی عوض الحسینؑ من قتلہ باربع خصال جعل الشفاء فی تربتہ واجابۃ الدعا تحت قبتہ،والائمہ من ذریتہ،وان لا تعد ایام زائریہ من اعمارھم**)اللہ تعالیٰ امام حسین کوشہادت کے عوض چار خصوصیات سے نوازا ہے جوکسی کو عطانہیں ہوئیں۔

ا:تربت امام حسین میں مریض کے لیے شفارکھی۔

۲:روضہ امام حسین کے قبہ کے نیچے مانگی ہوئی دعا قبول فرماتا ہے۔

تمام آئمہ کوحضرت امام حسینؑ کی زریت اورانکی اولاد میں رکھا ہے۔اورامامؑ کے زائرین کے ایام زیارت کوزندگی سے شمارنہیں کیا۔

عظمت زیارت امام حسینؑ : روایت میں ملتا ہے کہ حضرت امام جعفرصادقؑ کوشدید درد ہواتو آپؑ نے فرمایا کہ کسی شخص کواجرت دیکرامام حسینؑ کے روضہ اقدس پر بھیجا جائے تاکہ حضرت امام جعفرصادقؑ کی صحت یابی کیلئے وہاں دعاکرے۔تواس وقت حضرت امام جعفرصادقؑ کے محبین میں سے ایک شخص نکلتا ہےاوردروازہ امام پرکھڑے شخص کوامامؑ کا یہ حکم پہنچاتا ہے۔دروازہ پرکھڑا محبّ امامؑ جواب دیتا ہے کہ امام جعفرصادقؑ کا حکم سرآنکھوں پر ہے۔میں اس کی تابعداری کروں گا۔لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کیاوجہ ہے امام حسینؑ بھی واجب الاطاعت ہیں اوراللہ کی طرف سے امامؑ ہیں اورانکی اطاعت واجب ہے۔توپھرامام حسینؑ کے روضہ پرخصوصی طورپردعامانگنے کاحکم کیوں دیا ہے۔وہ بھی اللہ کی طرف سے امامؑ اورامام صادقؑ بھی امام ہیں۔جب اس شخص نے واپس آکرامام صادقؑ کواس بات کی خبردی توحضرتؑ نے فرمایا(**ھو کما قال ، لکن اما عرف ان للہ تعالیٰ بقاعاً یستجاب فیھا الدعاء؟فتلك البقعۃ من تلك البقاع**) اس نے جوکہا ہے وہ ٹھیک ہے آیاوہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات کوقبولیت دعا کیلئے مختص کیا ہے۔اورروضہ امام حسینؑ استجابت دعامیں سے ایک مقام ہے۔

القسم الثالث

قبولیت دعا کے وہ اسباب جو مضمون دعا کے ساتھ متعلق ہیں :۔

اگر دعا اسماء اعظم پر مشتمل ہو تو اس صورت میں دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے ان اسماء اعظم کو فقط خالق کائنات کی طرف سے معلوم کیا جاتا ہے جیسے اس کی ذات احدیت اپنے بندوں میں سے انبیاء کرام و اولیاء عظام کو تعلیم فرماتی ہے اور اس امر کی طرف روایات میں اشارہ ملتا ہے سورہ حشر کا آخر اسماء اعظم پر مشتمل ہونے پر روایات ملتی ہیں ۔بعض روایات میں ملتا ہے کہ آیت الکرسی اور سورہ آل عمران کا اول اسم اعظم ہے ۔بعض نے کہا ہے کہ ''الحی القیوم'' میں اسم اعظم ہے چونکہ یہ دونوں آیت الکرسی اور آل عمران میں موجود ہیں نبی اکرم سے مروی ہے'' کہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقرب الی الاسم الاعظم من سواد العین الی بیاضھا**''یعنی:۔آنکھوں کی سیاہی کا آنکھوں کی سفیدی کے قریب ہونے سے بھی زیادہ بسم اللہ.....الخ اسم اعظم کے قریب ہے ۔ایک قول یہ بھی ہے کہ ''یا حی یا قیوم'' میں اسم اعظم ہے بعض کے نزدیک ''**یا ذاالجلال والاکرام**'' میں ہے ''**یا ھو یا من لا ھو الا ھو**'' میں بعض اسم اعظم تصور کرتے ہیں لفظ ''اللہ اسم اعظم ہے'' اور اللہ خالق کے تمام اسماء میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ذکر و دعا میں بہت زیادہ مرتبہ پر ہے تمام اسماء الٰہی کا سرادار اسم ہے اور اخلاص کا کلمہ ہے اور اس اسم ''اللہ'' کے ساتھ شہادت اور گواہی ہوتی ہے اور انسان مسلمان بنتا ہے۔ مصنف کے نزدیک بھی یہی قول کہ ''اللہ'' اسم اعظم ہے زیادہ حق کے قریب ہے چونکہ اس میں بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہیں۔

خصوصیات اسم ''اللہ''

یہ اسم مقدس دیگر تمام اسماء سے زیادہ ممتاز خصوصیت کا حامل ہے۔

(ا) یہ لفظ جلالہ ''اللہ'' ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اللہ کے علاوہ اسے کسی اور کے لیے نہ حقیقی طور پہ استعمال کیا جاسکتا ہے اور نہ مجازی طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اس لیے خالق کائنات قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ " ھل تعلم له سميا" سورہ مریم ۶۵۔

کیا اللہ کے علاوہ اور بھی کوئی ہے جو اس نام میں باری تعالیٰ کے ساتھ شریک ہو؟ (ا)

(ا) جو ذات احدیت اپنے نام گرامی میں کسی کو اپنا شریک پسند نہیں فرماتی وہ کیسے اپنی خصوصیات اور صفات مقدسہ جو کہ اس کی عین ذات ہیں کسی کو شریک ہونا پسند فرمائیگی۔ لہذا شرک ایسی برائی ہے جسے کبھی بھی خدا پسند نہیں کرتا اور کبھی اس کی مغفرت نہیں کرتا۔ تو پھر کسی مخلوق کو اختیارات خلق، رزق اور کسی کو مارنے اور زندہ کرنے کے بارے میں عقیدہ رکھنے کو کیونکر خالق اکبر برداشت فرمائے گا۔ شرک ایسی گمراہی اور ضلالت ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی گمراہی نہیں ہے اور یہ ایک ایسا گناہ عظیم ہے جس کے بارے میں خود قرآن میں خالق ارشاد فرماتا ہے کہ ''ان الشرك لظلم عظيم'' اسی طرح ایک اور مقام پر خالق کائنات فرماتا ہے کہ ''اليس الله بكاف عبده'' کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟ خدا مشرک شخص کو کبھی نہیں بخشا دیگر تمام گناہوں کو تو بخش سکتا ہے لیکن شرک ایک ایسا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ خالق فرماتا ہے کہ ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء'' شرک کے علاوہ خدا جس گناہ کو چاہے معاف کردے لیکن شرک کرنے والے کو کبھی نہیں بخشے گا۔ لہذا انسان مومن کو صحیح عقیدہ رکھنا چاہیے۔ چونکہ بقول امام حسینؑ کسی مومن انسان کی زندگی کا خلاصہ دو چیزیں ہیں ''ان الحياة عقيدة و جهاد'' ایک اچھا عقیدہ اور دوسری چیز جہاد ہے۔ اور سب سے بڑا جہاد جسے رسول خداؐ نے جہاد اکبر کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے وہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اطاعت خداوندی میں زندگی گزارنا ہے تو گویا ایک مومن شخص کے لیے ان دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک عقیدہ اچھا ہو۔ خالق کو خالق جانے مخلوق کو مخلوق سمجھے۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نبوت و امامت کے دائرہ کار کو سمجھے اور دوسرا کردار اور عمل ٹھیک ہو۔ تب تو وہ صحیح مومن اور حسینی بن سکتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ... یہ بندہ تو عالم سے خفا میرے لیے تھا

(۲) لفظ جلالہ ''اللہ'' تنہا ذات احدیت پر دلالت کرتا ہے جبکہ دوسرے اسماء الٰہیہ جب اکیلے استعمال ہوں تو اپنے معانی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً لفظ قادر قدرت پر دلالت کرتا ہے اور اسی طرح عالم علم پر دلالت کرتا ہے بخلاف لفظ ''اللہ'' کے کیونکہ یہ بذات خود یہ ذات کردگار پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے دیگر تمام اسماء گرامی لفظ ''اللہ'' کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں جب کہ اسم اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ ذات احدیت کے اسم ہونے میں سے کسی اور اسم کے ساتھ پہچانا جائے مثلاً کہا جاتا ہے کہ ''الصبور'' اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اسی طرح ''رحیم'' اور ''شکور'' ان مثالوں سے واضح ہوا کہ رحیم اور شکور کا اسم ہونا اسم اللہ کے ساتھ معروف ہے اور اسی طرح ''اللہ'' کے ساتھ منسوب ہونے سے پہچانا جاتا ہے جبکہ اس کے برخلاف یوں نہیں کہا جاتا کہ اسم ''اللہ'' رحیم وکریم کا اسم ہے بلکہ یہ خود معروف ومشہور ہے ان تین خصوصیات کے علاوہ پہلے ہم نے لفظ اللہ کی چھ اور خصوصیات ذکر کی تھیں مثلاً اسم اعظم ہے، تمام اسماء الٰہیہ میں سے زیادہ مشہور ہے، ذکر ودعا میں تمام اسماء سے زیادہ بلند مرتبہ پر ہے وغیرہ.....تو ان تمام خصوصیات کے لحاظ سے فقط لفظ ''اللہ'' باقی اسماء الٰہی میں سے نو اموراور خصوصیات میں ممتاز ہے روایت میں ہے کہ حضرت سلمان نے جب ملکہ بلقیس کے آنے کی خبر سنی اور حضرت سے ایک فرسخ دور تھی تو حضرت سلمان نے فرمایا کہ " **ایکم یأتینی بعرشها قبل ان یأتونی مسلمین قال عفریت من الجن انا آتیك قبل ان تقوم من مقامك** " یعنی:۔حضرت سلمان نے جب اپنی مجلس والوں سے بلقیس کے تخت سلطنت کو حاضر کرنے کو طلب کیا تو عفریت (یہ ایک بہت طاقت ور اور چالاک جن تھا) نے کہا کہ آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے حاضر کردوں گا اور یہ مجلس حضرت سلیمان صبح سے لیکر آدھے دن تک جاری رکھتے تھے عفریت نے کہا کہ میں اس امر میں زیادہ قوت رکھتا ہوں اور مال ومتاع کی حفاظت بھی امانت داری کے ساتھ کروں گا لیکن حضرت سلمان نے عفریت سے بھی جلد تخت بلقیس کے حاضر کرنے کو طلب فرمایا اور کہا کہ کون ہے کہ عفریت سے بھی جلد تخت بلقیس لے آئے قرآن مجید میں ملتا ہے کہ "**قال الذی عنده علم من الکتاب انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك** " یہ قول حضرت آصف بن برخیا کی طرف سے قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے اور آصف بن برخیا حضرت کے بھانجے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی سلطنت کے وزیر بھی تھے اور وہ چونکہ اسم اعظم کو جانتے تھے اس لیے فرمایا کہ میں عفریت سے بھی پہلے حاضر کروں گا اور کہا '' آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس حاضر کروں گا۔

تفسیر آیت

اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ''یرتد الیک طرفک'' سے مراد یہ ہے کہ قبل اس سے کہ اے سلمان آپ اپنی نگاہ کو انتہائی نکتہ تک دوڑائیں اور وہ شخص جو آخر نظر میں موجود ہو اس کو دیکھیں میں تخت بلقیس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا

(۲) بعض دیگر علماء کے ہاں اس آیت کے معنیٰ یوں ہیں کہ آصف بن برخیا نے حضرت سلمان کو کہا کہ جب انسان ٹک ٹکی کی نگاہ باندھ کر کسی کو دیکھتا ہے تو اس وقت ٹک ٹکی کے نتیجے میں جو اس کی آنکھ جھپکتی ہے اور ایک جگہ پر قائم نہیں رہ سکتی تو میں اس مختصر وقت میں آنکھ کے جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو حاضر کروں گا

بہر حال اس آیت سے استفادہ یہ ہوا کہ حضرت آصف بن برخیا نے حضرت سلمان کے آخر تک نگاہ دوڑانے اور ایک جگہ ٹک ٹکی باندھ کر دیکھنے سے آنکھ کے بند ہونے سے پہلے عرش بلقیس کو حضرت کی خدمت میں حاضر کرنے کا دعویٰ کیا تھا

عرش بلقیس کیسے حاضر ہوا؟

کلبی جو کہ ہشام بن محمد السائب الکوفی ابو المنذر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے روایت کرتا ہے کہ حضرت آصف بن برخیا نے انتہائی خشوع و تواضع سے اللہ تعالیٰ کو وہیں پر سجدہ کیا اور اس اسم اعظم جس کو وہ جانتا تھا کے توسط سے خدا سے دعا کی خدا نے اس کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں عرش بلقیس کو زمین میں چھپا کر کرسی سلیمان کے ہاں حاضر کر دیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت آصف بن برخیا کے لیے یہ زمینی فاصلہ کرامت کی صورت میں زمین کے آپس میں لپٹنے کے ساتھ کم ہوگیا اور آصف بن برخیا گویا چند لحظوں میں تخت بلقیس کو وہاں پہنچا کر حضرت کی خدمت میں لے آئے۔

بعض علماء نے عرش بلقیس کے حاضر ہونے کو یوں بیان کیا ہے کہ زمین کے پھٹنے سے عرش بلقیس زمین نگل گئی اور کرسی سلیمان کے ہاں حاضر ہوا۔

کونسا اسم اعظم آصف بن برخیا کے پاس تھا

بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت آصف بن برخیا کے پاس اسم اعظم ''اللہ'' اور اس کے بعد ''الرحمن'' کے الفاظ پر مشتمل تھا۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ آصف بن برخیا کے پاس ''یا حی یا قیوم'' کا اسم اعظم تھا اور عبرانی زبان میں ''آھیا شراھیا'' جو کہ عربی میں ''واجب الوجود'' کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

اور اسی طرح بعض نے ''یا ذا الجلال والاکرام'' اسم اعظم کے ہونے کا ذکر کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ '' یا الٰهنا و الٰه كل شي الٰهاً واحدا لااله الا انت '' کا اسم اعظم تھا۔

بعض مخصوص الفاظ کا بعض حاجات کی قبولیت میں مؤثر ہونا۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ اگر دعا بعض الفاظ مخصوصہ پر مشتمل ہو تو بعض حاجات مخصوصہ جلد قبول ہوتی ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ''من قال يا الله عشر مرات قيل له لبيك عبدى سل حاجتك تعط'' یعنی: جو مؤمن دعا میں دس دفعہ یا اللہ کہے تو خالق کی جانب سے اسے کہا جائے گا کہ اے میرے بندے جو چاہتا ہے مجھ سے مانگ تجھے عطا کیا جائے گا اور اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ''من قال یا رباه عشر اً'' اور اسی طرح بعض روایات میں ''یا رب'' اور دوسری بعض میں ''یا سیداہ'' کو دس دفعہ کہنے سے تمام حاجات کی قبولیت کی ضمانت ہے۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ ''من قال في سجوده يا الله يا رباه ياسيداه ثلاثاً اجيب له بمثل ذالك'' یعنی:۔جو تین دفعہ یا اللہ یا رباہ یا سیداہ کا ذکر کرے اسے خالق کی طرف سے حاجات کی قبولیت کا جواب ملتا ہے۔

راوی سماعہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کرتا ہے کہ امام نے فرمایا کہ ''اذا كانت لك يا سماعه عندالله حاجة فقل اللهم اني اسئلك بحق محمد و علي فان لهما عندك شأنا من الشأن و قدراً من القدر فبحق ذالك الشأن وبحق ذالك القدر ان تصلي على محمد و آل محمد و ان تفعل بي كذا و كذافانه اذا كان يوم القيامة لم يبق ملك مقرب و لانبي مرسل ولا عبد مؤمن امتحن الله قلبه للايمان الا وهو محتاج اليهما في ذالك اليوم''

یعنی:۔اے سماعہ اگر اللہ سے کوئی حاجت طلب کرنی ہو تو اس طرح طلب کرو ''الٰہی میں تجھے محمد مصطفیؐ اور علی مرتضیٰؑ کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جو کہ ان دونوں کی تیرے ہاں بڑی قدر و منزلت ہے الٰہی اس قدر و منزلت کے صدقے محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما اور میری ان مذکورہ حاجات کو پورا فرما کیونکہ قیامت کے دن کوئی ایسا عظیم مرتبت والا فرشتہ اور نہ کوئی اللہ کا نبی اور نہ ہی مؤمن بندہ ہوگا مگر یہ کہ وہ اس دن کی ہولناکیوں کے امتحان میں کامیابی کے لیے انہی دو ہستیوں کا

محتاج ہوگا اور اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک اور روایت ہے " من قال فی دبر الفریضہ یامن یفعل ما یشاء ولا یفعل ما یشاء احد غیرہ ثلا ثاثم سئل اعطی ما سئل" یعنی:۔ جو شخص ہر فریضہ نماز کی تعقیبات میں تین دفعہ اس ذکر کو پڑھے "یامن یفعل......احد غیرہ" اے وہ ذات جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو چاہے وہ کرے اور پھر خالق سے جو بھی سوال کرے گا اس کا سوال پورا کردیا جائے گا۔

ادائیگی قرض کی دعا

جمعہ کے دن اور بعض روایات میں ہر دن اس دعا کے پڑھنے کے بارے میں ملتا ہے "اللٰھم اغنی بحلالك عن حرامك و اغننی بفضلك عمن سواك" یعنی:۔ الٰہی مجھے اس قدر حلال رزق دے کہ میں حرام سے بے نیاز ہوجاؤں اور اپنے بے پناہ فضل و کرم سے دوسروں سے بے نیاز و مستغنی کردے۔

کشادگی رزق کی دعا

ہر نماز صبح کی تعقیبات میں وسعت رزق کے لیے دس دفعہ اس دعا کو پڑھنے کے بارے روایت ہے "سبحان اللہ العظیم و بحمدہ استغفر اللہ و اسئلہ من فضلہ" یعنی:۔ پاک و پاکیزہ و بزرگ و برتر خدا اور اس کی حمد ہے میں اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہوئے اس کے فضل و عنایات کا سوال کرتا ہوں اور اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ نماز عشاء کی تعقیبات میں یوں دعا پڑھے "اللھم انہ لیس لی علم بموضع رزقی و انا اطلبہ بخطرات تخطر علیٰ قلبی فاجول فی طلبہ البلدان و انا فیما اطلب کالحیران لا ادری افی سھل ھو ام فی جبل فی ارض ام فی سماء ام فی بر ام فی بحر و علی یدی من ؟و من قبل من؟و قد علمت ان علمہ عندك و اسبابہ بیدك و انت الذی تقسمہ بلطفك و تسببہ برحمتك واللّٰھمّ صل علی محمد و آل محمدو اجعل لی یا رب رزقك واسعا و مطلبہ سھلا و مأخذہ قریبا و لاتعننی بطلب ما لم تقدر لی فیہ رزقا فانك غنی عن عذابی و انا فقیر الیٰ رحمتك فصل علی محمد و آل محمدو جد علیٰ عبدك انك ذو فضل عظیم" یعنی:۔ الٰہی مجھے اپنے رزق کے مقام کا علم نہیں ہے میرے عقل میں آنے والے خیالات کی بناء پر رزق کی طلب میں مختلف شہروں کے چکر کاٹتا ہوں اور پریشان حال کی طرح رزق کو طلب کرتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ آیا میرے لیے رزق صحراء میں ہے یا پہاڑ میں زمین پر ہے یا آسمان میں خشکی پر ہے یا تری میں ہے الٰہی تیری ذات ہی مقام رزق کو جانتی ہے اور اسباب رزق تو ہی مہیا فرماتا ہے اور تو ہی اپنے لطف و کرم سے تقسیم رزق کرتا ہے فراہمی اسباب رزق بھی تیری ہی

رحمت کے مرہون منت ہیں الٰہی محمد وآل محمد پر اپنی رحمت نازل فرما اور اپنے خزانہ رحمت کو میرے لیے وسیع فرما اور میری طلب رزق کو آسان فرما اور مقام رزق کو قریب کر اور جو میرے لیے رزق مقسوم نہیں کیا ہے اس کی طلب میں مجھے رنج و تکلیف میں نہ ڈال کیونکہ تیری ذات مجھے عذاب دینے اور تکلیف دینے سے بے نیاز ہے۔ میں تیری ہی رحمت کا محتاج ہوں محمد وآل محمد پر رحمت نازل فرما مجھ ناچیز بندے کو اپنے فضل وکرم سے عنایات عطا فرما کیونکہ تیری ذات بہت بڑی فضل کرنے والی ہے۔

ظالم کے خوف سے بچاؤ اور حکمران پر داخل ہوتے وقت کی دعا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جب منصور دوانیقی کے دربار میں تشریف لائے تو اس ظالم کے شر سے بچنے کے لیے اس دعا کو پڑھا "**یا عدتی عند شدتی و یا غوثی عند کربتی احرسنی بعینك التی لا تنام و اکنفنی برکنك الذی لا یرام**" اے میری مصیبتوں کے وقت سب کچھ ایسی سختیوں میں میری فریادرس، میری اپنی اس نظر کرم سے حفاظت فرما جو کبھی بھی مجھ سے غافل نہیں ہے اور اپنے دائمی رحمت کے سایہ میں رکھ۔

ادائیگی قرض کی دعا

معاذ بن جبل روایت کرتا ہے کہ ایک دن میں نے رسول خدا کے ساتھ نماز جمعہ ادا نہ کی تو رسول اکرم نے فرمایا کہ "**یا معاذ ما منعك عن صلاة الجمعة**" اے معاذ کس نے تجھے نماز جمعہ سے روکا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے جواب میں عرض کی کہ ایک یہودی کا مجھ پر قرضہ تھا جس کی مقدار ایک اوقیہ ہے (اوقیہ تیرہ رطل عراقی کے برابر ہوتا ہے اور ایک رطل عراقی کی مقدار ایک سوتیس درہم کے برابر ہوتی ہے) اور قرض لینے والا میرے دروازے پر تھا تو میں اس کے پکڑنے کے ڈر سے حاضر نہ ہوسکا تو رسول خدا نے فرمایا کہ "**اتحب یا معاذ ان یقضی الله دینك ؟**" اے معاذ کیا چاہتے ہو کہ خدا آپ کا قرض دا کرے؟ کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ تو رسول خدا نے فرمایا "قل اللهم مالک الملک.....بغیر حساب" تک۔ پڑھنے کے بعد یوں دعا پڑھ "**یا رحمٰن الدنیا و الآخرة ورحیمهما تعطی منهما ما تشاء و تمنع منهما ما تشاء صل علی محمد و آل محمداقض عنی دینی یا کریم**" رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اس دعا کے پڑھنے سے تمام قرض خدا ادا کر دیتا ہے چاہے ان قرضوں کی مقدار سونے سے بھری ہوئی زمین جتنی ہی کیوں نہ ہو

حافظہ کی دعا

رسول خدا سے مروی ہے کہ اے علی اگر آپ چاہتے ہیں کہ جو بھی سنیں اور اس کو حفظ کرلیں تو ہر نماز کے بعد یوں پڑھا کرو "سبحان من لا یعتدی علی اھل مملکتہ سبحان من لا یأخذ اھل الارض بالوان العذاب سبحان الرؤوف الرحیم اللھم اجعل لی فی قلبی نوراؔ و بصرا و فھما و علما انک علی کل شی قدیر" پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنی مملکت میں رہنے والوں پر ظلم نہیں کرتی پاک ہے وہ ذات جو زمین والوں کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار نہیں کرتی تو مہربان و رحم کرنے والا ہے الٰہی میرے دل میں نور و بصیرت اور علم و فہم کو جگہ دے کیونکہ تیری ذات ہر شی پر قدرت رکھتی ہے۔

پڑوسی کی اذیت سے بچنے کی دعاء

روایت میں ملتا ہے کہ ایک شخص حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام کی خدمت میں اپنے پڑوسی کے بارے شکایت کرتا ہے کہ وہ مجھے اذیت دیتا ہے تو مولا فرماتے ہیں کہ "اذا صلیت المغرب فصل رکعتین ثم قل یا شدید المحال یا عزیز اذللت بعزتک جمیع ما خلقت اکفنی شر فلاں بما شئت" ترجمہ: نماز مغرب سے فارغ ہو نے کے بعد دو رکعت نماز بجالاؤ اور اس کے بعد اس دعا کو پڑھو "یا شدید.........الخ" اور فلاں کی جگہ پر اس شخص کا نام لے جسکی اذیت سے محفوظ رہنا چاہتا ہے۔

اس شخص نے ایسے ہی کیا آدھی رات کو ایک چیخ کی آواز سنتا ہے پتا چلتا ہے کہ فلاں شخص مرگیا جس کی اس نے امام کے ہاں شکایت کی تھی اور امام نے اسے یہ دعا پڑھنے کے لیے حکم فرمایا تھا۔

اسی طرح اور بہت زیادہ ادعیہ ہیں جو مختلف حاجات کے لیے خاص الفاظ پر مشتمل ہیں اور ان دعاؤں کے پڑھنے سے وہ حاجات جلد قبول ہوتی ہیں ان کا تفصیلی ذکر کتب ادعیہ میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

القسم الرابع

قبولیت دعا کے اسباب جو دعا اور زمان دعا سے مرکب ہیں

یہ قسم ان اسباب کے ذکر میں ہے جو دعا اور اس وقت جس میں دعا مانگی جارہی ہوتی ہے کے مجموعہ سے پیدا ہوتے ہیں اور قبولیت دعا میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

دعاء سمات روز جمعہ کے آخری وقت میں پڑھنا

روایت میں وارد ہوا ہے کہ دعا سمات کو روزہ جمعہ غروب شمس سے تھوڑی دیر پہلے پڑھنے سے حاجات قبول ہوتی ہیں مستحب ہے کہ اس دعا پڑھنے کے بعد یوں دعا مانگی جائے "اللھم انی اسئلك بحرمة هذا الدعاو بما فات منه من الاسماء و بما يشتمل عليه من التفسير و التدبير الذى لا يحيط به الا انت ان تفعل بی كذا و كذا..." الٰہی میں اس دعا کی عظمت کے صدقہ تجھ سے دعا مانگ رہا ہوں اور ان اسماء کے ذریعے سوال کرتا ہوں جو اس میں مذکور نہیں ہیں اور ایسے امر کے ذریعے تجھ سے سوال کرتا ہوں جن کی تفسیر اور تدبیر تیرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا یا الٰہی میری ان حاجات کو پورا فرما (یہاں پر اپنی حاجات کو ذکر کرے)۔

اسی طرح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ماہ رمضان کے دوسرے عشرہ میں قرآن مجید کھول کر اس دعا کو پڑھتے تھے "اللھم انی اسئلك بكتابك المنزل و ما فيه و فيه ا سمك الاعظم الاكبر و اسمائك الحسنى و ما يخاف و يرجى ان تجعلني من عتقائك من النار" خدایا میں تجھے تیری طرف سے نازل ہونے والی کتاب (قرآن مجید) کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں اور اس کتاب میں وارد ہونے والے اسماء اعظم کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں اور تیرے ان اسماء حسنہ کا واسطہ دیتا ہوں اور تجھ سے خوف و امید رکھے ہوئے سوال کرتا ہوں مجھے اپنی طرف سے عذاب جہنم سے آزاد ہونے والوں میں سے قرار دے۔ اس دعا کے مانگنے کے بعد جو حاجت بھی طلب کی جائے قبول ہوتی ہے اسی طرح ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ "من قرأ في الثلث الاخير من ليلة الجمعة سورة القدر خمس عشرة مرة" جو شخص جمعہ کی آخری تہائی رات میں پندرہ مرتبہ سورہ قدر کی تلاوت کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

القسم الخامس

وہ اسباب قبولیت جو دعا اور امکان دعا کے مجموعہ سے ہیں

مندرجہ ذیل چند ان اسباب کو ذکر کیا جاتا ہے جو دعا کی قبولیت میں اثر انداز ہیں اور یہ اسباب مخصوص الفاظ دعا اور وہ جگہ جہاں دعا مانگی جا رہی ہو ان دونوں سے پیدا ہوتے ہیں

سر اقدس امام حسین کے قریب دعا مانگنا:۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ "**من کانت له حاجة الى الله عزوجل فليقف عند رأس الحسين وليقل يا ابا عبد الله اشهد انك تشهد مقامي و تسمع كلامي و انك حي عند ربك ترزق فاسئل ربك وربي في قضاء حوائجي**" جس شخص کے ہاں کوئی حاجت ہو تو وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ اقدس پر سر مبارک کے قریب ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگے تو حاجت ضرور پوری ہوگی، اے ابا عبد اللہ الحسین میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ میرے دعا مانگنے کے مقام کو دیکھ رہے ہیں اور میری کلام کو سن رہے ہیں آپ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور اس سے رزق پاتے ہیں میرے اور اپنے رب سے میری حاجات کی قبولیت کے لیے دعا فرمائیں (۱)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی قبر اقدس کے قریب دعا مانگنے کی فضیلت

بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ ایک شخص امام علیؑ ہادی علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر اپنی صورت حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے میرے مولا خلیفہ وقت مجھے ہر سال انعام اور ہدیہ دیا کرتا تھا مگر اس دفعہ غضب میں آنے کی وجہ سے میرا انعام اور ہدیہ بند کر دیا ہے لہٰذا آپ میری شفاعت فرمائیں تا کہ مجھے میرا سالانہ ہدیہ مل جائے یہ کہنے کے بعد جب وہ باہر نکلا تو رات کو خلیفہ کی طرف سے ایلچی آتا ہے اور اسے خلیفہ کے ہاں حاضر ہونے کو کہتا ہے ابھی وہ خلیفہ کے گھر کی طرف جا ہی رہا تھا تو راستہ میں اسے خلیفہ کی طرف سے کئی لوگ ملے جو اسے خلیفہ کی طرف بلانے کے لیے آرہے تھے جب یہ شخص خلیفہ کے دروازے پر پہنچتا ہے تو دربان سے پوچھتا ہے کہ آیا حضرت علی بن محمد النقیؑ یہاں تشریف لائے ہیں؟ تو اس نے کہا نہیں پھر یہ شخص خلیفہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور خلیفہ اسے اپنے قریب بلا کر سابقہ بند کیے ہوئے تمام ہدایا عطا کرتا ہے یہ شخص ان تحائف کو لیکر باہر نکلتا ہے تو دروازے پر کھڑا شخص جس کا نام الفتح بن خاقان تھا ملاقات ہوتی ہے الفتح اسے کہتا ہے کہ آپ علی بن محمد النقی کو کہنا کہ جو دعا امام علیہ السلام نے تیرے لیے کی ہے اسے مجھے

---

(۱) حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی اس حدیث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے حوائج کے پورا ہونے کی دعا محمد واھل بیت محمدؐ کے توسل اور وسیلہ سے کی جاتی ہے۔ اور حوائج کی برآوری خالق کی ذات سے یہ بزرگ ہستیاں کرواتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی اپنی دعاؤں کو اسی طرح مانگنا چاہیے۔

بھی تعلیم فرمائیں پھر اس کے بعد یہ شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے جب امام علیہ السلام نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ اب آپ خوش ہیں؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ جی ہاں لیکن آپ خلیفہ کے ہاں تشریف نہیں لائے ہیں تو حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "ان اللہ عودنا ان لا نلجأ فی المھمات الا الیہ ولا نسئل سواہ فخفت ان اغیر فیغیر ما بی" اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کی عادت ڈالی ہے کہ ہم مشکلات میں اسی کی طرف رجوع کریں اور اس کے علاوہ کسی سے سوال نہ کریں مجھے اس سے خوف ہے کہ اگر میں اس عادت کو چھوڑ کر غیر خدا سے سوال کروں گا تو پھر خدا ہماری اس حالت کو تبدیل کر دے گا جس میں ہم ہیں۔ پھر اس کے بعد الفتح بن خاقان کی حاجت کے بارے میں ذکر کرتا ہے کہ وہ آپ سے اس دعا کی تعلیم چاہتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "ان الفتح یوالینا بظاھرہ دون باطنہ الدعاء لمن دعا بہ بشرط ان یولینا اھل البیت لٰکن ھذاالدعا کثیر اَما ادعو بہ عند الحوائج فتقضٰی و قد سألت اللہ ان لا یدعو بہ بعدی احد عند قبری الا استجیب لہ وھو یا عدتی عند العدد ویا رجائی والمعتمدو یا کھفی والسند ویا واحد یا احد یا قل ھو اللہ احد اسئلك اللھم بحق من خلقہ من خلقك ولم تجعل فی خلقك مثلھم احدا ان تصلی علیھم و ان تفعل بی کذا و کذا..." الفتح ہم سے ظاہری طور پر محبت کرتا ہے جب کہ اندر سے محبت نہیں کرتا اور یہ دعا اس شخص کے لیے ہے جو ہم اہل بیت سے صحیح طور پر محبت کرے لیکن جب بھی اس دعا سے خالق سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کی دعا کی ہے میری حاجت پوری ہوئی ہے اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا ہے کہ یا الہٰی جو بھی اس دعا کو میری قبر کے ہاں مانگے اس کی دعا کو قبول فرمانا اور وہ دعا یوں ہے" اے ذخیروں کے مقابل میرا ذخیرہ اے میری امید گاہ اے میرا سہارا، اور میری پناہ گاہ، اے میری پشت پناہ اے یگانہ و یکتا اے وہ کہ جس کی یہ شان ہے کہ کہو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کے واسطے سے جسے تو نے اپنی مخلوق میں سے چنا ہے اور اپنی خلقت میں سے کسی کو ویسا قرار نہیں دیا کہ تو محمد و آل محمد پر رحمت فرما اور میری ان حاجات کو پورا فرما (یہاں پر اپنی حاجتوں کو ذکر کریے)

اس قسم کی اور بہت زیادہ ادعیہ ہیں لیکن اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام کو ذکر نہیں کرتے اور انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

محبت اہل بیت قبولیت اعمال کی شرط

یہ جان لینا چاہیے کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے اس قول سے کہ ''یہ دعا وہ مانگے جو ہم اہل بیت سے محبت رکھتا ہو'' اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دعا کی قبولیت کے لیے محبت اہل بیت علیہم السلام شرط ہے چاہے وہ واجبات ہوں یا مستحبات ہر عمل کی قبولیت میں محبت اہل بیت شرط ہے اور جو محبت اہل بیت نہ رکھتا ہو اس کی نہ دعا قبول ہوگی اور نہ ہی اس کے باقی اعمال قبول ہوں گے اور اسی مطلب کی طرف محمد بن مسلم سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جانب سے روایت مروی ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مولا ہم آپ کے دشمنوں کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور وہ ان اعمال میں بہت مشکلات بھی جھیلتے ہیں کیا ان کو یہ اعمال فائدہ دیں گے؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''یا ابامحمد انما مثلنا اهل البیت مثل اهل بیت کانوا فی بنی اسرائیل فکان لایجتهد احد منهم اربعین لیلة الا دعا فاجیب و ان رجلا منهم اجتهد اربعین لیلة ثم دعا فلم یستجب له فاتیٰ عیسی یشکو الیه ما هو فیه و یسئله الدعاء له فتطهر عیسیٰ و صلیٰ ثم دعا فاوحیٰ الله الیه یا عیسیٰ ان عبدی اتانی من غیر الباب الذی او تی منه انه دعانی و فی قلبه شك منك فلو دعانی حتیٰ ینقطع عنقه و تنثر انامله ما استجبت له فالتفت عیسیٰ فقال تدعو ربك و فی قلبك شك من نبیه ؟ قال یا روح الله و کلمته قد کان والله ما قلت فاسئل الله ان یذهب به عنی فدعا له عیسیٰ فتفضل الله علیه وصار فی اهل بیته و کذالك نحن اهل البیت لا یقبل الله عمل عبد وهو یشك فینا''

اے ابو محمد ہم اہلبیت کی مثال بنی اسرائیل کے اہل بیت کی طرح ہے اہل بیت بنی اسرائیل میں سے جو بھی چالیس راتیں مشقت جھیل کر عبادت کر کے دعا مانگتا تو اس کی دعا کو خدا جلد قبول فرماتا لیکن ایک دفعہ ان میں سے ایک شخص نے چالیس راتوں کو عبادت کی مشقت برداشت کی اور پھر جب اس کے بعد دعا مانگی تو اس کی دعا قبول نہ ہوئی تو وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر اپنی اس حالت اور عدم قبولیت دعا کی شکایت کرتا ہے اور اپنے لیے حضرت عیسیٰ سے دعا مانگنے کو طلب کرتا ہے حضرت عیسیٰ وضو کر کے نماز پڑھنے کے بعد اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی فرمائی اور فرمایا کہ یہ میرا بندہ مجھ سے اس راستہ سے دعا نہیں مانگی جہاں سے دعا مانگی جاتی ہے۔ اس شخص کے دل میں اے عیسیٰ تیری نبوت و رسالت کے بارے میں ایمان نہیں ہے اور وہ شک میں مبتلاء ہے اور پھر وہ شک کی حالت میں مجھ سے دعا مانگ رہا ہے؟ ایسی صورت میں اگر وہ مجھ سے اپنے سر کے دھڑ سے جدا ہونے اور اس کی انگلیوں کے پوروں کے

بکھرنے تک مجھ سے دعا کرتا رہے تب بھی میں اس کی دعا قبول نہیں کروں گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ تو اپنے رب سے دعا مانگتا ہے اور تیرے دل میں اس کے نبی کے بارے میں شک ہے اور تو اس کے نبی پر ایمان نہیں رکھتا؟ وہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ اللہ کی قسم اے عیسیٰ روح اللہ ایسا ہی تھا جیسا آپ فرما رہے ہیں لیکن اب میں اللہ سے اس شک کے دور ہونے کی دعا کرتا ہوں اور حضرت عیسیٰ نے اس شک کے دور ہونے کے لیے اس کے بارے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے شک کو دور کر دیا اور وہ عیسیٰ کے اہل بیت میں سے ہو گیا پس ہم اہل بیت اطہار بھی اسی طرح ہیں خدا اس وقت تک اپنے کسی بندے کے عمل کو قبول نہیں کرتا جب تک اس کے دل میں ہمارے بارے شک ہو اور ہم سے محبت نہ رکھتا ہو۔

القسم السادس

قبولیت دعا کے وہ اسباب جو ان احوال کے ساتھ متعلق ہیں جن میں دعا مانگی جارہی ہوتی ہے۔

فریضہ نماز کے بعد دعا مانگنا

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "من ادی للہ مکتوبۃ فلہ فی اثرھا دعوۃ مستجابۃ" جو شخص نماز واجب کو اخلاص کے ساتھ فقط خدا کے لیے ادا کرتا ہے اس کے بدلے میں اس کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے۔ راوی ابن الفحام کہتا ہے کہ میں نے حالت خواب میں امیر المؤمنین کو دیکھا تو ان سے اس خبر مذکور کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ خبر صحیح ہے لہٰذا اے ابن فحام نماز فریضہ سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کر اور سجدہ میں یوں پڑھ "اللھم بحق من رواہ و من روی عنہ فصل علی جماعتھم وافعل بی کیت و کیت" الٰہی جس سے یہ روایت کی گئی ہے اور جس نے اسے ہم تک نقل کیا ہے ان کے صدقہ میں ان کے اصحاب پر درود بھیج اور میری ان حاجات کو پورا فرما۔ (یہاں حاجات کو ذکر کریں)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ "ان اللہ فرض الصلوٰۃ فی احب الاوقات الیہ فاسئلو اللہ حوائجکم عقیب فرائضکم" خدا نے نمازوں کو اپنے محبوب ترین اوقات میں اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے لہٰذا تم ادائیگی فرائض کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کو طلب کرو۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "لا ینفصل العبد من صلاتہ حتیٰ یسئل اللہ الجنۃ و یستجیر بہ من النار و ان یزوجہ الحور العین" بندہ اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہو جب تک اللہ سے تین چیزیں طلب نہ

کرے خدا سے حصول جنت کی دعا کرے اور عذاب جہنم سے پناہ مانگے اور حور العین کو طلب کرے۔

راوی ابوحمزہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا ہے کہ "اذا قام المؤمن فی الصلاة بعث الله الحور العین حتّٰی یحدقن به فاذا انصرف ولم یسئل الله منهن شیئاً تفرقن متعجبات" جب مؤمن نماز ادا کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت سے حوروں کو بھیجتا ہے جو اس کے ارد گرد چکر لگاتی رہتی ہیں اور اگر نمازی اللہ سے حوروں کے عطا کی دعا کیے بغیر نماز ختم کرکے چلا جائے تو یہ حوریں اس نمازی پر تعجب کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔

ایک راوی فضل البقباق امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے "یستجاب الدعاء فی اربعة مواطن فی الوترو بعد الفجر وبعد الظهر و بعد المغرب" چار مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے نماز تہجد کے وقت، فجر کے وقت، نماز ظہر و مغرب کے بعد۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے اور سجدہ میں دعا مانگے خدا اس کی دعا قبول کرتا ہے۔

فقیر سوالی کی دعا قبول ہوتی ہے

قبولیت دعا کے وہ اسباب جو مخصوص حالات سے متعلق ہیں اور جن میں دعا مانگنی چاہیے ان میں سے فقیر سائل کی دعا بھی ہے۔ فقر و غربت کی حالت میں یہ فقیر سائل عطا کرنے والے شخص کے حق میں جو بھی دعا مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے ایسی حالت میں اگر فقیر سوالی اپنے لیے دعا مانگے تو قبول نہیں ہوتی لیکن جبکہ عطا کرنے والے شخص کے حق میں اس کی دعا خدا فوراً قبول کرتا ہے۔ اسی وجہ سے امام سجاد علیہ السلام اپنے غلاموں اور خادموں کو فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کو کچھ دینے میں تأخیر کرنا تا کہ وہ ہمارے حق میں دعا کرے کیونکہ فقیر کی دعا عطا کرنے والے کے حق میں جلد قبول ہوتی ہے۔ امام نے فرمایا کہ "دعوة السائل الفقیر لا ترد" فقیر کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی امامین صادقین علیہما السلام میں سے کسی معصوم سے مروی ہے کہ "اذا اعطیتموهم فلقنوهم الدعا فانه یستجاب لهم فیکم ولا یستجاب لهم فی انفسهم" جب آپ فقیر کو عطا کرو تو اسے اپنے حق میں دعا کے لیے کہو کیونکہ اس کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوتی ہے اور خود اس کے اپنے حق میں اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

صدقہ اور خیرات کی فضیلت اور صدقہ کے آداب

امام زین العابدین علیہ السلام صدقہ دیتے وقت اس صدقہ کو بوسہ دیتے تھے آپ سے کسی نے اس کے بارے

سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ " انھا تقع فی ید الله قبل ان تقع فی ید السائل "صدقہ قبل اس کے کہ فقیر کے ہاتھ پہنچے پہلے یہ رحمت الٰہی سے شرف یاب ہوتا ہے۔ اس لیے میں اسے چومتا ہوں کیونکہ یہ رحمت الٰہی سے متشرف ہونے والا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ "اذا ناولتم السائل فلیرد الذی یناوله یده الیٰ فیه فیقبلها فان الله عزوجل یأخذها قبل ان تقع فی ید السائل فان الله عزوجل یأخذالصدقات " جب آپ کسی سائل فقیر کو صدقہ دیں تو اپنے اس ہاتھ کو جس سے صدقہ دیا ہے بوسہ دیا کرو کیونکہ سب سے پہلے صدقہ بارگاہ الٰہی میں جاتا ہے قبل اس کے کہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچے۔ اس مضمون پر مشتمل ایک اور روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے جس کے بعد رسول خدا قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت فرماتے ہیں "الم تعلموا ان الله هو یقبل التوبه عن عباده ویأخذالصدقات و ان الله هو التواب الرحیم " سورہ توبہ آیۃ ۱۰۴۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو قبول کرتا ہے اور خدا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ہر شے کے لیے اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کیا ہے مگر صدقہ ایک ایسا امر ہے کہ جسے میں خود مؤمن بندہ سے لیکر فقیر کو دیتا ہوں اور جوں ہی وہ صدقہ دیتا ہے میں اسے بہت جلد وصول کرتا ہوں چاہے وہ ٹوٹی ہوئی کھجور کا ہی کیوں نہ ہوا اور میں اسے اس طرح پروان چڑھاتا ہوں جیسے کوئی شخص اس بچے کی پرورش کرتا ہے جسے بچپن میں اسے اپنی ماں سے جدا کر دیا گیا ہو۔ قیامت کے دن صدقہ دینے والا شخص اپنے صدقہ کو احد کے پہاڑ جتنا وزنی پائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "استنزلوا الرزق بالصدقۃ" اپنے رزق کو صدقہ سے طلب کرو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے بیٹے محمد کو فرماتے ہیں کہ بیٹا نفقہ میں کتنی مقدار زائد ہے؟ کہتا ہے کہ چالیس دینار تو حضرت نے فرمایا کہ اسے صدقہ دیدو محمد نے کہا کہ تو پھر میرے پاس اصل نفقہ ہی رہ جائے گا اور اس سے زائد کچھ نہیں رہے گا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "تصدق بها فان الله یخلفها أ ما علمت ان لکل شی مفتاحا و مفتاح الرزق الصدقه فتصدق بها " میرے بیٹے زائد نفقہ کا صدقہ دیدو اللہ تعالیٰ اس کا عوض دے گا کیا آپ نہیں جانتے کہ ہر چیز کی ایک چابی ہے اور رزق کی (فراوانی کی) چابی صدقہ ہے پس امام کے بیٹے نے صدقہ دیدیا۔ اور ابھی امام نے دس دن ہی نہ گذارے تھے کہ کسی جگہ سے چار ہزار دینا آ گئے۔

ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "الصدقة تقضی الدین تخلف بالبرکة" صدقہ دینے سے قرض پورا ہوتا ہے اور رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر امام فرماتے ہیں کہ "اذا املقتم فتاجروا الله عزوجل بالصدقة" اگر آپ مفلس ہوگئے تو صدقہ کے ساتھ اللہ سے تجارت کرو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "ان الصدقة لتدفع سبعین علة من بلایا الدنیا مع میتة السوء ان صاحبها لا یموت میتة السوء ابدا" صدقہ دنیا کی ستر قسم کی امراض کو دور کرتا ہے جس میں ناگہانی موت بھی ہے، صدقہ دینے والا ناگہانی موت سے نہیں مرتا۔

حضرت عیسیٰ کا قصہ فضیلت صدقہ کے بارے میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کا گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ابھی مرجائے گا تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص وہاں سے واپس گزرا اور لکڑیوں کے گٹھے کو اٹھائے ہوئے تھا حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے سوال کیا کہ اے روح اللہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ شخص مرجائے گا جب کہ وہ ابھی تک زندہ ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ اس کی لکڑیوں کے گٹھے کو نیچے رکھ کر کھولو جب اسے کھولا گیا تو اس میں سیاہ سانپ تھا اور اس کا منہ ایک پتھر سے بند تھا تو اس شخص سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آج تو نے کونسا عمل انجام دیا ہے تو اس نے کہا کہ میرے پاس دو روٹیاں تھیں جس میں سے ایک روٹی سوالی کو دے دی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "(ما احسن عبد الصدقة فی الدنیا الا احسن الله الخلافة علی ولده من بعده) ترجمہ: جو جتنا بہترین صدقہ دے گا خداوند ذوالجلال اس سے اچھا اس کی اولاد کو عطاء فرمائے گا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ القانع الذی یسئل والمعتر صدیقك۔ "قانع" اسے کہتے ہیں جو سوال کرے اور "معتر" تمھارا نادار دوست مگر سوال نہ کرے۔

قصہ

امام جعفر صادق علیہ السلام منیٰ میں موجود تھے کہ ایک سوالی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کرتا ہے تو حضرت نے اسے انگور عطا کیے لیکن اس نے حضرت سے درہم طلب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے انگوروں کی ضرورت نہیں ہے حضرت نے فرمایا خدا آپ کے رزق میں وسعت پیدا کرے۔ اور وہ چلا گیا اتنے میں دوسرا شخص آتا ہے اور مولا سے کچھ عطا کرنے کا سوال کرتا ہے تو حضرت نے اسے تین انگور اٹھا کر دے دیئے سوالی نے انھیں لیتے ہوئے الحمد للہ رب

العالمین پڑھا۔امام نے اسے جانے سے روک لیا اور پھر دوبارہ اسے مٹھی بھر انگور عطا فرمائے۔سوالی اسی طرح اپنے رب کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے چلنے لگا تو آپ نے پھر اسے روک کر اپنے خادم سے کہا کہ تیرے پاس کتنے درہم ہیں؟ خادم کہتا ہے کہ تقریبا بیس درہم ہونگے امام نے اسے ان درہموں کو سوالی کے حوالے کرنے کا حکم دیا سوالی ان درہموں کو لیکر کہتا ہے کہ "الٰہی تیری حمد ہے اور یہ سب کچھ تجھ ہی سے ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے" جب چلنے لگا تو امام علیہ السلام نے اسے روک کر اپنی قمیص دے دی جب اس نے مولا کے دیئے ہوئے قمیص کو پہنا تو خالق کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مولا کے لیے بھی دعا کرنے لگا کہ خدا آپ کو جزاء خیر دے جب اس مرتبہ اس نے مولا کے لیے دعا کی تو یہ واپس چلا گیا۔امام علیہ السلام کے ساتھی کہتے ہیں کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ جب تک یہ شخص امام علیہ السلام کے لیے دعا نہیں کرتا اس وقت تک امام اسے عطا کرتے رہیں گے۔اس واقعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سائل سے دعا لینے کے لیے اسے بار بار عطا فرما رہے ہیں تا کہ اس کی زبان سے امام کے حق میں دعا کے الفاظ نکلیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص صدقہ دیکر واپس لے لیتا ہے تو اگر اس چیز کو بیچا جائے تو اسے نہ کھایا جائے کیونکہ یہ فقط اسی کا حق ہے جسے صدقہ کے طور پر دیا گیا تھا اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے گویا یہ صدقہ غلام کے ازاد کرنے کی مانند ہے جیسے غلام آزاد کرنے کے بعد واپس نہیں لوٹ سکتا اسی طرح صدقہ بھی اس شخص کے اموال سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ فقیر کا حق ہوتا ہے ایک اور مقام پر صادق آل محمد سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مال سے کچھ مقدار نکال کر کسی کو صدقہ دینے کی نیت کر کے سوالی کو دیکر چلا جاتا ہے تو اب یہ مقدار مال اس کے مال میں واپس نہیں جا سکتی۔

صدقہ کی اقسام

صدقہ کی پانچ قسمیں ہیں:۔

(۱) مال سے صدقہ دینا اس کا ذکر سابقہ ہو چکا ہے

(۲) جاہ وجلالت کا صدقہ دینا:۔ اس قسم کے صدقہ سے مراد کسی کی شفاعت اور سفارش کرنا ہے اسی لیئے رسول اسلامؑ فرماتے ہیں "**افضل الصدقة صدقة اللسان قيل يا رسول الله ما صدقة اللسان ؟قال الشفاعة تفك بهاا لا سير و تحقن بها الدم و تجر بها المعروف الىٰ اخيك و تدفع بهاالكريهة**" بہترین صدقہ زبان کا صدقہ ہے تو سوالی پوچھتا ہے یا رسول اللہ زبان کے صدقہ سے کیا مراد ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ اس سے مراد کسی کی شفاعت کرنا جس سے اگر مؤمن قیدی ہو تو رہا ہو جائے۔اور شفاعت اور سفارش سے خونریزی بند ہو سکتی ہے اور آپ اپنے مؤمن بھائی

کو بھلائی پہنچا سکتے ہیں اور کسی ناپسندیدہ امر کو اس سے دور کر سکتے ہیں۔اسی طرح کہا جاتا ہے کہ جاہ و جلالت اور مال کی بقاء و ہمیشگی کا حرز اور تعویذ لوگوں کی مدد کرنا ہے۔

(۳) **عقل کا صدقہ** :۔اس سے مراد یہ ہے کہ کسی مؤمن بھائی کو صحیح مشورہ دینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے منقول ہے کہ "تصدقو اعلی اخیکم بعلم یرشدہ و رأی یسددہ" اپنے مؤمن بھائی کے لیے اپنے علم سے صدقہ دو جو علم اس کی ہدایت کر سکے اور اچھی فکر سے صدقہ دو جو اسے صحیح امور پر چلنے میں مدد دے۔

(۴) **زبان کا صدقہ دینا** :۔اس سے مراد لوگوں کے درمیان اصلاح کروانا اور تفرقہ و اختلاف کی جلی ہوئی آگ کو بجھانے میں اپنا کردار ادا کرنا خدا اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے کہ "**لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس**" سورہ النساء آیت ۱۱۴۔لوگوں کی اکثر راز کی باتوں میں بھلائی نہیں ہے مگر اس شخص کے جو صدقہ کار خیر اور لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔

(۵) **علم کا صدقہ** :۔اس سے مراد یہ ہے کہ اہل علم اپنا علم مستحقین تک پہنچائیں اور اسے نشر کریں۔کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ "ومن الصدقة ان یتعلم الرجل العلم و یعلمہ الناس" علم کا پڑھنا اور اس کی تعلیم دینا صدقہ میں سے ہے ایک اور مقام پر رسول خدا فرماتے ہیں کہ علم کی زکات لوگوں کو علم سکھانے میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "**لکل شی زکاة وزکاة العلم ان یعلمه اهله**" ہر چیز کی زکات ہے اور علم کی زکات علم کی اہلیت رکھنے والوں کو علم سکھانا ہے۔

فضیلت علم اور علماء کی مسؤلیت

صاحب کتاب منتقی الیواقیت اپنی کتاب میں محمد بن علی (جو کہ ذریت امام حسین علیہ السلام میں سے ہے) سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ میں نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ علم کو طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے علم کو اس کے مقام سے طلب کرو اور اس کے حقیقی وارثان سے حاصل کرو کیونکہ علم سکھانا خالق کے ہاں بہت بڑی نیکی ہے اور طلب علم خدا کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتی ہے علمی بحث و مباحثہ اللہ کے ہاں اس کی تسبیح شمار ہوتی ہے اور علم پر عمل کرنا جہاد ہے جاہل کو علم سکھانا علم کا صدقہ ہے جو علم حاصل کرنے کا اہل ہو اس کے لیے حصول علم میں قرب الٰہی ہے کیونکہ علم ہی سے

حلال وحرام کی معرفت ہوتی ہے اور جنت کے راستے کی شناس ہوتی ہے علم سفر اور تنہائی میں بہترین ساتھی ہے خلوت میں علم قرین عالم ہوتا ہے علم انسان کو شدت و مصیبت اور راحت وسکون کی نشاندہی کرتا ہے علم دشمن کے لیے عالم کا اسلحہ ہے اور اس کے دوستوں کے ہاں زینت ہے اللہ تعالیٰ علم کی بدولت قوموں کو بلند کرتا ہے اور لوگوں کی خیر وصلاح میں علم و عالم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور عالم لوگوں کے لیے اسوۃ حیات ہوتا ہے لوگ انکی سیرت سے فوائد حاصل کرتے ہیں اور ان کے عمل سے نور ہدایت لیتے ہیں علماء کی آراء کو اپنی رائے سمجھتے ہیں ملائکہ علماء کی صحبت اختیار کرنے کو پسند کرتے ہیں علماء سے ملائکہ بھی فوائد و برکات حاصل کرتے ہیں ملائکہ اپنی عبادات میں علماء پر برکت کے نزول کی دعا کرتے ہیں غرضیکہ ہر خشک وتر علماء کے لیے دعا مغفرت کرتا ہے یہاں تک کہ دریائی مخلوق بھی اور اس کی تہ میں رہنے والی تمام مخلوق بھی عالم کے لیے دعا کرتی ہے چونکہ عالم لوگوں کو جہالت سے بچا کر ان کے دلوں کو نئی زندگی بخشتا ہے ظلمت میں نور عطاء کرتا ہے جسم کو معنوی قوت عطا کرتا ہے اور انسان کو خیر وصلاح کی اعلیٰ منازل پر فیض کرتا ہے علم سے نیک لوگوں کی صحبت ملتی ہے اور انسان علم کی بدولت دنیا و آخرت میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوتا ہے علم میں فکر کرنا روزہ کے ثواب کے برابر ہے درس وتدریس کرنے سے نماز کا ثواب ملتا ہے علم کی بدولت خالق دو جہان کی اطاعت اور عبادت کی جاتی ہے علم ہی سے اقرباء میں صلہ رحمی کا سلسلہ مضبوط ہوتا ہے حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے۔عمل علم کے تابع ہوتا ہے اور علم عمل کا پیشواء اور رہنماء ہوتا ہے۔خوش بخت لوگوں کو علم نصیب ہوتا ہے اور بد بخت علم سے محروم رہ جاتے ہیں مبارک ہو اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔

علم وعمل جزء لاینفک ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک ”عمل علم کے تابع ہوتا ہے“ پر انسان کو دقیق نظر رکھنی چاہیے آنحضرت نے اپنے اس قول سے واضح فرمادیا کہ علم وعمل دو جڑویں ساتھی ہیں جن میں کبھی جدائی نہیں ہوسکتی علم کے بغیر نہ عمل میں فائدہ ہے اور عمل کے بغیر نہ علم میں منفعت ہے پس عالم کے لیے عمل صالح ضروری ہے علم ہی فقط صاحب علم کو نجات نہیں دے سکتا جب تک اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو اور اس مطلب پر رسول اکرم نے اپنی کلام مبارک میں تصریح کرتے ہوئے فرمایا ”من ازداد علما ولم یزدد هدیً لم یزدد من الله الا بعداً“ جو شخص علمی بلندیوں پر ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ہدایت اور اصلاح میں اضافہ نہ کر سکے یہ علم اس کو خدا سے دوری کے علاوہ کچھ فائدہ نہیں دے گا۔اسی طرح عمل بھی علم کے بغیر کچھ نفع نہیں دیتا جیسا کہ رسول اسلام نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ” العامل علیٰ غیر

بصیرۃ کالسائر علیٰ غیر طریق لا یزیدہ سرعۃ السیر من الطریق الا بعداً" معرفت اور بصیرت کے بغیر عمل کرنے والا اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو ایسے راستے کا راہی ہو جو اسے اپنے ہدف تک نہ پہنچاتا ہو تو ایسی راہ پر چلنے والا شخص جتنا بھی جلدی چلے اسے مقصد و ہدف میں دوری کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پس رسول اسلام کے ان فرامین سے علم و عمل کا جڑواں ہونا ثابت ہوگیا ہے علم و عمل میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر حقیقی طور پر وجود میں نہیں آسکتا اور انہی دو عظیم جواہر کی بدولت قلم نگاروں نے قلم فرسائی فرمائی واعظین وخطباء اور اہل معرفت ونظر نے انہی دو عظیم چیزوں کی بدولت اپنی خدمات سرانجام دیں بلکہ انہی کی وجہ سے آسمانی کتب کا نزول ہوا اور انبیاء ورسل کو بھیجا گیا بلکہ پوری کائنات علم و عمل ہی کے لیے خلق کی گئی ہے اور ہمارے اس دعویٰ پر دلیل قرآن مجید کی ان آیات پر تأمل کرنے سے واضح ہوجاتی ہے۔خالق دو جہاں ارشاد فرماتا ہے کہ "**اللہ الذی خلق سبع سماوات و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شی قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شی علما**" سورۃ الطلاق آیت ۱۲ اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اس کے احکام اس کے درمیان نازل ہوتے رہے تاکہ تم یہ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا علم تمام اشیاء کو گھیرے ہوئے ہے۔علم کی شرف ومنزلت پر اس آیت کی دلالت کافی ہے اور خصوصاً علم توحید اور عقیدہ توحید پر مذکورہ آیت بہترین دلالت کرتی ہے۔

دوسری آیت جو ہمارے مدعا پر دلالت کرتی ہے جس میں علم کی بدولت مخلوق کے خلق کرنے کا ذکر ہوا ہے ارشاد خداوندی ہوتا ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" سورۃ الذاریات آیت ۵۶ یہی آیت مجیدہ عظمت وشرف عبادت الٰہی پر بھی بہترین دلیل ہے۔ انسان پر فرض یہ ہے کہ وہ سوائے علم و عمل کے اپنے آپ کو کہیں بھی مشغول نہ کرے اور انسان کی تمام کوششیں ان دو کے بغیر حقیقت میں لغو اور باطل ہیں

علم کی عمل پر فضیلت:

ان دونوں کی عظمت وشرف واضح ہونے کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے کہ علم کی فضیلت عمل سے بھی زیادہ ہے رسول خدا فرماتے ہیں کہ "فضل العلم احب الی من فضل العبادۃ" فضیلت علم میرے نزدیک فضیلت علم سے زیادہ محبوب ہے۔ایک اور مقام پر رسول اسلام نے فرمایا کہ "**فضل العالم علی العابد کفضل القمر علیٰ سائر النجوم لیلۃ البدر**" عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ "اے علی عالم کا سونا عابد کی

عبادت سے کئی گنا افضل ہے اے علی عالم کی دو رکعت نماز عابد کی ستر رکعت نماز سے افضل ہے اے علی عالم کا اپنے بستر پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر کا علم و معرفت کے مسائل میں سوچ و بچار عابد کی ستر سال کی عبادت سے افضل ہے حتٰی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم کے چہرہ کی طرف دیکھنے کو عبادت قرار دیا ہے بلکہ عالم کے گھر کے دروازہ کی طرف نگاہ دوڑانا بھی عبادت ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام سے مروی ہے کہ "**جلوس ساعة عند العلماء احب الی الله من عبادة الف سنة و النظر الی العالم احب الی الله من اعتكاف سنة فی البيت الحرام و زيارة العلماء احب الی الله تعالیٰ من سبعين طوافا حول البيت و افضل من سبعين حجة و عمرة مبرورة مقبولة و رفع الله له سبعين درجة و انزل الله عليه الرحمة و شهدت له الملائكه ان الجنة وجبت له**" علماء کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھنا اللہ کے نزدیک عابد کی ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے اور عالم کے چہرے کی طرف نظر کرنا خدا کے ہاں مسجد الحرام میں ایک سال اعتکاف بیٹھنے سے افضل ہے علماء کی زیارت کرنا اللہ کو کعبہ کے اردگرد ستر دفعہ طواف کرنے سے زیادہ پسند ہے اور اسی طرح ستر مقبول حج وعمرہ سے زیادہ پسند ہے اور اس پر اپنی رحمتوں کو نازل کرتا ہے اور ملائکہ گواہی دیتے ہیں کہ اس شخص پر جنت واجب ہو چکی ہے۔

لیکن عالم کے لیے ضروری ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ عابد بھی ہو اور وہ عبادت کی اعلیٰ منازل پر فائز نہ ہو تو اس کا علم اس کو کوئی فائدہ نہ دے گا اور وہ ذرات کی طرح اڑ جائے گا کیونکہ علم وعبادت کی مثال درخت اور پھل کی طرح ہے اشرفیت اور افضلیت درخت کی ہوتی ہے کیونکہ درحقیقت وہی اصل ہے لیکن فائدہ اور نفع درخت کے پھل سے ہوتا ہے جو کہ اس کی فرع ہے اور اگر درخت کا پھل نہ ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور ایسی صورت میں اس درخت کی لکڑیاں سوائے جلانے کے اور کسی کام کی نہیں ہوتیں پس انسان کے لیے ہر دو (علم وعمل) کا ہونا ضروری ہے مگر علم کی فضیلت اس لیے کیونکہ علم عمل کے لیے اصل اور جڑ کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اسلام فرماتے ہیں کہ "**العلم امام العمل والعمل تابعه**" علم عمل کا پیشوا ہے اور عمل علم کا تابع ہے۔ جب علم اصل اور بنیاد عمل ہے تو دو امور میں آپ کو علم مقدم کرنا ضروری ہے

(۱) سب سے پہلے اپنے معبود کی معرفت حاصل کرو اس کے بعد عبادت کی جائے کیونکہ کیسے اس معبود کی عبادت ہو سکتی ہے جس کو تم جانتے بھی نہ ہو؟ لہٰذا یہ ایک عقلی امر ہے

(۲) دوسرا امر جہاں علم کو عمل پر مقدم کیا جائے وہ یہ کہ آپ کو شرعی طریقے سے عبادات اور ان کی ادئیگی کی کیفیت کی

معرفت ہوتا کہ ہر عبادت اپنے محل ومقام پر ادا کی جاسکے اور شروط عبادت میں خلل بھی واقع نہ ہو سکے۔اور یہ ایک نقلی ادلہ سے ثابت شدہ امر ہے بعض علماء سے سوال کیا گیا کہ آیا علم افضل ہے یا عمل؟ تو اس عالم نے جواب میں کہا کہ جاہل کے لیے علم افضل ہے اور عالم کے لیے عمل افضل ہے اور اس مذکورہ کلام سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ علم صاحب علم کو عمل کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دے گا۔بلکہ عمل کے بغیر علم عالم کے لیے وبال جان ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ان اهل النار ليتأذون من ريح العالم التارك لعلمه وان اشد اهل النار ندامة وحسرة رجل دعا عبد االى الله فاستجاب له وقبل منه فا طاع الله فادخله الله ا لجنةو ادخل الداعى النار بتركه لعلمه و اتباعه الهوىٰ" اہل جہنم اس عالم کی بدبو سے اذیت محسوس کرتے ہیں جس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا ہو اور اہل جہنم میں سے سب سے زیادہ پشیمان اور حسرت والا وہ شخص ہوگا جس نے دنیا میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور لوگ اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ کی اطاعت کرنے لگے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے کرے گا لیکن دعوت دینے والا بے عمل عالم کو اپنی خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرنے اور علم پر عمل نہ کرنے کی بدولت خدا جہنم میں ڈالے گا۔

ہشام بن سعید کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "فلکبکبوا فیہا ہم والغاوون" میں (الغاوون) سے مراد "هم الذين عرفوا الحق و عملو ا بخلافه" وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچانتے ہوئے اس کے خلاف عمل کیا۔(۱)

---

(۱) ہم میں سے ہر ایک اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ کلام امام جعفر صادقؑ کے کہیں ہم تو مصداق نہیں ہیں؟ کیونکہ اس وقت حق کی پہچان کے بعد بھی خواہشات نفس کی پیروی ہو رہی ہے۔اور حق کو چھوڑا جا رہا ہے۔کہیں شہرت کے خوف سے تو کہیں دنیاوی طمع میں اور کہیں لوگوں کی رضا کی چاہت میں بروز محشر ایسے عالم نما جاہل کو حسرت و رنج کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا جو دنیا میں چند درہم و دینار اور اس گھٹیا دنیا کی خاطر حق وحقیقت کو جاننے کے باوجود اپنی سستی شہرت کے حصول کے چکر میں نہ فقط حق وحقیقت کے خلاف خود عمل کریں گے بلکہ دوسروں سے بھی حق کو چھپائیں گے اور عامۃ الناس کو دھوکہ دینے میں کوشاں ہوں گے۔اور اسی نکتہ کی طرف امام حسینؑ نے کربلاء میں وارد ہونے کے بعد اپنے اصحاب کو جمع کر کے ایک عظیم خطبہ میں اشارہ فرمایا کہ "ألا ترون الى الحق لا يعمل بـه والىٰ الباطل لا يتناهى عنه؟" امامؑ نے اپنے دشمن کے چہرہ کو بے نقاب کر کے واضح فرما دیا کہ یہ لوگ حق وحقیقت جاننے کے بعد بھی اس پر عمل نہیں کرتے اور باطل کی پیروی کرنے سے رکتے نہیں ہیں۔ایسے لوگوں کے مقابلہ میں سوائے قیام کے اور کوئی علاج نہیں ہے۔اور ایسے لوگوں کے ساتھ زندہ رہنا اپنے لیئے عار سمجھا جیسا کہ فرمایا کہ "فانی لا اریٰ الموت الا سعادة

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جو اپنے علم سے نفع حاصل نہ کرتا ہو۔ اسی طرح ایک اور مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تعلمو اماشئتم ان تعلموا فلن ینفعکم الله بالعلم حتیٰ تعملو ابه لان العلماء همتهم الرعایه والسفهاء همتهم الروایه" آپ جو بھی چاہیں سیکھیں مگر اللہ تعالیٰ اس وقت تک علم کا فائدہ آپ کو نہیں دے گا جب تک اس علم پر عمل نہیں کریں گے کیونکہ علماء کا کام علم کی رعایت کرنا ہے جبکہ بے وقوف لوگوں کا کام یہ ہے کہ اقوال کو اوروں تک نقل کرنا خود ان کی پرواہ نہ کرنا۔ جان لو علم کتاب وسنت کے اعتبار سے بہت زیادہ ممدوح اور ایک مرغوب امر ہے جیسا کہ خالق کائنات فرماتا ہے کہ "شهد الله انه لااله الاهو والملائكة و اولوا العلم" سورہ آل عمران آیت ۱۸۔ خود اللہ، ملائکہ، اور اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اہل علم کے فضل کو بیان فرماتا ہے کہ "هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون" کیا اہل علم اور جاہل برابر ہوسکتے ہیں؟

صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ "قیامت کے دن جب تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میزان اعمال نصب ہوگا تو ایسی حالت میں جب شہید کا خون اور اہل علم کے قلم کی سیاہی کا وزن کیا جائے گا تو عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے افضل اور زیادہ وزنی ہوگی۔

عالم کے قلم کی سیاہی کا شہید کے خون سے افضل ہونے کا راز:

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اہل علم کی سیاہی کا شہید کے خون سے وزنی ہونے میں راز یہ ہے کہ شہید کا خون اس کی موت کے بعد فائدہ نہیں دیتا مگر عالم کے قلم کی سیاہی سے لوگ ان کی تحریر کردہ کتب سے استفادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حضرت صادق آل محمدؑ کے قول سے ملتا جلتا قول نبوی ہے کہ " اذا مات المؤمن و ترك ورقة واحده علیها علم تكون تلك الورقه سترا بینه و بین النار و اعطاه الله بكل حر ف علیها مدینه اوسع من الدنیا سبع مرات " جب ایک مؤمن عالم دنیا سے رخصت ہوجائے اور اپنے بعد ایک علمی مکتوب چھوڑ جائے تو یہ ورقہ اس عالم اور جہنم کے درمیان یوں حائل ہوتا ہے کہ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ کرلیتا ہے اور اللہ اس عالم کو اس ورقہ پر لکھی ہوئی علمی تحریر کے ہر حرف کے بدلے آخرت میں ایک وسیع وعریض شہر عطا فرمائے گا جو دنیا سے سات درجہ وسیع ہوگا۔

علم دقیق مسائل کے حفظ کرنے اور ان کا ہر وقت حاضر رہنے اور بڑی بڑی علمی بحوث اور علمی دلائل سے بھرپور

و الحیاۃ مع الظالمین الا برما"۔ لہذا ایک سچے حسینی کو پیغام حسینؑ پر متوجہ رہنا چاہیے۔ (فاضل)

کتب لکھنے کا نام نہیں ہے بلکہ علم وہ ہے جس کی بدولت خوف خدا میں اضافہ ہو اور اہل علم کو عمل آخرت میں قوت پیدا فرمائے اور دنیا کے ترک کرنے میں معاون ثابت ہو۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں سب سے پہلے اس علم کا حصول واجب ہے جس کے بغیر عمل صالح انجام نہ دیا جاسکتا ہو تمام علوم میں سے وہ علم واجب ہے جس کے بارے میں انسان سے آخرت میں پرسش ہوگی اور جو علم انسان کے عیوب کو دور کرے اور اصلاح نفس میں مدد و معاون ہو اس کا حصول لازم ہوتا ہے اور تمام علوم میں سے قابل ستائش وہ علم ہے جو آپ کو اعمال صالحہ کرنے میں اضافہ کا موجب ہو پس اس علم کے حصول میں عمر صرف نہیں کرنی چاہیے جس کے نہ جاننے سے کچھ ضرر نہ ہو اسی طرح اس علم کے جاننے میں کوتاہی نہیں برتنی چاہیے جس کے نہ جاننے سے ضرر ہو اور جہالت میں اضافہ ہو۔

مدح علماء میں نازل ہونے والی آیات

اگر وہ آیات جو علماء اور علم کی مدح میں وارد ہوئی ہیں ان کا دقیق نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو علماء کی صفات حمیدہ جلی طور پر واضح ہوجاتی ہیں ذیل میں چند کو ہم ذکر کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "**انما یخشی الله من عباده العلماء**" سورہ فاطر آیت ۲۸۔ اللہ سے فقط علماء ہی ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مجیدہ میں علماء کو صفت (خشیۃ) کے ساتھ متصف کیا ہے اور فقط علماء ہی کے ساتھ یہ صفت مختص ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ "**امن هو قانت آناء الليل ساجداو قائما يحذر الآخرة ويرجو ارحمة ربه ،قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون**" سورۃ الزمر آیت ۹۔ وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام سے عبادت خدا کرتا ہے اور آخرت کا خوف رکھتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے کہہ دیجیے کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان لوگوں کے برابر ہیں جو نہیں جانتے ؟۔ اس آیہ کریمہ میں خالق کائنات یوں علماء کی صفات بیان کرتا ہے کہ علماء رات کو عبادت خدا میں گذار کر بیدار رہتے ہیں خالق کے ہاں خضوع وخشوع سے رکوع وسجود میں مشغول رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے معبود حقیقی کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید سے وابستہ ہوتے ہیں گویا وہ بیم ورجاء کے مابین زندگی گذارتے ہیں۔

خالق کائنات اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے کہ

(ذلك بان منهم قسيسين و رهبانا و انهم لا يستكبرون) مائدۃ ۸۲

یہ اس لیے کہ ان میں سے بہت سے قسیس اور راہب پائے جاتے ہیں۔اور یہ متکبر اور برائی کرنیوالے نہیں ہیں۔
خالق کائنات نے اس آیت میں علماء کو (قسیس) کے ساتھ متصف کیا ہے اور فرمایا کہ (علماء) تکبر نہیں کرتے ہیں۔
حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ
''خوف خدا میراث علم ہے۔اور علم معرفت الٰہی کی کرن اور شعاع ہے۔اور ایمان کا مرکزی نقطہ علم ہے۔جس کے پاس خوف خدا نہ ہو وہ عالم ہی نہیں ہے''
پھر امام آیۂ قرآنیہ کی تلاوت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا
''انما یخشی الله من عبا ده العلماء ''
اللہ کے بندوں میں سے خوف خدا فقط علماء ہی کرتے ہیں۔
رسول اکرمؐ فرماتے ہیں۔
(لا تجلسو ا عند کل دا ع مدّع یدعو کم من الیقین الی الشك ،ومن الا خلا ص الی الر یا ء ،ومن التو اضع الی التکبر ،و من النصیحةالی العد اوة،و من الذ هد الی الر غبة)
''اس عالم کے پاس نہ بیٹھو جو آپ کو منزل یقین سے منزل شک تک پہنچائے۔اور اخلاص سے دور کر کے ریاء کی وادی کی طرف دعوت دے۔تواضع و انکساری کی بجائے تکبر وغرور کا درس دے نصیحت کرنے کے بجائے عداوت کے بیج بوئے۔دنیا سے دور کرنے کی بجائے حب دنیا کی دعوت دے''
رسول اکرمؐ فرماتے ہیں۔
(تقرّ بو ا من عا لم یدعو کم من الکبر الی التو اضع ، و من الر یا ء الی الا خلا ص ،و من الشك الی الیقین،و من الر غبة الی الز هد،و من العدا وة الی النصیحة)
آپ کو ایسے عالم کا قرب حاصل کرنا چاہیے جو آپ لوگوں کو تکبر اور غرور سے ہٹا کر تواضع کی طرف دعوت دے۔اور ریاکاری کی بجائے اخلاص اور شک سے دور کر کے یقین کی منزل تک لے آئے۔دنیا کی چاہت کی بجائے دنیا سے دوری کا درس دے اور دشمنی کے بجائے نصیحت کی دعوت دے۔
حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ
(أشقی النا س من هو معر وف عند النا س بعلمه،مجهو ل بعمله)
ترجمہ:لوگوں میں سب سے زیادہ بدنصیب ہے وہ شخص جو علمی حوالے سے لوگوں کے درمیان معروف ہو اور عمل صالح

کے اعتبار سے غیر معروف ہو۔

حضرت عیسیٰؑ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک دفعہ ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا" (مجھے الٹا کرو) تو میں نے جب اس کی طرف کو تبدیل کیا تو اس کے اندر والے حصے میں یہ لکھا ہوا پایا کہ "جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا عیب و عار ہے اس کیلئے کہ وہ اور علم کی طلب کرے اور جو علم اس نے حاصل کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا تو وہ بےسود و بے فائدہ ہے"

اللہ تعالی نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی میں فرمایا ہے کہ "بے عمل عالم کو ستر قسم کی عقوبات اور عذاب میں مبتلاء کرنے سے میرے لیے آسان یہ ہے کہ میں ایسے عالم بدعمل کے دل سے اپنی محبت اور اپنے ذکر کی لذت و حلاوت کو اٹھا لیتا ہوں۔ایسی صورت میں مجھے اس کا ذکر کرنا سوائے لقلقہ لسانی کے اور کچھ نہیں ہے"

رسول خدا سے مروی ہے کہ (**العلم الذی لا یعمل به کا لکنز الذی لا ینفق منه ،اتعب صا حبه نفسه فی جمعه و لم یصل الی نفعه**)

ایسا علم جس پر صاحب علم عمل نہ کرے تو وہ ایسے خزانہ کی طرح ہے جس کے جمع کرنے میں صاحب خزانہ نے اپنے آپ کو مشکلات میں تو ڈالا لیکن اس سے منفعت حاصل نہیں کی۔

حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ "علم عمل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔جو علم رکھتا ہے وہ عامل بھی ہے اور جو عامل ہے وہ عالم بھی ہے۔علم عمل کو دعوت دیتا ہے اگر اس نے دعوت علم کو قبول کیا تو علم اس شخص کے ہاں باقی رہیگا۔وگرنہ علم اس سے چلا جاتا ہے" حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول (**انما یخشی الله من عبا ده العلما ء**) سے مراد وہ علماء مراد ہیں جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق و تائید کرتا ہو۔

اور جن کا عمل انکے قول کی تصدیق نہیں کرتا وہ عالم ہی نہیں ہے۔

حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بعض انبیاء پر وحی کی کہ "اے میرے نبی ان لوگوں کو کہہ دو جو علم دین کیلئے حاصل نہیں کرتے اور علم کو بغیر عمل کے حاصل کرتے ہیں۔اور دنیا کو آخرت کیلئے کسب نہیں کرتے لوگوں کے سامنے ریا کاری کرتے ہوئے بچھڑے کی جلد کا لباس پہن کر تواضع ظاہر کرتے ہیں اور ان کے دل میں شر و فساد بھرا ہوا ہوتا ہے اور بھیڑیا کی طرح اس کا دل سخت اور بے رحم ہوتا ہے۔ان کی باتیں شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہیں۔ان کے غلط اعمال اور اعمال میں اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے کڑوے درخت کے نکلے ہوئے جوس سے زیادہ کڑواہٹ اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔اس قسم کے لوگ کیا مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں؟"

"یا وہ مجھ سے مذاق کرتے ہیں؟ میں ضرور ایسے لوگوں کو ایسے فتنہ وفساد میں مبتلاء کروں گا۔جن میں ان میں سے حلیم و بردبار بھی بے حواس ہو کر کچھ نہ سوجھ پائے گا"

رسول اکرمؐ نے فرمایا(مثل الذی یعلّم الخیر و لا یعمل بہ مثل السراج یضیء للناس و یحرق نفسہ)
ترجمہ:"جو شخص لوگوں کو علم سکھائے لیکن خود اس پر عمل نہ کرے وہ ایسی شمع کی طرح ہے جو خود تو جل جاتی ہے مگر اردگرد کے ماحول کو روشن کر جاتی ہے"

فصل: استاد کے ہاں شاگرد کے آداب ....

مندرجہ بالا بیان سے خالق کے ہاں عالم کی ذمہ داری اور اس کے آداب واضح ہونے کے بعد اب ہم طالب علم کے حصول علم کے وقت استاد کے ہاں آداب کو ذکر کرتے ہیں ۔

عبداللہ بن حسن بن علی اپنے آباؤ و اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ استاد کا طالب علم پر یہ حق ہے کہ طالب علم کثرت سے سوالات نہ کرے اور طالب علم کسی سوال کا جواب دینے میں استاد پر سبقت نہ کرے اگر استاد طالب علم کی طرف متوجہ نہ ہو رہا ہو تو اس کو مجبور نہ کرے اگر استاد پڑھا کر تھک گیا ہو تو اسے آرام کرنے دے گفتگو کرتے وقت طالب علم استاد کی طرف ہاتھوں سے اشارہ نہ کرے اور اسی طرح بھینگی آنکھیں کر کے چالاک لوگوں کی طرح استاد کو نہ دیکھے اور استاد کے پاس بیٹھ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ کلام نہ کرے، اگر استاد نے طالب علم کو تنبیہ کی ہو تو اسے اہانت تصور کر کے اس کا عوض طلب نہ کرے اور استاد کو یہ بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے آپ کے قول کی خلاف ورزی کی ہے استاد کے راز کو فاش نہ کرے استاد کے ہاں بیٹھ کے کسی کی غیبت نہ کرے استاد کے احترام کو مدنظر رکھے چاہے استاد کے پاس ہو یا اس سے دور ہو ہر دو صورت میں استاد کی شخصیت کا لحاظ رکھے۔

جب مجلس استاد میں آئے تو ایک ہی دفعہ سب کو سلام کہے مگر استاد سے خصوصی احوال پرسی کرے استاد کے سامنے بیٹھے اگر استاد کسی چیز کو طلب کرے تو سب سے سبقت کرے، صحبت استاد کو اس طرح طول نہ دے کہ وہ تنگ پڑ جائے کیونکہ استاد ایک کھجور کے درخت کی طرح ہوتا ہے جیسے اس سے کسی وقت بھی پھل کے گرنے کی توقع ہوتی ہے اسی طرح استاد سے بھی کسی وقت فائدہ اور منفعت علمی عملی اور روحانی حاصل ہوتا ہے، حقیقی عالم راہ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہد اور شب و روز عبادت خدا میں گزار دینے والے شخص سے بھی افضل ہوتا ہے کیونکہ جب حقیقی عالم اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔ طالب علم کے فضائل میں سے ایک فضیلت

یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ستر ہزار آسمانی مقرب فرشتے چلتے ہیں ۔

ابن عباس کہتا ہے کہ طلبگی علم کے وقت انسان کو متواضع اور منکسر المزاج ہونا چاہیے اور جب کسی سے علم طلب کیا جائے تو اس وقت وہ معزز اور محترم ہوتا ہے بعض حکماء کہتے ہیں کہ جو شخص علم کے حصول میں ایک لحظہ بھی ذلت برداشت نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ جہالت کی ذلت میں رہتا ہے۔

رسولؐ اسلام فرماتے ہیں (**لیس من اخلاق المومن الملق الا فی طلب العلم**) کسی کی چاپلوسی کرنا مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہے مگر طلب علم میں (استاد کی) چاپلوسی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فصل: اقسام علم کے بارے میں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کے علوم چار خصوصیات پر مشتمل ہیں

(۱) اپنے رب کو پہچانیں۔

(۲) آپ کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہو اس کو جانو۔

(۳) جس چیز کا آپ سے ارادہ کیا گیا ہے اسے جانو۔

(۴) جو چیز آپ کو دین سے نکال دے اس کی معرفت رکھو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام فرماتے ہیں (**ما بعث اللہ نبیا قط حتی یأخذ علیہ ثلاثا الاقرار بالعبودیہ، و خلع الانداد وان اللہ تبارك و تعالی یمحو ما یشاء و یثبت ما یشاء**) اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ اسے تین امور پر اقرار لیا ہے، عبودیت پر شرک نہ کریں، اور ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھے۔

آداب کسب و معاش:

مذکورہ بیان سے علم و عمل کی اہمیت واضح و آشکار ہونے کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ علم و عمل کے بغیر سب کچھ باطل اور بے سود ہے، کیونکہ ان کے علاوہ ہر چیز دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس چیز کا حیات انسانی میں ہونا ضروری ہے اور وہ نان و نفقہ ہے جس کے بغیر زندگی ناممکن ہے یا پھر روز مرہ کی ضروریات سے زائد اور اضافی ہے گویا جس کے بغیر انسان زندہ رہ سکتا ہے بخلاف پہلی چیز کے کہ جس پر انسان کی روز مرہ کی زندگی موقوف ہے لہذا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم و عمل کے بغیر بقیہ تمام امور ان دو حال سے خالی نہیں ہیں۔

پہلا امر: جہاں تک نان ونفقہ کے متعلق کلام ہے تو اس کے طلب کرنے میں کسی قسم کا عار نہیں ہے بلکہ خالق کے ہاں یہ ایک عبادت شمار ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے (**الکاد علی عیاله کالمجاهد فی سبیل الله**) اپنے اہل وعیال کے لیے کسب معاش کرنے ولا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تجارت کرو خدا اس میں آپ کو برکت دے گا کیونکہ میں نے رسولؐ اللہ سے یہ سنا ہے کہ رزق کے دس اجزاء ہیں نو اجزاء کو خالق نے تجارت میں مخفی رکھا ہے اور ایک جز کو بغیر تجارت میں رکھا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (**کفی بالمرء اثما ان یضیع من یعول**) کسی شخص کے گناہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کی پرواہ نہ کرے۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (ملعون ،ملعون من یضیع من یعول) ملعون ہے، ملعون ہے وہ شخص جو اپنے اہل وعیال کے (نان ونفقہ کی) پرواہ نہیں کرتا۔

ان مذکورہ بالا احادیث معصومین علیہم السلام سے یہ امر واضح ہو گیا کہ انسان کسب معاش میں چند مندرجہ ذیل امور پر اعتماد کرے۔

(۱) ہمیشہ حلال رزق کی طلب میں کوشش کرے اور حرام سے اجتناب کرے حتی کہ وہ رزق جس میں حرام کے ہونے کا شبہ ہو بہتر یہ ہے کہ اسے بھی چھوڑ دے کیونکہ اگر اس رزق کہ جس کے حرام ہونے میں شبہ ہو اس کے حصول میں کوشش کرے تو یقیناً یہ شخص آہستہ آہستہ رزق حرام میں بھی پڑ سکتا ہے لہٰذا اسے ابتداء ہی سے اس مشکوک رزق سے اجتناب کرنا چاہیے۔

رسولؐ اکرم فرماتے ہیں (**من لم یبال من این اکتسب المال لم یبال الله من این ادخله النار**) جو شخص اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے رزق کو کہاں سے کما رہا ہے (حلال ہے یا حرام) تو پھر اللہ بھی اسے جہنم میں ڈالنے میں کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

(۲) اگر انسان کسی چیز میں مہارت رکھتا ہو تو سارا دن کام کرنے سے اسے ایک دینار اجرت ملے اور اگر اسے اس کی بھی ایک تہائی مقدار کافی ہو تو ایسی صورت میں اسے اس مقدار جتنا کام کرنے پر اکتفاء کرنا چاہیے چونکہ یہ اس کی حاجت کو پورا کرتی ہے اور اپنے باقی وقت کو عبادت خدا میں گزار دینا چاہیے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اسے ایک دن مکمل کام کرنا

چاہیے تا کہ آنے والے دو دنوں کی روزی کمالے اوران دنوں میں عبادت خدا کرے اسی طرح تاجرین حضرات کو بھی اپنی ضرورت اور احتیاج کے مطابق کسب معاش کرنا چاہیے اور فارغ دنوں میں عبادت خدا کرے لہذا اسے اتنی مقدار میں رزق کمانا چاہیے جو اسے اس سال کے نان ونفقہ کیلئے کافی ہو اور اس سے زیادہ پونجی جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔

حضرت شیخ الصدوقؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا جو شخص جسمانی طور پر صحت مند ہو اور اس کے پاس آنے والے دن کا نان ونفقہ بھی ہو اور نفسیاتی اور قلبی طور پر امن و امان میں بھی ہو تو ایسی صورت میں گویا وہ دنیا سے جو کچھ چاہتا تھا خدا نے اسے عطا فرمادیا ہے۔

دنیا سے اتنی مقدار لے جتنی اس کی حاجت ہو اور اسی طرح پہننے کے لیے اتنی مقدار پر اکتفاء کرے جو اس کے جسم کو چھپائے اور سر چھپانے کے لیے ایک چھوٹے سے گھر پر اکتفاء کرے اگر کوئی سواری ہو تو خوش قسمتی ہے اگر سواری حاصل نہ کر سکے تو اس مختصر زندگی پر اکتفاء کرے کیونکہ اس سے زائد پر حساب و کتاب ہوگا اور اگر غلط طریقہ سے کمایا ہو تو اس پر عذاب ہوگا۔

(۳) انسان حرص نہ کرے کیونکہ حرص کی کافی مذمت کی گئی ہے اور اس وجہ سے انسان شبہات میں بھی پڑتا ہے اور بسا اوقات تو حرام میں بھی پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے جو رزق مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ لالچ وحرص کرنے سے زیادہ نہیں ہوگا اور رزق میں میانہ روی اختیار کرنے اور حرص نہ کرنے سے وہ مقسوم کم نہیں ہوگا۔

معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ (من لم یعط قاعدا لم یعط قائما) جسے میانہ روی اور حرص نہ کرنے سے کچھ نہیں ملے گا اسے حرص کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا اس حدیث مبارک سے رزق کے مقسوم اور مقدر ہونے پر وضاحت ہو جاتی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! کوئی بھی ایسا عمل نہیں ہے جو آپ کو جنت کے قریب کرے اور جہنم سے دور کرتا ہو مگر یہ کہ میں نے اسے بیان کر دیا ہے اور اس عمل کے انجام دینے پر بھی تاکید کر دی ہے اور کوئی بھی ایسا عمل نہیں ہے جو آپ کو جہنم کے قریب اور جنت سے دور کرے مگر یہ کہ میں نے اسے بھی بیان کر دیا ہے اور اس سے اجتناب کرنے پر تنبیہ کر دی ہے آگاہ رہو! روح الامین فرشتہ نے مجھے یہ بات پہنچائی ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے، پس آپ اپنے رزق کے کمانے میں حرص نہ کرو میانہ روی سے کام لو، رزق کی تاخیر ہونے میں اسے خدا کی نافرمانی کر کے طلب نہ کیا جائے خالق کائنات نے اپنے رزق کو حلال طریقہ سے تقسیم کیا ہے حرام طریقہ سے نہیں بانٹا لہذا جو اپنے خالق سے ڈرے گا اور اپنے رزق کی تاخیر ہونے کی صورت میں صبر کرے گا خدا کی طرف سے اسے رزق پہنچ جائے گا اور جو شخص شرم وحیاء کے

پردوں کو چاک کر کے رزق کے جلد حاصل کرنے کی حرام طریقہ سے کوششیں کرتا ہے تو اس کے حلال رزق کو بھی روک لیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اسے حرام طریقہ سے کمائے ہوئے رزق کا حساب کتاب بھی دینا ہوگا۔

رسولؐ خدا اپنے بعض اصحاب کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ایسی قوم میں کیسے رہیں گے جو ایمان کے کمزور اور ضعیف ہونے کی صورت میں اپنے سال بھر کے رزق کو جمع کر لیتے ہیں ایسے لوگوں میں توکل خدا نہیں ہے پس (اے میرے صحابیو!) اگر آپ صبح کریں تو شام کے رزق کی فکر نہ کریں اسی طرح شام کو صبح کے لیے جستجو نہ کریں کیونکہ کسی کو یہ ضمانت نہیں ہے کہ وہ کل صبح تک زندہ رہے گا پھر اپنے کمائے ہوئے مال کو قرآن و سنت کے فرمودات کے مطابق صرف کریں اور فضول خرچی سے اجتناب کریں کیونکہ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے (ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین) سورۃ الاسراء آیت ۲۷۔

فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔

فضول خرچی کے بارے رسولؐ خدا کی مذمت :۔

فضول خرچ لوگوں کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (من بذر افقره الله) فضول خرچی کرنے والے کو خدا فقیر بنا دیتا ہے اسی طرح ایک اور جگہ پر ختمی مرتبت ارشاد فرماتے ہیں (ما عال من اقتصد) میانہ روی کرنے والا فقیر نہیں ہوتا، رسولؐ خدا فرماتے ہیں (اکثر الناس شبعا اطولهم جوعا یوم القیامة) لوگوں میں سب سے زیادہ سیر شدہ شخص قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا ہوگا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے دل سخت اور عبادت خدا کے لیے اعضاء و جوارح بوجھ محسوس کرتے ہیں پیٹ بھر کر کھانا کھانے کی مذمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ انسان کو نماز شب کے وقت خواب غفلت کا سبب بنتا ہے ، سیر ہو کر کھانے کی وجہ سے انسان بیت الخلاء جو کہ گندگی کا مقام ہے کا چکر کاٹتا رہتا ہے انسان کو اپنے اہل و عیال پر بغیر کسی کنجوسی کے میانہ روی سے کام لینا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا (اعتدال کی حد تک) ایک مستحب امر ہے اور انسان کو اپنے عیال کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا چاہیے۔

اہل و عیال پر خرچ کرنا ....

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں (اذا وعدتم الصغار فاوفوا لهم فانهم یرون انکم انتم الذین ترزقونهم و ان الله عز و جل لیس یغضب لشئی کغضبه للنساء و الصبیان) اپنے بچوں کے ساتھ کیے ہوئے

وعدوں کو پورا کیا کرو کیونکہ ان کی نگاہوں میں آپ ہی ان کے رازق ہیں اور اللہ تعالی بچوں اور عورتوں کی وجہ سے جتنا غضب ناک ہوتا ہے اتنا کسی اور امر پر نہیں ہوتا، انسان کو اہل وعیال کے لیے شب جمعہ کو پھل فروٹ لے جانا چاہیے (ا) حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (**اطرقوا اهاليكم فى كل ليلة جمعة بشئى من الفاكهة كي يفرحوا بالجمعة**) شب جمعہ کو گھر داخل ہوتے وقت اہل وعیال کے لیے کچھ فروٹ لیتے جاؤ تا کہ وہ جمعہ کو خوش وخرم ہوں۔

احترام والدین ....

والدین کا احترام کرنا چاہیے خصوصا والدہ کے احترام پر تاکید وارد ہوئی ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ (**افضل الاعمال الصلاة لوقتها و بر الوالدين و الجهاد فى سبيل الله**) تمام اعمال میں سے بہترین عمل نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنا ہے والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور راہ خدا میں جہاد کرنا ہے روایت میں ہے کہ جب حضرت موسی کلیم اللہ اپنے خالق سے مناجات کر رہے تھے تو عرش بریں کے نیچے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا تو اس کی منزلت پر رشک کرنے لگے تو پروردگار کو پکار کر کہا یا الہی تیرے اس بندہ کو یہ بلند منزل کیسے عطا ہوئی ہے؟ تو خالق نے اسے جواب میں فرمایا (**انه كان بارا بوالديه ولم يمش بالنميمه**) یہ شخص والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا تھا اور چغل خوری سے پرہیز کرتا تھا۔

(ا) افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض قبائلی جہالت کی زندگی گزارنے والے لوگ معصومینؑ کے کلام حق ترجمان کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے خاص موازین جہالت پر عمل کرتے ہیں اور گھر والوں کے لیے کچھ خرید کر لے جانے کو عار وعیب تصور کرتے ہیں۔ اور بڑے فخر ومباحات کیساتھ اتراتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے آج تک بیوی بچوں کیلئے کبھی کچھ نہیں خریدا۔ بلکہ ان لوگوں پر جو آئمہ معصومینؑ کے فرامین پر عمل کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ خریدتے ہیں تو ان پر ہنسی و مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ''رن مریدی'' جیسی تکلیف دہ تہمتیں داغتے ہیں۔ اور یہ کلچر خاص طور پر دیہاتی علاقوں اور علم وادب سے دور رہنے والے معاشرہ میں عام وشائع ہے۔ لہذا ایسی غلط افکار اور آئمہؑ کے فرامین کے منافی فکر کا قلع قمع کرنا چاہیے۔ اور انسان کو اپنی گھریلو زندگی میں آئمہ ھدی کی سیرت پر عمل کرنا چاہیے نہ یہ کہ قبائلی نظام جہالت کی تقلید کرنی چاہیے۔ (**فاعتبروا یا اولی الابصار**)

واقعہ: ایک دفعہ رسولؐ اسلام کی بارگاہ اقدس میں ایک گناہگار شخص حاضر ہو کر کہتا ہے کہ مولا میں نے کوئی گناہ بھی ترک نہیں کیا ہے کیا میرے لیے توبہ و بخشش ہو سکتی ہے؟ رسولؐ اسلام نے اس سے ایک سوال پوچھا! **هل بقی من و الدیك احد ؟** کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ جواب میں کہتا ہے کہ جی ہاں میرا باپ زندہ ہے، پھر رسولؐ اسلام نے اسے حکم دیا کہ (**اذهب و ابره**) جا اپنے والد کے ساتھ اچھا سلوک کر، تیری توبہ قبول ہو جائے گی جب وہ شخص حضور کی محفل سے چلا گیا تو آپ فرمانے لگے کہ کاش آج اس کی ماں زندہ ہوتی۔

ایک اور جگہ پر رسولؐ اسلام فرماتے ہیں کہ (**من سره ان یمدله فی عمره و یبسط له فی رزقه فلیصل ابویه فان صلتهما من طاعة الله**) اگر کسی کو اس بات کی تمنا ہو کہ اس کی عمر طولانی ہو اور رزق میں وسعت ہو تو اسے اپنے والدین کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہیے کیونکہ اس سے اطاعت خداوندی ہوتی ہے۔

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ہمارا باپ ضعیف ہو چکا ہے ہم اسے اپنے کندھوں پر حاجت کے وقت اٹھاتے ہیں تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا (**ان استطعت ان تلی ذالك منه فافعل فانه جنة لك غدا**) جب تک استطاعت رکھتے ہو ایسا کرتے رہو کیونکہ کل آپ کو یہ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔

حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (**ما یمنع احد ان یبر والدیه حیین او میتین؟ یصلی عنهما و یتصدق عنهما ویصوم عنهما فیکون الذی صنع لهما وله مثل ذالك فیزیده الله ببره خیرا کثیرا**) کس نے آپ کو روکا ہے کہ آپ زندہ یا فوت شدہ اپنے والدین کے لیے نیکی نہ کریں؟ والدین کی نیابت میں نماز و روزہ اور صدقہ دو اور جو بھی اپنے والدین کیلئے نیک اعمال کرے گا اس کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا خداوند ذوالجلال اسے والدین کے ساتھ کی گئی اس نیکی کے عوض بہت زیادہ اچھائی اور بھلائی عطا فرمائے گا والد کا اپنے بیٹے پر حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اپنے والدین کو نام کے ساتھ نہ پکارے مجلس میں اس کے آگے نہ بیٹھے والد کے سامنے بڑھ کر نہیں چلنا چاہیے۔

ایک شخص نے رسولؐ خدا سے عرض کی کہ میرے بیٹے کا مجھ پہ کیا حق ہے؟ رسولؐ اسلام نے جواب میں فرمایا کہ اپنے بیٹے کا اچھا نام رکھ اس کی تربیت اچھی کر اور اسے غلط جگہوں سے بچاؤ اور اچھائی کی طرف رہنمائی کرو۔

فصل: رسولؐ خدا فرماتے ہیں نیک ہو اولاد نصیب ہونا انسان کی خوش بختی ہے، ایک اور مقام پر آنحضرتؐ ارشاد فرماتے

ہیں (الولد للوالد ریحانة من الله قسمها بین عباده و ان ریحانتی الحسن و الحسین سمیتهما باسم سبطی بنی اسرائیل شبرا و شبیرا) اولاد والد کے لیے خدا کی طرف سے فرحت بخش چیز ہے خالق نے اسے اپنے بندوں میں تقسیم کیا ہے خدا نے مجھے حسنینؑ شریفین عطا فرمائے ہیں جو کہ میرے لیے باعث فرحت ہیں میں نے ان کا نام بنی اسرائیل کے نواسے شبر و شبیر کے نام پر عربی میں حسن و حسین رکھا ہے۔

فضل بن ابی قرہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ رسولؐ اسلام نے فرمایا کہ ایک دن حضرت عیسیٰ بن مریم ایک ایسی قبر کے نزدیک سے گزرے جس کے صاحب کو عذاب دیا جا رہا تھا لیکن جب سال بعد دوبارہ اسی قبر کے قریب سے گزرے تو اس وقت صاحب قبر عذاب الٰہی میں مبتلاء نہیں تھا حضرت عیسیٰؑ خدا سے عرض کرنے لگے کہ الٰہی جب میں پہلے گزرا تو اس پر عذاب تھا اور اب اس پر عذاب نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ خالق نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی کہ اے عیسیٰؑ اس صاحب قبر کا ایک بیٹا تھا اس نے نیک اور فلاح و بہبود والے کام سرانجام دیے ہیں اور یتیم پروری کی ہے لہذا اس کے اس عمل خیر کی بدولت میں نے اس کے باپ کو بخشش دیا ہے ، پھر اس کے بعد رسولؐ السلام فرماتے ہیں کہ (میراث الله من عبده المومن ولد یعبده من بعده) مومن بندہ کا ورثہ اس کا وہ مومن بیٹا ہوتا ہے جو اس کے مرنے کے بعد عبادت خدا کرتا ہے پھر ختمی مرتبت کی کلام نقل کرنے کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام قرآن مجید سے حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں نازل ہونے والی آیہ مجیدہ کی تلاوت فرماتے ہیں (فهب لی من لدنك ولیا یرثنی و یرث من آل یعقوب واجعله رب رضیا) سورۃ مریم آیت ۵۔۶

خدایا مجھے ایک ایسا ولی اور وارث عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اسے اپنا پسندیدہ بھی قرار دے۔

رسولؐ اسلام سے ایک اور جگہ پر مروی ہے کہ (من ولد له اربعة اولاد و لم یسم احدهم باسمی فقد جفانی) جس شخص کے ہاں چار بیٹے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کا نام بھی میرے نام پر نہ رکھا گیا ہو تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔

راوی سلیمان جعفری نقل کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سنا کہ اس گھر میں غربت و افلاس نہیں داخل ہوتا جس میں محمد یا احمد، علی، حسن، حسین، جعفر، طالب، عبداللہ کے اسماء پر کسی کا نام ہو اور اسی طرح عورتوں میں سے اگر کوئی فاطمہ کے نام پر ہو تو پھر بھی غربت و تنگدستی اس گھر سے دور رہتی ہے ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ (ان الشیطان اذا سمع منادیا ینادی یا محمد ، یا علی ذاب کما یذوب الرصاص) شیطان جب محمد و علی کے اسماء کو پکارتے ہوئے سنتا ہے تو پگھل جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (البیت الذی فیہ محمد یصبح اھلہ بخیر و یمسون بخیر) جس گھر میں محمد نام کا کوئی شخص ہو تو اس گھر والوں کی صبح و شام با خیریت ہوتی ہے۔

صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں (لا یولد لنا مولود الا سمیناہ محمدا فاذا مضی سبعۃایام فان شئنا غیرنا والا ترکنا) ہمارے گھر میں ہر پیدا ہونے والے کا سات دن تک محمد نام رکھا جاتا ہے پھر اس کے بعد کوئی تبدیلی یا اسی کو رکھا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے اسماء اچھے رکھو کیونکہ بروز قیامت آپ انہی اسماء سے پکارے جاؤ گے مثلاً یوں کہا جائے گا اے فلاں ابن فلاں اپنے اعمال حسنہ کا ملاحظہ کر یا اس قسم کی کسی اور نداء سے اسے پکارا جائے گا۔

محمد بن یعقوب روایت کرتے ہیں کہ حسین بن احمد المنقری اپنے بعض اصحاب کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جب آپ کی عورتوں کو حمل ہو تو چار ماہ گزرنے کے بعد عورت کو قبلہ رخ بٹھا کر اس کے پہلو پر ہاتھ رکھ کر یوں دعا کی جائے ''الٰہی میں نے اس ہونے والے بچہ کا نام محمدؐ رکھا ہے'' خالق کائنات اس دعا کے صدقہ میں اسے لڑکا عطا فرمائے گا تو پھر پیدائش کے بعد اگر اس شخص نے اپنی اس دعا کو پورا کرتے ہوئے اس کا نام محمد رکھا تو خدا اس نومولود کو اس کے لیے مبارک قرار دے گا اور اگر اس نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا تو ایسی صورت میں خدا کی مرضی ہے کہ اسے زندہ رکھے یا واپس اٹھالے۔

سہل ابن زیاد رسولؐ اسلام سے نقل کرتا ہے کہ (من کان لہ حمل فنوی ان یسمیہ محمدا او علیا ولد لہ غلام) حمل کے وقت اگر یہ نیت کی جائے کہ میں اس کا نام محمد یا علی رکھوں گا تو خدا اسے فرزند عطا فرماتا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا طریقہ کار:۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو جب کسی نومولود کی بشارت دی جاتی تو آپ اس کے مذکر یا مؤنث ہونے کے بارے سوال کرنے سے پہلے اس کے صحیح و سالم ہونے کے بارے میں پوچھتے تھے اور جب انہیں بغیر نقص کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو آپؑ یوں دعا فرماتے (الحمد للہ الذی لم یخلق منی شئیا مشوھا) تمام حمد ہے اس اللہ کی جس نے بغیر نقص و عیب کے مجھے اولاد عطا فرمائی ہے۔

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خوش بخت ہے وہ انسان کہ جو مرتے وقت اپنی اولاد چھوڑ

جاتا ہے پھر حضرتؑ اپنے فرزند امام علی رضا علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نائب اور خلیفہ عطا فرمایا ہے حضرت صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں کہ خدا باپ پر بیٹے کے ساتھ شدید محبت کرنے کی بدولت اپنی رحمتوں کو نازل کرتا ہے انصار میں سے ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کرتا ہے کہ مولا میں کس سے نیکی کروں؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو، وہ شخص عرض کرنے لگا میرے والدین فوت ہو چکے ہیں پھر حضرت نے فرمایا کہ اپنی اولاد کے ساتھ نیکی کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ بچوں پر رحم وکرم کیا کرو اور اگر ان سے کسی چیز کے لانے کے بارے میں وعدہ کیا ہے تو اسے پورا کرو کیونکہ ان کی نظروں میں آپ ہی ان کے رازق ہیں رسولؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا رحم کرے اس شخص پر جو اپنی اولاد کی نیکیوں میں ان کی مدد کرے اور یہ مدد اولاد کے گناہوں سے درگزر کرنے اور خدا سے ان کے لیے دعائے خیر کرنے کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک اور مقام پر مروی ہے کہ جو شخص اپنی اولاد کا بوسہ لیتا ہے اس کے نامہ اعمال میں ایک عدد نیکی لکھی جاتی ہے اور جو اپنی اولاد کو خوش وخرم رکھتا ہے خدا اسے قیامت کے دن کی خوشیاں عطا فرماتا ہے اور جس نے اپنی اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دی قیامت کے دن اسے خوبصورت زیور پہنائے جائیں گے یہ زیور اس قدر نورانی ہوں گے تمام اہل جنت اس سے روشنی لیں گے۔

رسولؐ اسلام کی تنبیہ:۔

ایک شخص رسولؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسولؐ اللہ میں نے آج تک اپنی اولاد کا پیار بھرا بوسہ نہیں لیا ہے جب یہ شخص واپس چلا جاتا ہے تو رسولؐ اسلام حاضرین کو فرماتے ہیں کہ یہ شخص جہنمیوں میں سے ہے (ا)

(ا) ان احادیث مبارکہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ باپ کی اولاد کے ساتھ محبت یقیناً جو خدا کے لیے ہو باعث جنت ہے۔لیکن معصومین کے فرامین سے یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ محبت اطاعت خداوندی کے دائرہ کار میں رہ کر کرنی پڑے گی۔اور فقط اولاد ہونے کی وجہ سے ان احادیث سے غلط استفادہ کرتے ہوئے ایسی حالت میں ان سے محبت نہیں کرنی چاہیے جہاں خداوند ذوالجلال کی معصیت اور نافرمانی ہوتی ہو۔اور ان دو امروں کے درمیان فرق پیدا کرنا بہت آسان نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اولاد کو قرآن مجید میں ''فتنہ'' یعنی آزمائش کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔اور یہ احادیث کہ جن سے اولاد کو بوسہ دینے اور انھیں خوش رکھنے اور ان سے محبت کرنا ثابت ہوتا ہے اس

ایک دفعہ رسولؐ اسلام کے سامنے انصار میں سے ایک شخص اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کو چومتا ہے اور دوسرے کا بوسہ نہیں لیتا، رسولؐ خدا نے یہ دیکھ کر یہ فرمایا(ھلا و اسیت بینھما؟) ان دو کے درمیان مساوات کیوں نہیں کی؟۔

روایات میں ملتا ہے کہ بعض لوگوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے سامنے اپنی اولاد کی شکایت کی تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ اسے مارو نہیں بلکہ کچھ مدت کے لیے اس سے منہ موڑ لو اور اسے طول بھی نہ دینا۔

رسولؐ اکرم جب صبح کرتے تھے تو سب سے پہلے اپنی اولاد اور ان کی اولاد کے سروں پر دست شفقت رکھتے تھے۔

واقعہ

ایک دفعہ رسولؐ اکرم نماز جماعت کروا رہے تھے تو نماز کی آخری دو رکعتوں میں جلدی کر کے نماز ختم کر دی نماز ختم ہونے پر لوگوں نے آپ کی جلدی کے بارے میں سوال کیا تو رسولؐ نے جواب میں فرمایا کہ کیا آپ نے کسی بچہ کے چیخنے کی آواز نہیں سنی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نماز کو مختصر اس لیے کیا ہے کیونکہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ بچہ کا رونا کہیں اس بچہ کے باپ کے ذہن کو مشغول نہ کر دے (جس کی بدولت اس کی توجہ نماز سے ہٹ نہ جائے۔

بچیوں کی ولادت برکت ہے............

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ الٰہی مجھے بیٹی عطا فرما جو میرے مرتے وقت مجھ پر آہ و بکا کرے۔

رسولؐ اکرم ارشاد فرماتے ہیں کہ (**نعم الولد البنات ملطفات مجھزات مؤ نسات مبارکات مفلیات**)

ترجمہ: بہترین اولاد لڑکیاں ہیں کیونکہ وہ مہربان با سلیقہ اور نفاست پسند اور برکت والی ہوتی ہیں۔

بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ باپ کا اپنی اولاد کو پیار کرنا کوئی ''برائی'' نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض نام نہاد اھل عزت وعظمت اپنے لیے اولاد کو پیار کرنے کو عیب سمجھتے ہیں۔ اور یہ ایک بہت بد نصیبی ہے کہ آج کل معیار عظمت برعکس ہے کہ اسلام میں جس کو عظمت و عزت اور جنت میں داخل ہونے کا سبب کہا گیا ہے وہی بعض جاہلوں کے ہاں باعث ننگ و عار ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیٹیوں کی موت کی تمنا کرتا ہے وہ ان کے اجر سے محروم رہ جاتا ہے اور بروز محشر بارگاہ ایزدی میں گناہگار بن کر حاضر ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر امامؑ ارشاد فرماتے ہیں (ایما رجل دعا علی ولد اورثه الله الفقر) جو شخص اپنی اولاد کے لیے بد دعا کرتا ہے خدا اسے تنگدستی میں مبتلاء کر دیتا ہے۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (البنات حسنات والبنون نعمة و انما یثاب علی الحسنات و یسئل عن النعمة) بیٹیاں نیکیاں ہیں اور بیٹے (خدا کی طرف سے) نعمت ہیں انسان کو نیکیوں پر ثواب ملتا ہے اور نعمت کے بارے میں باز پرس ہوتی ہے۔

رسولؐ اسلام حدیث مبارک میں ارشاد فرماتے ہیں (من عال ثلاث بنات او ثلاث اخوات وجبت له الجنة) جو شخص تین بیٹیوں یا بہنوں کی کفالت کرتا ہے وہ جنتی ہے، سائل رسولؐ اسلام کی یہ حدیث سن کر عرض کرتا ہے کہ یارسولؐ اللہ اگر اس نے دو کی کفالت کی ہو تو پھر بھی جنتی ہے؟ فرمانے لگے ہاں اگرچہ دو کی ہی کیوں نہ کفالت کی ہو وہ شخص پھر سوال کرتا ہے کہ اگر ایک بیٹی یا بہن کی کفالت کی ہو تو؟ آنحضرت فرمانے لگے پھر بھی اس پر جنت واجب ہے۔

ایک اور حدیث میں رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ جو شخص تین بیٹیوں یا بہنوں کی شادی ہونے تک کفالت کرتا ہے یا پھر ان کی موت واقعہ ہونے تک کفالت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا جیسے یہ میری دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں (آنحضرت نے درمیانی اور انگشت شہادت کو ملا کر اشارہ فرمایا) سائل نے عرض کی کہ مولاؐ اسی طرح اگر اس نے دو بیٹیوں یا بہنوں کی کفالت کی تو؟ فرمایاؐ وہ بھی اسی طرح میرے ساتھ جنت میں ہوگا، پھر سائل نے ایک کے بارے میں سوال کیا؟ آنحضرت نے فرمایا ہاں پھر بھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

قصہ......

ایک شخص کو بیٹی نصیب ہوئی امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے غمگین اور ناراحت کی حالت میں دیکھا تو فرمانے لگے کہ اگر خداوند ذوالجلال تجھ سے وحی کے ذریعے یہ پوچھے کہ میں تیرے لیے بیٹی یا بیٹا اختیار کروں یا تو خود اپنے لیے اولاد اختیار کرے گا تو اس وقت کیا جواب دو گے؟ یہ شخص جواب دینے لگا کہ مولاؑ میں خدا ہی کو اختیار دوں گا تو اس وقت حضرت فرمانے لگے کہ اب خدا نے تیرے لیے بیٹی اختیار کی ہے تو پھر ناراحت کیوں ہو؟ پھر اس کے بعد امامؑ فرماتے ہیں

کہ وہ لڑکا جو حضرت موسیٰؑ اور ایک عالم جس کا نام خضر علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے اور جسے حضرت خضرؑ نے قتل کیا تھا جس قصہ کا قرآن یوں ذکر کرتا ہے (۱)

---

(۱) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا تفصیلی قصہ سورہ کھف پارہ نمبر ۱۶ میں مذکور ہے۔ اسمیں مفسرین قرآن کا کافی اختلاف ہے کہ آیا یہ وہی حضرت موسیٰ ہیں جو اللہ کے نبی اور کلیم اللہ تھے۔ یا کوئی اور اللہ کے اولیاء میں سے ولی ہیں؟ اور اسی طرح حضرت خضرؑ کے بارے میں بھی قیل وقال ہے کہ آیا یہ وہی نبی ہیں جو ابھی تک زندہ ہیں یا صالحین میں سے ایک اللہ کے برگزیدہ بندہ ہیں۔ لیکن اس مذکورہ بالا روایت سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت خضرؑ نبی نہیں تھے بلکہ صاحب علم اور صالحین میں سے تھے۔ بہر حال جو بھی تھے اس واقعہ کا گہری اور عمیق نگاہ سے جائزہ لینے والے شخص کے ذہن میں چند ایک سوال ابھرتے ہیں جن میں سب سے ایک اہم سوال یہ اٹھتا ہے کہ حضرت موسیٰ نبی تھے اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے تو آخر کیا وجہ ہے انہیں ان اسرار و رموز کا علم نہیں تھا کہ وہ حضرت خضرؑ کے ہر فعل (یعنی بچہ کو قتل کرنا، دیوار کا بنانا، کشتی میں سوراخ کرنا) پر اعتراض کرتے تھے آخر ایسا کیوں تھا؟ اس سوال کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ انبیاءؑ کو جسقدر اپنے منصب کی ادائیگی میں علم کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ان کو مزین کیا جاتا ہے۔ اور ان کے علم میں زیادتی بھی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی میں جو کہ مذہب امامیہ کی معتبر کتب میں سے ہے ایک باب ہے جو "از دیاد علم انبیاء و آئمہ ھدیٰ" کے عنوان سے ہے۔ اس واقعہ میں ہر ایک کی ذمہ داری تھی جس کا انہوں نے مظاہرہ فرمایا ہے، حضرت خضر کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ خدا کی طرف سے الہام شدہ علم کا مظاہرہ فرمائیں۔ اور حضرت موسیٰؑ ان اعمال کو کہ جو ظاہری طور پر شریعت کے موافق نظر نہیں آتے تھے (جیسا کہ بچہ کو قتل کر دینا) کو روکیں اور حضرت خضر سے انکے مرتکب ہونیکی وجہ پوچھیں۔ تو لہذا ہر ایک کی ذمہ داری تھی جو انھوں نے ادا کی ہے۔ اور دونوں میں کوئی اختلاف فکری اور ذاتی آراء کا مسئلہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خضرؑ نے اپنے افعال کی تاویل بیان فرمائی تو حضرت موسیٰؑ نے کوئی بحث وغیرہ نہیں کی اور خاموش ہو گئے۔ تو گویا حضرت موسیٰ احکام شریعت بیان فرماتے تھے اور حضرت خضرؑ اسرار الٰہی کا اظہار کرتے تھے۔)

کہ (فاردنا ان یبدلهما ربهما خیرا منه زکاة واقرب رحما) سورۃ کہف ۸۱۔ تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں (والدین) کا رب انہیں اس کے بدلے میں وہ عطا کرے جو اس سے زیادہ پاکیزہ اور صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ خدا نے اس لڑکے کے عوض اس کے والدین کو ایسی لڑکی عطا کی جس سے ستر انبیاء پیدا ہوئے۔ (۱) اوپر والے حاشیہ کو یہاں لاتا ہے

صلہ رحمی ....

رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنی پوری امت کو رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

ایک اور مقام پر رسولؐ اکرم ارشاد فرماتے ہیں (حافتا الصراط یوم القیامة الامانة والرحم فاذا مر الوصول للرحم المؤدی للامانة نفذ الی الجنة و اذا مر الخائن للامانة القطوع للرحم لم ینفعه معهما عمل و تکفاء به الصراط فی النار) پل صراط کے دونوں کناروں پر امانت اور صلہ رحمی کے پلڑے ہوں گے جب وہاں سے صلہ رحمی کرنے والا شخص گزرے گا تو وہ امانت کے ادا کرنے کی وجہ سے جلدی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص قطع رحمی اور خیانت کرنے والا ہوگا اسے دنیا میں کیا ہوا کوئی عمل بھی اس وقت فائدہ نہیں دے گا اور پل صراط لڑکھڑا کر اسے جہنم میں دھکیل دے گی۔

اسی طرح ایک جگہ پر ختمی مرتبت ارشاد فرماتے ہیں کہ خالق کائنات کی طرف سے جبرائیل امین نے بار بار مجھے عورت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی ہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ سوائے فسق و فجور کے ارتکاب کے عورت کو طلاق دینا ناجائز ہے، حدیث نبوی میں ہے کہ (اتقوا الله فی الضعیفین النساء و الیتیم) کمزوروں کے بارے میں خوف خدا کرو ایک یتیم اور دوسرا اپنی عورتیں۔

رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت کا حق اس کے شوہر پر یہ ہے کہ اس کی ضروریات کو پورا کرے اور نان و نفقہ کا انتظام کرے اور بیوی کو خوش و خرم چہرے سے دیکھے اور جب کوئی یہ امور انجام دیتا ہے تو خدا کی قسم اس نے اپنی بیوی کے حقوق ادا کر دیے ہیں۔

فصل: مذکورہ بالا بیان سے یہ امر واضح ہو گیا کہ صاحب عیال کو اپنے اہل و عیال کے لیے کس طرح رزق کمانا چاہیے اور اسے کس طرح خرچ کرنا چاہیے اور شارع مقدس نے ان تمام امور کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے عمر بن یزید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ میں ہمیشہ خداوند ذوالجلال سے رزق حلال کمانے کو طلب کرتا ہوں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خدا کے فضل و کرم سے اپنی روزی کی تلاش میں جستجو کرو۔ (کیونکہ)

کیا آپ نے یہ نہیں سن رکھا کہ جو شخص گھر میں فارغ بیٹھا رہے اور کام کاج نہ کرے اور وہ اس امر کا طلبگار ہو کہ آسمان سے اس کا رزق نازل ہوگا یہ ان تین لوگوں میں سے ہے جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پھر راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ مولاؑ وہ کون سے تین اشخاص ہیں کہ جن کی دعا قبول نہیں ہوتی حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا(**رجل تکون عنده المرأة فیدعو علیها فلا یستجاب له لان عصمتها فی یده لو شاء ان یخلی سبیلها و الرجل یکون له الحق علی الرجل فلا یشهد علیه فیجحد حقه فیدعو علیه فلا یستجاب له لانه ترك ما امر به والرجل یکون عنده الشئی فیجلس فی بیته فلا ینتشر ولا یطلب ولا یلتمس حتی یأکله ثم یدعو فلا یستجاب له**) پہلا شخص کہ جس کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ ہے کہ جو اپنی بیوی کے حق میں بددعا کرے کیونکہ اس عورت سے گلوخلاصی(طلاق) خود مرد کے ہاتھ میں ہے جب چاہے اس سے نجات حاصل کرسکتا ہے (لہذا بددعا کا کوئی معنی نہیں ہے)دوسرا شخص جس کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ ہے جس کا کسی پر حق ہو لیکن اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں حق ادا کرنے والا انکار کردے تو صاحب حق کی اس کے حق میں بددعا قبول نہیں ہوگی (۱)

---

(۱) قرض دینے اور لینے پر کتابت کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد ہوتا ہے کہ "**یا یها الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه ولیکتب بینکم کاتب بالعدل الا یه**" ایمان والو !جب بھی آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور تمھارے درمیان کوئی بھی کاتب لکھے لیکن انصاف کے ساتھ لکھے الخ

اسلام میں مالیات کا مسئلہ انتہائی مھم مسئلہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں اس مسئلہ کو بہت صراحت اور وضاحت کے ساتھ تمام پہلوؤں کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔یاد رہے کہ قرض کے وقت لکھپڑھ کرنا ایک تاکیدی امر ہے فقہاء کے نزدیک واجب امر نہیں ہے۔اورتاکیدی حکم معاشرے میں موجود ضعیف ایمان لوگوں کو مدنظر رکھ کر صادر فرمایا ہے کیونکہ ایسے افراد کا مکر جانا ایک معمولی چیز ہے کذب و افتراء ان کا وطیرہ ہوتا ہے لہٰذا اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے سچا ثابت کرنے کے لیے خالق نے ایک طریقہ بتایا ہے وہ یہ کہ آپس میں قرض کے وقت لکھ پڑھ کرلو۔جس سے کچھ نہ کچھ اس بے ایمان اور بے شرم انسان کو باندھا جا سکے لیکن اب اگر اس حکم کے صادر ہونے کے بعد لوگ قرض و لین دین کے وقت کتابت نہ کریں اور لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ دے دیں تو پھر وہ اپنے آپ کو ملامت کریں کیونکہ اب اس کے سچا ہونے پر اس کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔

کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو اس مصیبت میں ڈالا ہے اس لیے کہ اللہ نے اسے حکم دیا تھا کہ معاملہ پر کتابت کرلیا کرو مگر اس نے خدا کے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا۔

تیسرا وہ شخص ہے جو کسب حلال نہ کرے اور گھر میں بیٹھا رہے اور فقط دعا کرتا رہے تو ایسی صورت میں خدا اس کی دعا قبول نہیں کرے گا (کیونکہ خدا نے اسے کمانے کا حکم بھی دیا ہے۔

نکتہ: کسب رزق کرنا اکثر مکلفین کے لیے عمومی طور پر واجب ہے اور اوپر جو ابھی تک کسب رزق حلال کے بارے میں ذکر ہوا ہے یہ عامۃ الناس کیلئے حکم ہے لیکن جو خواص ہیں ان میں سے بعض تعبدا اور خدا کے اس حکم کے جو کسب رزق کے بارے میں وارد ہوا ہے پر عمل کرتے ہوئے رزق کمانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بعض خواص (مثل طلبہ علوم دینیہ) خدا پر توکل کرتے ہوئے اپنے ہدف اور مشن جو کہ حصول علوم محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں کے لیے کوشاں رہتے ہیں کیونکہ یہ کسب رزق سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور خدا اس کے عوض ان کے رزق کا خود انتظام فرما دیتا ہے ۔

معنی توکل اور اس کی فضیلت

توکل بہت عظیم درجہ ہے یہ صدیقین کی صفات میں سے ایک صفت ہے انسان جب اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ دنیا کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پیر نہیں مارتا بلکہ وہ سب سے بے نیاز ہو کر اپنے خالق سے لو لگاتا ہے ایسے شخص کے سامنے سوائے خدا کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہر قسم کی قیود اور دنیاوی پابندیوں کی رسیاں ٹوٹ جاتی ہیں دکھوں اور غموں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اس پر خدا کی طرف سے رضا و سکون کی باران رحمت ہوتی ہے وہ رضائے الٰہی کے دستر خوان سے سیر ہوتا ہے اور بحر اطمینان و راحت سے اپنی پیاس کو بجھاتا ہے خالق کائنات مقدس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے کہ (و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ) سورۃ طلاق آیت ۳۔ جو خدا پر توکل کرتا ہے وہ اسے کافی و وافی ہوتا ہے ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ (الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء) آل عمران ۱۷۳،۱۷۴۔ یہ وہ ایمان والے ہیں کہ جب ان سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لیے عظیم لشکر جمع کر لیا ہے لہٰذا ان سے ڈرو تو ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے خدا ہی کافی ہے اور وہی ہمارا ذمہ دار ہے پس یہ مجاہدین خدا کے فضل و کرم سے یوں پلٹ آئے کہ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور انہوں نے رضائے الٰہی کی اتباع کی اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔(۱)

---

(۱) ان مذکورہ بالا آیات میں بہت اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔عالم اسلام کو عموماً اور عالم تشیع کو خصوصاً توجہ کرنی چاہیے۔وہ امور درج ذیل ہیں۔

خالق کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کو ہونے والی وحی میں ارشاد ہوتا ہے اے عیسیٰؑ اپنے ہم وغم کی طرح مجھے اپنے نفس کے قریب کر اور اپنی آخرت کی فلاح کے لیے مجھے یاد رکھا کر نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کر مجھ پر ہی بھروسہ و اعتماد کر کیونکہ میں ہی تجھے کافی و وافی ہوں اور اگر مجھے چھوڑ کر میرے غیر پر بھروسہ کیا تو میں تجھے رسوا کروں گا اے عیسیٰؑ بلا ومصیبت پر صبر کر میری قضا وقدر پر راضی ہو اپنے آپ کو اس طرح بناؤ جیسے میں چاہتا ہوں اور جس میں میری فرحت و مسرت ہو اور میری خوشی و رضا اس میں ہے کہ آپ میری اطاعت کریں اور میری نافرمانی سے اجتناب کریں اے عیسیٰؑ اپنی زبان سے میرا ذکر کیا کر اور میری محبت ومودّت تیرے دل میں ہونی چاہیے۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رزق و مال کو ہی اہتمام دے خالق اس کے حق میں ایک عدد گناہ لکھ دیتا ہے (۱)

۱: خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا خدا ہی مددگار رہتا ہے خدا دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیتا ہے اگر چہ وہ لوگ زخمی حالت میں ہی میدان کیوں نہ اتریں۔ یہ لوگ خوفزدہ ہو کر گھر میں بیٹھ نہیں جاتے۔

۲: شیطان صفت لوگ ہمیشہ مومنوں کو دشمن کی قوت و طاقت کا احساس دلوا کر کمزور کرنے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں۔لیکن ان کی باتوں میں وہی لوگ آتے ہیں جو کمزور ایمان والے ہوتے ہیں اور ان کا ولی شیطان ہوتا ہے۔اور صاحب ایمان ان کھوکھلی باتوں سے اثر انداز نہیں ہوتا جیسا کہ جنگ خندق میں حضرت علیؑ کی انوکھی سیرت موجود ہے۔جبکہ سب بڑے بڑے رسول خداؐ کے ارگرد چکر لگانے والے گھبرا کر آگے نہیں جا رہے تھے لیکن حیدر کرارؑ نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جو آج تک تاریخ کے سینہ میں رقم ہیں۔

۳: انسان کو کفر کی تگ و دو سے پریشان نہیں ہو جانا چاہیے۔وہ اپنا سب کچھ خدا ہی کو تصور کرتے ہیں۔فقط اسی سے ہی خوف کھاتے ہیں۔کوئی دوسری طاقت انھیں دہلا نہیں سکتی۔

۴: بخل ایک لعنت ہے۔اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔کیونکہ یہ خدا کی صفت (فضل کے متضاد ہے)

وحی الٰہی میں ہے کہ اے آدم کی اولاد میں نے آپ کو مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے تو کیا تمھارا خلق کرنا مجھ پر مشکل نہیں تھا مگر تمھاری روزی پہنچانا سخت ہے؟

(۱) چونکہ ہر بندہ کا رزق مقسوم ہو چکا ہے۔اب اس کو زیادہ اہتمام دینا گویا خدا کے مقسوم شدہ رزق پر اعتماد نہ کرنا ہے اور یہ خدا سے غفلت کا نتیجہ ہے۔تو یہ بذات خود ایک گناہ ہے۔)

قصہ

حضرت دانیال علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ظالم وجابر حاکم ہوتا تھا ایک دن اس ظالم و جابر حکمران نے حضرت دانیال کو گہرے کنویں میں ڈال دیا اور اس کے ساتھ چیرنے پھاڑنے والے درندے بھی ڈلوا دیے لیکن یہ درندے حضرتؑ کے قریب تک بھی نہ گئے اس وقت خالق کائنات نے اپنے کسی نبی کو وحی کی کہ وہ حضرت دانیال کے طعام کا بندوبست کرے تو اس نبی نے اللہ تعالی سے حضرت دانیال کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب آپ اس قریہ سے باہر نکلیں گے تو آپ کو ایک بجو نظر آئے گا اس کے ساتھ چل پڑنا وہ آپ کو دانیال کے مقام تک لے جائے گا یہ اللہ کے نبی اس حیوان کے ساتھ چلتے ہوئے اس کنویں میں پہنچے جہاں پر حضرت دانیال پڑے ہوئے تھے اللہ کے اس نبی نے دانیالؑ کو طعام دیا تو جونہی حضرت دانیالؑ نے اپنے سامنے طعام کو دیکھا تو بے ساختہ فرمانے لگے (**الحمد لله الذی لا ینسی من ذکره والحمد لله الذی لا یخیب من دعاه الحمد لله الذی من توکل علیه کفاه والحمد لله الذی من وثق به لم یکله الی غیره والحمد لله الذی یجزی بالاحسان احسانا و بالسیئات غفرانا و بالصبر نجاتا**) حمد ہے اس رب ذوالجلال کی جو اس کے ذکر اور یاد کرنے والے کو کبھی فراموش نہیں کرتا حمد ہے باری تعالی کی جو دعا کرنے والے کی امید کو ٹوٹنے نہیں دیتا اور اسے ناکامی کا منہ نہیں دکھاتا ثناء ہے اس خالق کی جس پر جس کسی نے بھی بھروسہ کیا ہے وہ اسے کافی و وافی ہوا ہے حمد ہے اس خدا کی جو اپنے پر اعتماد کرنے والے کو کسی اور کا محتاج نہیں کرتا وہ خدا لائق حمد ہے جو احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیتا ہے وہ خدا جو (لوگوں کو) گناہ کرنے کے باوجود اپنی بارش مغفرت سے بخش دیتا ہے اور صبر کرنے پر نجات و کامیابی عطا فرماتا ہے پھر اس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ (**ان الله ابی الا ان یجعل ارزاق المتقین من حیث لا یحتسبون و لا یقبل لاولیائه شهادة فی دولة الظالمین**) (۱)۔

حاشیہ: اس کلام معصومؑ وحی ترجمان سے دو امر کی وضاحت ہوتی ہے پہلا یہ کہ انسان کو ہمیشہ خدا سے لو لگانی چاہیے اس کے عذاب اور معصیت سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اطاعت خداوندی میں زندگی گزار دے اور ایسا شخص متقی کہلاتا ہے اور پھر یہ انسان اپنے رزق کے بارے میں پریشان نہ ہو بلکہ خدا پر توکل کرے خدا اس کے لیے رزق کا ان مقامات سے انتظام فرمائے گا جہاں سے وہ تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔ اور اسی نکتہ کی طرف خالق کائنات اپنی مقدس کتاب میں انسان کو متوجہ فرماتا ہے کہ "(**ومن یتق الله یجعل له مخرجاً ویرزقه من حیث لا یحتسب**) ترجمہ: (اور جو بھی اللہ

سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے)

دوسرا امر جو کلام امام میں صراحت سے مذکور ہے وہ یہ کہ مومن انسان کسی بھی ظالم و جابر حکومت میں کسی بھی مسئلہ پر عدالت میں گواہی کیلئے نہ جائے۔ اس موضوع پر متعدد روایات ملتی ہیں۔ جن میں آئمہ اھل بیت علیھم الصلوۃ والسلام نے مومنین کو ظالم عدالت کے سامنے اور غیر شرعی قوانین کی رعایت کرنے والی عدالتوں کے ہاں اپنے مسائل کے حل کرنے کی خاطر رجوع کرنے کو منع فرمایا ہے۔ لہذا مومن انسان کو دور حاضر کی موجود غیر شرعی عدالتوں میں اپنے اختلافی مسائل کے حل کے لیے رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء بھی ایسی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اگر چہ آپ پر ہی کیوں نہ ہوں مگر یہ کہ حصول حق ایسی عدالتوں میں رجوع کرنے پر متوقف ہو تو ایسی اضطراری اور استثنائی صورت میں انسان رجوع کرسکتا ہے۔ (وھذا قلیل جدا ً)

اللہ تعالی و تبارک متقیوں کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے اور اپنے صلحاء اور نیک لوگوں کے لیے اسے یہ پسند نہیں ہے کہ وہ ظالم حکومت میں گواہی دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی ہوتی ہے کہ (من انقطع الی کفیتہ) جو دنیا سے منہ موڑ کر میری طرف آیا تو میں اسے کافی ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جبرائیل امین رسولؐ اسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ خالق نے مجھے آج آپ کی طرف ایک ایسا ہدیہ دیکر بھیجا ہے کہ جو آج تک خدا نے کبھی کسی کو عطا نہیں فرمایا، رسولؐ خدا نے فرمایا کہ وہ کون سا ہدیہ ہے جبرائیل عرض کرتا ہے کہ مولاؐ وہ ہدیہ صبر اور اس سے بھی ایک اچھی چیز کا ہدیہ ہے رسولؐ اسلام نے فرمایا کہ صبر سے اچھی چیز کیا ہے جبرائیل عرض کرتا ہے کہ وہ قناعت ہے اور اس سے بھی ایک افضل چیز ہے رسولؐ خدا فرمانے لگے کہ قناعت سے افضل امر کون سا ہے جبرائیل نے عرض کی وہ رضا ہے اور اس سے بھی ایک احسن و افضل امر ہے رسولؐ فرماتے ہیں کہ وہ کیا ہے جبرائیل امین کہتا ہے کہ رضا سے بھی افضل و احسن زہد ہے اور اس سے بھی ایک اچھی چیز کا میں ہدیہ لیکر آیا ہوں رسولؐ فرمانے لگے کہ زہد سے اچھی چیز کون سی ہے جبرائیل عرض کرتا ہے کہ مولاؐ وہ اخلاص ہے اور اس سے بھی ایک اچھی چیز کا ہدیہ لیکر اترا ہوں رسولؐ اسلام نے فرمایا کہ اخلاص سے بڑھ کر کیا چیز ہے عرض کرتا ہے کہ وہ یقین ہے لیکن اس سے بھی ایک اچھی چیز ہے رسولؐ فرماتے ہیں کہ یقین سے بہتر کیا ہے جبرائیل عرض کرتا ہے کہ وہ سب سے اعلی درجہ پر ہے کہ جس کے تحت یہ تمام مراتب ہیں اور وہ اعلی درجہ توکل علی اللہ ہے پھر رسولؐ السلام نے فرمایا کہ توکل علی اللہ یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کی کیا تفسیر ہے، اب جبرائیل امین توکل خدا کی تفسیر

کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ توکل بر خدا سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا یقین ہو کہ مخلوق نہ کسی قسم کا مجھے نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی نقصان دے سکتی ہے اور یہ مخلوق کسی کو کچھ عطا نہیں کر سکتی اور نہ ہی کسی کے رزق کو روک سکتی ہے لہذا مخلوق خدا سے نا امید ہونا چاہیے جب انسان کے اندر اس قسم کا یقین پیدا ہو جائے تو اس وقت وہ سوائے خدا کے کسی کے لیے بھی کوئی عمل نہیں کرتا اور وہ راہ حق سے منحرف نہیں ہوگا خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے گا اور اسے لوگوں کے ساتھ کوئی طمع نہیں ہوگا اور یہی حقیقت میں توکل علی اللہ کے معنی ہیں، رسولؐ السلام نے فرمایا کہ اے جبرائیل صبر کی تفسیر کیا ہے جبرائیل عرض کرنے لگا کہ انسان مشکلات اور سختیوں میں بھی اسی طرح صبر کرے کہ جس طرح راحت و سکون کے وقت صبر کرتا ہے فروانی اور کشادگی کی حالت کی طرح فقر و فاقہ کی حالت میں بھی صبر کرے انسان کو ہر دو حالت تکلیف و مصیبت اور صحت و سلامتی کے وقت صبر کرنا چاہیے، انسان اپنے امتحان اور ابتلاء کے وقت مخلوق کے سامنے اپنے رب کی شکایت نہ کرے، رسولؐ اسلام نے فرمایا کی قناعت کی کیا تفسیر ہے جبرائیل نے عرض کی کہ دنیا سے جو کچھ ملے اس پر اکتفاء کرنا اور قلیل مقدار پر راضی ہو کر خالق کا شکر ادا کرنے کو قناعت کہتے ہیں، رسولؐ اسلام فرماتے ہیں کہ رضا کی تفسیر کیا ہے جبرائیل عرض کرنے لگا کہ مولاؐ رضا کی اعلی منزل پر وہ شخص فائز ہوتا ہے جو اپنے آقا و مولا خالق پر غضب ناک اور اس سے نا راحت نہ ہو اور وہ ہر دو حال میں چاہے اسے دنیا سے کچھ ملا ہو یا نہ ملا ہو خوشنودی خدا کیلئے راضی رہتا ہے لیکن آخرت کے لیے اپنے لیے قلیل عمل خیر پر راضی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ آخرت کے لیے نیک اعمال بجالاتا رہتا ہے۔

رسول خدا نے فرمایا کہ اے جبرائیل زہد کی تفسیر کیا ہے جبرائیل عرض کرنے لگا کہ زاہد وہ ہوتا ہے کہ جو خدا کے لیے کسی سے محبت یا نفرت کرتا ہے محبوب خدا سے محبت کرنا اور مبغوض خدا سے بغض رکھنا زاہد لوگوں کا شیوا ہوتا ہے ان میں اس قدر خوف خدا ہوتا ہے کہ حلال دنیا سے بھی احتیاط کرتے ہیں چہ جائے کہ حرام کے مرتکب ہوں کیونکہ حلال دنیا کا قیامت کو حساب ہوگا اور حرام دنیا کا عقاب ہوگا زاہد شخص تمام مومنین کے ساتھ اسی طرح رحم کرتا ہے جس طرح وہ اپنے نفس سے کرتا ہے اور جیسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے وہ اپنے مومن بھائیوں کے لیے اپنے سے بھی پہلے چاہتا ہے، زاہد شخص فضول گفتگو سے پرہیز کرتا ہے ہر وہ کام کہ جس میں دینی غرض نہ ہو اس سے اس طرح اجتناب کرتا ہے جس طرح حرام سے اجتناب کرتا ہے زیادہ کھانے سے اجتناب کرتا ہے جیسے مردار کے بدبودار گوشت سے نفرت و اجتناب کرتا ہے آلائش و زینت دنیا سے اسی طرح اجتناب کرتا ہے جیسے آگ کے جلانے کے خوف سے اس سے اجتناب کرتا ہے دنیاوی امیدیں کم رکھتا ہے اور زاہد انسان زندگی یوں گزارتا ہے کہ گویا موت اور اللہ سے ملاقات اس کے سامنے ہو۔

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جبرائیل اخلاص کی کیا تفسیر ہے؟ عرض کی مولا مخلص وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں

سے کوئی سوال نہیں کرتا بلکہ وہ خود حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اور اس مطلوبہ امر کے حصول پر شکر خدا کرتا ہے اور وہ اس پر راضی و خوش ہوتا ہے، مخلوق خدا سے سوال نہ کرنا اس کے ہاں عبودیت خدا کے اقرار کے برابر ہے کسی چیز کے حصول سے جب وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہوتا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ خدا ہی سب کچھ عطا کرتا ہے رسولؐ اسلام نے فرمایا کہ یقین کی کیا تفسیر ہے، جبرائیل امین نے عرض کی کہ جو اللہ پر حق الیقین رکھتا ہو وہ اپنے اعمال کو یوں انجام دیتا ہے گویا خدا کو دیکھ رہا ہو اور اگر وہ معرفت کی آنکھ سے خدا کو نہ دیکھ رہا ہو تو خدا اسے دیکھ رہا ہوتا ہے صاحب یقین کے ہاں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ جو اسے خدا کی طرف سے پہنچا ہے وہ اتفاق یا غلطی سے نہیں آیا اور جو نہیں ملا وہ اس کیلئے مقدر ہی نہیں ہے اور اسے نہیں پہنچنا ہے۔ یہ سب صفات شجرۃ توکل بر خدا کی لہلہاتی ٹہنیاں ہیں اور زہد کے مراتب و مدارج ہیں ۔

مصنف کا تبصرۃ:۔

مصنف علام اس مذکورہ حدیث پر تبصرۃ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ آپ پر رحم و کرم فرمائے اس حدیث کی حسن لطافت اور ان فوائد و عوائد کہ جو اس حدیث کے ضمن میں ہیں ان پر غور وفکر کرنی چاہیے اور اس حدیث مبارک سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ صبر، قناعت، رضا اور زہد، اخلاص و یقین یہ تمام مراتب و صفات توکل بر خدا کے چشمہ سے پھوٹتے ہیں اور اسی سے توکل علی اللہ جیسی عظیم صفت اور اعلی مرتبہ کی اہمیت بھی اجاگر ہو جاتی ہے اس حدیث مبارک سے توکل علی اللہ کی حقیقت اور ماہیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ توکل علی اللہ کا حامل انسان اس بات کا راسخ عقیدہ رکھتا ہے کہ مخلوق خدا نہ کسی کو نفع دے سکتی ہے اور نہ ہی ضرر پہنچا سکتی ہے، مخلوق نہ کچھ عطا کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی چیز سے محروم کر سکتی ہے بلکہ متوکل علی اللہ شخص لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی امیدیں وابستہ نہیں رکھتا (۱)

---

(۱) اب اس مذکورہ بالا حد توکل اور بیان ماہیت و حقیقت توکل کو سامنے رکھ کر ہم میں سے ہر ایک اپنے ایمان توحید کو تولتا جائے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ عقیدہ توحید کتنا دقیق ہوتا ہے۔ اور شرک باللہ کتنا غیر محسوس جرثومہ ہے۔ دعویٰ تو سب لوگوں سے مستغنی اور بے نیازی کا کرتے ہیں لیکن اگر اس کی زندگی اور اعمال کا بنظر دقیق ملاحظہ کیا جائے تو وہ اپنے دعویٰ میں کم سچا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ کہ جو تاویلات کرنا بھی جانتا ہو اور اس کی مہارت رکھتا ہو تو وہ اپنے واضح و عیاں اعمال شرک جیسے لوگوں سے امیدیں باندھنا، اور مخلوق کو ہی نفع وضرر کا مالک سمجھنا وغیرہ کو بھی بھونڈی تاویلات کے ذریعہ عقیدہ توحید اور توکل علی اللہ کیساتھ ربط پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں اس کا قول اس کے فعل کے منافی ہوتا ہے۔

توکل علی اللہ کے ارکان:۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ امر واضح و آشکار ہو گیا کہ توکل علی اللہ کے پانچ ارکان ہیں جن کے بغیر توکل علی اللہ جیسی صفت حاصل نہیں ہو سکتی (۱)

---

(۱) پانچ ارکان جو توکل علی اللہ کی حقیقت و ماہیت کے بیان میں ذکر ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: انسان اس بات کا اعتقاد رکھے کہ مخلوق خدا نفع نہیں پہنچا سکتی۔

۲: یہ اعتقاد رکھنا کہ مخلوق ضرر نہیں دے سکتی۔

۳: مخلوق خدا کے کچھ بھی عطا نہ کرنے پر اعتقاد ہو۔

۴: یہ عقیدہ راسخ ہو کہ مخلوق خدا رزق کو منع نہیں کر سکتی۔

۵: لوگوں سے نا امید اور توقعات نہ باندھنا۔

ان امور میں سے پہلے چار کا تعلق علم سے اور ان پر عقیدہ رکھنے سے ہے۔جبکہ پانچویں امر کا تعلق جو باقی چاروں سے منفک اور جدا نہیں ہے عمل سے ہے۔)

ان پانچ ارکان میں سے چار ارکان کا تعلق علم کے ساتھ ہے یعنی چار ارکان کا انسان کو ادراک کرنا چاہیے اور ان پر عقیدہ رکھنا چاہیے اور جبکہ پانچویں رکن کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے اور یہ پانچواں رکن اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ چاروں ارکان اس کے بغیر کالعدم ہیں اور ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ان چاروں کا ملاک اور معیار بھی یہ پانچواں رکن ہے چاروں کا فائدہ اور ثمرۃ اس عملی پانچویں رکن کے مرہون منت ہے گویا یہ عملی رکن ان ارکان کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اسے پرندوں کے پروں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے کیونکہ جس طرح پروں کے بغیر ایک پرندہ اڑ کر بلندیوں تک نہیں جا سکتا اسی طرح توکل علی اللہ کا دعویدار شخص بھی اس پانچویں عملی رکن کے بغیر رفعت و بلندیوں کی منازل اور حقیقی معرفت توحید کے اعلی درجات پر ترقی نہیں کر سکتا۔

علم وعمل کا تلازم..........

توکل علی اللہ کے بیان ارکان سے یہ بات بھی آشکار ہوگئی کہ علم وعمل کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے عمل کے بغیر علم کا تحقق بھی نہیں ہوسکتا اور علم کا فائدہ اور اس کا ثمرۃ عمل کے ساتھ حاصل ہوتا ہے صاحب علم کو علم اس وقت تک کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا جب تک وہ اس علم پر عمل پیرا نہ ہو اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے (۱)

جو روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور اس علم وعمل کے تلازم پر ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص کی داڑھ میں درد ہو اور وہ یہ بھی علم رکھتا ہو کہ کھٹی اشیاء کھانے سے درد میں اضافہ ہوگا اور نقصان پہنچے گا مگر پھر بھی وہ شخص اس علم پر عمل نہ کرتے ہوئے کھٹی چیزوں کو استعمال کرے تو یقیناً اس کی داڑھ کی درد میں اضافہ ہوگا اب ایسی صورت میں اس علم نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا کیونکہ اس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا اور کھٹی اشیاء کے استعمال سے پرہیز نہیں کی۔

مذکورہ حدیث سے حاصل امور:۔

رسولؐ اسلام کی یہ حدیث جو کہ توکل علی اللہ کی حقیقت و ماہیت کے بیان میں تھی اس سے نتیجہ کے طور پر تین اہم امور حاصل ہوتے ہیں۔

---

(۱) مصنفؒ نے روزمرہ زندگی سے مثال پیش کر کے اس دعویٰ کو باطل کر دیا کہ کسی بات پر فقط عقیدہ رکھنے سے نجات ہو جاتی ہے۔اور اس قسم کا فاسد نظریہ رکھنے والے نہ صرف خود عمل میں کاہلی اور سستی کرتے ہیں بلکہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے عامۃ الناس کو بھی عمل سے گمراہ کرتے ہیں۔اور انھیں بدعملی کی ترغیب دیتے ہیں۔اور یہ مرض آج کل بہت زیادہ پھیل چکا ہے جس کا خاتمہ ہر انسان پر اپنی بساط وطاقت کے مطابق واجب ہے خاص طور پر ان حضرات پر جو مصلحین ملت اور رہبران قوم ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔اور وراثت انبیاء کے وارث ہونے کے علمبردار بھی ہیں

دین اسلام کا تو باقی مذاہب وادیان سے طرہ امتیاز ہی یہی رہا ہے کہ "العلم بدون العمل کالشجر بدون الثمر" علم وعمل دولازم وملزوم ہیں ورنہ عمل کے بغیر علم ایسے ہی بے فائدہ ہے جیسے کوئی درخت اپنے پھل کے بغیر ناکارہ ہوتا ہے۔"اتقوا یا اولی الابصار"

بقول شاعر:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(۱) اس حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والا پہلا امر اخلاص ہے کیونکہ جب انسان میں یہ عقیدہ راسخ ہو جائے کہ مخلوق خدا نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی ضرر دے سکتی ہے تو ایسی صورت میں انسان اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی کوئی عمل نہیں کرے گا اور نہ ہی غیر اللہ کے لیے ریا کاری کرے گا اور غیر اللہ کے ہاں اپنے لیے جاہ و منزلت طلب نہیں کرے گا اور اپنا ہر عمل خالصتاً اللہ کے لیے کرے گا مخلص انسان کا دل اپنے آقا و مولا خدا سے کبھی بھی منحرف نہیں ہوگا اپنے اخلاص کے ساتھ صراط مستقیم پر گامزن رہے گا اپنے خالق کی عبادت اس طرح کرے گا جو اس کے لائق ہوگی گویا مخلص شخص ہر قسم کے انحراف ریا کاری اور شرک سے پاک و منزہ ہوگا۔

(۲) انسان جب لوگوں سے مکمل طور پر مستغنی اور بے نیازی کا عقیدہ رکھ لے اور لوگوں سے کسی قسم کا طمع و لالچ نہ کرے تو اسے عزت و وقار حاصل ہوتا ہے اور یہ خدا کی بہترین اور مرغوب نعمت ہے کیونکہ ہر انسان عزت و وقار کا متلاشی اور خواہاں ہوتا ہے اور یہ وقار لوگوں سے بے نیازی میں پنہاں ہے کیونکہ جب خدا پر توکل کرنے والا اس عقیدہ کو راسخ کر لے کہ خالق کی ذات والا صفات ہی رازق مطلق ہے اور کوئی کسی کو کچھ نہیں عطا کرتا اور سب عنایات و کرم نوازی کا منبع خالق کائنات ہے تو ایسی حالت میں انسان مخلوق خدا سے رجاء و امید نہیں لگائے گا اور اپنی امید کی ڈوریں صرف اپنے رب کی رحمت و کرم سے پیوند کرے گا۔(۱)

(۳) توکل علی اللہ کے مفہوم سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ مومن و متوکل انسان کو اپنی زندگی میں اطمینان و سکون اور امن و امان حاصل ہوتا ہے اور وہ کسی بھی اذیت دہ امر سے خوف زدہ نہیں ہوتا مخلوق سے کسی قسم کا خوف نہیں کھاتا کیونکہ وہ سب کچھ خالق کو ہی سمجھتا ہے اور اسی پر ہی بھروسہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مخلصین اور نیک بندوں کے بارے میں ملتا ہے کہ جب وہ درندوں اور وحشی جانوروں کے ہاں سے گزرتے تھے تو بے خوف و بے جھجک ہوتے تھے کیونکہ جب اس بات کا

---

(۱) اب اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص اپنے رزق اور روٹی کے ملنے میں لوگوں پر بھروسہ کرتا ہے تو اگر اسے اس روٹی کے بند ہونے کے ڈر سے اسلام و مذہب کو کیوں نہ بیچنا پڑے بیچ دیتا ہے۔اور اپنی شرعی مسولیت میں تقصیر و کوتاہی کرتا ہے۔ایسے شخص کو اپنے عقیدہ توحید پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ہاں یہ حقیقت ہے کہ نظام کائنات اسباب و مسببات کیساتھ قائم ہے لیکن یہ خدا کے غنی حق اور رازق مطلق اور مخلوق سے بے نیازی کے عقیدہ کے مانع نہیں ہے۔(فلیتأمل ا نه دقیق)

یقین ہو جائے کہ مخلوق کوئی ضرر نہیں دے سکتی تو پھر مخلوق سے خوف کیوں آئے لہٰذا ان نیک لوگوں کا وحشی و درندہ صفت حیوانات کے بارے اعتقاد ایسا ہی تھا جیسا وہ کھٹمل اور دیگر حشرات کے بارے میں اعتقاد رکھتے تھے۔ گویا کوئی ضرر دہ نہیں ہیں۔

واقعہ :۔

ابو حازم عبد الغفار بن الحسن کہتے ہیں کہ ایک دن ابراہیم بن ادہم کوفہ گئے اور میں بھی ان کے ہمراہ تھا ہمارا یہ سفر منصور دوانیقی کے زمانہ حکومت میں تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کوفہ سے باہر تشریف لا رہے تھے اور مدینہ واپسی کا ارداہ رکھتے تھے علماء و فضلائے کوفہ حضرتؑ کو الوداع کرنے کے لیے چل پڑے ان الوداع کرنے والوں میں ثوری نامی شخص اور ابراہیم بن ادہم بھی تھے ان لوگوں نے راستہ میں ایک شیر دیکھا ابراہیم نے لوگوں کو کہا کہ آپ ٹھہر جاؤ اس شیر کے ساتھ کچھ نہ کرنا تا کہ دیکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس شیر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں جب حضرت صادق آل محمدؐ تشریف لاتے ہیں تو انہیں شیر کے بارے میں بتایا گیا تو حضرت آگے بڑھتے ہیں یہاں تک کہ شیر کے قریب آجاتے ہیں شیر کو کان سے پکڑ کر راستے سے ہٹا دیتے ہیں اور پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ (اما ان الناس لو اطاعوا اللہ حق طاعتہ لحملوا علیہ اثقالھم) آگاہ رہو اگر لوگ خالق کی صحیح معنوں میں اطاعت کرتے تو وہ شیر پر اپنے سامان وغیرہ کو لاد سکتے تھے۔

قصہ :۔

جویریہ بن مسہر کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت امیر المومنینؑ کے ہمراہ بابل کا سفر کیا ہمارے ساتھ کوئی تیسرا شخص نہیں تھا ہم دونوں نمکین اور دلدل زمین میں چل رہے تھے تو اچانک ہمیں ایک شیر نظر آیا جو اپنا سینہ زمین پر ٹیک کر بیٹھا ہوا تھا شیرنی اور اس کی اولاد شیر کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے اپنے گھوڑے کو زور سے روکا تا کہ کچھ دیر کے لیے لیٹ ہو جاؤں یہاں تک کہ شیر اپنی جگہ سے چلا جائے اتنے میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اے جویریہ آگے بڑھو یہ اللہ کا کتا ہے جو بھی اس دنیا میں چوپایا ہے خدا نے اسے اپنے کنٹرول میں لیا ہوا ہے اور وہی خدا ان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور خدا ہی ہمیں کافی ہے جویریہ کہتا ہے کہ میں شیر کی طرف آگے بڑھا تو وہ دم زمین پر رگڑتا اور ہلاتا ہوا امام علیؑ کی طرف آتا ہے اور اپنے چہرہ کو امامؑ کے قدموں سے مس کرتے ہوئے اپنی زبان میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یوں گویا ہوتا ہے (السلام

علیك یا امیر المومنین و وصی خاتم النبیین) اے مومنوں کے سردار اور امیر اور آخری نبیؐ کے وصی اور نمائندہ آپ پر میرا اسلام ہو، حضرت علیؑ جواب میں فرماتے ہیں (**و علیك السلام یا حیدر قما تسبیحك**) اے حیدرہ آپ پر میرا اسلام ہو آج کل کون سی تسبیح کرتا ہے شیر نے جواب میں عرض کی **سبحان ربی ، سبحان الهی ، سبحان من اوقع المهابة والمخافة فی قلوب عباده منی سبحانه سبحانه**) پاک و پاکیزہ ہے میرا رب، پاک ہے میرا معبود، پاک و منزہ ہے وہ ذات والا صفات جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں میری ہیبت اور خوف رکھ دیا ہے، پاک ہے میرا خدا پھر اس کے بعد حضرت امیر المومنینؑ چل پڑے اور میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا ابھی ہم اسی دلدل اور نمکین زمین میں ہی چل رہے تھے کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا مجھے نماز کے فوت ہونے کا خدشہ ہونے لگا میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو کہنے لگا کہ افسوس ہو تجھ پہ اے جویریہ کیا تو امیر المومنینؑ سے نماز کے بارے میں زیادہ حریص ہے جبکہ تو نے (اے جویریہ) شیر کو بھی علیؑ کی اتباع اور اس کا امیر المومنینؑ کو سلام و اکرام کرنے کو ملاحظہ کیا ہے لہذا مولاؑ خود ہی بہتر جانتے ہیں کہ نماز کے بارے میں کیا انتظام کرنا ہے میں اماؑم کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ اس زمین سے آگے نکل گئے۔اور حضرت امام علیؑ نے رک کر اذان و اقامت کہی اور پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھا میں نے حضرت کے لبوں کو حرکت کرتے دیکھا اور انگلیوں سے اشارہ فرما رہے تھے۔اتنے میں سورج عصر کے وقت پر آ گیا ہم نے نماز ادا کی پھر فوراً سورج اپنی سابقہ حالت پر چلا گیا۔اور اس وقت نماز مغرب کا وقت تھا۔پھر ہم نے نماز مغرب ادا کی اور پھر مجھ سے فرمانے لگے کہ اے جویریہ اسے جادو وغیرہ نہ سمجھنا آپ کے دل میں جو شیطانی وسوسے پیدا ہو رہے ہیں میں عنقریب انہیں نکال دوں گا۔کیا تم نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت نہیں سنی کہ اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں اسے انہیں ناموں سے پکارو۔اے جویریہ سنو! ایک دفعہ آنحضرتؐ کا سر اقدس میری آغوش میں تھا جس کی وجہ سے مجھ سے نماز عصر کی آدائیگی نہ ہو سکی۔جب سلسلہ وحی منقطع ہوا تو آنحضرتؐ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا نماز ادا کی ہے؟ تو میں نے کہا نہیں۔تو آنحضرتؐ نے خدا کو پکارتے ہوئے کہا کہ الٰہی علی تیری اطاعت میں مصروف تھا۔آنحضرت نے اسم اعظم کو زبان پر جاری کیا جس سے ڈوبا ہوا سورج واپس آ گیا۔اور آج میں نے بھی رسول خداؐ کے تعلیم کردہ اسی اسم اعظم کی تلاوت کی ہے۔پھر حضرت علیؑ نے جویریہ سے فرمایا کہ حق مومنین کیلئے واضح ہے میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ وہ تیرے دل سے شیطانی وسوسوں سے پاک رکھے۔لہذا اب بتاؤ تمھارے دل کی کیا کیفیت ہے؟ جویریہ نے عرض کی! مولا اب وسوسہ دل سے نکل چکا ہے۔

فصل:

لوگوں سے سوال کرنے کی مذمت:

رسول اسلام کے اس قول مبارک (و اذا لم یسئل المخلوق فقد اقر بالعبودیه لله) بندہ جب مخلوق سے (بے نیاز ہو کر) سوال نہیں کرے گا تو گویا اس نے خدا کی عبودیت کا اقرار کر لیا ہے اس حدیث مبارک سے روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو گیا کہ جو شخص اللہ کے علاوہ لوگوں کے ہاں اپنی حاجات کے بارے سوال کرتا ہے تو یہ حقیقت میں اس شخص کے ایمان توحید کے ضعیف ہونے پر دلیل ہے جبکہ اسکے برعکس جو خدا سے ہی لو لگاتا ہے اور اسی پر بھروسہ رکھتا ہے یہ امر اس کے ایمان توحید کے قوی ہونے پر دلیل ہے کیونکہ جب انسان اس بات کی عمل سے نفی کر دے گا کہ خدا کے سوا کوئی بھی کچھ عطا کرنے والا نہیں ہے تو اس وقت وہ غیر اللہ سے کبھی بھی اپنی حاجات کے بارے میں سوال نہیں کرے گا اور وہ اپنے اس عمل کی بدولت عبودیت کی اعلی منزل پر فیض ہو گا اور اسی معنی کی طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان حق ترجمان اشارہ کرتا ہے جو کہ آپ نے خداوند ذوالجلال کے اس قول (و ما یومن اکثر هم باللـه الا وهم مشـركون) سورۃ یوسف آیت ۱۰۶۔ ان میں اکثر خدا پر ایمان ہی نہیں لاتے مگر یہ کہ وہ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں حضرتؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (هو قول الرجل لو لا فلان لهلكت ولو لا فلان لما اصبت كذا و كذا ولو لا فلان لضاع عيالي الا ترى انه قد جعل لله شريكا في ملكه يرزقه و يدفع عنه؟، قلت فيقول لو لا ان لله من عليّ بفلان لهلكت قال نعم لا بأس بهذا و نحوه) آیت میں مذکور شرک سے مراد یہ ہے کہ انسان کا یہ کہنا کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا اور اگر فلاں نہ ہوتا تو مجھے یہ تکلیف نہ پہنچتی اگر فلاں نہ ہوتا تو میرے اہل و عیال ضائع ہو جاتے کیا آپ نے اس گفتگو سے مشاہدہ نہیں کیا ہے کہ اس قسم کی گفتگو کرنے والے شخص نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی سلطنت اور قدرت میں اس کے شریک بنا دیے ہیں وہ یہ تصور کرتا ہے کہ اللہ کا یہ شریک اسے رزق دیتا ہے اور اس سے مصیبتوں کو ٹالتا ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ مولاؑ اگر یوں کہا جائے کہ اگر خدا کی طرف سے مجھ پر فلاں کی کرم نوازی نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا امامؑ نے فرمایا کہ اس قسم کی کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۱)

---

(۱): مدعیان توحید کے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ امامؑ کے کلام حق ترجمان نے یہ واضح و آشکار کر دیا ہے کہ ایسی کلام جس کے ظاہری الفاظ سے (اگرچہ وہ اس بات کا عقیدہ نہ بھی رکھتا ہو) ذات توحید سے بے نیازی کی بو آتی ہو تو وہ بھی اس آیت مذکورہ میں داخل ہے یعنی وہ بھی ایمان بر خدا لانے کے باوجود بھی مشرک ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ (**شیعتنا من لا یسئل الناس شئیا ولو مات جوعا**) ہمارے شیعہ اور محبؑ وہ ہیں جو بھوکے مر جاتے ہیں لیکن لوگوں سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے (۲)

حاشیہ :(اب ہم میں سے ہر ایک دعوی محبت و شیعیت کرنیوالے کو اپنی گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ ہم مولا کے بیان کردہ شیعیت اور محبت کے معیار پر پورا اتر رہے ہیں یا دھوکہ بازی اور تاویلات کی وادیوں میں سرگردان ہیں۔
حقیقت میں یہ درس حمیت وغیرت اور عزت و وقار ہے اس اعلی منزل پر ہمارے پیشوا ﷺ اور آئمہ اطہار علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا اور کوئی فائز نہیں ہے)
اسی وجہ سے ایسا شخص جو کہ اپنی اس گفتگو کے ساتھ شرک میں گرفتار ہو جاتا ہے عدالت شرعیہ میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی کیونکہ رسول خدا فرماتے ہیں کہ(شہادۃ الذی یسئل فی کفہ ترد) جو لوگوں سے سوال کرے اس کی گواہی ٹھکرائی جاتی ہے۔

واقعہ ....

حضرت زین العابدین علیہ السلام نے روز عرفہ (۹ ذی الحجہ) کو بعض لوگوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے سوال کر رہے تھے حضرت نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ یہ لوگ مخلوق خدا میں سے شرارت پسند اور ابلیس صفت ہیں آج حجاج کرام بارگاہ الہی میں حاضری کے لیے آئے ہیں جبکہ یہ شریر صفت لوگ مخلوق خدا سے بھیک مانگ رہے ہیں آج سب لوگ خدا کو یاد کیے ہوئے ہیں اور اسی سے سوال کر رہے ہیں جبکہ یہ شیطان صفت لوگ مخلوق خدا کی

تو پھر کیا حال ہوگا اس صاحب عقیدہ فاسدہ کا جو اس بات کا عقیدہ بھی رکھتا ہو اور پرچار بھی کرے کہ ذات توحید اب (معاذ اللہ) ریٹائر ہو گئی ہے۔اب تمام امور اور اختیارات فلان کے سپرد ہیں ۔اور یہ کہا جائے کہ ہم پر تو فلاں کی کرم نوازی اور عطایات و عنایات ہیں ۔ایسا نظریہ و عقیدہ والا مشرکین کی صف اول میں ہوگا ۔اور خدا کے سوا کسی مخلوق کو مستقل طور پر''عطا کرنے والا'' سمجھنا اور دیگر اس سے ملتا جلتا فاسد عقیدہ رکھنے والے کا حکم امامؑ کے فرمان وحی ترجمان سے اظہر من الشمس ہو گیا ہے لہذا حقیقی مومن جو کہ پیروان اھل بیت اطہار علیہم السلام ہے عملی طور پر بھی ایمان توحید کا اظہار کرتا ہے۔اور اسے چاہیے کہ لفظی طور پر بھی ایسے الفاظ کا نہ نطق کرے جس کی بدولت امامؑ اسے اپنی جماعت سے نکال کر مشرکین کی صف میں داخل کر دیں ۔(نستجیر باللہ۔ان الشرک لظلم عظیم)

طرف اٹھے ہوئے ہیں اسی مضمون سے ملتا جلتا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان حق ترجمان ہے کہ (لو یعلم السائل ما علیه من الوزر ما سئل احداحدا ولو یعلم المسئول ما علیه اذا منع ما منع احد احدا) اگر سوالی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ (مخلوق سے) سوال کرنے میں کتنا گناہ ہے تو کوئی بھی کسی سے سوال نہ کرے اور اسی طرح کسی سوالی کو رد کرنے والا یہ جان لے کہ سوالی کو رد کرنے سے اس پر کتنا گناہ ہے تو کوئی بھی کسی سوالی کو رد نہ کرے۔

فصل

سوال کرنے اور سوال کو رد کرنے کی کراہیت کے بارے میں:۔

حضرت صادق آل علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (من سئل من غیر فقر فکانما یاکل الجمر) جو شخص محتاج نہ ہو اور کسی سے سوال کرے تو گویا اس نے آگ کے انگارے کھائے ہیں۔

حضرت امام باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (اقسم بالله و هو حق ما فتح رجل علی نفسه باب مسئلة الا فتح الله علیه باب فقر) مجھے خدائے برحق کی قسم کہ کوئی بھی شخص (مخلوق خدا سے) سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ خدا اس کو تنگی و محتاجی میں مبتلاء کر دیتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں (ضمنت علی ربی انه لا یسئل احد احدا من غیر حاجة الا اضطرته حاجة المسئله یوما الی ان یسئل من حاجة) میں نے خدا سے اس امر کی ضمانت لی ہے کہ جو شخص بغیر حاجت کے کسی سے سوال کرے گا تو وہ ایک نہ ایک دن ضرور محتاج ہو کر سوال کرنے پر (سزا کے طور پر) مجبور ہو گا۔

رسولؐ خدا نے ایک دن اپنے اصحاب کو ارشاد فرمایا (الا تبایعونی) کیا آپ میری بیعت نہیں کرتے ہو؟ (فقالوا قد بایعناك یا رسول الله) اے رسولؐ خدا ہم نے تو آپ کی بیعت کی ہوئی ہے جواب میں رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ (تبایعونی ان لا تسئلوا الناس شئیا) آپ میری اس بات پہ بیعت کرو کہ لوگوں سے کبھی بھی کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔

رسولؐ اسلام کی اس دن کی گفتگو کے بعد صحابہ پر اتنا اثر ہوا کہ اگر کسی صحابی کی کبھی چھڑی وغیرہ جس سے وہ سواری کو ہانکتے تھے گر جاتی تو وہ خود اپنی سواری سے نیچے اتر کر اٹھاتا تھا اور کسی کو اسے پکڑانے کے لیے نہیں کہتا تھا (۱)

---

(۱): اس حدیث مبارک سے ان چودھری صفت انسانوں کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے جو اپنے تئیں یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم تو فقط مخدومیت کیلئے پیدا ہوئے ہیں اور باقی مخلوق سب ہماری نوکر اور خادم ہے اور ان پر فرض ہے کہ ہماری خدمت کریں۔اور ایسے لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار محسوس کرتے ہیں۔حقیقت میں یہ لوگ جہاں اسلام کے

رسول اسلامؐ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ (لو ان احد کم یاخذ حبلا فیأتی بحزمة حطب علی ظهره فیبیعها فیکف بهاوجهه خیر له من ان یسأل) اگر آپ میں سے کوئی شخص ایک رسی میں لکڑیوں کا معمولی گٹھا جمع کر کے اسے بیچ کر اپنے نان ونفقہ کا انتظام کرتا ہے تو یہ عمل بھکاریوں کی طرح سوال کرنے سے کہیں بہتر ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (اشتدت حال رجل من اصحاب رسول الله فقالت له امرأته لو اتیت النبی فسألته فجاء الی النبی فسمعه یقول من سألنا اعطیناه ومن استغنیٰ اغناه الله فقال الرجل ما یعنی غیری فرجع الی امرأته فاعلمها فقالت ان رسول الله بشر فاعلمه فاتاه فلما رآه قال من سألنا اعطیناه و من استغنی اغناه الله حتی فعل ذلك ثلاث مرات ثم ذهب الرجل، فاستعار فأسا ثم اتی الجبل فصعده و قطع حطبا ثم جاء به فباعه بنصف مد من دقیق ثم ذهب من الغد فجاء باکثر منه فباعه ولم یزل یعمل و یجمع حتی اشتری فأسا ثم جمع حتی اشتری بکرین و غلاما ثم اشتری و حسنت حاله فجاء الی النبی فأعلمه کیف جاء یسأله و کیف سمعه یقول فقالؐ قلت لك من سألنا اعطیناه و من استغنی اغناه الله)
رسول خدا کے اصحاب میں سے ایک صحابی کی اقتصادی حالت کمزور ہوئی تو اس کی زوجہ اسے کہنے لگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جا کر اپنی اس حالت کو بیان کرو اور سوال کرو یہ شخص رسول اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے قبل اس کے کہ وہ کچھ کہے رسول اسلام نے فرمایا جو شخص ہم سے سوال کرتا ہے ہم اسے عطا کرتے ہیں اور جو لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو کے سوال نہیں کرتا تو اللہ اسے غنی کر دیتا ہے اور رزق وافر عطا فرماتا ہے اس شخص نے رسول خدا کا کلام سن کر (دل میں ہی) کہنے لگا کہ رسول اسلام نے اپنے اس کلام سے میرا قصد کیا ہے کسی اور کا نہیں کیا یہ شخص جب واپس گھر آتا ہے بیوی کو سارا واقعہ بیان کرتا ہے تو بیوی اسے کہتی ہے کہ رسول اسلام انسان ہیں آپ ان کو اپنی حالت کی خبر تو دیتے تا کہ انہیں ہماری حالت کی خبر ہو یہ شخص دوبارہ رسول اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے رسول اسلام پھر وہی الفاظ وکلمات فرماتے ہیں کہ جو ہم سے سوال کرتا ہے ہم اسے عطا کرتے ہیں اور جو لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو اللہ اسے غنی کر دیتا ہے تو اسی طرح یہ شخص تین مرتبہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوتا ہے لیکن رسول اسلام کی کلام مذکور سن کر واپس آجاتا ہے تو اب یہ شخص تیسری مرتبہ جب واپس آتا ہے تو اپنی حالت غربت و افلاس کو

قواعد کی مخالفت کر رہے ہوتے ہیں۔ وہاں وہ بھکاریوں کی طرح ہر بات پر عام لوگوں سے سوال کرتے پھرتے ہیں۔ اور یہ بہت بڑی ذلت ورسوائی ہے (انتبهوا یا اصحاب الفضلة)

دور کرنے کے لیے کہیں سے لکڑی کاٹنے والا کلہاڑا ادھار پر لیتا ہے پہاڑ پر چڑھ کر معمولی مقدار لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچتا ہے اس کے عوض اسے تقریبا تین سو پچھتر گرام آٹا قیمت کے طور پر حاصل ہوتا ہے دوسرے دن کچھ زیادہ کام کیا اور اجرت وعوض بھی زیادہ حاصل ہوا اسی طرح اس نے اپنے اس عمل کو جاری رکھا یہاں تک کہ اس نے پیسوں کو جمع کر کے اپنا کلہاڑا خرید لیا اور پھر مال جمع کر کے دو عدد اونٹ کے بچے اور ایک غلام (نوکر) کو خرید لیا اسی طرح اس کی مادی و اقتصادی حالت بہتر ہوتی گئی افلاس دور ہو گیا اور پھر اچھا خاصہ مال دار بن گیا اب ایک دن رسول اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اپنا سارا ماجرا بیان کرتا ہے کہ کیسے میں آپ کی خدمت میں سوال کرنے آیا تھا اور پھر آپ کی کلام سنی کہ (جو ہم سے مانگتا ہے ہم دیتے ہیں لیکن جو بے نیاز ہو جاتا ہے سوال نہیں کرتا تو اللہ اسے غنی کر دیتا ہے) یہ پورا واقعہ سن کر رسول اسلام نے فرمایا کہ مذکورہ کلام تیرے لیے ہی تھی اور تجھے سنانا میرا مقصود تھا(۱)

(۱) مذکورہ طویل وعریض حدیث مبارک سے اس امر کا استفادہ ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتے کہ فقیر ان سے بھی سوال کرے بلکہ فرماتے ہیں کہ انسان اللہ پر توکل کر کے لوگوں سے بے نیاز ہو کر کوئی کام شروع کر دے خدا اس میں برکت ڈال دے گا۔اور وہ غنی ہو جائیگا۔

اس حدیث مبارک سے اس قسم کے بے کار اور فضول لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو اپنے علاقہ کے وڈیرے مثلاً پیر صاحب ملک یا خان صاحب وغیرہ کے سر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی کام کرنے کو اپنے لیے زحمت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی نسلوں تک اجیرن بن کے رہ جاتی ہے۔لہذا جہاں ان فقیر اور نکمے لوگوں کو اس گداگری سے باز آنا چاہیے وہاں ان سرداروں کو بھی چاہیے کہ سیرت محمدیہ ؐ پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں کو مستقل زندگی گزارنے اور توکل علی اللہ کرنے کی تلقین کریں۔نہ یہ کہ ان غرباء ومحتاج لوگوں کو اسی حالت غربت میں رکھ کر اپنے جائز وناجائز ذاتی مفادات میں استعمال کرتے رہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (طلب الحوائج الی الناس استسلاب للعزة و مذهبة للحیاء و الیأس مما فی أیدی الناس عز للمومنین و الطمع هو الفقر الحاضر) لوگوں سے حاجتوں کو طلب کرنے سے عزت ختم ہو جاتی ہے سوال کرنے سے حیاء نہیں رہتی مومنین کے لیے عزت و افتخار اس میں ہے کہ لوگوں سے امید نہ رکھیں جو ان کے پاس ہے اس کی طمع نہ کریں کیونکہ حرص و طمع حقیقت میں فقر و افلاس ہے۔

نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ (من استغنیٰ اغناه الله و من استعف اعفه الله و من سأل اعطاه الله و من فتح علی نفسه باب مسألة فتح الله علیه سبعین بابا من الفقر لایسدّ ادنا ها شئی) جو شخص لوگوں سے بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے جو خدا سے عفت و پاکدامنی کو طلب کرے خدا اسے پاک و پاکیزہ کر دیتا ہے جو خدا سے سوال کرے خدا عطا کرتا ہے اور جو بھیک مانگنا شروع کر دے خدا اسے فقر و غربت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اور اس پر غربت کے ستر ۷۰ دروازے کھولتا ہے اور پھر ان میں سے معمولی دروازہ بھی کسی ذریعہ بند نہیں ہوتا۔

رسول خداؐ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں آپؐ سے خدا کیلئے سوال کرتا ہوں رسول اسلامؐ نے حکم فرمایا کہ اس شخص کو پانچ کوڑے لگاؤ، اس شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ (سل بوجهك اللئیم ولا تسأل بوجه الله الکریم) اپنے اس گھٹیا اور رذیل منہ کا واسطہ دے کر سوال کر کیوں خدائے کریم کا واسطہ دے کر بھیک مانگتا ہے۔

رسولخدا ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں (لا تقطعوا علی السائل مسألته فلو لا ان المساکین یکذبون ما افلح من ردّ هم) سائل کے سوال کو رد نہ کرو اگر یہ جھوٹے فقرا و مساکین لوگ نہ ہوتے تو تم نجات نہ پاتے۔

حدیث نبویؐ ہے کہ (ردّوا و السائل ببذل یسیر وبلین و رحمة فانه یأتیکم من لیس بانس و لا جانّ لینظر کیف صنیعکم فیما خوّ لکم الله) سوالی کو کچھ نہ کچھ دے کر یا نرمی کے ساتھ برتاؤ کر کے واپس لوٹایا کرو کیونکہ آپ کے ہاں کبھی وہ شخص آتا ہے جس کا جن و انس میں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ (وہ خدا کی طرف سے) یہ امتحان لینے آتا ہے کہ جس مال پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امین بنایا ہے آپ اس مال میں کیا کرتے ہو۔

واقعه

بعض راویوں سے منقول ہے کہ ہم ایک دن صبح سویرے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے اتنے میں ایک سوالی دروازے کے قریب آتا ہے اور سوال کرتا ہے لوگوں نے سوالی کو واپس لوٹا دیا، جب امامؑ کو علم ہوا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان لوگوں کی شدید ملامت کی اور ان سے ناراض ہو کر فرمانے لگے (اول سائل قام علی

باب الدار فرددتموہ اطعموا ثلاثة ثم انتم اعلم ان شئتم ان تزدادو افا زدادوا و الا فقد ادیتم حق یومکم گھر پر آنے والے صبح صبح پہلے سوالی کو آپ نے واپس لوٹا دیا ہے جب کہ ایک دن کا آپ پر حق یہ ہے کہ تین فقیروں کو عطا کریں۔ پھر اس کے بعد آپ دیں یا نہ دیں۔ اور اگر آپ ان دنوں میں اضافہ نہ کریں تو آپ نے اس دن کا حق ادا کر دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (**اعطوا الواحد والاثنین والثلاثة ثم انتم بالخیار**) سب سے پہلے آنے والے پہلے سائل اور دوسرے اور تیسرے سائل کو عطا کرو پھر اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کچھ دو یا نہ دو۔

رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ (**اذا طرقکم سائل ذکر باللیل فلا تردوہ**) جب رات کو فقیر سوال کرے تو اسے رد نہ کرو معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ (**انا لنعطی غیر المستحق حذرا من ردّ المستحق**) ہم غیر مستحق کو بھی عطا کرتے ہیں اس خوف سے کہ حقدار کو کہیں ردّ نہ کر بیٹھیں۔

خرچ کرنے کے آداب

حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام ارشاد فرماتے ہیں (صدقۃ اللیل تطفیٔ غضب الربّ) رات کو دیا ہوا صدقہ غضب خدا کو روکتا ہے، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اَبی حمزہ ثمالی سے ارشاد فرماتے ہیں (**اذا اردت ان یطیّب اللہ میتتك و یغفر لك ذنبك یوم تلقاہ فعلیك بالبرّ و صدقة السرّ وصلة الرحم فانھن یزدن فی العمر و ینفین الفقر و یدفعن عن صاحبھن سبعین میتة سوءٍ**) اے ابوحمزہ ثمالی اگر آپ چاہتے ہیں کہ خدا آپ کی میّت کو مرنے کے بعد خراب ہونے سے بچائے اور خدا سے (قیامت کے دن) ملاقات کے وقت گناہوں کی مغفرت چاہتے ہو تو آپ نیک اعمال انجام دیں اور مخفی طور پر صدقہ دیں اور صلہ رحمی کریں کیونکہ ان امور سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے اور ستر ۷۰ قسم کی بُری موت (مثل ناگہانی موت، کفر کی موت وغیرہ) ٹل جاتی ہیں۔

رسول اکرمؐ سے سوال کیا گیا کہ افضل صدقہ کونسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ (**علیٰ ذی الرحم الکاشح**) ایسے رشتہ دار پر صدقہ کرنا جو دل میں آپ کے لیے عداوت و دشمنی رکھتا ہو، یہ سب سے زیادہ افضل صدقہ کی قسم ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا جو لوگ دروازوں پر بھیک مانگنے آتے ہیں انہیں صدقہ دینے کی بجائے قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دیا جائے؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دینا زیادہ ثواب

رکھتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک اور مقام پر اشاد فرماتے ہیں (من تصدق فی رمضان صرف الله عنه سبعین نوعا من البلاء) جو شخص ماہ رمضان میں صدقہ دیتا ہے اللہ تعالی اس سے ستر ۷۰ قسم کی مصیبتوں کو دور کر دیتا ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ (اذا اردت ان تتصدق بشیءٍ قبل یوم الجمعه بیوم فأخره الی یوم الجمعه) اگر آپ جمعہ سے ایک دن پہلے صدقہ دینا چاہیں تو اسے جمعہ کے دن تک تاخیر کرو اور جمعہ کو دو (تا کہ ثواب زیادہ ہو) ،ایک اور مقام پر امام ارشاد فرماتے ہیں (من سقیٰ ظمانا ماءَ سقاه الله من الرّحیق المختوم) جو شخص کسی پیاسے کو سیراب کرتا ہے اللہ تعالی اسے بروز محشر اچھی شراب سے سیراب کرے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (افضل الصدقة ابراد الکبد الحری و من سقیٰ کبدا حری من بهیمة او غیرها اظله الله یوم لا ظل الا ظله) سب سے بہترین صدقہ پیاسے کو چاہے وہ انسان ہو یا حیوان سیراب کرنا ہے جو شخص کسی شدید پیاس میں مبتلاء پیاسے کو سیراب کرتا ہے بروز محشر اس پر اللہ تعالی کی رحمت کا سایہ ہوگا جس دن اور کوئی سایۂ رحمت نہیں ہوگا ۔

القسم الثانی: حدّ کفایت سے زائد رزق کے بارے میں۔

کفایت سے زیادہ مال و رزق خود صاحب مال کے لیے وبال جان ہے کیونکہ اگر اس کو حرام طریقہ سے کمایا گیا ہو تو اس میں عذاب وعقاب ہے اور اگر حلال طریقہ سے کمایا گیا ہو تو اس میں حساب ہے،عبد اللہ بن عمر روایت کرتا ہے کہ میں نے رسول اسلام کو کہتے ہوئے سنا کہ (تکون امتی فی الدنیا علی ثلاثة اطباق ،اما الطبق الاول فلایحبون جمع المال و ادخاره ولا یسعون فی اقتنائه و احتکاره و انما رضاهم من الدنیا سدّ جوعة و ستر عورة و غناهم منها ما بلغ بهم الاخرة فاولٰئك هم الامنون الذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون) دنیا میں میری امت تین طبقات پر مشتمل ہوگی پہلے طبقے کے لوگ وہ ہوں گے جو مال ومتاع کو جمع کرنا پسند نہیں کریں گے اور اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ مال کی ذخیرہ اندوزی کر کے اسے مہنگا فروخت کریں وہ لوگ اس دنیا ئیں اتنی مقدار پر راضی ہیں جس سے وہ زندہ رہ سکیں اور اپنی بھوک ، پیاس کو ختم کر سکیں اور لباس سے اپنے آپ کو ڈھانپ سکیں ۔اِس دنیا سے ان لوگوں کی غنا وثروت یہی کچھ ہے جو انہوں نے آخرت کے لیے کیا ہو، یہی لوگ صحیح ،معنوں میں ایمان لائے ہیں یہ لوگ نہ اپنے سابقہ اعمال پر خوف زدہ ہیں اور نہ آئندہ سے پریشان وحیران ہیں۔

(اما الطبق الثانی : فانهم یحبون جمع المال من اطیب وجوهه و احسن سبله یصلون به ارحامهم و یبرّون به اخوانهم و یو اسون به فقرائهم و لعض احد هم علی الرضف ایسر علیه من ان یکتسب درهم من غیر حله او یمنعه من حقه او یکون له خا ز نا الی یوم موته فاولٰئك الذین ان نوقشوا عذبوا و ان عفی عنهم سلموا) اور جہاں تک دوسرے طبقہ کے لوگوں کا حال ہے تو یہ لوگ اچھے اور احسن طریقہ سے مال کو جمع کرنا پسند کرتے ہیں، وہ اس مال کے ذریعہ صلہ رحمی کرتے ہیں اور بھائیوں کے ساتھ نیکی کرنے میں خرچ کرتے ہیں اور فقراء کے ساتھ اچھا تعاون کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں شریک ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے گرم پتھر کا چبانا ایک درھم حرام طریقہ سے کسب کرنے سے آسان ہوتا ہے اور اسی طرح صاحب حق سے حق کو روکنا ان لوگوں کے لیے گرم پتھر چبانے سے مشکل ہوتا ہے مرنے کے دن تک مال کو جمع کر کے رکھنا ان لوگوں کے لیے مشکل ہے ایسے لوگوں کا اگر دقیق طریقہ سے حساب و کتاب کیا جائے تو انہیں (بعض کوتاہیوں کی بدولت) عذاب ہوگا اور اگر درگزر کر دیا جائے تو محفوظ رہیں گے۔

(واما الطبق الثالث :: فانهم یحبون جمع المال مما حلّ و حرم و منعه مما افترض و وجب ان انفقوه اسرافا و بذارا و ان امسکوه بخلا و احتکارا اولئك الذین ملکت الدنیا زمام قلوبهم حتیٰ اوردتهم النار بذنوبهم) تیسرے طبقہ کے لوگ حلال وحرام طریقہ سے مال جمع کرتے ہیں اور اس مال پر جو فرائض و واجبات (مثل زکوٰۃ، خیرات، خمس وغیرہ) عائد ہوتے ہیں ان کو ادا نہیں کرتے ہیں مال کو فضول خرچی اور حد سے تجاوز کی صورت میں خرچ کرتے ہیں اور اگر خرچ نہ کریں تو بالکل بخیل کی طرح صرف ہی نہیں کرتے ان لوگوں کے دلوں پر دنیا کی حکومت ہے یہاں تک کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی آگ ان پر مسلط کی جائے گی۔

رسول اسلامؐ سے مروی ہے کہ (لا یکتسب العبد مالا حراما فیتصدق منه فیؤجر علیه ولا ینفق منه فیبارك له فیه ولا یترکه خلف ظهره الا کان زاده الی النار) حرام طریقہ سے کمائے ہوئے مال کے صدقہ دینے میں کوئی اجر وثواب نہیں ہوتا اور اس کے خرچ کرنے پر بھی کوئی ستائش نہیں کی جاتی ہے اور اس حرام مال کو مرنے کے بعد چھوڑ جانے میں سوائے عذاب جہنم کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہما الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ شقی انسان کون ہے؟ تو حضرتؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جس نے دنیا کو دنیا کے لیے ترک کیا ہو ایسے شخص کا نہ دنیا میں کوئی حصہ ہوتا ہے اور آخرت بھی خسارہ میں ہوتی ہے، اور (دوسرا وہ شقی شخص ہے) جو بڑی مشکل اور تکلیف برداشت کر کے عبادت خدا

کرتا ہے روزہ رکھتا ہے لیکن یہ سب کچھ لوگوں کے دکھاوے کے لیے انجام دیتا ہے تو ایسا (مسکین) شخص لذات دنیا سے بھی جاتا رہا اور اسے سوائے مشکلات جھیلنے کے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور اگر یہ شخص ان مشکلات جھیلنے کے ساتھ ساتھ مخلص ہوتا تو مستحق ثواب ہوتا لہذا ایسا شخص بروز قیامت جب آئیگا تو گمان کرے گا کہ اس کا نامہ اعمال ان (ریا کارانہ) اعمال سے وزنی ہوگا لیکن اس کے یہ اعمال باریک ذرات کی طرح ہوا میں اڑ جائیں گے۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ من اعظم الناس حسرۃ؟ کہ سب سے زیادہ حسرت والا انسان کون سا ہے؟ تو علی بن ابی طالب علیہما الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ (**من رأی مالہ فی میزان غیرہ فادخلہ اللہ بہ النار و ادخل وارثہ بہ الجنّۃ**) جس کا مال و متاع دوسروں کے پلڑے میں ہو اور اللہ تعالی اسے اس (حرام سے کمائے جا نیوالے) مال کے ذریعے جہنم میں داخل کرے اور اس کے وارث کو اس مال کے ذریعہ جنّت میں داخل کرے۔

حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعض اصحاب نے مجھے ایک شخص کے بارے میں بتایا کہ وہ ایسے شخص کے ہاں گیا جو کہ وہ قریب المرگ تھا، تو اس مرنے والے شخص نے اسے کہا کہ اس صندوق میں پڑے ہوئے ایک لاکھ مال کے بارے میں کیا کہتے ہو میں نے اس سے کبھی بھی زکواۃ ادا نہیں کی تھی؟ تو وہ شخص اس مرنے والے کو کہتا ہے کہ اس مال کو کس لیے تو نے جمع کیا ہے؟ تو وہ قریب المرگ شخص جواب میں کہتا ہے کہ حکمرانوں کے حقوق و ٹیکس ادا کرنے کے لیے اپنے خاندان کے لوگوں پر فخر کرنے کے لیے اور اہل و عیال کے تنگ دست ہونے کے خوف سے اور زمانہ کے خوف و ڈر کی وجہ سے مال و متاع کو جمع کیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ شخص مر گیا لیکن اس نے کچھ خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا پھر اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب علیہما الصلوٰۃ والسلام اپنی حدیث کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (حمد ہے اس خدا کی جس نے اس دنیا سے رسوا کر کے اٹھایا جس دنیا کو اس نے باطل کے ذریعہ سے جمع کر رکھا تھا اور حق والوں سے حق کو روک کر اکٹھا کر رکھا تھا اور اس نے دنیا کو اپنے پاس جمع کر کے گویا باندھ کر سر کا تکیہ بنا رکھا تھا اور اس کی حفاظت کرتا رہا اور اس کے جمع کرنے کے لیے دور دراز صحراء اور دریاؤں کے سفر کیئے، اے لوگو: آپ کہیں اس شخص کی طرح دھوکہ میں نہ آنا جس طرح وہ کل دھوکہ میں آیا ہے، کیونکہ لوگوں میں سے سب سے حسرت میں وہ شخص ہے جس کا مال غیروں کے پاس ہو اور وہ خود اسی کے سبب جہنم میں داخل ہو جبکہ وہ غیر جواب اس مال کا وارث بنا ہے وہ جنت میں داخل ہو)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (اور اس سے بھی زیادہ حسرت والا وہ شخص ہے جو مصائب دنیا برداشت کر کے مال جمع کرتا ہے اور مشکلات کا سامنا کرتا ہے خطرات کو بھی مول لیتا ہے اور پھر مال کو صدقات و خیرات

میں صرف کر دیتا ہے اور اپنی جوانی وطاقت اور قوت کو عبادت میں کھپا دیتا ہے لیکن ان تمام امور کے باوجود حضرت علی بن ابی طالب علیہا الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اور ان کے حق کا منکر ہے اور اسلام میں ان کی عظمت کا قائل نہیں ہے جب کہ ان کے مقابل جو کچھ بھی نہیں ہیں انہیں حضرت علی علیہ السلام سے افضل سمجھتا ہے اور ادلہ قطعیہ میں غور وفکر نہیں کرتا آیات واخبار کی پرواہ نہیں کرتا تو ایسا شخص سب سے زیادہ حسرت میں ہے قیامت کے دن اس کے صدقات وخیرات اژدھا کی شکل اختیار کر کے اسے کاٹیں گے اور اس کی عبادتیں اور نمازیں جہنم کے فرشتوں کی شکل اختیار کر کے اسے جہنم کی طرف دھکیلیں گے، یہ شخص پکار کر کہے گا! کیا میں نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھا؟ کیا میں زکوٰۃ ادا کرنے والوں میں سے نہیں تھا؟ کیا میں لوگوں کی عزت وناموس کا احترام نہیں کرتا تھا؟ پھر کیوں اس طرح مجھے جہنم میں دھکیلا جا رہا ہے؟ ایسے شخص کو جواب میں کہا جائے گا کہ اے شقی جو کچھ دنیا میں تو نے نیک اعمال کیے ہیں آج تجھے کوئی نفع نہیں دیں گے چونکہ تو نے توحید ونبوت کے بعد سب سے بڑے فرض کو ضائع کر دیا ہے جو کہ ولایت علی بن ابی طالب علیہا السلام ہے اور تو نے دنیا میں دشمن خدا کو امام وپیشوا بنایا اگر تیرے پاس ان اعمال کی بجائے ابتداء سے لے کر آخر تک پوری دنیا کی عبادت ہو اور سونے کی بھری زمین صدقہ میں دے دی ہو تو یہ سب کچھ سوائے خدا کے غضب وقہر میں اضافہ کے اور کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔(۱)

---

(۱) جب تک ولایت اھل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ ہو اس وقت تک یہ سب اعمال کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے محققین کے نزدیک ولایت اھل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام اعمال کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ نہ یہ کہ اعمال کی قبولیت کیلئے شرط ہے اور یہاں پر مجھے ایک عربی شاعر کے اشعار یاد آرہے ہیں جو قلوب مومنین کو جلا بخشیں گے۔

لو ان عبداً اتیٰ بالصالحات غداً ودّ کل نبی مرسل وولی
وصام ما صام صوّاماً بلا ملل وقام ما قام قواماً بلا کسل
وعاش من العمر الاف مؤلفہ خال من الذنب معصوم من الذلل
فان ذلک یوم الحشر غیر نافعہ الا بحب امیر المومنین علیؑ

واقعه

نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ مال و متاع سے بچو! چونکہ ایک شخص نے مال متاع کو بہت جمع کیا حتیٰ کہ خود اپنے پر بھی خرچ نہیں کرتا تھا اولاد کے لیے جمع کرتا رہا ایک دن ملک الموت روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے ملک الموت ایک مسکین حالت میں بن کر اس شخص کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے، تو فرشتہ ملک الموت کے لیے اس شخص کے نوکر جاکر باہر آتے ہیں فرشتہ ان نوکروں کو کہتا ہے کہ اپنے آقا وسردار کو بلاؤ، یہ نوکر جواب میں کہنے لگے کہ آیا ہمارا سردار تجھ جیسے فقیر و مسکین کے لیے آئے؟ نوکروں نے فرشتہ کو دروازہ سے ہٹا دیا، دوبارہ یہ فرشتہ سابقہ حالت میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے آقا وسردار کو بلاؤ اور اسے کہو کہ ملک الموت آیا ہے جب ان کے سردار نے یہ سنا تو خوف سے اٹھ بیٹھتا ہے اور اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ موت کے فرشتہ کے ساتھ نرم گفتگو کرو اور اسے کہو کہ شاید آپ کسی اور کو طلب کر رہے ہیں ملک الموت (یہ سن کر) ان اصحاب کو کہتا ہے کہ میرا مطلوب آپ کا آقا ہے اور اب ملک الموت اندر داخل ہو جاتا ہے اور اس سردار کو کہتا ہے کہ اٹھ کوئی وصیت کرنی ہے تو کرلے میں تیری روح قبض کرنے آیا ہوں۔ اس شخص کے اہل وعیال آہ و بکا کرنے لگے اور رونے لگے صاحب مال اپنے اہل وعیال کو کہتا ہے کہ خزانوں کو کھولو اور حساب کتاب کرو کتنا سونا چاندی ہے پھر یہ شخص مال کو لعن طعن کرنے لگا کہ اے مال تو نے مجھے ذکر خدا سے روگردان کیا اور خدا کو فراموش کرنے کا سبب بنا تو نے مجھے آخرت سے غافل کیا یہاں تک کہ آج تیری وجہ سے اچانک امر خدا کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو کہ بہت شدید ہے خداوند ذوالجلال مال کو زبان عطا کرتا ہے مال کہتا ہے اے مجھے جمع کرنے والے مجھے کیوں ملامت کرتا ہے جب کہ تو مجھ سے زیادہ لعن طعن اور ملامت کا حق دار ہے؟ کیا تو لوگوں کی نگاہوں میں فقیر اور حقیر نہیں تھا لیکن میری وجہ سے لوگوں کے سامنے بلند ہوا؟ کیا جب تو بادشاہوں اور حکمرانوں کے دروازوں پر جاتا تھا تو نیک لوگوں سے پہلے تجھے جانے دیا جاتا تھا اور دیگر لوگوں کو دیر سے جانے دیا جاتا تھا تو کیا یہ سب احترام میری وجہ سے نہیں تھا؟ میری بدولت امراء اور بادشاہوں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرتا تھا اور جبکہ نیک لوگوں کو بڑے لوگوں کی بیٹیاں رد کر دیتی تھیں لیکن تجھے نہیں ٹھکراتیں تھیں کیا یہ سب کچھ میری وجہ سے نہیں تھا؟ اگر تو راہ خیر میں خرچ کرتا تو میں نے کب تجھے منع کیا تھا؟ اگر تو مجھے راہ خداہ میں (فقیروں، مسکینوں پر) خرچ کرتا تو پھر بھی مجھ میں کمی نہ آتی لیکن تو نے مجھے خرچ نہیں کیا تو پھر مجھے کیوں ملامت کرتا ہے جب کہ تو مجھ سے زیادہ بد بخت اور ملامت کا حق دار ہے ہم دونوں مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور آج میں بے جرم اور بری ہو کر لوٹ رہی ہوں اور جبکہ آپ اس دنیا سے میرے گناہ لیکر جا رہے ہیں۔ پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ یونہی دولت ہر صاحب مال وثروت

سے گفتگو کرتی رہتی ہے۔

فصل

مال جمع کرنے والے کی خصوصیات: جان لو کہ جو شخص مال جمع کرنے کی سعی میں رہتا ہے وہ پاگل اور دیوانہ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے اور اسے اس کی تجارت میں نقصان ہوتا ہے اور وہ دھوکہ بازی کا شکار بھی ہوتا ہے اسے ہم ذیل میں چند وجوہ کے ساتھ وضاحت کرتے ہیں۔

الاول: مال کو جمع کرنے والا شخص اپنے نفس کو مال کے ہم و غم میں رکھ کر مشکلات میں ڈالتا ہے اور اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے جبکہ اس کے لیے رزق و مال کی کفالت خالق و مالک کی طرف سے یقینی ہے مال کی فکر و سوچ ایک نفسیاتی بوجھ ہے اور اس کا غم طویل ہے صاحب مال اور مال سے محبت کرنے والا شخص اگرچہ کسی اجتماع میں ہی کیوں نہ ہو اس کی فکر و سوچ اور دماغ مال کی طرف ہوتا ہے اس کی سوچ ہمیشہ مشغول رہتی ہے اور اگر وہ تنہا ہو تو اسے مال کے چوری ہونے کے ڈر سے اور اس کی حفاظت کی خاطر نیند نہیں آتی اور بیتاب و بے قرار رہتا ہے۔

حکمت: بعض علماء کہتے ہیں کہ فقراء نے تین چیزوں کو اختیار کیا ہے (۱) یقین (۲) ان کے دلوں میں مال و متاع کی فکر نہیں ہوتی (۳) فقیر لوگوں کا حساب آسان ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مالدار لوگوں نے ان چیزوں کے برعکس کو اختیار کیا ہے

(۱) نفس کو مشقت اور مشکلات میں ڈالنا

(۲) ان کے قلوب مال کی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔

(۳) ان لوگوں کا حساب بہت سخت ہوتا ہے۔

الثانی: جو مال جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے اس کا دل و دماغ مال و متاع کے ساتھ لمبی امیدیں باندھنے کی بدولت مشغول رہتا ہے وہ ہر وقت مال کے اضافہ کی فکر میں لگا رہتا ہے اور مختلف قسم کے خیالی پلاؤ تیار کرتا رہتا ہے۔ چوروں اور ڈاکوؤں سے مال کو محفوظ رکھنے کی تدابیر کرتا رہتا ہے ایسا شخص خود بھی مال سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مال میں لمبی امیدیں رکھتا ہے لیکن افسوس اس کی یہ تمام امیدیں اور امنگیں اس کی موت کے ساتھ ہی مر جاتی ہیں اور جھوٹی ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس کا جمع شدہ مال اس کے ورثہ میں تقسیم ہو کر رہ جاتا ہے اور اسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (**ویل لصاحب الدنیا کیف یموت و یترکھا و یأمنھا و تغرّہ و یثق بھا و تخذلہ؟**) تباہی ہے دنیا دار کے لیے کہ کیسے وہ (مال جمع کر کے) مر جاتا ہے اور دنیا کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے وہ دنیا پر

اطمینان کرتا ہے لیکن دنیا اسے دھوکہ دیتی ہے (صاحب مال) دنیا پر بھروسہ کرتا ہے لیکن دنیا اسے چھوڑ دیتی ہے؟

الثالث: مال ومتاع جمع کرنے سے لمبی امیدیں پیدا ہوتی ہیں دلوں میں گمراہی پیدا ہوتی ہے (خدا کیطرف سے عطاء شدہ) نور چلا جاتا ہے لذت عبادت ختم ہو جاتی ہے اور یہ سب ہلاکت میں ڈال دینے والے امور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ (**بحق اقول لکم کما ینظر المریض الی الطعام فلا یلتذّبہ من شدّۃ الوجع کذلك صاحب الدنیا لا یلتذّ بالعبادۃ ولایجد حلاوتھا مع ما یجدہ من حلاوۃالدنیا**) مجھے حق کی قسم مریض انسان جس طرح شدت مرض کی وجہ سے لذت طعام محسوس نہیں کرتا اسی طرح صاحب دنیا بھی اس (فانی) دنیا کی لذات میں غرق ہونے کی وجہ سے عبادت کی لذت اور مٹھاس سے محروم ہو جاتا ہے۔

(**بحق اقول لکم کما ان الدابۃ اذا لم ترکب وتمتھن تصعبت وتغیّر خلقھا کذلك القلوب اذالم ترقّق بذکر الموت وبنصب العبادۃ تقسو وتغلظ**) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ گھوڑے وغیرہ کو اگر سواری کے لیے استعمال نہ کیا جائے اور اس سے خدمت نہ لی جائے تو مالک کو مشکل میں ڈال دیتا ہے اور پھر اس پر کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی خلقت بھی تبدیل ہو جاتی ہے دلوں کا حال بھی اسی طرح ہے اگر انہیں موت کی یاد سے اور عبادت خدا کے ذریعہ نرم نہ کیا جائے تو یہ (قلوب) سخت اور بے رحم ہو جاتے ہیں۔

(**وبحق اقول لکم ان الزقّ اذا لم ینخرق یوشك ان یکون وعاء العسل کذالك القلوب اذا لم تخرقھا الشھوات او یدنّسھا الطمع او یقسھا النعیم فسوف تکون اوعیۃ الحکمۃ**) حق کی قسم کہ سوراخ والے ظرف میں کوئی قیمتی چیز نہیں رکھی جا سکتی اسی طرح دلوں کو بھی اگر شھوات نفسانیہ نے شگافتہ نہ کیا ہو اور مال و دولت کی حرص و لالچ نے ان قلوب کو میلا کچیلا نہ کیا ہو اور (خالق کی) نعمتوں کی فراوانی نے ان کو سخت نہ کیا ہو تو یہ قلوب بھی حکمت و دانش کے بہترین مرکز بن سکتے ہیں اور ان میں حکمت و دانش کے جوہر سمو سکتے ہیں۔

الرابع: مال جمع کرنے والا جن امور کا قصد رکھے ہوتا ہے اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ وہ مال جمع کرنے کی سعی اس قصد ونیت سے کرتا ہے تاکہ اسے سکون واطمینان حاصل ہو لیکن جب مال آجاتا ہے تو راحت وسکون کی بجائے اس کے دکھوں اور غموں میں اضافہ ہو جاتا ہے مال کی حفاظت میں اس کی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں تو یہ سب کچھ اس کی امیدوں کے برعکس واقع ہوا ہے۔

حکایت: بعض علماء فرماتے ہیں کہ فقیر تین چیزوں سے راحت وسکون میں ہوتا ہے اسے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے

جبکہ غنی شخص اس کے برعکس ان چیزوں میں مبتلاء ہوتا ہے کہا گیا وہ تین چیزیں کون سی ہیں؟ تو جواب میں کہا کہ

(۱) حکمرانوں کے ظلم و جور

(۲) پڑوسیوں کے حسد

(۳) دوستوں کی خوشامد اور چاپلوسی۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بھی انہی تین چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے (**الفقر خير من حسدالجيران ،و جور السلطان و تملق الاخوان**) فقیری پن پڑوسیوں کے حسد کی آگ، حکمرانوں کے ظلم وجور اور دوستوں بھائیوں کی خوشامد سے بہتر ہے۔(۱)

اس مقام پر کیا خوب عربی کے اشعار ہیں جن کا مفہوم یہ ہے (انسان دنیا میں مال و دولت اس لیے طلب کرتا ہے تاکہ وہ مال اسکی حفاظت و حراست کرے لیکن انسان مال کو جمع کرتے وقت انجام اور عاقبت سے نہیں ڈرتا۔ بجائے مال کہ وہ اس کی حفاظت کرے بلکہ انسان کو اس کی حفاظت کرنا پڑتی ہے انسان کی حالت اس ریشم کے کیڑے کی مانند ہے جسے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ تانے اور ریشم کی جھال اس کی حفاظت کریں گے لیکن اس کا یہ گمان غلط ہوتا ہے۔

جبکہ وہ خود انھی دھاگوں میں الجھ کر مر جاتا ہے

الخامس : مال و دولت کا حریص شخص اپنی زندگی کو دنیا کے عوض فروخت کر دیتا ہے جبکہ اس کی زندگی اس دنیا سے کہیں زیادہ قیمتی اور نفیس ہوتی ہے اسی لئے کسی عقل مند انسان کو زندگی کے عوض پوری دنیا دے دی جائے تو وہ کبھی بھی اس گھٹیا اور خسارہ کی سودا بازی پر تیار نہیں ہوگا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے عقل مند انسان کو اپنی موت کے وقت ملک الموت سے

---

(۱) یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مال کے طمع و لالچ کی وجہ سے مال کو جمع کرنے والے شخص کو ہی حکمرانوں کے ظلم و جور کا ڈر اور اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جس مسکین کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کی فکر میں کون ہوتا ہے؟ اور اسی طرح صاحب ثروت سے ہی پڑوسی حسد کر سکتا ہے لیکن جس کے پاس ایک وقت کی ہو اور دوسرے کی نہ ہو تو پھر کون ایسی حالت پر حسد کرتا ہے۔ اور صاحب مال و ثروت ہی مال کے طمع و لالچ میں لوگوں کی خوشامدیں کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کر پائے جبکہ فقیر مومن اپنے مولی و آقا خالق سے ہی متعلق رہتا ہے اور خدا کی تقسیم پر راضی و شکر گزار رہتا ہے کسی کی خوشامد و چاپلوسی نہیں کرتا۔ اس بیان سے فقیر کی شرعی ذمہ داری بھی واضح ہوگئی ہے۔ (فتامل)

ایک دن کا اپنی زندگی میں اضافہ کرنے کے لئے پوری دنیا دینی پڑے تو وہ اسے یہ تمام مال وثروت دے دے گا تا کہ اسکی عمر کا ایک دن اور بڑھ جائے اوراس میں اپنے آقا و مالک خدا کی زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکے۔

علامہ جار اللہ زمخشری اپنی کتاب ربیع الابرار میں کہتا ہے کہ جب عمر بن خطاب کا وقت موت قریب ہوا تو اپنی اولاد اور قریبی لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر میرے پاس یہ طاقت ہوتی کہ مال و دولت اور درھم ودینار کے عوض موت کی اس ہولنا کی سے بچ جاتا تو میں مال ودولت کو خرچ کر دیتا، جب ایک عقل مند انسان کے نزدیک مال وثروت کی اس قدر خست و حقارت ہو کہ وہ اس کے عوض زندگی کے ایک دن کی مہلت ملنے پر سودا بازی کر لے اور ملک الموت کے ساتھ اس پر مصالحت کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو اے مال کا حریص انسان آپ کیوں اپنی عمر کو مال وثروت پر قربان کرتے ہو جو کہ گھٹیا اور خسارے والی تجارت ہے۔حریص اور لالچی انسان کو اس بات کا بغور ملاحظہ کرنا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ غالبا انسان کی عمر سو سال ہوتی ہے عموما اس سے زیادہ انسان زندہ نہیں رہتا اگر انسان کو اس بات کا اختیار دے دیا جائے اور اسے یہ امر سونپ دیا جائے کہ سونے سے بھری زمین کے عوض اپنی عمر کو بیچ دے اور زندگی سے سونے کے عوض ہاتھ دھو دے تو وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا اب انسان کو خود اس امر کا اندازہ لگانا چاہیے کہ ایک سو سال کی عمر کی کتنی قیمت ومنزلت ہے؟ پھر ایک ماہ کی قدرومنزلت پر غور کرے۔

بلکہ ایک دن کی زندگی کی عظمت پر نگاہ دوڑانی چاہیے،اگر آپ اس ایک دن کی زندگی کا صحیح طور پر موازنہ کریں اور اسے عدالت کے ترازو پر تولیں تو آپ اس کی کوئی قیمت بھی نہیں لگا سکتے، پھر یہ کیسے ہے کہ آپ اسے ایک درھم یا دینار یا اس سے بھی کم قیمت پر فروخت کر دیں؟اس سے زیادہ اور کون سی خسارے والی تجارت ہوسکتی ہے؟

اعتراض: انسان کو اپنی اولاد و خاندان کیلئے نان ونفقہ کی ضرورت ہے اور یہ ایک حقیقت ہے اور انسان کو یہ سب کچھ بغیر کام کیلئے حاصل نہیں ہوسکتا تو اگر انسان سارا دن کام کرتا رہے اور حلال طریقہ سے روزی کمائے تو اسے ایک درھم یا دینار ہی حاصل ہو گا تو ایسی صورت میں گویا اس نے اپنی اس زندگی کے ایک دن کو چندٹکوں پر فروخت کر دیا ہے جو کہ خسارے والی تجارت ہے اور ادھر نان ونفقہ بھی اھل وعیال کے لئے مہیا کرنا ضروری ہے اور اس کا سوائے اس خسارے والی تجارت کے اور کوئی حل نہیں ہے؟

الجواب: اس اشکال مذکور کا جواب یوں ہے کہ اگر انسان کسب معاش اس مقدار تک کرے کہ وہ زندہ رہ سکے اور اپنے آپ کو جسمانی طاقت وقوت مہیا کر سکے جس کی بدولت اعمال صالحہ انجام دے سکے اور یہی اس کی غایت اور غرض ہو ایسی

صورت میں اس شخص نے اپنی زندگی کے اس ایک دن کو چند درھم ودینار پر فروخت نہیں کیا ہے تاکہ مذکورہ اعتراض واشکال لازم آئے بلکہ انسان کا یہ سارا دن عبادت خدا میں گذرا ہے کیونکہ رزق کو اس نیّت سے کمانا کہ اس روزی کے ذریعہ جسم میں قوت حاصل ہوتا کہ زیادہ سے زیادہ عبادت خدا کر سکے تو یہ عمل بذات خود عبادت خدا ہے اور قلیل سی عبادت خدا کا بھی کئی گنا دنیا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ نعمات آخروی دائمی ہیں اور فوائد دنیویہ عارضی اور وقتی ہیں دائمی اور ہمیشہ رہنے والی چیز کی عارضی اور وقتی چیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، اور کیا موازنہ ہو سکتا ہے؟

جنّت کی بعض نعمات کا بیان

رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں (من قال سبحان الله غرس الله له بها عشر شجرات فی الجنّة فیها من انواع الفاکهة) جو شخص (سبحان اللہ) کہتا ہے اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اس کے لئے دس درختوں کو اُگاتا ہے جن پر ہر قسم کے پھل لگتے ہیں، ان درختوں کی دیگر صفات روایت میں یوں وارد ہوئی ہیں کہ ان کی تری کھانے والے کے ہاتھوں پر رہتی ہے انگور طلب کرے تو انگور بن جاتے ہیں انجیر کی خواہش کرے تو انجیر بن جاتے ہیں اور اگر اناروں کی حاجت محسوس کرے تو اناروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے اتارنے کی تکلیف بھی نہیں کرنی پڑتی یہ خود بخود پھل انسان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں فقط جنتی انسان خواہش کرے تو فوراً اس کی خواہش کے مطابق وہ پھل اس کے پاس آجاتا ہے۔

اگر اس قسم کے درخت یا ان میں سے صرف ایک درخت بھی اس دنیا میں میسّر ہو تو دنیا کے بادشاہ اتنی مہنگی قیمتُ پر خریدیں گے جن کا آپ گمان بھی نہیں کر سکتے ہیں، کیا شان ہے ان درختوں کی جن کو پانی دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے اور دیگر کسی قسم کی ان کی نشونما کے لئے جنتی انسان کو زحمت نہیں کرنی پڑتی، یہ نہ کسی باغبان کے محتاج ہوتے ہیں بلکہ یہ درخت دس ہزار سال تک باقی رہتے ہیں آخرت کے دس ہزار سالوں کی آج کے سالوں سے کیا نسبت ہے؟ آج کے دنوں اور سالوں کے ساتھ آخرت کے دنوں اور سالوں کا موازنہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک اور مقام پر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ (لو ان ثوبا من ثیاب اهل الجنّة القی الیٰ اهل الدنیا لم تحتمله ابصارهم و لماتوا من شهوة النظر الیه) اگر جنت کے کپڑوں کو دنیا والوں پر ڈالے جائیں تو ان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور انہیں برداشت نہ کر سکیں (شدت نورانی کیوجہ سے) اور ان کپڑوں پر شہوت بھری نگاہ ڈالنے سے مرجائیں، جب جنت کے کپڑوں کا یہ حال ہو تو ان کے پہننے والوں کی عظمت کیا ہو گی؟ اسی مطلب کی طرف

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا قول مبارک اشارہ کرتا ہے کہ (لو رمیت ببصر قلبك نحو ما یوصف لك من نعیمها لزهقت نفسك و لتحملت من مجلسی هذا الی مجاورة اهل القبور استعجالا بها و شوقا الیها) اگر آپ دل کی آنکھ سے جنت کی نعمات پر نگاہ دوڑائیں تو آپ کی جان ان کے حصول کے شوق میں خود بخود نکل جائے گی اور آپ میری اس مجلس سے اٹھ کر قبروں کی ہمسائیگی کو پسند کرو گے تا کہ جلد از جلد ان نعمات جنت کو پا سکو۔ یہ تو فقط ان نعمات کے بیان کردہ اوصاف ہیں اگر ان کا مشاہدہ کیا جائے تو پھر انسان پر کیا کیفیت ہو گی؟

حضرت سید الموحدین علی بن ابی طالب علیہما السلام سے (نہج البلاغہ میں) مروی ہے کہ (کل شیء من الدنیا سماعه اعظم من عیانه و کل شیء من الآخرة عیانه اعظم من سماعه) دنیاوی ہر چیز کا سننا اس کے دیکھنے سے عظیم ہے اور آخرت کی ہر چیز کا دیکھنا اور مشاہدہ کرنا سننے سے عظیم تر ہے۔

خداوند ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ (واذا رایت ثمّ رأیت نعیما و ملکا کبیرا) سورۃ الانسان آیہ ۲۰۔

ترجمہ: اور پھر دوبارہ دیکھو گے تو نعمتیں اور ایک ملک کبیر نظر آئے گا۔

خالق کائنات انبیاء علیہم السلام کی طرف اپنی وحی میں فرماتا ہے کہ (اعددت لعبادی مالا عین رأت و لا اذن سمعت ولا خطر بقلب بشر)۔(جنت الفردوس میں) میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی چیزیں مہیا کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے آج تک ان کا مشاہدہ کیا ہے اور نہ کسی کان نے اس کے بارے سن رکھا ہے اور نہ ہی کسی انسان کی عقل میں اس کا خیال آ سکتا ہے اے بندہ خدا اگر تجھے ان نعمات کے دیکھنے اور ان کے حصول کا اشتیاق ہے تو پھر دنیا کو چھوڑنا پڑے گا کیونکہ دنیا کو ترک کرنے کے عوض آخرت حاصل ہوتی ہے دنیا و آخرت کی آپس میں مثال دو سوتنوں کی ہے جتنی مقدار تو ایک کو راضی و خوش کرے گا اتنا ہی دوسری ناراض ہو گی دنیا و آخرت کی مثال مشرق و مغرب جیسی ہے جتنا مشرق کے قریب ہوتا جائے گا اتنا ہی مغرب سے دور ہو گا۔

اسی مذکورہ بالا بیان پر مشتمل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول مبارک ہے (انّا لنحب الدنیا و ان لا نوتاها خیر لنا من ان نؤتاها و ما اوتی ابن ادم منها شیاء الا نقص حظه من الآخرة) ہم لوگ (یعنی بنی نوع انسان) دنیا سے محبت کرتے ہیں اگر دنیا سے ہمیں کچھ نہ دیا جائے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ ہمیں دنیا سے کچھ ملے کیونکہ انسان کو دنیا سے کچھ نہیں ملتا مگر یہ کہ اس کے عوض آخرت میں اس کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔

شرح حدیث: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول مبارک (انا لنحب) سے مراد بنی نوع انسان ہے نہ یہ کہ

اپنی ذات مراد ہے گویا مولا انسان کی طرف سے حکایت کر رہے ہیں کہ انسان لسان حال سے یوں کہے گا نہ یہ کہ اس قول سے مرادمولاً کی ذات والاصفات یا ان کے آباء اجداد علیہم السلام اجمعین ہیں کیونکہ ان ذوات مقدسہ کو دنیا سے جو کچھ بھی ملے وہ ان کے آخرت کے حصہ کو کم نہیں کر سکتا جبکہ باقی عام لوگوں کی حالت ان کے برعکس ہے دنیا میں انہیں جو کچھ ملتا ہے اس کے عوض آخرت میں ان کا اجر کم کر دیا جاتا ہے

ان ذوات مقدسہ کے آخرت کے حصہ کو تھوڑا کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ حضرت جبرائیلؑ تین دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو کر انہیں دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں خالق کی طرف سے عطا کرتے ہوئے کہتا ہے (**هذه مفاتيح كنوز الدنيا ولا ينقصك من حظك عند ربك شئى**) (اے رسولؐ اللہ) یہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں ان دنیا کے خزانوں کی بدولت آپ کے آخرت کے حصہ میں بھی کمی نہیں آئے گی، مگر رسولؐ اسلام نے دنیا کے خزانوں کی چابیاں لینے سے انکار فرما دیا، ایام دنیا کہ جن میں آپ نیک اعمال کی بدولت نعمات جنت کو حاصل کر سکتے ہیں یہ سوائے چند لحظوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اگر نعمت دنیا گزرے ہوئے وقت میں حاصل ہو تو اب حال حاضر میں اس کی لذت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر ماضی میں کوئی تکلیف ہوئی ہو تو اب اس پر دکھ اور رنج کرنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، باقی رہا مستقبل کے بارے میں تو یہ معلوم نہیں ہے کہ انسان کو یہ دن نصیب بھی ہوگا یا نہیں؟ تو پس ثابت ہوا کہ دنیا اسی ایک گھڑی کا نام ہے جس میں انسان زندگی گزار رہا ہوتا ہے، اسی مطلب کی طرف حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام کا قول مبارک اشارہ کرتا ہے جو انہوں نے سلمان فارسیؓ کو فرمایا تھا کہ (**وضع عنك همومها لما ايقنت من فراقها**) (اے سلیمانؓ) دنیا کے ہم و غم کو اپنے سے دور رکھو کیونکہ اس سے جدا ہونا یقینی ہے، ہم نے کسی انسان کو نہیں دیکھا کہ اس نے دنیا کو آخرت کے عوض فروخت کیا ہو مگر یہ کہ اسے دنیا و آخرت میں نفع حاصل ہوا ہے اور اسی طرح ہم نے ایسا بھی کوئی انسان نہیں دیکھا جس نے اپنی آخرت کے عوض دنیا کو خریدا ہو مگر یہ کہ اسے دنیا و آخرت میں خسارہ ہوا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ خالق کائنات دنیا کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ (**اخدمي من خدمني و اتعبي من خدمك**) اے دنیا جس نے میری خدمت کی ہے اس کی تو خدمت کر اور جس نے تیری خدمت کی ہے اسے تو مشقت و مشکلات میں ڈال دے۔

مومن انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت یاد الٰہی میں مگن رہے اگر وہ اپنے کاروبار میں بھی مشغول ہو تو اسے ذکر خدا کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، ذکر خدا مومن انسان کے لیے غنیمت ہے تا کہ آپ کے نامہ اعمال کا دفتر بارگاہ ایزدی میں نیکیوں سے بھرا ہوا حاضر ہو۔

ایک شخص لوہے کا کام کرتا تھا وہ بہت بڑی عظمت و منزلت پر فائز تھا اس کا اس بڑی منزلت پر فائز ہونے کا راز کیا تھا؟ ہم اسی کتاب کے پانچویں باب میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی زندگی کا ایک مختصر شمہ:

سید الاوصیاء حضرت علی بن ابی طالب علیہما الصلوۃ والسلام کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ آپ جب جہاد اسلام سے فارغ ہوتے تو لوگوں کو اسلام کی تعلیم و تربیت دینے میں مشغول ہو جاتے اور ان کے آپس کے جھگڑوں کو نبٹاتے، جب آپ اس عمل شریف سے بھی فارغ ہو جاتے تو اپنے ہاتھوں سے کام کاج میں مشغول ہو جاتے مثلاً روایات میں ملتا ہے کہ آپ تعمیراتی کام خود اپنے ہاتھوں سے فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ ذکر الہی میں بھی مشغول رہتے۔

حکم بن مروان جبیر بن حبیب سے روایت کرتا ہے کہ عمر بن الخطاب پر ایک مصیبت نازل ہوئی تو اسے اس مشکل امر نے حیران و پریشان کر دیا اور اس پر حالت اضطراب چھا گئی تو وہ مہاجرین مسلمانوں سے اس مسئلہ کا حل پوچھتا ہے تو وہ کہنے لگے کہ آپ ہمارے سردار ہیں ہم آپ کی طرف ہر مشکل مسئلہ میں رجوع کرتے ہیں لہذا ہم کیسے آپ کی اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں؟ جبکہ ہم خود آپ کے محتاج ہیں! مہاجرین کے اس کلام کو عمر بن خطاب نے سن کر قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کی (**یا ایها الذین اٰمنو ااتقوا الله و قولوا قولا سدیدا**) سورۃ احزاب، آیت ۷۰۔ اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کیا کرو۔ کیا خدا کی قسم ہم ایک ایسے شخص کو نہیں جانتے جو ہماری تمام مشکلات کو حل کرنا جانتا ہے؟ لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ اے عمر: کیا آپ کی مراد علی بن ابی طالب علیہما السلام تو نہیں ہے؟ عمر بن خطاب جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟ کیا آج تک کسی ماں نے علیؑ جیسا بیٹا جنا ہے؟ مہاجرین مسلمان کہنے لگے کہ پھر علیؑ کو بلاؤ تا کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرے، عمر کہتا ہے کہ یہ مستحیل ہے کہ ہم علیؑ کو بلائیں کیونکہ وہ شریف النسب ہے اور بنی ہاشم میں سے ہے، رسولؐ خدا کے قرابتداروں میں سے ہے، اس کے پاس علم و معرفت ہے ہم اس کے پاس جائیں نہ یہ کہ وہ ہمارے پاس آئے، پس وہ تمام حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشکل کو پیش کیا، اس اثناء حضرت علی علیہ السلام ایک دیوار تعمیر کرنے میں مشغول تھے اور حضرتؑ کے پاؤں مبارک مٹی سے بھرے ہوئے تھے اور آپ نے ایک چھوٹا سا کام کرنے والے لوگوں کی طرح لباس پہنا ہوا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر اس وقت قرآن مجید کی اس آیت کا ذکر تھا (**أیحسب الانسان ان یترك سدی ألم یك نطفة من منی یمنی ثم كان علقة فخلق فسوی**) سورۃ القیامت آیت ۳۶-۳۸۔ کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ اسے اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ اس منی کا قطرہ نہ تھا جو رحم میں ڈالا جاتا ہے پھر علقہ بنا پھر اسے خلق کر کے برابر کیا۔

اور ان آیات کے ذکر کے ساتھ ساتھ حضرتؑ کے آنسو بھی بہہ رہے تھے، عمر کے ساتھ آنے والے لوگ بھی حضرت علیؑ کو روتے دیکھ کر رونے لگے، پھر جب حضرت علیؑ نے رونا بند کیا تو انہوں نے بھی رونا بند کر دیا اور عمر بن خطاب حضرت علی علیہ السلام سے اپنے مسئلہ کا حل پوچھتا ہے، تو حضرت اسے جواب دیتے ہیں عمر جواب سن کر ہاتھوں کو ملنے لگا اور کہتا ہے کہ خدا کی قسم خلافت آپ کا حق تھا اور خدا نے بھی آپ کو چنا لیکن لوگوں نے انکار کر دیا، حضرت علیؑ عمر کی یہ کلام سن کر فرمانے لگے اے عمر خاموش ہو جا لوگوں کے درمیان فتنہ نہ ڈال اب قیامت کے دن میرے غصب شدہ حق خلافت کا فیصلہ ہوگا، عمر نے جب یہ کلام سنی تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ (سود اللہ وجہہ)

فصل

اگر آپ نے اپنی اس ایک لحظہ زندگی کو جنت کی نعمات کے عوض فروخت نہ کیا تو آپ نے اسے گھٹیا قیمت پر فروخت کیا ہے، اور چند سکوں پر اس عظیم زندگی کا سودا کیا ہے اگر تجھے تیری تمام عمر کے بدلے ساری دنیا دے دی جائے تو تم اسے نہ بیچو لیکن اے انسان تو نے غیر شعوری طور پر اسے سستے داموں چند سکوں پر فروخت کر دیا ہے جبکہ اس قیمتی زندگی کی قیمت دنیا کا سونا اور چاندی بھی نہیں ہو سکتا کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

الدھر ساومنی عمری فقلت لہ ما بعت عمری بالدنیا و ما فیھا

ثم اشتراہ بتدریج بلا ثمن تبت یدی صفقۃ قد خاب شاریھا

ترجمہ: زمانہ دنیا نے میری عمر خریدنے کی بڑی کوشش کی مگر میں نے اسے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ پوری دنیا اور اسمیں جو کچھ بھی ہے یہ ہماری عمر کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ مگر (افسوس لاشعوری میں) دنیا نے رفتہ رفتہ اسے بغیر قیمت کے خرید لیا۔ خدا برا کرے اس خریدار کا جس سے بیچنے والے کو نقصان ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک میں ملتا ہے کہ (یفتتح للعبد یوم القیامۃ علی کل یوم من ایام عمرہ اربعۃ و عشرون خزانۃ۔ عدد ساعات اللیل و النھار۔ فخزانۃ یجدھا مملوئۃ نورا و سرورا فینالہ عند مشاھدتھا من الفرح و السرور ما لو وزع علی اھل النار لادھشھم عن الاحساس بالم النار و ھی الساعۃ التی اطاع فیھا ربہ ثم تفتتح لہ خزانۃ اُخری فیراھا مظلمۃ منتنۃ مفزعۃ فینالہ عند مشاھدتھا من الفزع و الجزع ما لو قسم علی اھل الجنۃ لنغص علیھم نعیمھا و ھی الساعۃ التی عصی فیھا ربہ ثـ تفتتح لہ خزانۃ اُخری فیراھا فارغۃ لیس فیھا ما یسرہ ولا ما یسوؤہ وھی الساعۃ التی نام فیھا اوْ اشتغل

فیھا بشئی من مباحات الدنیا فینالہ من الغبن و الاسف علی فواتھا حیث کان متمکنا من ان یملأھا حسنات ما لا یوصف) بروز محشر خالق کائنات اپنے بندے کی عمر اور زندگی کے ایک ایک دن کے عوض چوبیس خزانے کھولے گا (دن اور رات کے اوقات کے برابر خزانے ہوں گے) بعض خزانے ایسے ہوں گے جو نور خدا اور فرحت وسرور سے پُر ہوں گے انسان جب ان خزانوں کا مشاہدہ کرے گا تو خوشیوں کی تاب نہ لا سکے گا ، اگر نور سے لبریز ان خزانوں کو اہل جہنم پر تقسیم کیا جائے تو وہ بھی شدت نور کی تاب نہ لاتے ہوئے مدہوش ہو جائیں گے اور آگ جہنم اور رنج والم کو فراموش کر دیں ، یہ نور کا خزانہ انسان کی زندگی کی اس گھڑی کے مقابلہ میں ہوگا جو اس نے اسے اپنے رب کی اطاعت میں گزاری ہوں گی پھر اس شخص پر خالق کائنات ایک اور خزانے کو کھولے گا جسے انسان دیکھ کر خوف زدہ اور غمگین ہو جاتا ہے اگر یہ خزانہ اہل جنت کو دکھایا جائے تو ان کی آرام وسکون والی زندگی جو کہ جنت الفردوس کی نعمات سے لبریز ہے میں بد مزگی اور بے چینی پیدا ہو جائے گی یہ خزانہ بد بودار اور دہشت والا ہوگا اس میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا یہ خزانہ زندگی کے اس لحظہ کے عوض ہوگا جسے اس نے اپنے مالک کی نافرمانی اور اپنی خواہشات کی پیروی میں گذارا ہوگا پھر انسان پر خدا ایک اور خزانہ کو کھولے گا جو اپنے اندر نہ فرحت وسرور کو سمیٹے ہوئے ہوگا اور نہ ہی اس میں کوئی موجب تکلیف و پریشانی والا امر ہوگا یہ خزانہ درحقیقت زندگی کے اس لمحہ کے عوض ہوگا جس کو انسان نے سو کر یا دیگر دنیاوی مباح کام میں گزار دیا ہوگا اور اس وقت انسان کو زندگی کے اس قیمتی وقت کے ضیاع پر افسوس ہوگا کیونکہ وہ اس وقت کو خالق کی عبادت اور اعمال حسنہ کے کسب میں بھی صرف کر سکتا تھا۔

قرآن مجید کی آیت اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے (**ذالك یوم التغابن**) سورۃ التغابن آیت ۹
وہی (قیامت کا دن) ہار جیت کا دن ہوگا۔

فقر کے فوائد وعوائد قرآن وحدیث کی روشنی میں :

اے مومن ایسے شخص کے فریب میں نہ آنا جو یوں کہے کہ میں اللہ کی مباح کی ہوئی چیزوں سے دنیا میں آسودگی کی زندگی بسر کر رہا ہوں اور واجبات خدا کو بھی ادا کرتا ہوں خمس وزکوۃ ، صدقات وخیرات اور دیگر حقوق بھی نکالتا ہوں اور یہ فریب دینے والا شخص قرآن مجید کی اس آیت سے دھوکہ دیتا ہے (**قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ و الطیبات من الرزق**) سورۃ اعراف آیت ۳۲۔ پیغمبر آپ پوچھیے کہ کس نے اس زینت کو جسے خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کیا ہے۔ اور یہ شخص اپنے آپ کو یوں تصور کرتا ہے کہ میں بہترین قسم کی زندگی گزار رہا ہوں ،

خالق کی طرف سے مباح کیے ہوئے لذیذ کھانوں سے فائدہ اٹھاتا ہوں، بہترین لباس اور شان وشوکت والی سواری عالی شان محلات سے اچھی طرح استفادہ کرتا ہوں تو گویا دنیا میں بھی میری زندگی نعمتوں سے بھرپور ہے اور یہ شان وشوکت کی زندگی مجھے جنت میں بھی خدا کے مقربین لوگوں کے ساتھ رہنے سے روک نہیں سکتی۔

حالانکہ اے مومن انسان تجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب گفتگو کم عقلی، بیوقوفی اور دھوکہ دہی وغرور پر مبنی ہے اور اس کا کہنے والا چند مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر بیوقوفی کا شکار ہے۔

(۱) فضولیات دنیا میں منہمک ہونے والا شخص دنیاوی حرص و لالچ میں غرق ہو جاتا ہے اور یہ ایک مہلک مرض ہے اسی وجہ سے انسان شبہات میں بھی پڑ سکتا ہے اور جو شخص شبہات دنیا (مال مشکوک) میں پڑ جائے تو وہ لامحالہ ہلاک ہوتا ہے۔

(۲) اگر انسان مباحات دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے حرص دنیا سے محفوظ بھی رہ جائے (جبکہ اس سے بچنا مشکل امر ہے) لیکن تکبر جیسی مرض سے نہیں بچ سکتا، اور ایسا شخص قساوت قلبی کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ ان بیماریوں سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے (کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ) سورۃ علق آیت ۶۔۷۔ بے شک انسان سرکشی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو بے نیاز خیال کرتا ہے(۱)

حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (**ایاکم وفضول المطعم فانه یسم القلب بالقسوة**) زیادہ کھانا کھانے سے اجتناب کرو کیونکہ اس سے قساوت قلبی ہوتی ہے ۔

---

(۱) بعض مفسرین اس آیہ مجید کو اصحاب و مال و دولت کے ساتھ مختص کرتے ہیں اور ظاہراً مصنف علامؒ بھی مالداروں کے حق میں نزول کے قائل نظر آتے ہیں جو کہ قرینہ مقام سے منکشف ہوتا ہے۔لیکن اگر بنظر غائر ملاحظہ کیا جائے تو آیہ مجیدہ میں اس اختصاص کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔بلکہ اگر اس سے پہلے والی آیات مبارکہ کو دیکھا جائے تو وہ علم کیساتھ مربوط ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو علم یا مال کسی بھی لحاظ سے بے نیاز سمجھنے لگ جائے تو وہ سرکشی پر اتر آتا ہے۔اور یہ ہر دور میں سرمایا داروں کا بھی وطیرہ رہا ہے اور مدعیان علم اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ پڑھا لکھا سمجھنے والوں کا بھی خاصہ رہا ہے اور یہ بیماری اور مہلک مرض سرمایہ داروں سے زیادہ دعویداران علم اور نام نہاد روشن فکر لوگوں میں ہوتی ہے اور اس کے نتائج اور اثرات سرمایہ داروں میں موجود مرض سے زیادہ ان لوگوں (علم میں بے نیاز جاننے والوں) میں بڑے ہوتے ہیں۔

واقعه

حسان بن یحیٰ حضرت صادق آل محمد علیہم السلام سے روایت کرتا ہے کہ ایک فقیر شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اس وقت رسولؐ اسلام کے ہاں ایک ثروت مند شخص بھی موجود تھا اس مال دار شخص نے جب اس فقیر انسان کو مجلس رسولؐ میں بیٹھتے دیکھا تو اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر تھوڑا سا دور ہونے لگا، رسولؐ اسلام نے مالدار شخص سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آیا تجھے یہ ڈر تھا کہ اس کی غربت و تنگدستی کہیں تجھے نہ چمٹ جائے یا اس وجہ سے دور ہوا ہے کہ کہیں تیری ثروت مندی اسے منتقل نہ ہو جائے؟ رسولؐ اسلام کی اس کلام سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہنے لگا یا رسولؐ اللہ: میں (اس غلطی کی توبہ پر) اپنی آدھی دولت اس فقیر کو دیتا ہوں، رسولؐ خدا نے اس فقیر سے پوچھا کہ آیا تم اس کی آدھی دولت قبول کرتے ہو؟ فقیر نے کہا کہ میں قبول نہیں کرتا ہوں رسولؐ اسلام نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ فقیر عرض کرتا ہے کہ مولاؐ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس مال و دولت کی وجہ سے وہ تکبر مجھ میں نہ پیدا ہو جائے جو اس مالدار شخص کے ہاں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک اور حدیث مروی ہے (**فی الانجیل ان عیسیٰ قال اللھم ارزقنی غدوة رغیفا من شعیر و عشیة رغیفا من شعیر و لا ترزقنی فوق ذالک فاطغیٰ**) انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ یا الٰہی مجھے صبح و شام جو کی ایک روٹی مل جائے مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیے تا کہ فروانی رزق سے کہیں تیری نافرمانی نہ کر بیٹھوں۔

پانی میں غوطہ زنی کرنے والا اپنے جسم پر لامحالہ تری محسوس کرتا ہے اسی طرح بحر دنیا میں غرق ہونے والا اپنے دل پر بہر حال قساوت اور ظلمتوں کے سیاہ بادل چھائے ہوئے محسوس کرتا ہے۔

(۳) دنیا کی حرص رکھنے والے شخص کے دل سے عبادت خدا کی لذت اٹھالی جاتی ہے اور وہ دعا کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ہم نے سابقہ فصل میں ذکر کیا ہے۔

(۴) حریص انسان جب دنیا کو چھوڑنے لگتا ہے تو بہت حسرت کرتا ہے اور اس پر زندگی کا مشکل ترین وقت یہی ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس فقیر انسان مفارقت دنیا کے وقت بہت خوش ہوتا ہے اور آخرت کو خوشی کے ساتھ گلے لگاتا ہے اور وہ اس وقت کسی قسم کی پریشانی اور حسرت محسوس نہیں کرتا۔

حضرات امامین صادقین علیہما السلام سے مروی ہے (من کثر اشتباکہ بالدنیا کان اشد لحسرتہ عند فراقھا) جو شخص دنیا سے بہت زیادہ گھل مل جائے تو وہ دنیا سے جدائی کے وقت بہت زیادہ افسوس کرتا ہے۔

(۵) فقراء لوگ سب سے پہلے جنت میں جائیں گے جبکہ ثروت مند لوگ میدان محشر میں حساب و کتاب میں رکے رہیں گے، حضرت امام سید الموحدین علی علیہ السلام فرماتے ہیں (تخففوا تلحقوا انما ینتظر باولکم آخرکم) اپنے آپ کو ہلکا رکھو تا کہ اگلے لوگوں سے ملحق ہو جاؤ پہلوں کے ساتھ تمہارا انتظار کیا جا رہا ہے۔

حضرت سلیمان فارسیؓ کی وقت موت کیفیت:

حضرت سلیمانؓ فارسی موت کے وقت افسوس کر رہے تھے تو ان سے کہا گیا اے ابوعبداللہ کس بات پر افسوس کر رہے ہو؟ حضرت سلیمانؓ نے جواب دیا کہ میں دنیا کو چھوڑنے پر حسرت اور افسوس نہیں کر رہا ہوں بلکہ مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ رسولؐ اسلام نے ہمیں ایک بات کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا (لتکن بلغة احدکم کزاد الراکب) تم میں سے ہر ایک کے پاس مال کی مقدار ایک مسافر شخص کے زاد راہ جتنا ہونا چاہیے۔

حاشیہ: (رسول اسلامؐ اپنے اس کلام مبارک میں ہر مومن کے مال کی مقدار کو ایک سوار شخص کے مال کے ساتھ تشبیہ دیکر اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جسطرح ایک سوار اپنے پاس مختصر سی مقدار میں قوت و طعام وغیرہ رکھتا ہے جس سے وہ زندہ رہ سکتا ہے اور اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے۔ تا کہ منزل مقصود تک پہنچ جائے اسی طرح آپ حضرات بھی اپنے آپ کو مسافر شمار کریں اور مقدار قوت اپنے پاس رکھیں تا کہ زندہ رہ سکیں اور اپنے ہدف تک اور وہ ''لقاء اللہ'' ہے پہنچ جائیں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ ایک اونٹ یا گھوڑسوار اپنے پاس تھوڑی سی روٹی اور پانی کا انتظام کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اور اسی طرح گرمی یا سردی سے بچنے کے لیے بھی معمولی سی چادر کا انتظام کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس سفر دنیا میں ایک مومن انسان کو بھی اسی حد تک اکتفاء کرنا چاہیے۔ رسول خدا کی اس کلام مبارک سے اسی امر کیطرف تنبیہ کی گئی ہے۔)

اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ہم نے رسولؐ خدا کے اس حکم سے تجاوز نہ کیا ہو اور اسی اثناء حضرت سلیمانؓ اپنے گھر میں موجود مختصر سامان کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ کھانا پکانے کے لیے ایک بڑی دیگ اور ایک تلوار اور ایک بڑے پیالے پر مشتمل تھا گویا حضرت سلیمانؓ فارسی اس مختصر مال کو بھی زیادہ تصور کر رہے تھے اور ڈر محسوس کر رہے تھے کہ کہیں ہم نے رسولؐ خدا کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کیا ذات توحید سے ڈرنے والے، خوف الٰہی میں غرق

لوگ، بارگاہ الٰہی میں عاجزی وانکساری کرنے والے، اور ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول لوگ سب سے پہلے جنت الفردوس میں داخل ہوں گے؟ رسولؐ اسلام نے جواب میں ارشاد فرمایا(لا ولكن فقراء المومنين يأتون فيتخطون رقاب الناس فيقول لهم خزنة الجنة كما انتم حتى تحاسبوا؟ فيقولون بما نحاسب ؟ فوالله ما ملكنا فنجور و نعدل ولا افيض علينا فنقبض و نبسط ولكنا عبدنا ربنا حتى اتانا اليقين) (اے ابوذرؓ) نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ فقیر مومنین لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر سب سے آگے بڑھ کر دروازہ جنت پر آئیں گے تو اس وقت جنت کا خادم انہیں کہے گا کہ کہاں جاتے ہو آؤ پہلے حساب دو، یہ فقراء کہیں گے ہم سے کس چیز کا حساب ہوگا ؟ خدا کی قسم ہم کسی مال و دولت کے مالک نہیں تھے تا کہ فسق و فجور میں مبتلاء ہوتے یا اعمال خیر بجالاتے اور عدالت کرتے، ہمارے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں تا کہ بخل و کنجوسی یا سخاوت کا سوال ہو لہذا ہمارے پاس مال و دولت تھا ہی نہیں، ہاں ہم نے اپنے مالک کی عبادت کی ہے یہاں تک کہ خدا کا وعدہ ہمیں آپہنچا اور موت آگئی۔

محمد بن یعقوب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں (ان فقراء المومنين ليتقلبو ن في رياض الجنة قبل اغنيائهم باربعين خريفا ثم قال ساضرب لك مثلا انما مثل ذالك مثل سفينتين مرّ بهما على باخس فنظر في احداهما فلم يجد فيها شيئا فقال اسربوها و نظر في الاخرى فاذا هي موقرة فقال احبسوها) فقیر مومنین جنت الفردوس کے باغات سے ثروت مند لوگوں سے چالیس سال پہلے بہرہ مند ہوں گے پھر امام علیہ السلام مثال دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ فقیر اور غنی شخص کی مثال ان دو کشتیوں کی طرح ہے جن میں سے ایک سامان سے خالی ہوتی ہے اور دوسری سامان وغیرہ سے پُر ہوتی ہے اور جب ٹیکس وغیرہ لینے والوں کے پاس خالی کشتی آتی ہے تو وہ اسے جانے دیتے ہیں اور مال و سامان سے لبریز کشتی کو روک لیتے ہیں اور اس کا حساب کتاب کرتے ہیں۔

داؤد بن نعمان، اسحاق بن عمار سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول نقل کرتا ہے کہ امامؑ نے فرمایا(اذا كان يوم القيامة وقف عبدان مومنان للحساب كلاهما من اهل الجنةفقير في الدنيا وغني في الدنيا فيقول الفقير : يا رب على ما اوقف فوعزتك انك لتعلم انك لم تولني ولاية فا عدل فيها اوُ اجور و لم تملكني مالا فاودي منه حقا اوُ امنع ولا كان رزقي يأتيني فيها الا كفافا على ما علمت و قدرت لي فيقول الله تبارك و تعالى صدق عبدي خلوا عنه حتى يدخل الجنة ويبقى الآخر حتى يسيل منه العرق ما لو شربه اربعون بعيرا لاصدرها ثم يدخل الجنة فيقول له الفقير ما حبسك ؟ فيقول طول الحساب مازال يجيئني الشئي فيغفرلي ثم اُسئل عن شئي آخر حتى تغمدني الله منه برحمته و الحقني بالتائبين فمن انت؟ فيقول له انا

الفقير الذی کنت معك آنفا فيقول لقد غيرك النعيم بعدی) قیامت کو دو مومن جنتی بندے حساب و کتاب کے لیے حاضر ہوں گے ان میں سے ایک وہ ہو گا جو دنیا میں فقیر تھا اور دوسرا مال دار، فقیر مومن اپنے رب سے عرض کرے گا، الٰہی مجھے کیوں روکا گیا ہے؟ میرے پاس تو مال و منال نہیں تھا تا کہ میں اس کے ذریعے فسق و فجور یا عدل و انصاف کرتا، اور میرے پاس تو کچھ بھی نہ تھا اور تیری عزت کی قسم تیری ذات پاک اس بات کو بہتر جانتی ہے کہ میں مال و دولت نہیں رکھتا تھا چہ جائیکہ حقوق ادا کرنے یا نہ کرنے کے سوال کی نوبت آئے، مجھے تو حد کفایت رزق عطا کیا گیا تھا اور یہ سب کچھ تو جانتا ہے، تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس فقیر مومن نے سچ کہا ہے لہذا اسے جنت میں (بغیر حساب کتاب کے) جانے دو، جبکہ صاحب ثروت و مال حساب و کتاب کے لیے اسقدر رکا رہے گا یہاں تک کہ اس سے اتنا پسینہ بہے گا جو چالیس اونٹوں کے پینے کے لیے کافی ہو گا، جب یہ مالدار شخص حساب وغیرہ سے فارغ ہو کر جنت میں پہنچے گا تو فقیر اس سے اسقدر رکے رہنے کی وجہ پوچھے گا، تو وہ کہے گا کیونکہ میرا حساب و کتاب طویل تھا ایک چیز سے فارغ ہوتا تو دوسری چیز کے بارے میں سوال ہوتا اسی طرح یہ سلسلہ سوال و جواب جاری رہا یہاں تک کہ رحمت خدا مجھے شامل ہوئی (اور یہاں جنت میں آ گیا ہوں) پھر غنی پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ فقیر مومن کہتا ہے کہ میں وہی فقیر ہوں جو تھوڑی دیر پہلے آپ کے ساتھ منزل حساب و کتاب میں تھا ثروت مند کہے گا کہ آپ کو جنت کی نعمات نے تبدیل کر دیا ہے۔ کہ پہچانے بھی نہیں جاتے ہو۔

(۶) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فقیر لوگوں کو عزت و احترام عطا فرمائے گا اور ان پر خصوصی مہربانی اور شفقت فرمائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (ان الله ليعتذر الى عبده المومن المحوج كان فى الدنيا كما يعتذر الاخ الى اخيه فيقول و عزتى و جلالى ما افقرتك لهوان كان بك على فارفع هذا الغطاء فانظر الى ما عوضتك من الدنيا فيكشف فينظر ما عوضه الله من الدنيا فيقول ما ضرنى۔ يا رب۔ ما زويت عنى مع ما عوضتنى) اللہ تبارک و تعالیٰ آخرت میں اپنے فقیر مومن بندے سے (اسے فقیر رکھنے کی) یوں عذر خواہی کرے گا جیسے ایک بھائی اپنے بھائی سے اعتذار کرتا ہے اور خالق یوں کہے گا کہ مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم میں نے تجھے دنیا میں معمولی اور حقیر سمجھ کر فقیر نہیں کیا تھا لہذا اب اس حجاب کو اٹھاؤ اور دیکھو کہ میں نے دنیا کے فقر و غربت کے عوض آج تجھے آخرت میں کیا عطا کیا ہے جب یہ فقیر انسان اس حجاب کو اٹھائے گا تو وہ اس عوض کا ملاحظہ کرتے ہوئے عرض کرے گا یا الٰہی آج جو مجھے آپ نے عوض عطا کیا ہے اس کی وجہ سے دنیا کے مال و دولت کے میسر نہ آنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہے۔

(۷) غربت وتنگدستی اولیاء اللہ کی زینت اور صالحین لوگوں کا شعار ہے خالق کائنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی میں ارشاد فرمایا (و اذا رایت الفقر مقبلا فقل مرحبا بشعار الصالحین و اذا رایت الغنی مقبلا فقل ذنب عجلت عقوبته) جب آپ غربت وتنگدستی کے بادل منڈلاتے دیکھو تو اسے خوش آمدید کہتے ہوئے قبول کرو کیونکہ غربت نیک لوگوں کا شعار اور رمز ہے اور جب مال و دولت کو اڈتے ہوئے دیکھو تو یوں سمجھو کہ یہ گناہ کی جلد سزا ہے۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی دنیاوی زندگی کے مختلف لمحات:

انسان کو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بغور نگاہ ڈالنی چاہیے اور ان کی مشکلات و مصائب سے بھرپور زندگی کا مطالعہ کرے کیونکہ ہمارے انبیاء کرام نے بڑی مشکلات کا سامنا کیا ہے، ذیل میں چند انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی مشکلات بھری زندگی کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غربت بھری زندگی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسی عظیم شخصیت ہیں جنہیں خالق کائنات نے اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف بخشا ہے آپ اسقدر ضعیف اور کمزور تھے کہ کھانے کی چیزوں کی رنگت آپ کے جسم مبارک کی جلد سے نظر آتی تھی، حضرت موسیٰ جب حضرت شعیبؑ کی لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا کر فارغ ہو کر سائے میں آ کھڑے ہوئے تو خالق کائنات سے سوائے پیٹ بھرنے کے لیے مختصر سی غذا کے اور کچھ نہیں مانگا اور یوں بارگاہ الٰہی میں دعا مانگتے ہیں (رب انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر) سورہ القصص آیت ۲۴ الٰہی یقیناً اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میری طرف بھیج دے، حضرت موسیٰؑ چند روٹیوں کو اس لیے طلب فرما رہے تھے چونکہ آپ اب تک صحراء کی گھاس اور معمولی چیزوں پر گزارا کر رہے تھے جس کی وجہ سے آپ بہت کمزور پڑ گئے تھے، روایت میں ملتا ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰؑ نے پروردگار کی خدمت میں عرض کی کہ اے پالنے والے میں بھوکا ہوں خدا نے جواب میں فرمایا کہ مجھے تیری بھوک کا علم ہے حضرت موسیٰؑ نے عرض کی کہ پھر مجھے غذا عطا فرما، خالق نے اسے جواب میں فرمایا کہ جب میں نے چاہا عطا کروں گا خداوند ذوالجلال نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی وحی میں ارشاد فرمایا (یا موسیٰ الفقیر من لیس له مثلی کفیل والمریض من لیس له مثلی طبیب و الغریب من لیس له مثلی مونس۔ و یروی حبیب۔ یا موسیٰ ارض بکسرة من شعیر تسد بها جوعتك و بخرقة تواری بها عورتك واصبر علی المصائب و اذا رایت الدنیا مقبلة علیك فقل انالله و انا الیه راجعون، عقوبة قد عجّلت فی الدنیا، واذا رایت الدنیا مدبرة عنك فقل مرحبا بشعار الصالحین یا موسی لا تعجبنّ بما

اوتی فرعون وما متع به فانما هی زهرة الحیاة الدنیا) اے موسیٰ علیہ السلام مجھ جیسے فقیر انسان کا اور کوئی کفیل نہیں ہوسکتا، مریض انسان کا مجھ سے بڑھ کر اور کوئی طبیب نہیں ہے، پردیسی کا غمخوار میں ہوں (بعض روایات میں دوست کے لفظ وارد ہوئے ہیں) اے موسیٰ علیہ السلام جَو کی آدھی روٹی سے اپنی بھوک مٹا کر راضی ہو جا اسقدر لباس پر اکتفاء کر جس سے تیرا جسم چھپ سکے مصیبتوں پر صبر کر اگر دنیا کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھو تو اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کی تلاوت کرنا، کیونکہ دنیا اور مال و متاع گناہوں کی جلد سزا ہے اور یہ ابتلاء ہے اور اگر دنیا کو اپنے سے منہ موڑتے ہوئے دیکھو تو وسعت قلبی سے قبول کرنا کیونکہ فقر وتنگدستی نیک لوگوں کی رمز ہے، اے موسیٰ علیہ السلام فرعون کو (میری طرف سے) دی ہوئی دنیا اور اس کی زرق برق سے فوائد حاصل کرنے پر متعجب نہ ہونا کیونکہ یہ دنیا کی رنگینیاں ہیں آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا مختصر جائزہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے القاب سے مشہور ہیں ارشاد فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں **(خادمی یدای و دابتی رجلای و فراشی الارض و وسادی الحجر و دفئی فی الشتاء مشارق الارض و سراجی باللیل القمر و ادامی الجوع و شعاری الخوف و لباسی الصوف و فاکهتی و ریحانی ما انبتت الارض للوحوش و الانعام ، ابیت و لیس لی شئی و اصبح ولیس لی شئی و لیس علی وجه الارض احد اغنی منی)** میں اپنے دونوں ہاتھوں سے خود کام کرتا ہوں گویا وہی میرے خادم ہیں، پاؤں میری سواری ہیں زمین میرا بچھونا ہے، پتھر کو سرہانہ بناتا ہوں، سورج کی روشنی کو سردی سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتا ہوں چاند کی روشنی میرے لیے فانوس کا کام دیتی ہے بھوک میرا ساتھی ہے خوف خدا میرا شعار ہے، اُون میرا لباس ہے، زمین سے اگنے والی معمولی چیزیں جو حیوانات کے لیے ہوتی ہیں وہ میری غذا ہیں، رات کو سوتے وقت میرا خزانہ خالی ہوتا ہے اور جب صبح کرتا ہوں تب بھی میرے پاس کچھ نہیں ہوتا لیکن پھر بھی (اس کے باوجود) اس کرہ ارض پر مجھ سے بڑھ کر کوئی ثروت مند نہیں ہے۔

حاشیہ: (افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم زبانی کلامی طور پر تو ان انبیاء کرام پر عقیدہ رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عملی طور پر بالکل مخالفت کرتے ہیں ہم رات کو سونے سے پہلے اپنے بھرے خزانہ کو گن کر آرام کرتے ہیں۔ بلکہ مال و منال کی بدولت ہماری نیندیں بھی اڑ جاتی ہیں۔انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام دنیا وی زرق و برق اور مال ومنال کو قطعاً اہمیت نہیں دیتے تھے۔ان حضرات کی سیرت طیبہ عامۃ الناس کے لیے بالعموم اور ''وراثت انبیاء'' کے دعویداروں

کے لیے بالخصوص نمونہ ہونی چاہیے۔)

حضرت نوح علیہ السلام کی سادہ زندگی:

حضرت نوح علیہ السلام باوجود اس کے کہ "شیخ المرسلین" کے لقب سے معروف تھے چونکہ تمام انبیاء کرام میں سے آپ کی عمر زیادہ تھی مگر حضرت نوحؑ کا اس دنیا میں اپنا کوئی ذاتی مکان نہ تھا بعض روایات میں آپ کی عمر پچیس سو سال ملتی ہے، جب آپ صبح کرتے تو ارشاد فرماتے کہ شاید شام تک زندہ نہ رہوں اور اسی طرح شام کو صبح کرنے کا یقین نہیں ہوتا تھا اور بالکل یہی صورت حال پیغمبر اکرمؐ کی تھی، آنحضرتؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر دنیا میں آپ کا اپنا مکان نہ تھا، ایک دفعہ آنحضرتؐ ایک شخص کو اپنا گھر بناتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمانے لگے (الامر اعجل من هذا) اے بندہ خدا حکم خدا (موت) بہت جلد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک شمہ:

حضرت ابراہیمؑ جو کہ ابو الانبیاء کے لقب سے پکارے جاتے ہیں، اتنی شان وعظمت کے باوجود آپ کا لباس اُون سے ہوتا تھا اور جو کی روٹی کھا کر گزارا کرتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سادہ زندگی۔

آپ اس قدر سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے کہ آپ کا لباس کھجور کی چھال سے ہوتا تھا اور آپ کی غذا درختوں کے پتے ہوتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات طیبہ۔

آپ اتنی بڑی اور وسیع حکومت کے حکمران ہونے کے باوجود بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، جب رات کی تاریکی پھیل جاتی تو اپنے ہاتھوں کو پس گردن باندھ کر انکساری کی حالت میں خالق کی بارگاہ میں دعا و گریہ زاری میں ساری رات بسر کر دیتے آپ خود کھجور کے درختوں کے پتوں سے ٹوکریاں، رسیاں اور چٹائی وغیرہ تیار کرتے تھے اور یہی آپ کی معاش کا ذریعہ ہوتا تھا۔

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر مختصر نظر۔

پہلے مختصر طور پر آنحضرتؐ کے سادہ لباس اور کھانا وغیرہ کا ذکر ہو چکا ہے اب بعض روایات جو کہ آنحضرتؐ کی سادہ

زندگی پر روشنی ڈالتی ہیں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، بعض روایات میں ملتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت کو سخت بھوک لگی تو آپ ؐ نے پتھر کو اپنے پیٹ پر رکھ کر ارشاد فرمایا (الا رب مکرم لنفسه وهو لها مهين الا رب مهين لنفسه وهو لها مكرم الا رب نفس جائعة عارية في الدنياطاعمة في الآخرة ناعمة يوم القيامة الا رب نفس كاسية ناعمة في الدنيا جائعة عارية يوم القيامة الا رب متخوض متنعم فيما أفاء الله على رسوله ماله في الآخرة من خلاق الا ان عمل اهل الجنةحزنة بربوة ألا ان عمل اهل النار سهلة بشهوة الا رب شهوة ساعة اورثت حزنا طويلا يوم القيامة) کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنے خیال باطل میں نفس کا احترام کر رہے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے نفس کی اہانت کر رہے ہوتے ہیں جبکہ (اس کے برعکس) کتنے ایسے ہیں جو نفس کی اہانت تصور کرتے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے نفس کا احترام کر رہے ہوتے ہیں، کتنے لوگ ہیں جو دنیا میں تو بھوک کی زندگی گزارتے ہیں، پہننے کے لیے کچھ نہیں ہوتا لیکن آخرت میں یہ لوگ نعمات الٰہیہ سے سیراب ہوتے ہیں، بہت سے نفوس دنیا میں تو اچھی زندگی گزارتے ہیں اور ایسا اچھا لباس میسر ہوتا ہے مگر روز قیامت بھوکے اور ننگے محشور ہوں گے، بہت سے لوگ خدا کی طرف سے رسولؐ اسلام کو عطا شدہ مال غنیمت سے مستفید ہو رہے ہوتے ہیں لیکن آخرت میں یہ لوگ فقیر اور تنگدست ہوتے ہیں، آگاہ رہو! اہل جنت کا عمل آسان نہیں ہے بلکہ مضبوط پہاڑ کی مانند سخت ہے، اہل جہنم کا عمل شہوات نفسانیہ کے تابع ہوتا ہے اس لیے آسان ہوتا ہے آگاہ رہو! کئی دفعہ ایک لحظہ شہوت کی پیروی کرنے سے قیامت کے دن بہت زیادہ مدت تک کے مصائب و مشکلات کا سبب بنتی ہے۔

سید العارفین حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کا مختصر جائزہ:

حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام تمام اوصیاء الٰہیہ کے سردار اور عرفاء کے مہرہ اور سر کے تاج ہیں، خدا کے آخری رسولؐ کے وصی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی حالت زھد و فقر و تنگدستی اظہر من الشمس ہے۔

راوی سوید بن غفلۃ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت ظاہریہ میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت علیؑ ایک معمولی سی چٹائی پر تشریف فرما تھے اور گھر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کی کہ اے امیر المومنینؑ (ان دنوں) بیت المال آپ کے ہاتھوں میں ہے جب کہ میں آپ کے گھر میں ضروری چیزوں کو بھی نہیں دیکھ رہا ہوں یہ سن کر حضرت علیؑ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (يابن غفلة ان البيت لا يتأثث في دار النقلة ولنا دار أمن قد نقلنا اليها خير متاعنا و انا عن قليل اليها صائرون) اے ابن غفلۃ اس عارضی گھر کو

گھریلو اشیاء سے مرتب نہیں کرنا چاہیے ہمارے لیے آخرت کا گھر ہے جس کے لیے ہم نے بہت اچھی چیزیں بھیجی ہیں (یعنی اعمال صالحہ) اور ہم بہت جلد ہی اس گھر میں منتقل ہونے والے ہیں۔

قصہ

حضرت سید الموحدین امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے لیے لباس خریدنا چاہتے تو بازار سے دو عدد لباس خریدتے تھے اور ان میں سے جو اعلیٰ نوعیت کا ہوتا تھا اسے اپنے خادم قنبر کو دے دیتے تھے اور اپنے لیے کم درجہ کی نوعیت والا لباس پسند فرماتے تھے اور پھر درزی کو لا کر اپنی قمیص کی ایک آستین کو کٹوا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے کوئی اور فائدہ لیں گے جبکہ دوسری آستین کو باقی رکھتے اور یوں فرماتے (**هذه نأخذ فيها من السوق للحسن و الحسين عليهما السلام**) اس آستین میں بازار سے حسنینؑ کے لیے چیزیں ڈال کر لاؤں گا۔

نصیحت:

عقلمند انسان کو تعصب کی عینک اتار کر سیرت علیؑ اور دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے اور فکر سلیم سے سوچنا چاہیے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی اچھائی اور خیر ہوتی تو یہ اولیاء اور انبیاء جو کہ ذہین اور فطین شخصیات تھیں اور اللہ کی طرف سے منتخب تھیں کبھی بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے لیکن ان بزرگ ہستیوں نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے خالق و مالک کا تقرب حاصل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (**قد طلقتك ثلاثا لا رجعة فيها**) اے دنیا تجھے میں نے تین طلاقیں دے دی ہیں جس کے بعد تیری طرف رجوع بھی نہیں ہوسکتا۔

ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (**ما تعبد الله بشئی مثل الزهد فی الدنيا**) سب سے بڑی اطاعت خداوندی دنیا سے روگردانی کرنی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو ارشاد فرماتے ہیں (**ارضوا بدنی الدنيا مع سلامة دينكم كما رضی اهل الدنيا بدنی الدين مع سلامة دنياهم و تحببوا الی الله بالبعد منهم و ارضوا الله فی سخطهم**) اپنے دین کی حفاظت اور سلامتی کے ساتھ مختصر دنیا پر راضی ہو جاؤ جیسے دنیا والے اپنے دنیاوی فوائد اور مصالح کو محفوظ رکھتے ہوئے مختصر دین پر اکتفاء کر لیتے ہیں (اے مومنو!) دنیا والوں سے دوری اختیار کر کے خدا سے محبت کرو اور خدا کی خوشنودی و رضا اہل دنیا کی ناراضگی میں ہے، حواریوں نے عرض کی: اے روح اللہ پھر ہم کن لوگوں کے ساتھ بیٹھیں؟ حضرت عیسیؑ نے

جواب میں فرمایا (من تذکر کم الله رؤیته و یزید فی علمکم منطقه و یرغبکم فی الا خرة عمله) ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو) جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے اور جن کے بولنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور اس کے عمل کو ملاحظہ کرنے سے آخرت کی رغبت بڑھے ۔

فصل: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک عقلمند انسان فقیری اور غربت کی زندگی سے دور بھاگے اور مسکین لوگوں سے روگردانی اختیار کرے جبکہ اولیاء اللہ اور اوصیاء الہیہ کی زندگی فقر و غربت میں گزری ہو؟ بلکہ خالق کے محبوب لوگوں کا تو وطیرہ ہی یہی رہا ہے کہ اپنے آپ کو خالق و مالک کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے اور رسولؐ خدا کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے دین الہی اور شریعت مقدسہ کی نشر و اشاعت میں تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے وقت کے رسول کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرتے اور ان کی نصرت وحمایت کرتے تھے، اور یہ حالت حضرت آدمؑ سے لیکر ختمی مرتبت تک جاری رہی، اور یاد رہے کہ تاریخ میں دینی خدمات کے مہرہ سوائے فقراء اور غرباء کے کسی اور کا نام ونشان نہیں ملتا، قرآن مجید میں بیان کیے گئے قصص ہمارے اس مذکورہ دعویٰ پر واضح وبیّن دلیل ہیں، قرآن مجید کا اچھی طرح سے مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے وقت کے رسول اور نبیؑ کی نصرت کے لیے سب کچھ قربان کیا اور ان کے احکام پر کار بند رہے اور وہ دینی و مذہبی جذبوں سے سرشار تھے تو یہ لوگ فقط غرباء، فقراء اور مساکین ہی تھے جبکہ تصویر کا دوسرا سیاہ رخ بھی تاریخ کے مطالعہ سے واضح اور آشکار ہوتا ہے کہ ابتداء شریعت سے لیکر آج تک شریعت خداوندی کا انکار کرنے والے اور اپنے خالق حقیقی کے سامنے اکڑنے والے صاحبان مال اور ثروت لوگ ہیں اور یہی لوگ متکبر کہلاتے ہیں، خالق کائنات قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کی قوم کی یوں حالت بیان فرمائی ہے (أنومن لك واتبعك الارذلون) سورۃ شعراء آیت ۱۱۱۔ کیا ہم تجھ پر (نوحؑ) ایمان لے آئیں جبکہ تیرے مرید گھٹیا اور حقیر لوگ ہیں ایک اور جگہ ارشاد ہے (وما نراك اتبعك الا الذین هم اراذلنا بادی الرای) سورۃ ھود آیت ۲۷۔ اور تمہاری اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے (معاشرہ کے) پست طبقہ کے سادہ لوح افراد ہیں، ان لوگوں نے حضرت نوحؑ کی طرف ننگ و عار کی نسبت دیتے ہوئے حضرت کی اتباع کرنے والوں پر تشدد کرتے تھے، قوم شعیب کی قرآن مجید میں یوں حالت بیان کی گئی ہے (وانا لنراك فینا ضعیفا ولو لا رهطك لرجمناك وما انت علینا بعزیز) اور ہم تو آپ کو اپنے درمیان کمزور ہی پا رہے ہیں اگر آپ کا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم آپ کو سنگسار کر دیتے اور آپ ہم پر غالب نہیں آسکتے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں سے متکبر اور صاحب مال وثروت لوگوں نے قوم صالح میں سے فقیر اور مستضعفین ایمان لانے والوں کو یوں کہتے

(أ تعلمون ان صالحا مرسل من ربه قالوا انا بما ارسل به مومنون ، قال الذين استكبر وا انا بالذی اٰمنتم به كافرون) کیا تمہیں اس کا یقین ہے کہ صالحؑ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں انہوں نے کہا کہ بے شک ہمیں ان کے پیغام کا ایمان اور ایقان حاصل ہے تو بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان باتوں کے منکر ہیں جن پر تم ایمان لائے ہو۔(۱)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کہتی ہے کہ (و جئنا ببضاعة مزجاة فاوف لنا الكيل و تصدق علينا ان الله يجزی المتصدقين) اور ہم ایک حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہمیں پورا پورا غلہ دے دیں اور ہم پر احسان کریں کہ خدا کار خیر کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے(۲)

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فخر و تکبر کرتے ہوئے کہتا ہے (فلو لا القی اليه اسورة من ذهب) سورۃ زخرف آیت ۵۳۔ اور پھر کیوں اس کے اوپر سونے کے کنگن نازل نہیں ہوتے، رسولؐ اسلام کو متکبرین لوگ کہتے ہیں (او يلقی اليه كنز او تكون له جنة يأكل منها) سورۃ الفرقان آیت ۸۔ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ہی گرا دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے کھاتا پیتا۔(۳)

---

(۱) صاحبان ایمان کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ متکبرین کے جاہ و جلال سے مرعوب نہیں ہوتے اور ان کے روبرو اپنے ایمان وایقان کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ متکبرین کا انجام ہمیشہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے اور اللہ والے ہمیشہ سر بلند اور سرفراز رہتے ہیں۔ سرکار دو عالم کا ارشاد ہے کہ اولین میں سب سے بدترین شخص ناقہ صالح کا ظالم تھا اور آخرین میں بدترین شخص علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا قاتل ہے۔

(۲) ظلم کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ ظالم و جابر انسان کو دنیا میں ہی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ظلم و بربریت کی عبرت کا مرقع برادران یوسفؑ کی حالت ہے۔ کہ وہ اب کس طرح سے حضرت یوسفؑ کے سامنے فریاد کر رہے تھے کیا کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ کل جن لوگوں نے حضرت یوسفؑ کو نہایت غرور و تکبر کے ساتھ کنویں میں ڈالا تھا وہ آج اس طرح گڑگڑا کر صدقہ و خیرات کا مطالبہ کریں گے۔ لیکن قدرت کا انتقام بہت شدید ہے۔ (فاعتبروا يا اولی الابصار)

(۳) یہ غلط ذہنیت ہر دور میں پائی گئی ہے۔ اور آج بھی اس کے مظاہر موجود ہیں۔ کہ لوگ شخصیات کو ان کے کمالات و کرامات کی بجائے دولت و سرمایا سے پہچاننا چاہتے ہیں۔ اور یوں کہا جاتا ہے کہ یہ رسول یا امام اس وقت رسول ہو سکتا ہے اگر اسکے پاس باغات اور مال و دولت ہو۔ قصر و محلات ہوتے۔ اور اب چونکہ اس کے پاس مال و ثروت نہیں ہے اور ہماری طرح کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں کا چکر بھی لگاتا ہے لہذا یہ نبوت و رسالت کے قابل نہیں ہے۔ اور اتنی بڑی کتاب الہی اس معمولی انسان پر نازل نہیں ہو سکتی۔ ان بیچاروں کو کون سمجھائے کہ منصب الہی کا دولت و جاہ و جلال

ایک اور مقام پر ہے (او تکون لک جنة من نخیل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا) سورۃ الاسراء آیت ۹۱۔ یا تمہارے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں جن کے درمیان تم نہریں جاری کرو۔ (و قالوا لو لا نزّل هذا القران علی رجل من القریتین عظیم) سورۃ زخرف آیت ۳۱۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

آیت کی تفسیر: ان دوقریوں سے مراد مکہ و طائف ہیں اور مکہ سے مغیرہ یا اس کا بیٹا ولید مراد ہے اور طائف سے ابو مسعود عروہ بن مسعود الثقفی مراد ہے جو کہ صاحبان مال و ثروت تھے، بعض روایات میں ملتا ہے کہ حبیب بن عمرو الثقفی طائف میں سب سے بڑا صاحب ثروت تھا کفار و مشرکین ان دو شخصوں پر قرآن نازل ہونے کا مطالبہ اس لیے کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں بڑی قوم سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ و طائف میں سب سے بڑے صاحبان مال تھے، مذکوہ بالا بیان سے فقراء و مساکین کی عزت و عظمت واضح و اجاگر ہوگئی ہے اور یہ بیان اصحاب مال و ثروت کی مذمت کیلئے بھی کافی و وافی ہے صاحبان مال و دولت کی مذمت اور فقراء و مساکین کی مدح کیوں نہ ہو جبکہ خالق نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی میں فرمایا (یا

دنیوی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ خدائی مناصب علم و کمال کی بناء پر عطا ہوتے ہیں۔ اور اس کی ادائیگی کے لیے عوامی رابطہ ہونا ضروری ہے۔ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس سادہ زندگی سے ان دعویداروں کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے جنکی زندگی فرعون و نمرود کی آرائش و آسائش سے کم نہیں ہوتی اور وہ اپنے تئیں وراثت انبیاء اور راہنمائی قوم کے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں۔ اور ان آیات مبارکہ سے ان فاسد خیالات و عقائد کی بھی نفی ہوتی ہے جو اولیاء اللہ اور انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مقتضائے بشریت سے نکال کر اور نوع انسان کے اکمل و اشرف افراد ہونیکی جھوٹی نفی کرتے ہیں۔ جبکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہادی بشریت میں جہاں خالق سے احکام و شریعت لینے کا جذبہ ہوتا ہے۔ وہاں مخلوق تک پہنچانے کیلئے جذبہ بشریت ہوتا ہے۔ جس سے وہ لوگوں کی زندگی سے مربوط رہتے ہیں۔ اگر رسول یا نبی عام لوگوں سے الگ تھلگ رہ جائے بازاروں اور اجتماعات میں نہ جائے تو پیغام الٰہی کس طرح پہنچائے گا۔ اصلاح بشریت کی ذمہ داری کیسے نبھائے گا۔ اور ان کاموں کیلئے رابطہ بہر حال ضروری ہے۔ اور یہ لوگ خبث باطنی کی بنا پر اس طرح طنز کر کے رسول کو سماج سے الگ کر کے خانہ نشین کرنا چاہتے تھے جبکہ ہر ہادی اور خدا کی طرف سے منصوب راہنماء اس قسم کے طعن و طنز سے اپنے فرائض کو نظر انداز نہیں کرتا۔

عیسی انی قد وهبت لك حب المساکین و رحمتهم تحبهم و یحبونك یرضون بك اماما و قائدا و ترضی بهم صحابة و تبعا و هما خلقان من لقینی بهما لقینی باز کی الاعمال و احبها الیّ) اے عیسیٰؑ میں نے آپ کو مسکین لوگوں کیلئے محبت و رحمت عطا کی ہے آپ ان سے محبت کریں گے وہ آپ کو چاہیں گے وہ لوگ آپ کو اپنا قائد وامام بناتے ہیں آپ ان کو اپنے ساتھ رکھیں اور صحابی بنائیں اگر کسی شخص نے غرباء و مساکین سے محبت رکھتے ہوئے مجھ سے آکر ملاقات کی تو یہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ اور محبوب ترین عمل کر کے ہم سے آملا۔

نبی اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ (الفقر فخری و به افتخر) غربت میرے لیے فخر ہے اور مجھے غربت وفقر کے ساتھ (دوسروں پر) افتخار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے (بحق اقول لکم ان اکناف السماء لخالیة من الاغنیاء و لدخول جمل فی سم الخیاط ایسر من دخول غنی الجنة) مجھے حق کی قسم کہ اطراف آسمان مال دار لوگوں سے خالی ہیں اور اونٹ کا سوئی کے سوراخ سے گزرنا مالدار و صاحب ثروت کے جنت میں جانے سے آسان ہے۔

رسول اعظمؐ سے مروی ہے (اطلعت علی الجنة فوجدت اکثر اهلها الفقراء و المساکین و اذا لیس فیها احد اقل من الاغنیاء و النساء) مجھے جنت الفردوس کے بارے میں اطلاع ہے سب سے زیادہ جنتی لوگ فقیر و مسکین لوگ ہیں اور سب سے کم جنت میں مالدار اور عورتیں ہیں۔

فائدۃ:

صاحبان مال وثروت کی مذمت کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ وہ خوف قلت مال سے مستحق لوگوں کی کمک نہیں کرتے اور فقیر وغریب لوگوں کے لیے اپنے اموال کو خرچ نہیں کرتے اور اگر وہ ہر فقیر کی ہر قسم کی حاجت کو پورا کرنے کی سعی کرتے اور ہر قسم کے ضروری رفاہی کام کو انجام دیتے تو ان کے پاس مال و دولت ختم ہو جاتی اور فقیر ہو جاتے، اسی وجہ سے حضرت اویس قرنیؒ کا قول ہے کہ ''اگر حقوق اللہ کو (صحیح طور پر) ادا کیا جائے تو سونا اور چاندی میں سے کچھ بھی نہ رہے۔

سخاوت علی علیہ السلام :

حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام نے اپنے اس باغ کو بارہ ہزار درھم میں فروخت کر دیا جسے رسول اکرمؐ نے خود اپنے ہاتھوں سے علی علیہ السلام کے لیے کاشت کیا تھا اور خود رسول خداؐ اس باغ کو سیراب کرتے تھے، حضرت علی علیہ السلام جب اس تمام باغ کو بیچ کر اور اس کی قیمت کو فقراء پر صدقہ کر کے گھر تشریف لے آئے تو حضرت فاطمہ زہراء سلام

اللہ علیہا کہتی ہیں (تعلم ان لنا ایاما لم نذق فیها طعاما و قد بلغ بنا الجوع و ما اظنك الا کاحدنا فهلا ترکت لنا من ذالك قوتا) ؟اے علیؑ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کتنے دنوں سے ہم نے کھانے کا ذائقہ بھی نہیں چکھا ہمیں بہت بھوک ہے اور آپ بھی ہماری طرح بھوکے ہیں تو کیا ہمارے لیے بھی اس (باغ کے) مال سے کچھ رکھا ہے؟ حضرت علی علیہ السلام جناب زہراءؑ کو جواب میں فرماتے ہیں (منعنی عن ذالك وجوه اشفقت ان اری علیها ذل السوال) فقیر وغریب لوگوں کے چہروں نے مجھے گھر میں کچھ رکھنے سے روک دیا مجھے ڈر لگنے لگا کہ ان کے چہروں پر سوال کرنے کی ذلت کے اثار دیکھوں۔

تاریخی وثیقہ:

بعض روایات میں ملتا ہے کہ معاویہ بن یزید بن معاویہ نے خلافت سے اس لیے استعفٰی دیا کہ ایک دن اپنی دو نوکرانیوں کو جھگڑا کرتے ہوئے سن رہا تھا ان میں سے ایک بہت خوبصورت تھی دوسری نوکرانی اسے کہتی ہے کہ تم میں اپنے حسن و جمال کی بدولت بادشاہوں جیسا تکبر پایا جاتا ہے خوبصورت نوکرانی جواب میں کہتی ہے کہ کون سا ملک وسلطنت ہے جو حسن و جمال کا مقابلہ کر سکے؟ حسن و جمال کی حکومت وسلطنت تمام حکومتوں پر حاوی ہے اور حقیقت میں حسن کی حکمرانی ہے، دوسری نوکرانی کہتی ہے کہ ملک وسلطنت میں کیا خیر و بھلائی ہے؟ (تا کہ آپ اس پر فخر کریں) کیونکہ کوئی بھی حکمران دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔

(ا) حکمران وسلطان حقوق کو صحیح ادا کرتا ہے اور شکر خدا کرتے ہوئے ہمہ وقت اپنے عمل میں مشغول رہتا ہے ایسا حکمران لذات دنیویہ سے محروم ہوتا ہے اور اسے کوئی استقرار بھی نہیں ہوتا اور بدمزگی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

(۲) یا پھر حکمران شہوت پرستی کا شکار ہوتا ہے حقوق وفرائض کا کسی قسم کا لحاظ نہیں کرتا حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے دنیا کی لذات وعیش میں مخمور ہوتا ہے اس قسم کا حاکم اور سلطان جہنم کا ایندھن بنتا ہے ان دونو کرانیوں کے درمیان ہونے والی اس کلام نے معاویہ بن یزید پر بڑا اثر کیا اور اس کے نتیجہ میں وہ خلافت سے دستبردار ہو گیا اس کے اہل وعیال نے کہا کہ اپنی جگہ کسی اور کو خلیفہ بنا دو معاویہ نے جواب دیا جس خلافت کو چھوڑ کر کڑوا گھونٹ میں نے بھرا ہے اب اس کو کسی اور کے حوالے کر دوں؟ اگر میں یہ کسی اور کے لیے پسند کرتا تو سب سے پہلے اپنے لیے پسند کرتا پھر اس کے بعد اس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہ ہوتی تھی اسی حالت میں معاویہ بن یزید پچیس راتیں زندہ رہنے کے بعد مر گیا۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ معاویہ بن یزید کی ماں نے اس سے کہا کہ کاش تو

خون کا لوتھڑا ہو کر ختم ہو جاتا اس طرح دنیا میں آ کر ہمارے لیے عار نہ بنتا، معاویہ بن یزید جواب میں کہتا ہے کہ کاش ایسا ہی ہوتا جیسا آپ کہہ رہی ہیں اور یہ بھی نہ جانتا ہوتا کہ لوگوں کے لیے جنت وجہنم بھی ہوتی ہے۔

ملاحظہ: بعض اصحاب نے اس واقعہ کو یہاں ذکر کرنا پسند کیا ہے اگرچہ یہ موضوع کتاب سے باہر ہے لیکن ان کے اس اصرار کو رد نہیں کرسکتا تھا۔

فصل:

دعا کے جلد قبول ہونے کے اوقات:

بعض اوقات ایسے ہیں جن میں اگر دعا مانگی جائے تو بہت جلد قبول ہوتی ہے ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) تلاوت قرآن مجید کے بعد مانگی ہوئی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

(۲) اذان واقامت کے درمیانی وقت میں دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

(۳) نرم دل کے ساتھ بہتے ہوئے آنسوؤں کی حالت میں دعا مانگی جائے تو قبولیت میں جلدی ہوتی ہے۔

حضرت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں کہ (**اذا رق احدکم فلیدع فان القلب لا یرق حتی یخلص**) جب آپ میں سے کسی کا دل نرم ہو جائے تو اس وقت خالق سے دعا مانگا کرو کیونکہ نرمی قلب اخلاص کی دلیل ہوتی ہے۔

القسم السابع:

دعا مانگنے والے کی حالت کے بارے میں:

یہ آخری اور ساتویں قسم ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے مثلا راہ خدا میں جہاد کرنے والے، حاجی اور عمرہ کرنے والے انسان کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اسی طرح مریض کی دعا بھی جلد قبول ہوتی ہے، عیسیٰ بن عبد اللہ القمی کہتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے سنا تھا (**ثلاثۃ دعوتھم مستجابۃ الحاج والمعتمر والغازی فی سبیل اللہ فانظروا کیف تخلفونھم والمریض فلا تعرضوہ ولا تضجروہ**) تین لوگوں کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتیں ہیں حاجی کی، عمرہ کرنے والے کی اور راہ خدا میں جہاد کرنے والے شخص کی اور دیکھو تم ان کے ساتھ

کیا سلوک کرتے ہو اور مریض کو رنج والم نہ پہنچایا کرو۔

فصل:

مریض کی دعا عیادت کرنے والے کے لیے جلد مستجاب ہوتی ہے۔

نبیؐ اکرم ارشاد فرماتے ہیں (للمریض اربع خصال ،یرفع عنه القلم و یأمر الله الملك فیکتب له افضل ما کان یعمله فی صحته وینفی عن کل عضو من جسده ما عمله من ذنب فان مات مات مغفورا له وان عاش عاش مغفورا له) مریض کے لیے چار خاص خصلتیں ہیں مریض مرفوع القلم ہوتا ہے یعنی اس کے نامہ اعمال میں گنا ہوں کو نہیں لکھا جاتا۔ اللہ تعالی فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ مریض کے نامہ اعمال میں اس کی صحت کے وقت کے کیے گئے اعمال حسنہ میں سے سب سے افضل اعمال کو مرض کی حالت میں لکھے جائیں اور حالت مرض میں اس کے سابقہ ہر عضو کے کیے ہوئے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو گناہوں سے پاک ہو کر رخصت ہوگا اور اگر زندہ رہا تو پھر بھی تمام گناہوں سے پاک کر دیا گیا۔

(واذا مرض المسلم کتب الله له کاحسن ما کان یعمله فی صحته و تساقطت ذنوبه کما یتساقط ورق الشجر) جب کوئی مسلمان مریض ہوتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں حالت صحت میں کیے ہوئے اچھے اعمال کو درج کیا جاتا ہے اور اسکے گناہ (خزاں میں) درختوں کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں۔

(و من عاد مریضا فی الله لم یسئل المریض للعائد شئیا الااستجاب له) اور جو کسی مریض کی قربۃً الی اللہ عیادت کرتا ہے تو مریض خدا سے عیادت کرنے والے کے لیے جس چیز کا بھی سوال کرے خدا اسے قبول کرتا ہے۔

(و یوحی الله الی ملك الشمال ان لا تکتب علی عبدی شئیا ما دام فی وثاقی و الی ملك الیمین ان اجعل انین عبدی حسنات) اور خالق کائنات انسان پر مقرر کردہ بائیں طرف کے فرشتہ کو وحی کرتا ہے کہ (مرض کی وجہ سے) جب تک یہ بندہ میری امان وحفاظت میں ہے (یعنی مریض) اس کے نامہ اعمال میں کسی قسم کے گناہوں کو نہ لکھنا اور اسی طرح دائیں طرف والے فرشتے کو وحی کرتا ہے کہ میرے اس بندہ کی ہر کراہنے اور مرض کی شدت سے نکلی ہوئی آواز کو نیکیوں میں شمار کرنا۔

(و ان المریض ببنقی الجسد من الذنوب کما یذهب الکیر خبث الحدید و اذا مرض الصبی کان مرضه کفارة لوالدیه) مرض انسان کے جسم کو گناہوں (کی غلاظت) سے اس طرح صاف کرتا ہے جس طرح لوہار کی

بھٹی لوہے کو (زنگ وغیرہ سے) صاف کرتی ہے، بچہ کا مریض ہونا اس کے والدین کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم : الحمى رائد الموت و سجن الله في ارضه و حرها من جهنم وهي حظ كل مومن من النار) بخار موت کا پیغام ہوتا ہے زمین پر اللہ کا قید خانہ ہے بخار کی حرارت جہنم کی حرارت سے ہے اور (دنیا میں) مومن کے لیے آگ کا حصہ ہے۔

حاشیہ: روایات کثیرہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ کوئی بھی مرض ہو وہ مومن کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اور مومن کو اس کے گناہوں کی سزا اسے کسی مرض میں مبتلاء رکھ کر دے دی جاتی ہے۔ مذکورہ بالا روایات بھی اس معنی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ بخار کی حرارت یا دیگر امراض کی تکلیف جہنم سے ماخوذ ہے۔ اور بد کردار لیکن صحیح العقیدہ مومن کو اس کا حصہ یہیں مل جاتا ہے۔ اور آخرت میں مومن نعمات جنت سے مستفیض ہوتا ہے لیکن صلحاء لوگوں کے مریض ہونے سے ان کے درجات میں بلندی ہوتی ہے ۔ اسی مضمون پر امام جعفر صادقؑ کا ایک اور جگہ پر کلام حق ترجمان دلالت کرتا ہے کہ کسی شخص نے مولا سے عرض کی کہ یا بن رسول اللہ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیعہ جنت میں جائیں گے۔ کیا اس سے مراد آپ کے مخلص شیعہ سلیمان اور ابوذر وغیرہ ہی ہوں گے۔ امامؑ نے فرمایا بلکہ تمام شیعہ جنت الفردوس میں جائیں گے۔ وہ شخص عرض کرتا ہے! چاہے وہ مومن دنیا میں کتنا ہی بد کردار کیوں نہ ہو۔ امامؑ نے فرمایا کہ ان گناہوں کا کفارہ دنیا میں مرض کی شدت اور مرارت کی صورت میں ادا ہو جائے گا۔ پھر یہ شخص کہتا ہے کہ اگر گناہ اس قدر ہوں کہ موت کی شدت اور احتضار اور مرض کی مرارت سے بھی نہ بخشے جائیں تو پھر کیا ہوگا؟ پھر امامؑ نے فرمایا کہ قبر کی شدت اور مصائب و ہولنا کی قبر سے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ یہ انسان پھر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پھر بھی اس کے گناہ بچ جائیں تو پھر کیا ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ آخرت کے مختلف مقامات کی شدت اور انکی ہولنا کیوں کو مومن انسان کے گناہوں کا کفارہ بنایا جائیگا لیکن جب یہ انسان مصر رہا کہ پھر بھی اس انسان کے گناہ نہ بخشے جائیں۔ ان تمام تکالیف و مصائب و شدائد جھیلنے کے باوجود تو کیا وہ جہنم میں جائے گا؟ تو اس وقت لہجہ امام تبدیل ہوتا ہے اور اس کی ہٹ دھرمی کو ایک مختصر عبارت میں توڑ کر فرماتے ہیں کہ (انا ادخله في الجنة رغم أنفك) میں اپنے شیعوں کو ہر حال میں جنت الفردوس میں داخل کروں گا۔

(ونعم الوجع الحمى تعطى كل عضو حظه من البلاء ولا خير في من لا يبتلي و ان المومن اذا حم حمى واحدة تناثرت الذنوب عنه كورق الشجر فان ان على فراشه فانينه تسبيح و صياحه تهليل و تقلبه على فراشه كمن يضرب بسيفه في سبيل الله فان اقبل يعبد الله كان مغفورا له و طوبى له و حمى يوم كفارة

سنة لان المها یبقی فی الجسد سنة و هی کفارة لما قبلها و ما بعدها ،ومن اشتکی لیلة فقبلها بقبولها و ادی الی الله شکرها کانت له کفارة سنتین سنة لقبولها و سنة للصبر علیها و المرض للمومن تطهیر و رحمة و للکافر تعذیب و لعنة ولا یزال المرض بالمومن حتی لا یبقی علیه ذنبا و صداع لیلة یحط کل خطیئة الا الکبائر) بہترین دکھ و بیماری بخار ہے کیونکہ اس سے جسم کے ہر عضو کو آزمائش الہی کا حصہ ملتا ہے اس شخص میں کوئی بھلائی اور خیر نہیں ہے جسے آزمائش الہی نہ پہنچی ہو اور مومن جب ایک دفعہ بخار میں مبتلاء ہوتا ہے تو اس سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے (موسم خزاں میں گرتے ہیں) مریض کا بستر پر رونا تسبیح خدا ہے اور (دردوں سے) کراہنا تہلیل ہے بستر پر اس کا لوٹنا پوٹنا خالق کی بارگاہ میں راہ خدا میں جہاد کرنے والے شخص کی مانند ہے اور اگر وہ عبادت خدا کرے تو اسے بخش دیا جاتا ہے اور یہ اس کے لیے خوش بختی ہے ایک دن کا بخار پورے سال کے گناہوں کا کفارہ ہے کیونکہ بخار کا درد جسم انسانی میں پورا سال رہتا ہے تو یہ بیماری گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور جو شخص ایک رات مریض رہتا ہے خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور پھر اس پر شکر خدا بجالائے تو یہ مرض اس کے دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہے ایک سال کا کفارہ اس لیے چونکہ اس نے مرض کو خندہ پیشانی سے قبول کیا ہے اور دوسرے سال کا کفارہ اس بیماری پر صبر کرنے کی وجہ سے ہے، بیماری مومن کو (گناہوں سے) پاک کرتی ہے اور یہ خالق کی طرف سے رحمت ہوتی ہے جبکہ کافر کے لیے عذاب الہی اور لعنت خداوندی ہے جبکہ مومن اسوقت تک بیمار رہتا ہے جب تک اس کے تمام گناہ مٹ نہ جائیں اور ایک رات کا سر درد گناہ کبیرہ کے علاوہ سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (لو یعلم المومن ماله فی المصائب من الاجر لتمنی انه یقرض بالمقاریض) اگر مومن کو اس بات کا علم ہو جائے کہ مصائب و شدائد میں کتنا اجر و ثواب ہے تو وہ خواہش کرے کہ اسے قینچیوں سے کاٹا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے (اذا کان العبد علی طریقة من الخیر فمرض او سافر او عجز عن العمل بکبر کتب الله له مثل ما کان یعمل) اگر انسان اچھے عمل پر کاربند ہو اور پھر بیماری یا سفر یا پھر اس عمل سے بزرگی کی وجہ سے عاجز ہو جائے تو اللہ تعالی اس کے نامہ اعمال میں ثواب کو درج کر دیتا ہے جس طرح عمل کرنے کی صورت میں اسے ثواب ملتا تھا، اس کلام کے بعد ختمی مرتبت نے اس آیہ مجیدہ کی تلاوت فرمائی (فلهم اجر غیر ممنون) سورۃ التین آیت ۶۔ ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (و اذا مات المومن صعد ملکاه فقالا یا ربنا امت فلانا

فیقول انزلا فصلیاه علیه عند قبره و هللانی و کبرانی و اکتبا ما تعملان له) جب مومن دار دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے خالق کی طرف سے معین شدہ دو فرشتے رب کائنات کو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے کیا فلاں مومن کو مار دیا ہے؟ (اور اب ہماری کیا ڈیوٹی ہے) خدا جواب میں کہے گا کہ آپ زمین پر جا کر اس مومن کی قبر کے ہاں اس پر نماز پڑھوں اور میری حمد وثناء اور تہلیل وتکبیر کرو اور اپنے اس عمل کا ثواب مومن کے نامہ اعمال میں لکھو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ ایک بہرہ اور گونگا شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اپنے ہاتھ سے کچھ اشارہ کرتا ہے، رسولؐ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو کاغذ وغیرہ دو تا کہ جو وہ کہنا چاہتا ہے اسے لکھے تو اس شخص نے کاغذ پر اس عبارت کو لکھا (**انی اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله**) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس گواہی دینے کے بعد رسولؐ اسلام نے لوگوں کو فرمایا (**اکتبوا له کتابا تبشرونه بالجنة فانه لیس من مسلم یفجع بکریمته او بلسانه او بسمعه او برجله او بیده فیحمد الله علی ما اصابه ویحتسب عند الله ذالك الا نجاه الله من النار و ادخله الجنة**) اس شخص کو لکھ کر جنت کی بشارت دے دو کیونکہ جو مسلمان شخص آنکھ، زبان، کان، پاؤں اور ہاتھ کی مصیبت میں مبتلاء ہونے کے باوجود اپنے خالق کی حمد وثناء کرے تو خدا اس مسلمان کو جہنم کی آگ سے نجات دیکر جنت الفردوس میں مکان عطا کرتا ہے، رسولؐ اسلام نے اس تحریر لکھنے کے بعد ارشاد فرمایا (**ان لاهل البلاء فی الدنیا لدرجات فی الاخرة ما تنال بالاعمال حتی ان الرجل لیتمنی ان جسده فی الدنیا کان یقرض بالمقاریض مما یری من حسن ثواب الله لاهل البلاء من الموحدین فان الله لا یقبل العمل فی غیر الاسلام**) دنیا میں مصائب و تکالیف برداشت کرنے والوں کو آخرت میں بہت زیادہ درجات ملیں گے جو کہ انسان اعمال صالحہ کرنے سے بھی حاصل نہیں کر سکتا حتی کہ انسان اس امر کی خواہش کرنے لگ جائے گا کہ کاش دار دنیا میں اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہوتا تا کہ خدا کی طرف سے موحدین یعنی توحید پرست لوگوں اور دنیا میں مصیبتیں جھیلنے والے لوگوں کو جو اجر وثواب عطا ہو رہا ہے اسے حاصل کرتا اور یہ اجر وثواب صحیح معنیٰ میں اسلام لانے والے اور توحید پرست لوگوں کو عطا ہو گا۔

وہ حالات جن میں دعا جلد قبول ہوتی ہے:

مخصوص حالات ہیں جن میں اگر دعا کی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے ان حالات میں سے کچھ مندرجہ ذیل حالات ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) روزہ کی حالت:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (نوم الصائم عبادۃ صمتہ تسبیح وعملہ متقبل ودعاۂ مستجاب) روزہ دار کی نیند عبادت ہے اور اس کی خاموشی بارگاہ الٰہی میں خدا کی تسبیح شمار ہوتی ہے اور اس کے اعمال صالحہ قبول ہوتے ہیں اور روزہ دار کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

رسولؐ اکرم فرماتے ہیں (**لا ترد دعوۃ صائم**) روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (**الحاج و المعتمر و الصائم وفد الله ان سئلوہ اعطاھم و ان دعوہ اجابھم و ان شفعوا شفعھم و ان سکتوا ابتداھم و یعوضون بالدرھم الف الف درھم**) حاجی، عمرہ کرنے والا اور روزہ دار انسان اللہ کی طرف سے وفد ہیں خدا سے یہ حضرات جو بھی سوال کریں خدا انہیں عطا کرتا ہے اور ان کی ہر (نیک) دعا کو قبول کرتا ہے اور اگر کسی کی خالق کے ہاں یہ لوگ شفاعت کریں تو خدا ان کی شفاعت کو رد نہیں کرتا اگر وہ خاموش رہیں تو خدا کی ذات ان سے اپنی عطا کی ابتداء کرتا ہے اگر وہ ایک درھم صدقہ دیں تو خدا اس کے عوض دس لاکھ درھم عطا کرتا ہے۔

(۲) دوسرا وہ شخص جس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے وہ انسان ہے جو اپنے چالیس مومن بھائیوں اور ان کے آباؤ اجداد کے نام لیکر دعا کرے تو ایسے انسان کی دعا اپنے لیے بھی جلد قبول ہوتی ہے۔

(۳) جو شخص عقیق یا فیروزہ پہن کر دعا مانگے تو اس کی دعا بھی جلد مستجاب ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے (**قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: قال الله تعالی انی لا ستحی من عبد یرفع یدہ و فیھا خاتم فیروزج فاردھا خائبۃ**) رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خالق کی ذات ارشاد فرماتی ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ایسے شخص کی دعا کو رد کروں کہ جس کے ہاتھ میں دعا مانگتے وقت فیروزہ کی انگوٹھی ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے (**ما رفعت کف الی الله احب الیه من کف فیھا خاتم عقیق**) خالق کی بارگاہ میں دعا کے لیے اٹھنے والے وہ ہاتھ زیادہ محبوب ہیں جن میں عقیق کی انگوٹھی ہو۔ اس موضوع سے متعلق کلام "آداب دعا" میں ذکر ہوگی" اس عنوان کے تحت کہ "کن لوگوں کی دعا مستجاب ہوتی ہے"۔

فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ (**قال ابو عبد الله علیه السلام من اتخذ خاتما فصه عقیق ل**

یفتقر و لم یقض له الا بالتی هی احسن) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عقیق کی انگوٹھی پہننے والا کبھی محتاج نہیں ہوگا اور اچھے طریقہ سے اس کی حاجت روائی ہوگی، راوی کہتا ہے کہ ایک دن آل ابی طالب علیہم السلام میں سے ایک شخص کو والی و حاکم نے گرفتار کروایا تو یہ شخص چھٹے امامؑ کے ہاں سے جب گزرتا ہے تو حضرت ارشاد فرماتے ہیں (اتبعوه بخاتم عقیق) اس شخص کو عقیق کی انگوٹھی پہناؤ تو جب اسے عقیق کی انگوٹھی لا کر پہنائی گئی تو حاکم کے شر اور ظلم سے محفوظ ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (العقیق حرز فی السفر) عقیق کی انگوٹھی سفر میں حفاظت کرتی ہے۔

ایک اور جگہ فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (من اصبح و فی یده خاتم فصه عقیق متختما به فی یده الیمنی و اصبح من قبل ان یراه احد فقلب فصه الی باطن کفه و قرأ (انا انزلناه) الی آخرها ثم یقول اٰمنت بالله وحده لا شریك له و کفرت بالجبت و الطاغوت اٰمنت بسر آل محمد صلی الله علیه و آله وسلم وعلانیتهم و ولایتهم و قاه الله تعالی فی ذالك الیوم من شر ما ینزل من السماء و ما یعرج فیها و ما یلج فی الارض و ما یخرج منها و کان فی حرز الله و حرز رسوله حتی یمسی) جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے دائیں ہاتھ میں عقیق کی انگوٹھی ہو اور صبح سویرے قبل اسکے کہ کوئی شخص دیکھے انگوٹھی کو ہاتھ کے اندرونی طرف پھیر کر سورۃ انا انزلناہ کی تلاوت کرے اور پھر یوں کہے "میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں جس کا کوئی شریک اور ہم سر نہیں ہے اور طاغوتی فکر لوگوں سے تعلق کا انکار کرتا ہوں اور آل محمد علیہم الصلوۃ والسلام کے ظاہر و باطن اور ان کی ولاء و مئودت پر ایمان لاتا ہوں" ایسے شخص کو اللہ تعالی اس دن میں آسمان سے نازل ہونے والی بلاء اور زمینی آفات و بلیات سے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے اور یہ شخص شام ہونے تک خدا اور اس کے رسولؐ کی حفظ و امان میں ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں (تختموا بالعقیق یبارك الله علیکم و تکونوا فی امن من البلاء) عقیق کی انگوٹھی پہنو اس سے برکت خدا آپ پر نازل ہوگی اور ہر قسم کی آفت و بلاء سے امان ملے گی۔

ایک شخص نے رسولؐ خدا سے شکایت کی کہ راستے میں اس کی چوری ہوگئی ہے تو رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کیا آپ نے عقیق کی انگوٹھی نہیں پہنی ہوئی تھی؟ کیونکہ عقیق کی انگوٹھی ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھتی ہے۔ (ومن تختم بالعقیق لم یزل ینظر فی الحسنی ما دام فی یده و لم یزل علیه من الله واقیة) جو شخص عقیق کی انگوٹھی پہنتا ہے جب تک اس کے ہاتھ میں رہتی ہے وہ مسلسل اچھائیاں اور خیر و خوبی ہی دیکھتا رہتا ہے اور وہ ہمیشہ خدا کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ (و من صاغ

خاتما من عقیق و نقش فیه" محمد نبی الله و علی و لی الله" وقاه الله میتة السوء و لم یمت الا علی الفطرة) جو شخص عقیق کی انگوٹھی پر "محمد نبی اللہ وعلی ولی اللہ" کا نقش کروا کر پہنے تو خدا اسے بری موت سے بچاتا ہے اور وہ فطرت (اسلام) پر ہی مرے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے (وما رفعت کف الی الله احب الیه من کف فیها عقیق) بارگاہ خداوندی میں (دعا کے لیے) اٹھنے والے ہاتھوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہاتھ ہے جس میں عقیق ہو۔

روایت میں ملتا ہے کہ جو شخص عقیق کے توسط سے رزق طلب کرے تو اسے زیادہ ملتا ہے خالق کائنات نے جب حضرت موسیٰ کے ساتھ کوہ طور پر راز و نیاز کی کلام کی تو پھر جب زمین کی طرف حضرت موسیٰ نے دیکھا تو چہرے کے نور سے خالق نے عقیق کو خلق فرمایا اور پھر اس کے بعد خدا نے ارشاد فرمایا (الیت علی نفسی ان لا اعذب کفا لبسته بالنار اذا توالی علیا صلوات الله علیه) میں نے اپنے اوپر یہ لازم قرار دیا ہے کہ جس ہاتھ میں عقیق کی انگوٹھی ہوگی اور وہ ولایت علی بن ابی طالب بھی رکھتا ہو تو اسے کبھی بھی عذاب نہیں دوں گا۔

معصومؑ سے نقل ہوا ہے (صلوة رکعتین بفص عقیق تعدل الف رکعة بغیره) عقیق پہن کر دو رکعت نماز ہزار رکعت نماز بغیر عقیق کے پڑھی ہوئی کے برابر ہے۔

اسی طرح دیگر نگینوں کی فضیلت میں بھی روایات ملتی ہیں۔

معصومؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ (التختم بالفیروزج و نقشه" الله الملك" النظر الیه حسنة و هو من الجنة اهداه جبرائیل الی النبی صلی الله علیه و آله وسلم فوهبه لامیر المومنین علیه السلام و اسمه بالعربیة الظفر) فیروزہ کی انگوٹھی پہننا اور اس پر (اللہ الملک) کا نقش کروانا اور اس کی طرف دیکھتے رہنا عبادت اور نیکی ہے اس پتھر کو حضرت جبرائیلؑ نے رسولؐ خدا کے لیے جنت سے لا کر ہدیہ دیا تھا پھر رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو عطا فرمادیا اور فیروزہ کا عربی نام (ظفر) ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (تختموا بالجزع الیماني فانه یرد کید مردة الشیاطین) یمنی انگوٹھی کو ہاتھ میں پہنا کرو اس سے شیطانی مکر اور فریب دور ہوتا ہے۔

حضرتؑ سے ہی مروی ہے (التختم بالزمرد یسر لا عسر فیه) زمرد کی انگوٹھی میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں پہننے والے کے لیے مشکلات نہیں ہوتیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (والتختم بالیواقیت ینفي الفقر) یاقوت کی انگوٹھی پہننے سے غربت وتنگدستی دور ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (نعم الفص البلور) بلور ایک بہترین نگینہ ہے۔

الباب الثالث: دعا مانگنے والے کے بارے میں ......

دعا مانگنے والا انسان دو قسم کا ہے۔

القسم الاول: وہ انسان جس کی دعا قبول ہوتی ہے اس کی پھر چند اقسام ہیں۔

(۱) روزہ دار (۲) حاجی (۳) عمرہ بجا لانے والا ہو (۴) مجاھد (۵) مریض (۶) عادل امام (۷) مظلوم (۸) مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہو۔

عبداللہ سنان کے واسطہ سے حضرت امام صادق آل محمد سے مروی ہے (**خمس دعوات لا یحجبن عن الرب تبارك و تعالی: دعوة الامام المقسط، و دعوة المظلوم یقول الله عز و جل " لانتقمن لك ولو بعد حین" والولد الصالح لوالدیه، والوالد الصالح لولده، و دعوة المومن لاخیه بظهر الغائب فیقول ولك مثله**) پانچ قسم کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور ان دعاؤں اور خدا کے درمیان کوئی حاجب اور مانع نہیں ہوتا۔

(۱) عادل امام کی دعا (۲) مظلوم شخص کی دعا، مظلوم کے بارے میں خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اے مظلوم میں ضرور تیرے لیے (ظالم سے) انتقام لوں گا اگرچہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی کیوں نہ لوں (۳) نیک اولاد کی دعا اپنے والدین کے بارے میں (۴) نیک باپ کی دعا اپنی اولاد کے لیے جلد مستجاب ہوتی ہے (۵) مومن اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں دعا کرے تو جلد مستجاب ہوتی ہے اور خدا اسے کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی اسی طرح (خیر و بھلائی) ہے جس طرح تو نے اپنے مومن بھائی کے لیے طلب کی ہے۔

روایت میں ملتا ہے (**ان الله سبحانه قال لموسیٰ ادعنی علی لسان لم تعصنی به فقال یا رب انی بذالك؟ فقال ادعنی علی لسان غیرك**) اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ کو ارشاد فرمایا کہ مجھے ایسی زبان سے پکار جس سے آپ نے میری نافرمانی نہ کی ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ میں ایسی زبان کہاں سے لا سکتا ہوں؟ خالق نے انہیں فرمایا کہ کسی اور شخص سے دعا کرواؤ۔ (۱)

(۱) اس مذکورہ بالا حدیث کو ذکر کرکے جہاں اس بات کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے کہ مومنین ایک دوسرے سے التماس دعا کیا کریں۔ وہاں اس حدیث مبارکہ سے اس امر کی طرف بھی واضح اشارہ بلکہ صراحت ملتی ہے کہ انسان جس منزل اعلیٰ پر ہی کیوں نہ پہنچ جائے اسے ہمیشہ اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی منعم حقیقی کے سامنے خطا کار قصوروار اور صحیح معنیٰ

اور جو شخص دوسروں کو اپنی دعاؤں میں شریک کرتا ہے۔ اسکی دعا بھی جلد مستجاب ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے مانگی ہوئی دعا بھی جلد مستجاب ہوتی ہے مثلاً انسان نعمت کے حصول کے وقت دعا کرتا رہے الٰہی مجھ سے اس نعمت کو سلب نہ فرمانا اور مجھ پر کسی قسم کی بلاء نازل نہ فرمانا۔

ہارون بن خارجہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ (ان الدعاء فی الرخاء لیستخرج الحوائج فی البلاء) خوش حالی اور آسودگی کے وقت دعا کرنے سے مصیبت و شدت کے اوقات میں دعا قبول ہوتی ہے۔

محمد بن مسلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (کان جدی یقول تقدموا فی الدعاء فان العبد اذا دعا فنزل به البلاء فدعا قیل صوت معروف فاذا لم یکن دعا فنزل به البلاء قیل این کنت قبل الیوم؟) رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ دعا مانگنے میں پہل کیا کرو کیونکہ جو انسان دعا مانگتا رہتا ہے تو مصائب و شدائد کے نزول کے وقت جب دعا کرے تو اس وقت خدا کی طرف سے نداء آتی ہے کہ یہ آواز ہماری پہچانی ہوئی ہے لیکن اس کے برخلاف اگر انسان فقط مشکلات کے وقت دعا کرے تو خدا کی طرف سے نداء آتی ہے کہ اے انسان اس سے پہلے تو کہاں تھا؟۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی مروی ہے (من تخوف من بلاء یصیبه فتقدم فیه بالدعاء لم یره الله ذالك البلاء ابدا) جو شخص کسی مصیبت میں مبتلاء ہونے کے خوف سے خدا کی بارگاہ میں دعا کرے تو وہ کبھی بھی اس بلاء میں مبتلاء نہیں ہوتا۔

میں اسکی اطاعت کا حق ادا نہ کرنے کا معترف ہونا چاہیے۔ اسی لیے حضرت موسیٰؑ جو کہ الوالعزم انبیاء میں سے تھے جیسی معصوم اور عظیم شخصیت بھی بارگاہ الٰہی میں اعتراف کرتی ہوئی نظر آتی ہے جب خالق نے انھیں فرمایا کہ (اد عنی علیٰ لسان لم تعصینی به) تو حضرت فرماتے ہیں کہ (انی لی بذلك) ''میں ایسی زبان کہاں سے لاؤں جس سے تیری نافرمانی نہ کی ہو'' حضرت موسیٰؑ اگر چہ معصوم ہیں لیکن مقام رب العزت کے سامنے عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے آپ کو خطا کار تصور کرتے ہیں۔ عرفاء اسلام کا کلام (حسنات الأبرار سئیات المقربین) اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے چونکہ حضرت موسیٰ اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام، اولیاء صلحاء و علماء عظام اور عارفین حضرات سے جو امر خالق کی طرف سے مطلوب ہے وہ عام مکلفین سے مطلوب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مستحبات جو کہ عام لوگوں کے لیے ہیں وہ خاص شخصیات مثلاً انبیاء کرام سے واجب کی طرح مطلوب ہیں۔

نبیؐ اکرم سے منقول ہے (**یا ابا ذرؓ الا اعلمك کلمات ینفعك الله بهن؟ قلت بلیٰ یا رسولؐ الله ، قال: احفظ الله یحفظك الله ، احفظ الله تجده امامك تعرف الی الله فی الرخاء یعرفك فی الشدة و اذا سئلت فاسئل الله و اذا استعنت فاستعن بالله فقد جری القلم بما هو کائن ولو ان الخلق کلهم جهدوا ان ینفعوك بشئی لم یکتبه الله لك ما قدر واعلیه**) رسولؐ اسلام نے ابوذرؓ غفاری کو فرمایا : کیا میں تجھے ان چند کلمات کی تعلیم نہ دے دوں جن کے ذریعے خدا آپ کو فائدہ دے گا ؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کی جی ہاں یا رسولؐ اللہ: تو رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ آپ احکام خداوندی پر عمل کرتے ہوئے خدا کی حفاظت کرو تو خدا آپ کی حفاظت کرے گا ، اگر آپ نے خدا کی اطاعت کی تو خدا آپ سے بھی پہلے آپ کے ساتھ خیر و بھلائی کرے گا ، خوشحالی کے ایام میں خالق کی بارگاہ میں دعا مانگ کر اپنا تعارف کرواؤ تا کہ شدت کے دنوں میں (دعا کرتے وقت) پہچانے جاؤ ، فقط خدا ہی سے سوال کرو ، خدا سے ہی مدد و استعانت طلب کرنا چونکہ تقدیر لکھی جا چکی ہے اگر پوری مخلوق آپ کو نفع پہچانے پر جمع ہو جائے جبکہ خدا نے اسے آپ کے مقدر میں نہ لکھا ہو تو لوگوں کی یہ سب جدو جہد ناکام ہوگی ۔

سکونی راوی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے(**قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ایاکم و دعوة المظلوم فانها ترفع فوق السحاب حتی ینظر الله الیها فیقول ارفعوها حتی استجیب له و ایاکم و دعوة الوالد فانها احد من السیف**) رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ مظلوم کی بد دعا سے بچو چونکہ اس کی دعا عرش بریں تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ خدا اس کی دعا کی طرف نظر کرم کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اس کی دعا کو بلند کرو تا کہ میں اسے پورا کروں اسی طرح والد کی بد دعا سے بھی بچو چونکہ یہ تلوار سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے ۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے (**ثلاث دعوة لا یحجبن عن الله عز و جل ، دعاء الوالد اذا برّه و علیه اذا عقه و دعاء المظلوم علی ظالمه و دعائه لمن انتصر له منه و رجل مومن دعا لاخیه المومن اذا واساه فینا و دعاؤه علیه اذا لم یواسه مع القدرة علیه و اضطرار اخیه الیه**) تین دعائیں ایسی ہیں جن کے اور خدا کے درمیان (قبولیت میں) کوئی رکاوٹ نہیں ہے ۔(۱) والد کی دعا اس اولاد کے لیے جس نے اس کے ساتھ نیکی کی ہو اور اسی طرح والد کی نافرمانی کرنے والی اولاد کے حق میں کی گئی بد دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے (۲) مظلوم کی ظالم کے حق میں بد دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اسی طرح جس شخص نے مظلوم کی نصرت کی ہو اس کے حق میں بھی اٹھنے والے ہاتھ رد نہیں ہوتے (۳) اور کسی مومن کی اپنے بھائی کے لیے کی ہوئی دعا جلد قبول ہوتی ہے جس مومن بھائی نے اس کی ہماری وجہ سے (یعنی محمدؐ و آل محمد) نصرت کی ہو ، اور اسی طرح مومن کی ایسے شخص کے حق میں بد دعا بھی جلد قبول ہوتی ہے

جس نے قدرت رکھنے کے باوجود اپنے بھائی کی نصرت نہ کی ہو جبکہ وہ اس کی نصرت کا محتاج بھی تھا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے (اتقوا دعوۃ الوالد فانها ترفع فوق السحاب و ا تقوا دعوۃ الوالدۃ فانها احد من السیف) والد کی بد دعا سے بچو چونکہ یہ عرش بریں تک جاتی ہے اور والدہ کی بد دعا سے بھی بچو چونکہ یہ تلوار سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے۔

والدہ کی قبولیت دعا کے بارے میں:

بعض روایات میں ہے کہ (ان الولد اذا مرض ترقی امه السطح و تكشف عن قناعها حتی یبرز شعرها نحو السماء و تقول اللهم انت اعطیتنیه و انت وهبته لی اللهم فاجعل هبتك الیوم لی جدیدۃ انك قادر مقتدر۔ ثم تسجد۔ فانها لا ترفع رأسها الا و قدبرأ ابنها) جب اولاد بیمار ہو جائے تو ماں اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر آسمان کی طرف منہ کر کے اپنی اوڑھنی کو اتنا ہٹائے یہاں تک کہ اس کے بال ظاہر ہونے لگیں تو اس حالت میں ماں یوں دعا کرے، الہی تو نے ہی مجھے یہ اولاد عطا کی ہے اور تیری طرف سے ہی یہ ہدیہ ہے خدایا آج میں تجھ سے یہ طلب کرتی ہوں کہ اس مریض کو آج میرے لیے دوبارہ ہبہ کر اور تیری ذات اس پر قادر ہے (اس کے بعد ماں سجدہ میں چلی جائے) ابھی وہ سر سجدہ سے اٹھائے گی نہیں مگر یہ کہ اس کے بیٹے کو شفاء مل چکی ہوگی۔ (۱)

---

(۱) یہ روایت ماں کی استجابت دعا پر واضح اور بین طور پر دلالت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام بھی میدان کربلاء میں جب کسی پر کوئی مشکل وقت آتا تو اس کی ماں کو دعا کیلئے کہتے تھے۔ شریعت محمدی میں ماں کا بہت رتبہ و عظمت ہے۔ لہذا ہم سب کو رسول خدا کے مذکورہ فرمان کی روشنی میں سید الشہداء کے میدان کربلاء میں مسلمانوں کو دیئے درس پر عمل کرتے ہوئے ہر مشکل و مصیبت میں اپنی ماں سے طلب دعا کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس کے رد نہ ہونے کی ضمانت رسول و امام جیسی ہستیوں نے دی ہے۔ اور آج اگر آثم راقم الحرف کو اس خدمت کا موقع ملا ہے کہ احادیث اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علمی نکات کے اس ذخیرہ کو اپنی قوم ملت کے سامنے پیش کرنیکی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ تو یہ جہاں والد بزرگوار کی سعی کامل کا نتیجہ ہے وہاں میں اپنی والدہ محترمہ کی دعاؤں کا اثر بھی دیکھ رہا ہوں جو وہ میرے لیے تاریکی شب میں تنہائی کے عالم میں خدا کی بارگاہ میں محمد و آل محمد علیہم السلام کو وسیلہ قرار دیکر مانگتی تھیں۔ (شكر الله سعیهم جمیعا) کسی شاعر نے ماں کے حق میں کیا خوب کہا ہے۔

یہ کامیابیاں عزت یہ نام تم سے ہے خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لہو میں کھلتے گلاب میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے)

(اللهم احفظ والدینا من كل مكروه)

فصل:

توکل خدا کا اجر

وہ لوگ کہ جن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے ان میں سے ایک ایسا شخص بھی ہے جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے اور اپنی حاجات کو غیر اللہ کے سامنے پیش نہیں کرتا بلکہ حوائج کے پورا ہونے میں خدا پر توکل کرتا ہے، اس مومن انسان کا ملجاء و مأوی فقط اللہ سبحانہ وتعالی ہوتا ہے، خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے (و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شئی قدرا) سورۃ الطلاق آیت ۳۔ اور جو خدا پر بھروسہ کرے گا خدا اسے کافی ہے بے شک خدا اپنے حکم کا پہنچانے والا ہے اس نے ہر شئی کے لیے ایک تقدیر معین کر رکھی ہے۔

راوی حفص بن غیاث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (اذا اراد احدکم ان لا یسئل ربہ شئیا الا اعطاہ فلییئس من الناس کلھم و لا یکون لہ رجاء الا من عند اللہ فاذا علم اللہ ذالک من قلبہ لم یسئلہ شئیا الا اعطاہ) اگر تم میں سے کوئی اس امر کی خواہش کرے کہ جب بھی وہ خدا سے کوئی سوال کرے تو خدا اسے پورا کرے تو اسے چاہیے کہ وہ لوگوں سے بالکل مایوس ہو کر رہے لوگوں سے کسی قسم کی امیدیں نہ باندھے اس کی امیدیں فقط خدا سے ہی ہوں تو ایسی صورت میں اگر خدا کو اس کے اخلاص قلبی کا یقین ہو گیا تو وہ قبل اس کے کہ خدا سے کسی چیز کا سوال کرے خود خدا اسے عطا فرمائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند ذوالجلال وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے (یا عیسیٰ ادعنی دعاء الحزین الغریق الذی لیس لہ مغیث، یا عیسیٰ سلنی و لا تسئل غیری فیحسن منک الدعاء و منی الاجابۃ و لا تدعنی الا متضرعا الی و ھمک ھما واحدا فانک متی تدعنی کذالک اجبک) اے عیسیٰ میری بارگاہ میں اس ڈوبنے والے شخص کی مانند غمگین ہو کر دعا کر جس کا اس کڑے وقت میں میرے سواء اور کوئی نہیں ہوتا، اے عیسیٰ میرے غیر سے سوال نہ کرنا اچھی طرح دعا کا مانگنا تیرا کام ہے اور قبول کرنا میرا کام ہے آہ و زاری کے ساتھ مجھ سے دعا کرنا کیونکہ جب تم اس حالت میں دعا مانگو گے تو میں جلد قبول کروں گا۔

تنبیہ:

ان مذکورہ روایات و احادیث سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی حاجات اور دعاؤں کو صرف اپنے رب اور مالک کائنات سے ہی طلب کرنا چاہیے، حاجات بڑی ہوں یا چھوٹی خالق کی بارگاہ میں معمولی سی حاجت کو بھی پیش کرنے کو

ناپسند نہیں کرنا چاہیے چونکہ وہی ذات ہے جس پر اعتماد و بھروسہ ہے۔

حدیث قدسی میں ملتا ہے (**یا موسی سلنی کلما تحتاج الیه حتی علف شاتك و ملح عجينك**) اے موسیٰ جس چیز کی طرف بھی محتاج ہو مجھ سے ہی طلب کرنا یہاں تک کہ اپنی بکری کا چارہ وغیرہ اور آٹے کے نمک کو بھی مجھ سے مانگنا۔

صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں (**علیکم بالدعاء فانکم لا تتقربون الی الله بمثله و لا تتركوا صغيرة لصغرها ان تدعو ابها فان صاحب الصغار هو صاحب الكبار**) دعا کو کبھی نہ چھوڑنا اس پر کاربند رہنا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز نہیں ہے جس کے ذریعے قرب الٰہی حاصل ہو اور کسی معمولی اور چھوٹی حاجت کے بارے میں سوال کرنے کو (عار محسوس کر کے) ترک نہ کر دینا کیونکہ جو چھوٹی حاجت کو پورا کرنے والا ہے وہی بڑی بڑی حاجات کو پورا کرتا ہے۔

سہیل سکینہ
حیدرآباد، سندھ، پاکستان

نصیحت:

اب یہ امر روز روشن کی طرح واضح و اشکار ہو گیا ہے کہ خدا پر بھروسہ اور توکل کرنے میں ہی کامیابی اور نجات دنیوی و اخروی ہے جبکہ یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کی ذات والا صفات کو چھوڑ کر غیر اللہ کے ساتھ متعلق ہونا اور اس پر امیدیں باندھنا رسوائی اور ذلت کا دوسرا نام ہے اور ناکامی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

حکایت:

محمد بن عجلان کے قصہ کو درس عبرت جاننا چاہیے جب زمانہ کے تغیرات نے اسے مصیبت زدہ کر دیا وہ کہتا ہے کہ مجھے شدید فاقہ نے گھیر لیا اور تنگدستی کے دروازے مجھ پر کھل گئے اور اس تنگی وقت میں میرا کوئی پرسان حال اور کوئی رفیق نہ تھا جبکہ سخت قسم کے قرضوں نے مجھے مجبور کر رکھا تھا اور قرض خواہوں نے میرا دائرہ حیات تنگ کر رکھا تھا تو میں اس مصیبت زدہ عالم میں حسن بن زید کے گھر کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ یہ ہمارے شہر میں مالدار اور ثروت مند انسان تھا اور میری اس سے کچھ معرفت بھی تھی جبکہ راستہ میں محمد بن عبداللہ بن علی بن الحسین علیہم السلام نے مجھے دیکھ کر میری اس خستہ حالت کا اندازہ فرما لیا اور میری ان سے بہت پرانی جان پہچان تھی لہٰذا اس سید زادے نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر کہا کہ جس مشکل و مصیبت میں تو مبتلاء ہے مجھے اس کی خبر پہنچی ہے تو اب آپ کس کے ہاں اس مشکل کو حل کروانے کے لیے جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حسن بن زید کی طرف اپنی حاجت کو لے کر جا رہا ہوں تو اس سید زادے نے یہ سن کر مجھے فرمایا کہ تیری

حاجت پوری نہیں ہوگی ، حسن بن زید کے سامنے اپنی حاجت کو پیش نہ کرو کیونکہ بعد میں تجھے اس پر افسوس ہوگا ، بلکہ اپنی حاجات کو اس کے سامنے پیش کرو جو ان کو پورا کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو اور وہ تمام کریم ہستیوں سے زیادہ سخی اور کریم ہو ، وراسی ذات سے سب کچھ طلب کر جس کی تو امیدیں لگائے ہوئے ہے چونکہ میں نے اپنے چچازاد بھائی جعفر بن محمدؑ سے سنا ہے وہ اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ (اوحی اللـه تعالی الی بعض انبیائه فی بعض وحیه و عزتی و جلالی لاقطعن امل کل امل امل غیری با لا یا س ولا کسونه ثوب المذلة فی الناس و لا بعدنه من فرجی و فضلی أ یومل عبدی فی الشدائد غیری و الشدائد بیدی؟ و یرجو سوای و انا الغنی الجواد بیدی مفاتیح الابواب و ھی مغلقة و بابی مفتوح لمن دعانی ألم تعلموا ان من دھمته نائبة لم یملك كشفها عنه غیری؟ فمالی اره یأمله معرضا عنی و قد اعطیته بجودی و کرمی مالم یسئلنی فاعرض عنی و لم یسئلنی و سئل فی نائبته غیری؟ و انا الله ابتدیء بالعطیة قبل المسئلة أفاسئل فلا اجود ؟ كلا ، أليس الجود و الكرم لی ؟ أليس الدنیا والآخرة بیدی؟ فلو ان اهل سبع سماوات و ارضین سئلونی جمیعا و اعطیت كل واحد منهم مسئلته ما نقص ذالك من ملكی مثل جناح البعوضة و كيف ینقص ملك انا قیمه؟ فیابئوسا لمن عصانی ولم یراقبنی) اللہ تعالی نے اپنے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم ہر وہ شخص جو میرے غیر سے امیدیں لگائے اس کی امیدوں کو میں مایوسیوں سے کاٹ دوں گا اور ہر صورت میں اسے لوگوں کے سامنے رسوا کروں گا اور اس سے آسودگی وکشادگی اور اپنے فضل و کرم کو دور کر دوں گا کیا میرا بندہ مصائب و شدائد میں میرے غیر سے امیدیں لگائے جبکہ مصائب و شدائد میرے ہاتھ میں ہوں ؟ وہ کیسے غیروں سے امید رکھے ہوئے ہے جبکہ میں ہی بے نیاز اور سخی ہوں ؟ (اس پر آسودگی اور راحت کے) بند دروازوں کی چابیاں میرے پاس ہیں اور مجھ سے دعا مانگنے والوں کے لیے میرا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے ، کیا آپ نہیں جانتے ہو کہ جس کسی پر کوئی اچانک آفت و مصیبت آپڑے اس کو حل کرنے والا میرے سوا اور کوئی نہیں ہے ؟ پھر کیا وجہ ہے کہ مجھ سے منہ موڑ کر اور روگردانی اختیار کر کے میرے غیر کے پاس اپنی مشکلات ومصائب کے حلول کے لیے جاتا ہے جبکہ میں نے اس پر اپنی لطف وعنایات سے کرم نوازی کرتے ہوئے ایسی نعمات بھی دی ہیں جن کا بندہ نے مجھ سے سوال بھی نہیں کیا تھا تو یہ کیسے اپنی آفت ومصیبت میں میرے غیروں کے ہاں سوال کرتا ہوا پھرتا ہے ؟ میں وہ ہوں جو سائل کے سوال کرنے سے پہلے اپنے کرم وسخاوت کی ابتداء کرتا ہوں تو کیا سوال کرنے کے بعد میں سخاوت نہیں کروں گا ؟ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا ، آیا کرم وسخاوت میرے لیے ہی

نہیں ہے؟ کیا دنیا و آخرت میرے غیر کے ہاتھوں میں ہے؟ اگر سات آسمانوں اور زمینوں والے (یعنی پوری کائنات) مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اپنے خزانوں سے عطا کروں تو پھر بھی میرے خزانے اور سلطنت میں مچھر کے پَر برابر بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، بھلا کیسے میرے ملک اور سلطنت میں نقصان ہوسکتا ہے جبکہ میں خود اس کا خالق اور مدبر ہوں؟ کتنے خسارے اور گھاٹے میں ہے جو میری نافرمانی کرتے ہوئے مجھ سے طلب نہ کرے۔(۱)

---

(۱) یہ حدیث مبارک شیعہ امامیہ خیر البریہ کی معتبر کتب میں سے اصول کافی جیسی عظیم کتاب میں مذکور ہے۔اس حدیث کو انسان صحیح معنوں میں درک کرلے تو اس کی رگوں میں چیونٹی سے بھی باریک اور نامعلوم چال چلنے والی شرک کی مرض ختم ہوسکتی ہے۔مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے دلوں پر تعصب اور شیطانیت کا پردہ ڈالا ہوا ہے وہ کبھی بھی راہ نجات پر نہیں آسکتے۔بھلا کونسی وہ شق ہے جو اس حدیث میں ذکر نہ کردی گئی ہو۔جب تمام مشکلات اور مصائب خدا کے ہاتھ میں ہوں تو پھر ان کے حل کیلئے کیوں مخلوق خدا کے کمزور و ناتواں دروازوں کو کھٹکھٹاتے پھریں؟ یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ چیز کسی کے پاس ہو اور مانگیں اس سے جو خود اس کا محتاج ہو اور اس کے ہاں نہ ہو؟ یاللعجب۔یہ تو ایک نادان بچہ بھی نہیں کرتا جو ایک آج کے دور کا اپنے زعم میں پڑھا لکھا مشرک انسان کرتا ہے یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟ آؤ اس سے مانگیں جس کے سامنے تمام مرسلین و انبیاء یہاں تک کہ رسول خداؐ جیسی ہستی سر جھکائے ہوئے نظر آتی ہے۔توحید پرست تو وہ ہوتا ہے جو پوری دنیا سے بے نیاز ہوکر خالق سے لو لگائے۔اور جو خالق کے غیر سے اپنی مشکلات کو حل کروانے کا دعویدار ہے خدا اس کو خائب و خاسر ہونیکی سند دے رہا ہے۔اسی طرح غیر اللہ سے کسی قسم کی حاجت طلب کرنے کی مذمت میں مشہور و معروف کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں سید الموحدین امام المتقین حضرت امام علیؑ سے منقول ہے کہ ختمی مرتبتؐ مجھے فرماتے ہیں (یا علی لان ادخل یدی فی فم التنین الی المرفق احب الی من ان اسأل من لم یکن ثم کان) ترجمہ: اے علی میرے نزدیک بہت بڑے اژدھا کے منہ میں ہاتھ کو کہنی تک ڈالنا اس امر سے بہت زیادہ پسند ہے کہ میں اس سے سوال کروں جو کتم عدم سے نکل کر وجود میں آیا ہو۔اس حدیث مبارک نے ہر غیر اللہ سے کسی بھی حاجت کو طلب کرنے کو منع کردیا ہے۔اور جو بھی اللہ کے سوا ہے وہ سب کتم عدم سے وجود میں آئے ہیں۔اور یہ ہر ممکن الوجود کی شان ہے۔اب یہ امر واضح و آشکار ہوگیا کہ کوئی کتنا ہی کوئی مقدس اور صاحب منصب اور عظمت والا کیوں نہ ہو خدا سے بے نیاز ہوکر اس سے حاجت کو طلب کرنا ختمی مرتبت کو ناپسند اور ایک امر مرفوض ہے۔حضرت نے اپنے اس کلام وحی ترجمان میں اژدھا کو ذکر اس لیے کیا کہ سانپ کی یہ قسم ایک غریب شکل والی ہے۔اور اس کی دہشت و ہیبت کو انسان برداشت نہیں کرسکتا ہے۔یہاں تک کہ بعض کتب میں ملتا ہے کہ اسے دیکھنے سے ہی انسان کو غش آجاتی ہے۔

محمد بن عجلان کہتا ہے کہ میں نے اس رسولؐ خدا کے فرزند سے حدیث کو تین بار دہروایا اور اسی دن سے میں نے قسم اٹھائی کہ آئندہ کبھی بھی غیر اللہ سے کوئی حاجت طلب نہیں کروں گا، انہیں مشکلات میں چند دن ہی گزرے تھے کہ خالق کائنات کی طرف سے مجھے رزق عطا ہوا۔

رسولؐ اسلام سے مروی ہے (**قال اللہ عز و جل ما من مخلوق یعتصم بمخلوق دونی الا قطعت اسباب السماوات و اسباب الارض من دونه فان سئلنی لم اعطه و ان دعانی لم اجبه و ما من مخلوق یعتصم بی دون خلقی الا ضمنت السماوات و الارض رزقه فان دعانی اجبته و ان سئلنی اعطیته و ان استغفرنی غفرت له**) خالق کائنات فرماتا ہے کہ جو شخص میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ لو لگائے گا میں اس پر آسمانوں اور زمینوں کے اسباب رزق بند کردوں گا اگر ایسا شخص مجھ سے سوال بھی کرے گا تو اسے نہ کوئی جواب دوں گا اور نہ ہی کچھ عطا کروں گا، اور جس نے میرے ساتھ امیدیں باندھیں اور لو لگائی تو آسمانوں اور زمینوں سے اس کا رزق مہیا ہوگا اور یہ آسمان و زمین اس کے رزق کے ضامن ہوں گے اور جب بھی یہ انسان مجھے پکارے گا میں اسے جواب دوں گا سوال کے وقت اسے عطا کروں گا جب مجھ سے گناہوں کی مغفرت طلب کرے گا تو اسے بخش دوں گا۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے (**ادفع المسئلة ماوجدت التحمل یمکنك فان لکل یوم رزقا جدیدا واعلم ان الالحاح فی المطالب یسلب البهاء و یورث التعب والعناء فاصبر حتی یفتح الله لك بابا یسهل الدخول فیه فما اقرب الصنع من الملهوف و الامن من الهارب المخوف فربما**

لیکن یہ سب کچھ ختمی مرتبتؐ کے ہاں آسان اور معمولی امر ہے اس سے کہ وہ کسی غیر اللہ سے کچھ طلب کریں۔ اب خود اندازہ لگائیے کہ شرک اور غیر اللہ کی پوجا کرنے سے کتنی تکلیف اور عذاب الٰہی ہے جس کی نسبت رسول اللہ ایک خطرناک سانپ کی تکلیف کو آسان اور معمولی سمجھتے ہیں۔ اب اس وضاحت اور تفصیلی بیان کے بعد درباروں اور مزاروں اوران لوگوں کی کہ جو خود اپنے وجود میں خالق کائنات کے محتاج ہیں پوجا کرنیکے کیا معنیٰ رہ جاتے ہیں؟ ہاں مذہب امامیہ میں کسی برگزیدہ شخصیت کے مرقد کی زیارت کر کے اسے وسیلہ قرار دے کر خدا سے طلب کرنا جائز ہے لیکن مرکز عطاء ذات کردگار ہی ہے۔ تو پھر کون ہوسکتا ہے جو خدا کے سوا مشکلات کو حل کرسکتا ہے۔ رزق اور اولاد عطا کرسکتا ہو؟ جو ایک وقت میں نہ تھا پھر دنیا میں آیا۔ مشرکین کے لیے ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ اور عندیہ ہے۔ انسان کو اخروی حیات کو چند ٹکوں اور جھوٹی عزت و وقار کی خاطر تباہ و برباد نہیں کرنی چاہیے۔ مقام قبر سخت ہے۔ جہاں فقط اعمال صالحہ کا دیا جلے گا۔

کانت الغیر نوعا من أدب الله، والحظوظ مراتب فلا تعجل علی ثمرة لم تدرك فانما تنالها فی اوانها واعلم ان المدبر لك اعلم بالوقت الذی یصلح حالك فیه فثق بخیرته فی جمیع امورك یصلح حالك ولا تعجل بحوائجك قبل وقتها فیضیق قلبك و صدرك و یغشاك القنوط واعلم ان للسخاء مقدارا فان زاد علیه فهو سرف و ان للحزم مقداراً فان زاد علیه فهو تهور واحذر كل ذكی ساكن الطرف ولو عقل اهل الدنیا خربت) جب تک آپ کو ممکن ہو کہ کسی حاجت ومصیبت کو تحمل و برداشت کر سکو تو اسے برداشت کر کے کسی سے سوال نہ کرنا کیونکہ ہر روز خالق کی طرف سے انسان کے لیے نیا رزق آتا ہے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مطالب وحاجات پر اصرار کرنے سے (چہرے کی) نورانیت چلی جاتی ہے اور مشقت وتکلیف پیدا ہوتی ہے تو انسان کو اپنی مصیبت پر صبر کرنا چاہیے یہاں تک کہ خود باری تعالی اس شخص کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دے تا کہ اس کی پریشانی خود بخود دور ہو جائے کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ مصائب و پریشانیاں اس کے لیے ابتلاء از مائش ہوں اور اس طرح خدا نے اس کی تربیت کا انتظام فرمایا ہو (تا کہ مومن انسان بن کر مصائب وشدائد کے سامنے مضبوط چٹان کی طرح ہو) مقدر ومقسوم کے مراتب ہیں اگر آپ کسی دنیوی فائدہ ونفع کو حاصل نہ کر سکو تو اس کے حصول میں عجلت نہ کرو کیونکہ ہر نفع کا ایک خاص مقرر وقت ہوتا ہے جس پر وہ نفع حاصل ہوتا ہے جان لو کہ آپ پر حاکم ونگہبان (خدا) آپ سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کس وقت کس چیز میں آپ کی مصلحت اور فائدہ پنہاں ہے، آپ کو خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے تمام امور کی اصلاح میں اسی پر اعتماد کرنا چاہیے لہذا اپنی حاجات کے پورا ہونے میں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ (اگر حاجت پوری نہ ہو تو) آپ کا سینہ تنگ ہونے لگ جائے اور آپ خدا سے مایوس ہونے لگو، جان لو کہ: سخاوت وکرم کی ایک مقدار ہوتی ہے اگر اس سے تجاوز ہو جائے تو وہ اسراف وفضول خرچی میں شمار ہوتا ہے اسی طرح پختگی ارادہ کی بھی حد ہے اگر اس سے تجاوز ہو جائے تو یہ سینہ زوری ہے اور ہر اس شخص سے اجتناب کرو جو اعتدال سے ہٹا ہوا ہو، اگر اہل دنیا عقل مندی سے کام لیں تو ان کی دنیا خراب و ویران ہوگی (مگر آخرت خوشحال ہوگی)۔

ملاحظہ:

اس حدیث کے مندرجات پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث اپنے اندر زندگی کے مختلف اہم آداب کو سموئے ہوئے ہے اور اسی طرح یہ حدیث دنیا سے بے رغبتی کی طرف متوجہ کرتی ہے لہذا حدیث کے یہ الفاظ کہ (ولو عقل اہل الدنیا خربت) یعنی عقلمند اہل دنیا کی زندگی لذات دنیویہ سے خالی اور ویران ہوتی ہے، حدیث کے یہ الفاظ اس

امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عقل سلیم دنیا کو بالکل اہمیت نہ دینے کا تقاضا کرتی ہے اور دنیا سنوارنے کی بجائے آخرت سنوارنے کو ترجیح دیتی ہے اور یہ بھی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جو دنیا کو اہمیت دے اور اسے سنوارنے کی کوشش و جستجو کرے وہ عقل مند نہیں ہے۔

القسم الثانی:

جن لوگوں کی دعا مستجاب نہیں ہوتی ....

جعفر بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (**اربعة لا یستجاب لهم دعوة، رجل جالس فی بیته یقول اللهم ارزقنی فیقال له ألم آمرك بالطلب؟ و رجل کانت له امرأة فاجرة فدعا علیها فیقال له ألم اجعل امرها الیك؟ و رجل کان له مال فافسده فیقول اللهم ارزقنی فیقال له ألم امرك بالاقتصاد؟ ألم امرك بالاصلاح؟ ثم قال(والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذالك قواما) سورة الفرقان آیت ۶۷، و رجل کان له مال فادانه رجلا و لم یشهد علیه فجحده فیقال له ألم امرك بالشهادة؟**) چار لوگ ایسے ہیں جن کی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔

(۱) پہلا وہ شخص ہے جو گھر میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر فارغ بیٹھا رہتا ہے کوئی کام کاج نہیں کرتا اور دعا کرتا ہے الٰہی مجھے رزق عطا فرما ایسے شخص کو خدا کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ کیا میں نے تجھے رزق کمانے کا حکم نہیں دیا ہے؟

(۲) دوسرا وہ شخص ہے جس کی زوجہ بری ہو اور اس کے بدکردار ہونے کی وجہ سے شوہر اس عورت کے لیے بد دعا کرے تو خدا جواب میں کہتا ہے کہ کیا میں نے اس مسئلہ کا حل تیرے ہاتھ میں نہیں رکھا ہے؟ (یعنی طلاق دے کر چھٹکارہ حاصل کر بد دعا کرنے کا کیا فائدہ)۔

(۳) تیسرا شخص جس کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ مال دار انسان جس نے اپنی ثروت کو ضائع کر دیا ہو اور اب خدا سے اور رزق طلب کرتا ہے تو خدا اسے جواب میں فرماتا ہے کہ کیا میں نے تجھے مال کو میانہ روی اور اعتدال سے خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ کیا میں نے تجھے مال کو صحیح طور پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ اس کے بعد حضرت امام جعفر صادقؑ اس آیہ مجیدہ کی تلاوت فرماتے ہیں" اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیانی راستہ کو اختیار کرتے ہیں"۔

(۴) چوتھا شخص جس کی دعا قبول نہیں ہوتی جو کسی کو مال قرض پر دے مگر اس پر کوئی گواہ نہ کیے ہوں تو اب قرض لینے والا

انکار کردے تو اس وقت اس قرض دینے والے کی دعا قبول نہیں ہو گی چونکہ خدا جواب میں فرماتا ہے کہ آیا میں نے قرض دیتے وقت گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا تھا ؟۔

ولید بن صبیح روایت کرتا ہے (**و رجل یدعو علی جارہ و قد جعل اللہ لہ السبیل الی ان یتحول عن جوارہ ببیع دارہ**) اور ایسے شخص کی بددعا بھی قبول نہیں ہوتی جو اذیت دینے والے پڑوسی کے حق میں کرے کیونکہ خدا اسے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے اس اذیت سے چھٹکارہ پانے کو گھر بیچ کر پڑوس تبدیل کرنے میں رکھا ہے پھر آپ بددعا کیوں کرتے ہو؟۔

یونس بن عمار روایت کرتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں **ان العبد لیبسط یدیہ و یدعو اللہ و یسئلہ من فضلہ مالا فیرزقہ قال فینفقہ فیما لا خیر فیہ قال ثم یعود فیدعو اللہ فیقول أ لم اعطك؟ ألم افعل بك كذا و كذا**) ایسا شخص جو خالق سے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر بلند کر کے مال و رزق طلب کرتا ہے تو خدا اسے عطا کرتا ہے اور پھر وہ اس مال کو صحیح خرچ نہیں کرتا (اور مال ختم ہونے کی صورت میں) جب دعا کرتا ہے تو خدا اسے جواب میں کہتا ہے کیا میں نے تجھے مال عطا نہیں کیا تھا ؟ (جسے تو نے غلط کاموں میں خرچ کر کے ختم کر دیا ہے) کیا میں نے تیرے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے یہ نہیں کیا ہے، یہ نہیں کیا ہے (یعنی خدا اپنے بندے کو اپنی عنایات کو یاد کرواتا ہے)۔

سخت دل اور لا پرواہ کی دعا کے بارے میں :۔

روایات میں ملتا ہے کہ سخت دل والے انسان کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی اور اسی طرح ایسے انسان کی دعا قبول نہیں ہوتی جو دعا کرتے وقت لا پرواہی اور عدم توجہی کے ساتھ دعا کرے سلیمان بن عمر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (**ان اللہ لا یستجیب دعاء بظھر قلب ساہ فاذا دعوت فاقبل بقلبك ثم استیقن بالاجابۃ**) جو شخص غفلت سے اور بے توجہی کی حالت میں دعا مانگتا ہے خدا اس کی دعا کو کبھی بھی قبول نہیں کرتا (لہذا اے مومن) جب دعا مانگنا تو خشوع و خضوع اور حاضر دل کے ساتھ دعا کرنا پھر قبولیت پر یقین رکھنا۔

سیف بن عمیرہ حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام سے نقل کرتا ہے (**ان اللہ لا یستجیب دعاء بظھر قلب قاس**) اللہ تعالیٰ سخت دل والے انسان کی دعا قبول نہیں کرتا۔

دعا میں جلد اور پہل نہ کرنے والے کے بارے میں :

جو شخص کبھی بھی خدا کو یاد نہ کرے اور اس سے دعا نہ مانگے تو خداوند ذوالجلال اس پر مصیبتوں اور بلاؤں کے نازل ہونے کے وقت اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا کیونکہ ایسا شخص خدا کو سوائے مشکل اوقات کے کبھی بھی یاد نہیں کرتا ہے۔

ہشام بن سالم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (من تقدم فی الدعا استجیب له اذا نزل به البلاء و قیل صوت معروف ولم یحجب عن السماء و من لم یتقدم فی الدعاء لم یستجب له اذا نزل به البلاء و قالت الملائکة ان ذا الصوت لا نعرفه) جو شخص ہمیشہ خدا سے دعا کرتا رہتا ہے تو ایسے شخص کی دعا اس پر مصائب و شدائد کے نزول کے وقت مستجاب ہوتی ہے اور اسے یوں کہا جاتا ہے کہ یہ آواز (ملاء اعلیٰ میں) معروف اور جانی پہچانی ہے اور کوئی بھی چیز اس دعا کی استجابت میں حائل نہیں ہوتی اور جو شخص سوائے مصیبتوں اور شدائد کے نازل ہونے کے کبھی بھی خدا سے دعا نہ کرے تو ایسے انسان کی دعا مشکلات میں بھی رد کر دی جاتی ہے اور ملائکۃ اس کی دعا کو رد کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ یہ ایسی آواز ہے جسے ہم نہیں جانتے۔

گناہوں پر مصر رہنے والے کی دعا کے بارے میں :

روایات کثیرہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے اس کی دعا کبھی بھی قبول نہیں ہوتی، رسولؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں (مثل الذی یدعو بغیر عمل کمثل الذی یرمی بغیر وتر) عمل صالح کے بغیر دعا کرنے والے انسان کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جو بغیر کمان کے تیر چلاتا ہے۔

صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں (کان رجل فی بنی اسرائیل قد دعا الله تعالی ان یرزقه غلاما ثلاث سنین فلما رای ان الله لا یجیبه قال: یا رب أ بعید انا منك فلا تسمعنی ام قریب فلا تجیبنی؟ فاتاه ات فی منامه قال : انك تدعو الله منذ ثلاث سنین بلسان بذی وقلب عات غیر نقی و نیّة غیر صادقة فاقلع عن بذائك ولتنق لله قلبك ولتحسن نیّتك ففعل الرجل ذالك عاما فولد له غلام) بنی اسرائیل کا ایک شخص خدا سے تین سال تک بیٹے کی دعا کرتا رہا جب اس نے دیکھا کہ خدا اس کی دعا قبول نہیں کر رہا تو کہتا ہے کہ اے میرے پالنے والے، کیا میں آپ سے دور ہوں کہ میری دعا نہیں سن رہا، یا میں قریب ہوں مگر تو جواب نہیں دے رہا؟ اسی حیرت میں ہی تھا کہ رات کو خواب میں ایک شخص کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے دعا کرنے والے تو تین سال سے غلیظ اور بد اخلاق زبان سے دعا مانگ رہا ہے اور ادب سے دور سرکش اور ناپاک دل سے دعا کر رہا ہے اور دعا کرتے وقت تیری

نیت بھی صاف اور مخلص نہیں ہوتی لہذا پہلے اس بد خلقی کو دور کر اور اس غلاظت اور بے ادبی سے اپنے دل کو پاک کر اور نیت کو صاف کر (خواب دیکھنے کے بعد) اس نے ایسا ہی کیا اور ایک سال ان امور پر کار بند رہا تو خالق نے اسے ایک بیٹا عطا کیا۔

ملاحظہ:

یہ حدیث مذکور چار اہم امور پر مشتمل ہے۔

(۱) سب سے پہلے دعا کرنے والے کو بد خلقی کی صفت کو دور کرنا چاہیے۔

(۲) دل کی سختی اور غلاظت نہیں ہونی چاہیے۔

(۳) نیت اچھی ہونی چاہیے یعنی انسان کا خدا کے بارے میں حسن ظن ہو، دعا کرنے والا خدا کے بارے میں اس بات کا حسن ظن رکھے کہ خدا میری حاجات کو پورا کرنے پر قادر ہے اور میری یہ حاجات انشاء اللہ پوری ہوں گی۔

(۴) گناہوں سے توبہ کی ہو کیونکہ ارشاد ہے (فاقلع عن المعصیۃ ولتقی للہ قلبک) گناہوں کی غلاظت ونجاست کو اپنے سے دور کر اور اپنے دل میں خوف خدا پیدا کر۔

مال حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی:

روایت میں ملتا ہے کہ جو شخص مال حرام کھاتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حدیث قدسی میں ہے کہ (**فمنك الدعاء و على الاجابة فلاتحجب عنى دعوة الا دعوة اكل الحرام**) (اے بندہ خدا) دعا کرنا تیرا کام ہے اور قبولیت دعا میرا کام ہے مجھ سے کوئی دعا بھی نہیں چھپ سکتی مگر مال حرام کھانے والے شخص کی دعا مجھ تک نہیں پہنچتی۔

نبیؐ اکرم سے مروی ہے (**من احب ان يستجاب دعائه فليطيب مطعمه و كسبه**) جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو اسے اپنی غذا اور کمائی کو حلال کرنا چاہیے۔

ایک دن رسولؐ خدا نے اس شخص کے جواب میں فرمایا جس نے یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں میری دعا قبول ہو تو رسولؐ نے فرمایا (**طهر مأكلك ولا تدخل بطنك الحرام**) اپنی غذا کو پاک کرو اور حرام نہ کھاؤ۔

راوی علی بن اسباط حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (**من سره ان يستجاب دعائه فليطيب كسبه**) جو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو تو اسے اپنی غذا کو پاکیزہ کرنا چاہیے۔

ایک اور مقام پر صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں(ترك لقمة حرام احب الي الله من صلوة الفي ركعة تطوعا)ایک حرام لقمہ سے اجتناب کرنا خدا کے نزدیک دو ہزار مستحب نماز پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں (رداد انق حرام يعدل عند الله سبعين حجة مبرورة) حرام کی کمائی کے ایک دانہ کی مقدار کو رد کرنا خدا کے ہاں ستر قبول شدہ حجوں کے برابر ہے۔

لوگوں پر ظلم و جبر کرنے والوں کی دعا کے بارے میں۔

روایات کثیرہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں پر ظلم وستم کرتا ہے اور انہیں اذیت و تکلیف دیتا ہے خدا اس کی دعا رد کر کے اس کے منہ پر مارتا ہے۔

حضرات معصومین علیہم الصلوۃ والسلام سے منقول ہے کہ (فيما وعظ الله به عيسى عليه السلام يا عيسىٰ قل لظلمة بني اسرائيل غسلتم وجوهكم و دنستم قلوبكم ابيّ تغترون ؟ ام علي تجترئون؟ تتطيبون بالطيب لاهل الدنيا و اجوافكم عندى بمنزلة الجيف المنتنة كانكم اقوام ميتون ، يا عيسىٰ قل لهم قلموا اظافركم من كسب الحرام و اصموا اسماعكم عن ذكر الخناء و اقبلوا علي بقلوبكم فاني ليست اريد صوركم ، يا عيسىٰ قل لظلمة بني اسرائيل لا تدعوني و السحت تحت اقدامكم و الاصنام في بيوتكم فاني آليت ان اجيب من دعاني و ان ا جابتي اياهم لعنالهم حتى يتفرقوا خالق کائنات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اے عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے ظالم و جابر لوگوں سے کہہ دو کہ آپ کے دل نجس و غلیظ ہیں لیکن آپ نے اپنے کو ظاہری طور پر پاک صاف کیا ہوا ہے کیا آپ اس دوغلا پن سے مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو؟ یا مجھ پر جرأت کر رہے ہو؟ اے عیسیٰؑ کہہ دو، آپ لوگوں نے دنیا والوں کے لیے اپنے آپ کو ظاہری طور پر پاک صاف کیا ہوا ہے لیکن باطنی طور پر آپ ایک بد بودار مردار کی طرح ہیں گویا کہ آپ مردہ قوموں کی طرح ہیں، اے عیسیٰؑ کہہ دو، ان ظالموں کو کہ مال حرام میں ان ڈوبے ہوئے ہاتھوں کو نکال دو اور فحش گوئی کو اپنے کانوں تک نہ آنے دو (پاک و پاکیزہ) دلوں کے ساتھ میری بارگاہ میں حاضر ہونا کیونکہ مجھے آپ کے فقط چہروں اور جسموں کی ضرورت نہیں ہے، اے عیسیٰؑ ، ان جابرہ کو کہہ دو کہ ایسی حالت میں مجھ سے دعا نہ مانگو کہ آپ نجس اور سود کاری کی کمائی کرتے ہوں (یہ کیسے ہوسکتا ہے) بتوں کی پوجا تم کرو اور دعا کے لیے مجھے پکارو! کیونکہ میں نے اپنے آپ پر یہ فرض کیا ہے کہ جو بھی مجھے پکارے گا میں اسے جواب دوں گا مگر ان لوگوں کے لیے میرا جواب لعنت اور اپنی رحمت سے دور کرنا ہے۔(۱)

---

(۱) ''ظلم'' ایک بہت بڑا گناہ اور بہت بڑی لعنت ہے۔حضرت امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں۔(الظلم ثلاثه : ظلم يغفره الله و ظلم لا يغفره الله و ظلم لا يدعه الله ، فاما الظلم الذى لا يغفره فالشرك واما الظلم

مصنف علامؒ نے ظالمین بنی اسرائیل کے ذکر میں حضرت عیسیٰؑ کی طویل وعریض حدیث کا مختصر حصہ نقل فرمایا ہے جس

الذی یغفر ہ فظلم الر جل نفسہ فیما بینہ و بین اللہ و اما الظلم الذی لا ید عہ المدا ینۃ بین العباد)

ترجمہ: ظلم تین اقسام پر ہے

۱: ایک ایسا ظلم جسکی خدا مغفرت کرتا ہے۔

۲: ایک ایسا ظلم کہ خدا جسکی مغفرت نہیں کرتا۔

۳: وہ ظلم جسکی خدا مدد نہیں کرتا ہے۔

ایسا ظلم خدا جس کی مغفرت نہ کرے وہ شرک ہے۔اور ایسا ظلم کہ جو انسان اور اس کے خدا کے درمیان ہو خدا ایسے ظلم کو بخش دیتا ہے۔اور جس ظلم پر خدا کوئی نصرت و مدد نہیں کرتا ہے وہ حقوق العباد ہیں مثلاً ایک دوسرے کو قرض دینا وغیرہ میں ظلم برتنا حقیقت میں ''ظلم'' کسی چیز کو اس کے اصلی مقام و مکان سے ہٹ کر رکھنے کا نام ہے۔تو جو شخص گناہ کرے تو وہ اس لیے ظالم ہے چونکہ اس نے معصیت کو اطاعت کے مقام پر رکھا ہے اور مشرک بھی ظالم ہے کیونکہ غیر اللہ کو خدا کا شریک بنایا ہے اور ایسے ظالم کو خدا کبھی بھی معاف نہیں فرماتا۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے **(ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ)** خدا اپنے شریک ٹھہرانے والے کو معاف نہیں کرتا۔اور جو انسان اطاعت خداوندی کو چھوڑ کر معصیت کا ارتکاب کرتا ہے۔خدا کی ذات ایسے ظالم کو توبہ اور اس کی دیگر شرائط کے ساتھ بخش دیتا ہے۔اور تیسری قسم ظلم کی وہ ہے کہ جو حقوق العباد سے متعلق ہو اسمیں خدا مدد نہیں کرتا۔تو گویا لوگوں پر ظلم و جبر کر کے اموال کو غصب کرنا ایک ایسا ظلم ہے جس کی مغفرت فقط مظلوم ہی کر سکتا ہے۔خدا بھی اس میں نصرت نہیں کرتا۔ظلم کی مذمت میں معصومین علیہم السلام کے فرامین بکثرت پائے جاتے ہیں۔جیسا کہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں **(یو م المظلو م علی الظا لم اشد من یو م الظا لم علی المظلو م)** مظلوم کا دن ظالم کے لیے اس دن سے زیادہ سخت ہے جس دن ظالم نے ظلم کیا تھا۔اسی مفاد کا ایک اور فرمان ہے کہ **(من ظلم عباد اللہ کا ن خصمہ اللہ فی الد نیا و الأ خر ۃ و یو م الظا لم الد نیا فقط وھی تنقطع ویو م المظلو م الد نیا و الأ خر ۃ والمنتقم ھو اللہ تعا لی واللہ عز یز ذو انتقا م** ترجمہ:''جو شخص بندگان خدا پر ظلم کرے خدا دنیا و آخرت میں اس کا دشمن ہوتا ہے اور ظالم کے ظلم کا دن فقط دنیا میں ہے جو کہ ختم ہو جانیوالا دن ہے مگر مظلوم کی دادرسی کا دن دنیا و آخرت میں ہے اور ظالم سے انتقام لینے والا خالق دو جہاں ہوگا اور اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے''

میں خالق دوجہاں کی جانب سے ظالموں اور جابروں کو وعید عذاب دی گئی ہے اس حدیث میں بنی اسرائیل کے ظالموں سے مراد کافر اور اھل ایمان میں سے فاسق و فاجر لوگ ہیں۔اور ان ظالموں کی دعا بھی قبول نہیں ہوگی جو (السحت) یعنی معاملہ میں رشوت خوری کریں۔اور حرام مال کمائیں اور سود خوری کے مرتکب ہوں۔مقام عبرت ہے آج کے ان نام نھاد اھل ایمان اصحاب مال کے لیے جو رشوت وسود خوری جیسی برائیوں میں غرق ہیں۔اور مال ومنال کے جمع کرنیکی محبت میں حرام وحلال کی کوئی تمیز نہیں کرتے۔اور ان کی ان مذموم خصلتوں کی بدولت خداوند ذوالجلال انکی دعا کو بھی مستجاب نہیں کرتا بلکہ جواب میں ان پر اپنی لعنت بھیجتا ہے۔(أعاذنا الله وایا کم من لعن الله)۔اور حضرتؑ کو وحی کر کے اس بات کی طرف بھی خدا نے اشارہ کر دیا ہے کہ میرے نزدیک دلوں کی صفائی اور پاکیزگی معیار ہے۔ظاہری طور پر آپ لوگ جتنے بھی صاف ستھرے ہوں لیکن دلوں میں عقائد فاسدہ اور نجس وخطرناک ارادوں کو چھپائے ہوئے ہوں تو اس کی دعا کو میں کبھی نہیں پورا کروں گا دل چونکہ تمام اعضائے انسانی میں سے اشرف عضو ہے لہذا اس کا تمام اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور اخلاق حسنہ سے مزین کرنا واجب ہے۔چونکہ یہی دل ہی عرش خداوندی ہے اور مرکز نور الٰہی ہے اور دلوں سے حکمت خداوندی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اس وحی میں خالق کائنات نے حضرت عیسیٰؑ کو یہ فرمادیا ہے کہ جوشخص اپنے دلوں کو ان مذکورہ بالا اخلاق حسنہ سے بدل کر اخلاق سیئہ سے سیاہ کرے گا تو وہ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرے گا اور وہ مجھ پر زیادتی کرے گا۔)

نبیؐ اکرم سے منقول ہے کہ (اوحی اللہ الیّ ان یا اخاالمرسلین و یا اخا المنذرین انذر قومك لا یدخلوا بیتا من بیوتی ولاحد من عبادی عند احد منهم مظلمة فانی العنه ما دام قائما یصلی بین یدیّ حتی یرد تلك المظلمة فاکون سمعه الذی یسمع به و اکون بصره الذی یبصر به و یکون من اولیائی و اصفیائی و یکون جاری مع النبیین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین فی الجنة) خالق کائنات نے مجھے وحی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے رسولوں کے بھائی اور اے (میری مخلوق کو) ہدایت ونصیحت کر کے ڈرانے والوں کے بھائی اپنی قوم وملت کو اس امر کی نصیحت کر کے ڈراؤ کہ آپ میں سے کوئی بھی میرے گھروں (مسجد) میں داخل نہ ہو جب تک کہ اس کی گردن پر لوگوں سے ظلم کر کے حاصل کیا ہوا مال ہو کیونکہ ایسا شخص جب تک نماز میں رہتا ہے میری طرف سے اس پر لعنت نازل ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ یہ ظلم سے لیا ہوا مال وغیرہ کو واپس نہ کردے (جب مال واپس کر کے میری اطاعت کرنے لگ جائے گا) تو پھر میری رضا کے تابع ہو کر دیکھے اور سنے گا اور میرے اولیاء و برگزیدہ بندوں میں سے ہو جائے گا اور انبیاء کرام، صالحین وشہداء عظام اور سچے لوگوں کے ساتھ مل کر جنت میں میرے پڑوس میں ہوگا۔

حضرت امام علی ابن ابی طلب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسیؑ کو وحی میں فرمایا(قل لبنی اسرائیل لا یدخلوا بیتا من بیوتی الا بابصار خاشعة و قلوب طاهرة و اید نقية و اخبرهم انی لا استجیب لاحد منهم دعوة ولاحد من خلقی لدیه مظلمة) اے عیسیؑ بنی اسرائیل کو کہہ دو میرے گھروں میں(عبادت گاہوں میں) اس وقت تک داخل نہ ہونا جبتک کہ آپ کی آنکھوں میں خشوع وخضوع نہ ہو، پاک و پاکیزہ دلوں سے داخل ہونا اور مال حرام سے رنگے ہوئے ہاتھوں سے داخل نہ ہونا، اے عیسیؑ اپنی قوم کو اس بات کی خبر دے دو کہ کسی شخص کے ذمہ کسی کا حق ہو تو میں اس کی دعا قبول نہیں کروں گا (جب تک وہ اسے ادا نہ کرے)۔

الباب الرابع :

کیفیت دعا کے بارے میں ....

دعا کے لیے تین قسم کے آداب ہیں۔

(۱) دعا مانگنے سے پہلے کے آداب۔

(۲) اثناء دعا کے آداب۔

(۳) بعد از دعا کے آداب۔

القسم الاول: دعا سے پہلے کے آداب۔

قبل از دعا بہت سے مختلف قسم کے آداب ذکر کیے جاتے ہیں یہاں ان میں سے بعض کو ہم ذکر کرتے ہیں۔

(۱) با طہارت ہو (وضو، غسل، تیمّم کا ہونا)۔

(۲) خوشبو لگائے ہوئے ہونا چاہیے۔

(۳) قبلہ رخ ہو۔

(۴) قبل از دعا فقراء و مساکین کو صدقہ دینا چاہیے، چونکہ خالق کائنا ارشاد فرماتا ہے (فقدموا بین یدی نجواکم صدقة) سورۃ مجادلہ آیت ۱۲۔ مناجات کرنے سے پہلے صدقہ نکال دو۔

حاشیہ: ہر زمانہ میں یہ کمزوری رہی ہے کہ جھوٹی عزت کے طلبگار اور حقیقت سے فارغ لوگ ہمیشہ اپنے اندر پائے جانیوالے نقص اور کمی کو پورا کرنے کیلئے بڑی شخصیات کے ساتھ چپکے رہتے ہیں اور اسی میں اپنے لئے کمال اور فخر محسوس کرتے ہیں لہذا اسی جھوٹی شخصیت سازی کا ماحول رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھا۔ اور رسول

اسلام کے ساتھ ہر وقت بیٹھے رہنے اور ان سے سرگوشی کرنے سے اپنی شخصیت بنانے کے چکروں میں تھے۔خالق کائنات نے ان کی اس کھوکھلی شخصیت کو بے نقاب کرنے کیلئے اور ان سے "صحابیت رسول" اور محبت رسولؐ کا امتحان لینے کیلئے ارشاد فرمایا کہ اب سے جو شخص بھی رسول خدا کی بارگاہ میں جائے اسے پہلے راہ خدا میں صدقہ دینا چاہیے۔کتب تفاسیر اس بات کی شاھد ہیں کہ سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی اس حکم خداوندی پر عمل نہ کرسکا۔حتی کہ فخر الدین رازی جیسے متعصب مفسر نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ فقط حضرت علیؑ نے اس حکم پر عمل کیا ہے۔ان کے پاس ایک دینار تھا اسے دس درہموں میں تبدیل کروا کر روزانہ ایک ایک درہم فقراء و مساکین میں بانٹ کر بزم رسول اسلام میں حاضر ہوتے تھے۔اس آیت مجیدہ میں جہاں جھوٹی شخصیت سازی کو بے نقاب کیا گیا ہے وہاں یہ آیت عظمت رسول اور فقراء و مساکین پر خرچ کرنے،اور بکثرت لایعنی قسم کے سوال کرنے سے نہی اور مخلص رسول اور منافق کی تمیز پر دلالت کرتی ہے۔

(۵) دعا کرنے والے کو اس بات کا یقین اور اعتقاد ہو کہ جس امر کو خدا سے طلب کر رہا ہوں خدا اس پر قادر ہے، کیونکہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے (و لیو منوا بی) سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۶۔وہ مجھ پر ایمان رکھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ (یقول الله عز و جل من سئلنی و هو یعلم انی اضر و انفع استجبت له) خدا فرماتا ہے کہ جو مجھ سے سوال کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا عقیدہ بھی رکھے کہ (لوگوں کو) نفع ونقصان دینا میرے قبضہ قدرت میں ہے تو میں ایسے شخص کی دعا قبول کرتا ہوں۔

(۶) قبل از دعا کے آداب میں سے ہے کہ انسان کو خدا کے بارے میں حسن ظن ہو کہ خدا میری دعا کو قبول فرمائے گا اور اس بات کا خدا کے بارے میں اچھا گمان رکھے کہ خدا میری دعا کو رد نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے (وادعوه خوفا و طمعا) سورۃ الاعراف آیت ۵۶۔خدا کو بیم ورجاء سے پکارو۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے (انا عند ظن عبدی بی فلا یظن عبدی بی الا خیر ا) جو میرا بندہ میرے متعلق حسن ظن رکھتا ہے میں اس کی حاجات کو پورا کرتا ہوں پس میرا بندہ میرے متعلق خیر و بھلائی کا حسن ظن رکھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (ادعوا الله و انتم موقنون بالاجابة) خدا سے اس حالت میں دعا مانگو کہ آپ کو قبولیت دعا کا اعتقاد ہو۔

خالق کائنات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے کہ (یا موسیٰ ما دعوتنی و رجوتنی فانی ساغفرلك) اے موسیٰؑ آپ جب تک مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے اپنی امیدیں وابستہ رکھو گے تو میں عنقریب آپ

کو بخش دوں گا۔

سلیمان بن فراء حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ (اذا دعوت فظن حاجتک بالباب) جب آپ دعا مانگیں تو اس بات کا گمان رکھیں کہ حاجت قبول ہوا چاہتی ہے۔

روایت میں ملتا ہے (فاقبل بقلبك و ظن حاجتك بالباب) خلوص دل سے بارگاہ الہی میں حاضری دو اور گمان کرو کہ حاجت قبول ہوگی۔

فصل:

رجائے خدا کے بارے میں۔

خالق کائنات کے متعلق استجابت دعا کے سلسلہ میں کیوں نہ حسن ظن رکھا جائے جو کہ سب سے زیادہ کریم اور سخی ہے جس کی رحمت اس کے غضب سے پہلے ہے اور اس کی رحمت وسیع ہے۔

روایت میں ملتا ہے (ان اللہ سبحانہ و تعالی لما نفخ فی اٰدم من روحه و صار بشرا فعندما استوی جالسا عطس فالهم ان قال الحمد لله رب العالمین، فقال الله تعالی یرحمك الله یا اٰدم) حضرت آدم علیہ السلام میں خدا نے جب روح پھونک کر مکمل طور پر بشر وانسان بنا دیا تو آدم علیہ السلام کو وہاں بیٹھے ہوئے چھینک آئی تو خدا کی طرف سے حضرتؑ کو "الحمد للہ رب العالمین" کہنے کا الہام ہوا تو اب خدا نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا (میں) خدا کی تم پر رحمت ہو۔

نکتہ:

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے ابو البشر حضرت آدمؑ سے سب سے پہلا خطاب اپنی رحمت کے بھیجنے کا کیا ہے۔ روایت میں ہے کہ (ان اللہ سبحانہ و تعالی قال لموسیٰ حین ارسله الی فرعون یتوعده و اخبره انی الی العفو و المغفرة اسرع منی الی الغضب و العقوبة) خدا نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ اے موسیٰؑ: فرعون کو میرے عذاب سے ڈراؤ اور اسے اس بات کی خبر دے دو کہ میرے غضب وسزا سے زیادہ جلد میری مغفرت ودرگذر ہے۔

ایک اور مقام پر روایت میں ہے کہ (انه استغاث بموسی علیه السلام حین ادرکه الغرق و لم یستغث بالله فاوحی الله الیه یا موسیٰ لم تغث فرعون لانك لم تخلقه ولو استغاث بی لاغثته) فرعون

جب غرق ہو رہا تھا تو اس وقت موسیٰ کو مدد کے لیے پکارا (لیکن وہ اس کی مدد کو نہ پہنچے) اور اللہ کو نصرت کے لیے نہ پکارا تو خدا نے موسیٰ کو وحی کی کہ اے موسیٰ تو نے فرعون کی مدد اس لیے نہیں کی چونکہ تو نے اسے پیدا نہیں کیا اگر اب بھی یہ تمہاری بجائے مجھے پکارے تو میں اس کی مدد کرتا۔

محمد بن خالد حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا ہے (لما صار یونس الی البحر الذی فیه قارون قال قارون للملك الموكل به ما هذا الدوی و الهول الذی اسمعه؟ قال له الملك هذا یونس الذی حبسه الله فی بطن الحوت فجالت به البحار السبعة حتی صارت الی هذا البحر فهذا الدوی و الهول لمكانه فقال اتأذن لی فی مكالمته؟ فقال قداذنت لك فقال له قارون یا یونسؑ الا تبت الی ربك ؟ فقال له یونسؑ الا تبت انت الی ربك؟ فقال له قارون ان توبتی جعلت الی موسی و قد تبت الی موسی فلم یقبل منی و انت لو تبت الی الله لوجدته عند اول قدم ترجع بها الیه) جب حضرت یونس علیہ السلام اس سمندر میں گئے جہاں قارون تھا تو اس نے سمندر پر خدا کی طرف سے مقرر فرشتہ سے پوچھا کہ بادل کے گرجنے اور یہ خوفناک آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟ فرشتہ کہتا ہے کہ خدا نے یونسؑ کو ایک بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں بند کر رکھا ہے تو یہ اس کا شور ہے اور ساتوں سمندروں میں گھمانے کے بعد اب یہ مچھلی اس دریا میں ہے، قارون کہتا ہے کہ کیا مجھے ان سے بات کرنے کی اجازت ہے؟ فرشتہ نے اسے حضرت یونسؑ سے بات کرنے کی اجازت دی تو قارون نے حضرتؑ سے کہا کہ آپ نے خدا سے توبہ کیوں نہیں کی یونسؑ قارون سے پوچھتے ہیں کہ تو نے خدا سے توبہ کیوں نہیں کی؟ قارون جواب میں کہتا ہے کہ میں نے موسیٰ سے توبہ کی ہے مگر موسیٰ نے میری توبہ قبول نہیں کی، اور اے یونسؑ آپ خدا سے توبہ کرتے تو خدا آپ کی توبہ فوراً قبول کر لیتا۔ (۱)

حاشیہ: جناب یونسؑ کا قصہ معروف و مشہور ہے۔ اس واقعہ میں بھی حضرت کے قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت یونسؑ کو "صاحب الحوت" کہا جاتا ہے اور "ذوالنون" بھی کہا جاتا ہے۔ عراق کے معروف شہر شمال میں واقع موصل میں نینویٰ کی سرزمین پر مدت تک تبلیغ کرتے رہے۔ اور وہاں ایک لاکھ سے زیادہ افراد تھے۔ مگر ان میں حضرت کی تبلیغ پر فقط دو افراد ہی ایمان لائے۔ ان میں سے ایک عالم تھا اور ایک عبادت گزار تھا۔ بالآخر تنگ آ کر آپ نے عذاب کی دعا مانگی اور قوم کو بھی عذاب کی خبر دے دی۔ اور خود عذاب کے دردناک منظر کو نہ دیکھنے کی وجہ سے وہاں سے چلے گئے۔ تو اس عالم نے پوری قوم کو جمع کیا اور انہیں صحرا میں جا کر خدا سے گڑگڑا کر دعا کرنے کا حکم دیا۔ تو ماؤں نے اپنے بچوں کو

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ خالق کائنات اپنے بندوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرتا ہے اور اپنے بندوں پر اپنی خصوصی عنایت اور رحم وکرم کرتا ہے خدا کی طرف سے بندوں پر اس قدر رحم وکرم ہے کہ اپنے بندوں کو اس امر کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے دعا کریں ایسی دعا کو خدا جلد قبول فرماتا ہے، اور رحمت خدا جلدی شامل حال ہوتی ہے،لہذا خدا نے حضرت موسیٰ کو ارشاد فرمایا(ادعني على لسان لم تعصني به وهو لسان غيرك) اے موسی مجھے ایسی زبان سے پکار جس سے میری نافرمانی نہ کی ہو اور وہ تیرے غیر کی زبان ہے یعنی کوئی اور مومن آپ کے لیے دعا کرے۔

مومن بھائی کے لیے مانگی گئی دعا مستجاب ہوتی ہے اور خود دعا کرنے والے کو اس سے بھی دوگنا رحمت وعنایت خاص عطا ہوتی ہے(عنقریب اس موضوع کو تفصیل سے بیان کریں گے)۔

مومن کے حق میں دعا کرنا......

یہی وجہ ہے کہ روایات واخبار میں اس امر پر بہت حرص اور رغبت دلائی گئی ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کے ثواب کو اپنے مرحومین مومنین ومرحومات مومنات کے نام ہدیہ کرے چونکہ خدا اس کے عوض اسے دوگنا اجر وثواب عطا کرتا ہے اس بارے میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ (من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسين خفف الله عنهم يومئذ و كان له بعدد من فيها حسنات)جو شخص (مومنین کے) قبرستان میں جا کر سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتا ہے تو خدا ان اہل قبور سے عذاب کو کم کر دیتا ہے اور ان اہل قبور کی تعداد کے برابر اس شخص کو نیکیاں عطا کرتا ہے ۔

جدا کر کے بارگاہ ایزدی میں یوں استغفار کیا کہ آیا ہوا عذاب ٹل گیا۔جناب یونسؑ وہاں کے ایک دریا کے قریب پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے اسے ایک بڑی مچھلی نے روک لیا لوگوں نے کہا کہ اسے غذا درکار ہے۔قرعہ اندازی کرنے پر حضرت یونسؑ کا نام آیا تو انہیں مچھلی کے حوالے کر دیا گیا۔مچھلی نے انہیں نگل لیا۔حضرت نے جب استغفار شروع کیا تو اس مچھلی کے نقصان سے محفوظ رہے تو ایک مدت کے بعد مچھلی نے ساحل پر آ کر چھوڑ دیا۔جب وطن آئے تو قوم کو خوشحال پا کر مطمئن ہو گئے تو بہ کرنے سے قوم بچ گئی۔اور استغفار سے حضرت یونس کی جان بچ گئی۔اس واقعہ سے یہ امر شح ہوتا ہے کہ مبلغ کو کبھی بھی قوم سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔اور ڈٹ کر مقصد کے حصول کے لیے کوشش جاری رکھے رہنا چاہیے۔ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔اور یہی ختمی مرتبتؐ کی عالم گیر نبوت کا راز تھا۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (**یدخل علی ا لمیت فی قبر ہ الصلوۃ و الصوم والحج والصدقۃ والدعاء والبر و یکتب اجرہ للذی یفعلہ و للمیت**) مومن میت کے لیے انجام دیے گئے اعمال مثل نماز، روزہ، حج، صدقہ، دعا و خیرات اور دیگر اعمال صالحہ اس تک پہنچتے ہیں اور ان کا اجر اس مومن میت کو ملنے کے علاوہ خود ان اعمال کرنے والے شخص کو بھی ملتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک اور جگہ پر فرمان ہے (**من عمل من المسلمین عن میت عمل خیر اضعف اللہ لہ اجرہ و نفع اللہ بہ ا لمیت**) جو مومن شخص کسی مومن میت کے لیے کوئی عمل خیر انجام دیتا ہے تو خدا اس عمل خیر سے اس میت کو بھی نفع دیتا ہے اور اسے بھی دوگنا ثواب دیتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند ذوالجلال نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مومنین کے بارے میں دعائے مغفرت کرنے کے لیے یوں حکم فرمایا ہے (**فاعلم انہ لا الہ الا اللہ و استغفر لذنبك و للمومنین و المومنات**) سورۃ محمد آیت ۱۹۔ جان لو سوائے اللہ کے اور کوئی معبود برحق نہیں ہے اپنے لیے اور مومنین و مومنات کے گناہوں کی وجہ سے مغفرت طلب کرو۔

شرح آیت:

آپ بغور ملاحظہ فرمائیں کہ خالق کائنات نے اس آیہ مبارکہ میں اپنے حبیب کو مومنین کے گناہوں کی طلب مغفرت کے حکم کو اپنی توحید کی گواہی کے ذکر کے ساتھ بیان فرمایا جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تمام احکام اسلامیہ اور اسلام و دین مبین کی جڑ توحید خداوندی ہے خالق کائنات کا اپنے محبوب نبی کو مومنین و مومنات کی مغفرت کا حکم دینا ایک لطف اور عنایت خداوندی ہے اور یہ خدا کا اپنے بندوں پر فضل و کرم ہے اور آیا یہ خدا کی رحمتوں کے دروازہ کے کھلنے کا نام نہیں تو اور کیا ہے؟؟

پھر خالق کائنات نے اپنے اس بیان کو اپنے ایک اور فرمان حق کے ساتھ تاکید کر دی کہ (**انا عند ظن عبدی بی**) میں اپنے ساتھ حسن ظن کرنے والے بندہ کے ہاں ہوں (یعنی اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں) اور خدا کے بارے میں بدگمانی کرنے والے کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ اور ان پر غضب خدا ہوتا ہے خدا کے ساتھ حسن ظن کرنے والے کو کرم الٰہی اور رحمت خدا شامل ہوتی ہے۔ اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ خدا نے بندہ کو قرآن میں فقط اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ کہ (**وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین**) رہ المائدہ ۲۳ آیت

ترجمہ!اگر تم مومن ہو تو فقط خدا پر بھروسہ کرو!

تبصرہ: اس آیہ مجید سے یہ واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ فقط خدا پر بھروسہ و توکل کرنا ایمان کی شرائط میں سے ہے اور ساتھ ساتھ یہ آیت مجیدہ مومنین کو خدا پر ہی بھروسہ کرنے کی تشویق و ترغیب دلا رہی ہے۔اور خالق کائنات نے اس آیہ مجیدہ میں مومن کو فقط تشویق و ترغیب ہی نہیں دلائی بلکہ اس امر کی بشارت بھی دی کہ جو خدا پر بھروسہ کرے گا خدا اس کو کافی ووافی ہے۔اور اسے جزائے خیر ملے گی اور خدا اس کی نگرانی فرمائے گا یہی وجہ ہے کہ جب مومنین نے خدا کی اس توکل کی نداء پر لبیک کی اور جمع ہوئے تو خدا نے قرآن مجید میں انھیں یوں بشارت دی!(**وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله و فضل لم يمسسهم سوٓء واتبعوا رضوان الله**)؎ آل عمران آیت ۱۷۳-۱۷۴

ترجمہ!اور انھوں نے کہا ہمارے لیے خدا کافی ہے اور وہی ہمارا ذمہ دار ہے پس یہ مجاہدین خدا کے فضل و کرم سے یوں پلٹ آئے کہ انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور انھوں نے رضاء الٰہی کی اتباع کی۔(۱)

---

(۱) قرآن مجید میں یہ آیات غزوہ احد سے متعلقہ آیات کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں۔ان آیات میں غزوہ حمراء الاسد جسے غزوہ بدر الصغریٰ کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے کا تذکرہ ہے۔افادہ عام کیلئے اس قصہ کو مختصر طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے۔ابوسفیان اور دوسرے کفار مکہ جب احد سے واپسی پر مقام ''روحا'' پر پہنچے تو انہیں یہ خیال آیا کہ غالب آنے کے باوجود جنگ کو کسی نتیجہ پر پہنچائے بغیر ہم واپس آ گئے ہیں۔لہذا ہمیں چاہیے تھا کہ تمام مسلمانوں کو تہ و تیغ کر دیا ہوتا اور ادھر مسلمان زخمی حالت میں تھے لیکن کمال جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''حمراء الاسد'' تک پہنچ کر ابو سفیان اور اس کے لشکر کو بھگا چکے تھے۔تو اب اسلام کے بدترین اور ازلی دشمن ابوسفیان یہ چاہتا تھا کہ جنگ احد کو کسی نتیجہ پر پہنچائیں۔اور مسلمانوں کو ختم کریں۔تو لہٰذا اب وہ پھر دشمنی اسلام و مسلمین کی آگ میں جل کر مدینہ کی طرف واپس پلٹ پڑا۔اور حملہ کرنا چاہتا تھا۔دوسری طرف خداوند متعال نے ختمی مرتبتؐ کو بذریعہ وحی دشمن اسلام کے ناپاک عزائم کی اطلاع دے دی اب رسول خدا نے بھی ان کے تعاقب کرنے کا اعلان کر دیا۔پہلے احد میں بھی مسلمانوں نے جو رسولؐ کے ساتھ وفاداری دکھائی وہ تاریخ میں موجود ہے۔اب مرحلہ بہت مشکل تھا۔مگر مخلصین رسول کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔آنحضرت ان جان نثاروں کو لے کر پھر حمراء الاسد جو کہ مدینہ سے تقریباً آٹھ میل دور ہے پر پہنچ گئے۔ادھر ابوسفیان مکاری کرتے ہوئے نعیم ابن مسعود اشجعی کے ذریعہ رسول خدا کو مرعوب کرنے کی کوشش کی اور پیغام

پھر خدا نے انھیں اپنی محبت کی بشارت دیکر ان کی خوشی وفرحت میں اضافہ کر دیا چنانچہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے!(ان اللـه یحب المتوکلین)سورہ آل عمران ۱۵۹یعنی اللہ تعالی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

توکل کی تعریف: حضرت امام صادقؑ سے توکل کا مفہوم پوچھا گیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا!(الاّ یخاف مع الله شیاءً)اس کے دل میں خوف خدا ہو کسی اور سے نہ ڈرے۔

خدا پر بھروسہ اور توکل کرنے کا معیار خالق کے بارے حسن ظن کرنا ہے کیونکہ جو شخص اس پر حسن ظن کرتا ہے تو پھر وہ کسی اور سے نھیں ڈرتا بس اس کے ہاں خوف خدا ہی ہوتا ہے۔حضرت امام موسی کاظمؑ نے توکل کا مفہوم اپنی کلام حق ترجمان سے یوں بیان فرمایا ہے(والله ما اعطی مومن قطّ خیر الدنیا والاخرة الاّ بحسن ظنّه بالله و رجائه له وحسن خلقه والکف عن اغتیاب المومنین والله تعالی لا یعذّب عبدا بعد التوبةوالاستغفار الاّ بسوٓء ظنّه وتقصیره فی رجائه الله وسوٓء خلقه واغتیابه المومنین ولیس یحسن ظن عبد مومن بالله الاّ کان الله عند ظنّه لان الله کریم یستحی ان یخلف ظن عبده ورجائه فاحسنوا الظن بالله وارغبوا الیه فان الله تعالی یقول الظا نین بالله ظن السوٓء علیهم دائرة السوٓء وغضب الله علیهم)سورہ الفتح آیت ۶۔

ترجمہ! خدا کی قسم! کسی مومن کو دنیا وآخرت کی کوئی بھلائی عطا نہیں کی جاتی جب تک وہ خدا کے حق میں حسن ظن نہ رکھتا

بھجوایا کہ ابوسفیان ایک لشکر جرار کو لے کر نبرد آزما ہونے والا ہے۔تو یہ سن کر سید الاوصیاء امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' کہا۔خدا کو یہ الفاظ اسقدر پسند آئے کہ خدا نے انہی الفاظ میں آیت کو نازل فرما دیا۔اب مسلمان تو اس سے مرعوب نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے خدا پر بھروسہ کر کے جنگ کرنے کا اعلان کر دیا۔مگر معبد خزاعی نامی شخص جو کہ مکہ جا رہا تھا اس نے راستہ میں دیکھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر رکھتا ہے۔ تو اسے بتایا کہ تم کس غلط فہمی میں مبتلاء ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ان کا تو جم غفیر آپ کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچ چکا ہے۔اس خبر کا ابوسفیان پر اس قدر رعب پڑا کہ وہ اپنا ناپاک ارادہ بدل کر مکہ چلا گیا۔اور جرأت حملہ نہ ہو سکی۔تو ادھر آنحضرتؐ بھی واپس مدینہ تشریف لے گئے۔اس واقعہ کی تاریخ کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔کہ آیا یہ احد سے ایک سال بعد پیش آیا یا دوسرے روز واقع ہوا تھا؟لہذا اس واقعہ سے یہ روشن ہوتا ہے کہ مومن کی کامیابی خدا پر بھروسہ کرنے میں ہے۔شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ   مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ہواور خدا سے امید لگائے ہوئے نہ ہواور حسن خلق کا مالک ہو، اور مومنین کی غیبت نہ کرتا ہو۔خالق کائنات کسی بھی بندہ کو توبہ واستغفار کرنے کے بعد عذاب نہیں دیتا مگر یہ کہ بندہ خدا کے بارے میں بدگمان ہواور خدا کے ساتھ امید لگانے میں کوتاہی کرے (یعنی غیر اللہ پر بھروسہ کرے)اور بدخلق ہواور مومنین کی غیبت کرتا ہو! پس جو بھی خدا پر حسن ظن کرتا ہے خدا اس کے گمان کو پورا کرتا ہے۔

کیونکہ خالق کی ذات کریم ہے اور خدا کو اس بات سے حیا آتا ہے کہ وہ کسی اپنے مومن بندہ کے حسن ظن اور خدا سے کی ہوئی امید کی مخالفت کرے پس اے لوگو! خدا کے بارے حسن ظن رکھواور اسی سے لو لگاؤ کیونکہ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے کہ! جو خدا کے بارے میں برے برے خیالات رکھتے ہیں وہ عذاب کی گردش میں ہیں اور ان پر اللہ کا غضب ہے روایت میں ملتا ہے کہ۔

(ان الله تعالى اذا حاسب الخلق يبقى رجل قد فضلت سيئاته على حسناته فتاخذه الملائكه الى النار وهو يلتفت فيامر الله تعالى برده فيقول له لم تتلفت ؟ وهو اعلم به فيقول يا رب ما كان هذا حسن ظنى بك فيقول الله تعالى ملائكتى وعزتى وجلالى ما احسن ظنه بى يوما ولكن انطلقوا به الى الجنةلادعائه حسن الظن بى)

ترجمہ! اللہ تعالی (بروز محشر) جب پوری مخلوق کا حساب کر چکے گا تو ایک شخص باقی رہ جائے گا اور اسکی نیکیاں اس کی برائیوں سے کم ہوں گی پھر فرشتگان خدا اس کو جہنم کی طرف لے جانے لگیں گے تو وہ شخص رحمت خدا کی طرف نگاہ دوڑائے گا تو ارشاد رب العزت ہوگا اسے واپس لے آؤ جب وہ واپس آئے گا تو ارشاد ہوگا کیوں پیچھے مڑ مڑ کے دیکھتا تھا؟ (جبکہ خدا حتماً اس کی وجہ جانتا ہوگا) تو وہ شخص عرض کرے گا خدایا مجھے تیرے بارے میں اس طرح کا گمان نہ تھا (کہ تو مجھے جہنم کی آگ میں دھکیل دیگا) بلکہ میں تو تیرے بارے میں حسن ظن رکھتا تھا اور امید رکھتا تھا! تو اللہ تعالی یہ سن کر اپنے ملائکہ سے مخاطب ہوکر یہ ارشاد فرمائے گا کہ مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم اس شخص نے دنیا میں میرے بارے میں ایک دن بھی حسن ظن نہیں رکھا تھا لیکن آج چونکہ میرے بارے حسن ظن رکھنے کا دعوی کر رہا ہے لھذا اس کو جنت میں لے جاؤ۔

راوی عطا بن یسار نقل کرتا ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ ارشاد فرماتے ہیں **(يوقف العبد يوم القيامة بين يدى الله سبحانه و تعالى فيقول ! قيسوا بين نعمى عليه وبين عمله فيستغرق النعم العمل فيقول الله وقد وهبت له نعمى عليه فقيسوا بين الخير والشر فان استوى العملان اذهب الله تعالى الشر بالخير وادخله الجنة وان كان له فضل اعطاه الله بفضله وان كان عليه فضل وهو من اهل التقوى لم يشرك بالله تعالى**

واتقی الشرك فهو من اهل المغفرة یغفر له ربه برحمته ویدخله الجنّه ان شاء بعفوه) قیامت کے دن بندہ حساب وکتاب کیلئے عدالت الٰہیہ کے رو برو پیش ہوگا تو خالق کائنات اس بندہ سے فرمائے گا کہ میری نعمات اور اس کے اعمال کا موازنہ کرو مگر خدا کی نعمات اس کے اعمال سے کہیں زیادہ ہیں پھر خالق کائنات فرمائے گا مگر میں نے اے بندہ تجھ پر دنیا میں کی ہوئی تمام نعمات بخش دی ہیں پھر اس کے اعمال بد اور اعمال خیر کا موازنہ کیا جائیگا اگر دونوں (بدوخیر) برابر ہوئے تو خدا اعمال بد کو خیر سے ختم کر کے اسے جنت میں بھیج دے گا اور اگر کوئی عمل خیر بد سے بڑھ گیا تو خدا اس پر بھی فضل وکرم عطاء فرمائے گا۔ اور اگر شر کا پلہ بھاری ہوا تو اگر وہ (دنیا میں) نیک تھا خلاف تقوی کام انجام نہیں دیتا تھا اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں ٹھہراتا تھا۔ تو خدا اسے اپنی رحمت واسعہ سے بخش دے گا اور اپنی عفو وکرم کے صدقہ اسے جنت الفردوس میں داخل کرے گا۔

روایت میں ملتا ہے!

(ان اللہ تعالی یجمع الخلق یوم القیامة ولبعضهم علی بعض حقوق وله تعالی قبلهم تبعات فیقول عبادی ماکان لی قبلکم فقد وهبته لکم فهبوا بعضکم تبعات بعض وادخلوا الجنة جمیعا برحمتی) خالق کائنات قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا بعض کے بعض پر حقوق ہوں گے اور ان کے ایک دوسرے پر حقوق سے پہلے خدا کے ان پر حقوق ہوں گے تو خدا فرمائے گا میں نے وہ معاف کر دیئے ہیں اب آپ ایک دوسرے کو معاف کرتے جاؤ اور میری رحمت وفضل کے صدقہ جنت الفردوس میں داخل ہوتے جاؤ اسی مضمون سے ملتی جلتی حدیث مبارک ختمی مرتبت حضرت محمدؐ سے بھی کتب احادیث میں ملتی ہے۔

محمد بن خالد البرقی مختلف راویوں سے نقل کرتے ہوئے امام صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ امامؑ نے فرمایا (کان فی بنی اسرائیل عابد فاوحی اللہ تعالی الی داودؑ انه مراءٍ قالؑ ثم انه مات فلم یشهد جنازته داودؑ قالؑ فقام اربعون من بنی اسرائیل فقالوا اللهم لا نعلم منه الاّ خیرا وانت اعلم به منا فاغفر له قالؑ فلما غسل اتی اربعون غیر الاربعین الاول وقالوا اللهم انا لا نعلم منه الا خیرا وانت اعلم به منا فاغفر له فلما وضع فی قبره قام اربعون غیرهم فقالوا اللهم انا لا نعلم منه الا خیرا وانت اعلم به منا فاغفر له قالؑ فاوحی اللہ تعالی الی داودؑ ما منعك ان تصلی علیه؟ فقال داودؑ للذی اخبرتنی من انه مراءٍ قال فاوحی اللہ الیه انه شهد له قوم فاجزت شهادتهم وغفرت له ما علمت مما لا یعلمون) ترجمہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کے بارے میں جناب داودؑ کو خبر دی کہ یہ دکھاوے کی عبادت کرتا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب

یہ ریا کار شخص اس دنیا سے رخصت ہوا تو جناب داودؑ اس کے نیک ہونے کی گواہی دینے کیلئے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے جبکہ بنی اسرائیل میں سے چالیس لوگوں نے اس کے نیک ہونے کی یوں گواہی دی کہ! الٰہی ہم اس کے بارے میں سوائے خیر واچھائی کے اور کچھ نہیں جانتے جبکہ تیری ذات اس کے بارے ہم سے زیادہ باخبر ہے پس تو اس کی مغفرت فرما اس طرح دیگر چالیس لوگوں نے غسل کے وقت اس کے اچھے

ہونے کی گواہی دی اور خدا سے طلب مغفرت کی قبر میں رکھتے وقت بھی اور چالیس لوگوں نے اس کے نیک ہونے کی گواہی دی اور مغفرت کی دعا کی۔ پھر صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ خدا نے جناب داودؑ سے وحی کے ذریعے سوال کیا کہ کس چیز نے تجھے اس پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا تھا؟ تو حضرت داودؑ نے کہا خدایا! اس چیز نے جس کی تیری ذات نے مجھے خبر دی تھی کہ وہ ریا کار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جناب داودؑ کو فرمایا کہ اب چالیس لوگوں نے اس کے نیک ہونے کی گواہی دی ہے لہٰذا میں نے اس گواہی کو قبول کرتے ہوئے اس کے ان گناہوں کو معاف کر دیا ہے جن کو وہ قوم نہیں جانتی تھی اور آپ جانتے تھے۔ (۱)

---

(۱) یہ حدیث چند امور پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ کہ رحمت خداوندی اور بخشش ومغفرت وسیع وکشادہ ہے کہ چند مومنین کی طرف سے اگر کسی خطا کار وگناہگار مومن کی طلب مغفرت کی جائے تو اس شخص کے نیک ہونے کی گواہی دے دیں تو خدا ان کی گواہی کا احترام کرتے ہوئے اس گناہگار کو بخش دیتا ہے کتنا کریم ہے خدا۔ لیکن اس کے برعکس انسان کتنا غافل ہے کہ اپنے کریم آقا ومولا سے منہ موڑ کر غیر اللہ کے دروازوں پر ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ خدا کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراتا ہے جو خود محتاج وفقیر ہیں۔ اس مذکورہ بالا حدیث سے مسئلہ شفاعت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ خدا نے جب ایک عام مومن بندہ کی شفاعت کو قبول فرمالیا ہے تو کیا وہ بزرگان جن کیلئے یہ سب کائنات خلق کی ہے نبی اکرم وآئمہ ھدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کے صدقہ میں یہ دنیا ومافیہا قائم ودائم ہے کو کسی مومن کی شفاعت کا حق حاصل نہیں ہوگا؟؟!! یاللعجب غفور ورحیم خدا نے حضرت داؤدؑ کا مومن کے جنازہ میں حاضر نہ ہونے پر وحی کی صورت میں پرسش کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ مومن کسی مومن کے گناہگار ہونے پر واقف ہو تو وہ خدا سے اس کے حق میں دعا مغفرت کرے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ نہ یہ کہ اس کو حقیر وپست سمجھ کر اس کے لیے دعائے خیر بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو بڑا زاہد ومتقی گردانتا رہے۔ جب رحمت خدا کے دروازے کھلے ہیں تو مومن استفادہ کیوں نہیں کرتا؟ باقی رہا ایک اعتراض اور اس کا جوب!!! اعتراض: جب ایک شخص کسی کے بارے جانتا ہو کہ یہ گناہگار ہے اور فلاں فلاں

الجواب: قدیم سے اپنوں اور غیروں کی طرف سے اچھالے گئے اس اعتراض کا جواب متعدد طریقوں سے دیا گیا ہے۔ہم یہاں دو جوابوں کو اختصار سے ذکر کرتے ہیں جو کہ مناسب جواب ہیں۔

الاوّل: پہلا جواب یہ ہے کہ اس دعا کو چونکہ فقط مومن کی میت پر پڑھا جاتا ہے تو اس میں لفظ ''خیر'' سے مراد علی و اولاد علی علیہم السلام کی ولایت ہے تو اس صورت میں گواہی دینے والے جھوٹے نہیں ہیں کہ یہ میت مومن ہے۔اور اھل بیت علیہم السلام کی ولایت کا اقرار کرتا تھا۔

الثانی: دوسرا جواب یوں ہے کہ اگر چہ انسان کسی شخص کے گناہوں کا علم رکھتا تھا لیکن عین ممکن ہے کہ اس شخص نے آخری وقت یا زندگی کے کسی لحظہ میں اپنے آقا و مولا کی طرف رجوع کر لیا ہو اور توبہ کر لی ہو۔اور خدا نے اسے بخش دیا ہو تو ایسی حالت میں اس کی اچھائی ہی باقی ہوگی اور اسی کا ہی علم ہوگا اور اس کی برائی باقی رہنے کا اسے کوئی علم و یقین نہیں ہے۔چونکہ توبہ قبول ہونے کی صورت میں اس کی نیکیاں ہی رہ گئی ہوں گی۔اور یہ عین ممکن ہے۔اور اسی کو مومن کا مومن کے بارے میں حسن ظن کہا جاتا ہے۔اور اسی حسن ظن کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے جواب پر وارد ہونے والے نقض کو بھی رد کیا جا سکتا ہے اور وہ نقض یوں ہوگا کہ ''جیسے یہ عین ممکن ہے کہ اس نے اپنے گناہوں کی مغفرت و توبہ کر لی ہو اسی طرح ممکن ہے کہ توبہ نہ کی ہو۔لیکن حسن ظن کی بناء پر توبہ کرنے کی صورت کو تقویت دی جاتی ہے۔اور اسی طرح حسن ظن کو مدنظر رکھنے سے پہلے جواب پر بھی وارد ہونے والے اشکال کو رد کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے اس کا خاتمہ بر ولایت اھل بیت علیہم السلام نہ ہوا ہو بلکہ انکار ولایت اھل بیت کر کے مرا ہوا ہو۔تو حسن ظن کی بدولت اس کے آخری وقت تک مومن ہونے کے احتمال کو قوی قرار دے کر اسکے ایمان کی گواہی دی جاتی ہے۔فتامل واغتنم۔)

نصیحت: انسان کی زندگی بیم رجاء کے مابین ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ سید الاولیا حضرت امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں

(ان استطعتم ان یحسن ظنکم باللہ و یشتد خوفکم منه فاجمعوا بینهما فانما یکون حسن ظن العبد بربه علی قدر خوفه منه وان احسن الناس باللہ ظنا لأ شد هم منه خوفا)

گناہوں کا مرتکب ہوا ہے تو پھر اس کے جنازہ میں کھڑے ہو کر اس کے حق میں یوں گواہی دینا جیسا کہ حدیث میں مذکو رہوا ہے کہ ''خدایا میں اس کے بارے میں سوائے نیکی اور خیر کے اور کچھ نہیں جانتا ہوں'' کیا یہ جھوٹ اور غلط گواہی کے مترادف نہیں ہوگا؟ کیا یہ خدا کو دھوکہ دہی نہیں ہے؟؟!

ترجمہ! اگر آپ اس امر کی استطاعت رکھتے ہو کہ خدا سے حسن ظن کرو اور اس سے ڈر بھی ہو تو آپ ان دونوں (بیم ورجاء) میں زندگی گزارو! بندے کو خدا کے بارے میں اتنا ہی حسن ظن ہونا چاہیئے جس قدر وہ اپنے رب سے ڈرتا ہے کیونکہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ خدا کے ساتھ وہ حسن ظن کرتا ہے جو سب سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہو۔ راوی حسن بن ابی سارہ حضرت امام صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ!!

((لایکون العبد مومناحتی یکون راجیاً خائفاً ولا یکون راجیاً خائفاً حتی یکون عاملاً لما یخاف و یرجو)) بندہ اس وقت تک صحیح مومن نہیں ہوسکتا جب تک خدا سے امید اور خوف نہ رکھتا ہو اور اس وقت تک وہ بیم ورجاء میں زندگی نہیں گزار سکتا جب تک وہ خوف خدا اور امید کے مطابق عمل نہ کرے۔ علی بن محمد حضرت امام صادق سے عرض کرتا ہے کہ آپ کے چاہنے والوں میں سے ایسے بھی ہیں جو گناہوں سے لبریز ہیں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم رحمت خدا سے بے امید نہیں ہیں؟ تو امامؑ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ!

((کذبوا اولئك لیسوا لنا بموالٍ اولئك قوم رجّحت بهم الاٴمانی و من رجا شیاء عمل له و من خاف شیا هرب منه)) یہ لوگ جھوٹے ہیں یہ لوگ ہمارے موالی نہیں ہیں یہ ایسی قوم ہیں جو امیدوں اور خواہشات میں غرق ہیں جبکہ جو کسی شیء کی امید رکھتا ہے اس کیلئے عمل بھی کرتا ہے اور جو کسی شیء سے ڈرتا ہے اس سے دور بھی رہتا ہے۔ (۱)

---

(۱) اس حدیث مبارک سے اس نزاع لایعنی کا دوٹوک جواب حاصل ہو جاتا ہے۔ جو اس بات پر دعویٰ کرتے ہیں کہ ولایت اھل بیت علیہم السلام ہی کافی ووافی ہے۔ عمل صالح کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے۔ اور شفاعت اھل بیت علیہم السلام اور خدا کی رحمت وکرم اور مغفرت عضو کی امیدوں میں نامہ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں۔ امام حق صادق آل محمدؐ ایسے مدعیان کو ''جھوٹ'' کے ساتھ متصف فرمارہے ہیں اور ان لوگوں سے اپنی برأت کا اظہار کررہے ہیں۔ لہذا موالی اھل بیت کو اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ ان کے کندھوں پر ولایت اھل بیت علیہم السلام کی پاداش میں عمل کی بہت زیادہ مسؤلیت سرزد ہوتی ہے۔ جو کہ دوسروں پر نہیں ہے۔ اور اس عنوان پر متعدد روایات وآثار سے کتب سیر وتواریخ بھری پڑی ہیں۔ بدعمل مدعی مومن سے امام صادق علیہ السلام کی برأت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سچے اور حقیقی مومن کو ہر اس شخص سے برأت وبیزاری کا اظہار کرنا چاہیے جس سے امام برحق نے برأت فرمائی ہے۔ اور تولا وتبرا کا تقاضا بھی یہی ہے۔ قرآن مجید میں بھی بابانگ دہل تمام انسانوں کو خسارے کی خبر دی جارہی ہے مگر ان لوگوں کے جنہوں نے ایمان لایا اور اس کے ساتھ عمل صالح کیا ارشاد خداوندی ہوتا ہے ''والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا واعملوا الصالحات ۔۔۔۔ الخ.'' اب جس بدعملی کی خدا خسارے کی خبر دے امام اس سے برأت کا اظہار فرما کر جھوٹا قرار دے پھر کون وہ شخص ہوسکتا ہے جو ایسے بدعمل انسان کو بغیر کسی سزا کے جنت کی ٹکٹیں تقسیم کرتا رہے۔

حضرت ابراھیمؑ کے خوف الٰہی کا ذکر: روایت میں ملتا ہے کہ **(کان یسمع تا و ھه علی حد میل حتی مد حه الله تعالیٰ بقو له ((ان ابرا ھیم لحلیم او ہ منیب ﴾** سورہ ھود۔۷۵۔

(ترجمہ) حضرت ابراھیمؑ کی خوف خدا میں نکلنے والی آہیں اور نالہ وشیون کی آوازیں ایک میل تک سنائی دیتی تھیں یہاں تک کہ خود خداوند متعال نے قرآن مجید میں یوں مدح کی ہے بے شک بردبار تضرع کرنے والے اور بہت زیادہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے روایت میں ملتا ہے کہ حضرت ابراھیمؑ جب نماز ادا کرتے تھے اس طرح آوازیں نکلتی تھیں کہ جیسے کسی برتن میں چیز کے گرم ہوتے وقت نکلتی ہیں۔

حضرت علیؑ وسیدہ فاطمہ الزھراءؑ اور امام حسنؑ کے خوف الٰہی کا بیان: کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومینن سید الموحدین علی ابن ابی طالبؑ جب وضو کرنے لگتے تو انکے چہرہ مبارک کا رنگ خوف الٰھی کیوجہ سے متغیر ہو جاتا تھا۔اسی طرح جناب سیدہ زھراؑ کے بارے میں ملتا ہے۔

کہ حالت نماز میں خوف الٰہی کی بدولت ہانپ جاتی تھیں۔حضرت امام حسنؑ جب وضو سے فارغ ہوتے تو آپ کا رنگ مبارک تبدیل ہو چکا ہوتا تھا۔اور جب آپ سے کسی نے اس تبدیلی کے بارے میں عرض کیا تو فرمایا۔

(حق علی من ارادا ان یدخل علی ذی العر ش ان یتغیر لو نه) جو شخص عرش بریں اور صاحب قدرت و ملک کے حاضر ہونا چاہتا ہو تو اس کے (خوف سے) رنگ کا بدل جانا اس شخص کا حق ہے۔

حضرت امام زین العابدینؑ علی ابن الحسینؑ کے بارے میں بھی اسی طرح کا ذکر ملتا ہے

مفضل بن عمر حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ۔**(حدثنی ابی عن ابیهؑ ان الحسن بن علیؑ کان اعبد الناس فی زمانه و از ھد ھم وا فضلھم و کان اذا حجّ ما شیا و رمی ما شیا و ربما مشی حافیا و کان اذاذ کر الموت بکیٰ و اذا ذکر ا لبعث والنشو ر بکیٰ و اذا ذ کر الممر علی الصراط بکیٰ و اذا ذ کر العر ض علی الله تعا لیٰ ذ کرہ شھق شھقة یغشی علیه منھا و کان اذا قام فی صلا ته تر تعد فر ائصه بین ید ی ربه عزوجل و کان اذا ذکر الجنه والنار اضطرب اضطراب السلیم وسال الله الجنة و تعوذ با لله من النار)**

(ترجمہ) مجھے میرے والد بزرگوار (حضرت امام محمد باقرؑ) نے اپنے والد بزرگوار امام زین العابدینؑ سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امام حسنؑ اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار اور زاہد و متقی تھے۔

اپنے اہل زمانہ سے افضل تھے حج بیت اللہ کیلئے پیدل جایا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات ننگے پاؤں حج پر جاتے تھے۔ حضرت امام حسنؑ جب موت کو ذکر کرتے تو آپ رو پڑتے تھے۔ جب حشر ونشر کا ذکر آتا تو تب بھی روتے پل صراط پر گزر نے کی یاد آتی تو گریہ کرنے لگتے۔(۱)

جب اپنے آقا و مولیٰ کے روبرو پیش ہونے کا ذکر ہوتا تو امام دھاڑیں مار مار کر غش کھا جاتے تھے۔ جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو پورا جسم کانپ رہا ہوتا اور جب جنت وجہنم کا ذکر ہوتا تو مضطرب و پریشان ہو جاتے اور خدا سے جنت کا سوال کرتے۔اور جہنم سے چھٹکارہ کی دعا فرماتے۔اور خدا سے پناہ مانگتے۔

عائشہ روایت کرتی ہے نماز کا وقت ہونے سے پہلے ہم رسول خداؐ سے باتیں کر رہے ہوتے تھے لیکن جونہی نماز کا وقت ہوتا تھا تو رسول اسلامؐ کی حالت یوں ہو جاتی تھی گویا کہ وہ ہمیں جانتے ہی نہیں ہیں اور ان پر خوف الٰہی طاری ہو جاتا تھا۔

ملاحظہ: جب خدا کے مقرب لوگوں اور انبیاء کرام و رسل عظام اور خدا کیطرف سے مخلوق خدا پر ان کے اعمال کے گواہ ہستیوں کی خوف الٰہی سے یوں حالت ہو تو جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں اور شب و روز اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟؟

---

(۱) پل صراط آخرت کی مشکل منازل میں سے ایک مشکل منزل ہے۔جس کے خوف سے سب کانپتے ہیں۔امام حسنؑ اس کا ذکر سنتے ہی اس منزل کی ہولناکیوں کی بدولت رو پڑتے تھے۔جس سے اس کی سخت منزل ہونے کی تصدیق ہوتی ہے مگر آج ایک طرف تو اسی امام حسنؑ کی محبت ومودت کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف اس مشکل مقام کیلئے دار دنیا میں کوئی عمل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔اھل عقل وخرد کو سوچنا چاہیے کہ جب ایک معصوم امام پل صراط کا فقط ذکر سن کر گریہ کر رہے ہیں تو کتنی ہی یہ سخت منزل ہو گی؟ تو ایک عام انسان عمل سے دور رہنے والے کا کیا حشر ہوگا؟ پل صراط کو عبور کرنے کی ٹکٹیں تقسیم کرنے والوں کیلئے امام معصوم کا یہ فرمان اور ان کی یہ سیرت ایک لمحہ فکریہ چھوڑ رہی ہے لیکن بدبختی سے آج لوگوں کو بدعمل کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔اور آخرت کے لیے کچھ نہ کرنے کی تبلیغ ونصیحت کی جاتی ہے۔یہ لوگ حقیقت میں عملی طور پر امام حسنؑ سے براٗت کا اظہار کر رہے ہیں۔سچے اور مخلص مومنین کو ایسے لوگوں سے براٗت کرنی چاہیے۔اور اپنے ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی سیرت وکردار پر عمل پیرا رہنا چاہیے۔)

فصل:

بعض ممنوع ادعیہ کے بارے میں: استجابت دعا کی شروط میں سے ہے کہ انسان ایسی دعاوں کو خدا سے طلب نہ کرے جو ممنوع ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) حرام چیز کی خدا سے دعا نہ کرے۔ (۲) قطع رحمی کی دعا نہ کرے (۳) ہر اس چیز کی دعا نہ کرے جو مومن کے حیاء کو کم کر دے اور بے ادب بنا دے۔ بعض مفسرین قرآن نے خداوند ذوالجلال کے اس قول مبارک (أدعوا ربکم تضرعاً و خفیه)

ترجمہ !تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خاموشی کیساتھ پکارو) کی تفسیر یوں کی ہے کہ دعا خشوع وخضوع کے ساتھ اور مخفی طور پر کرنی چاہیے اور اس طرح آیہ مجیدہ (انہ لا یحب المعتدین) کی تفسیر میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان کو اپنی دعا میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً انبیا کرام کی منازل کو دعا میں طلب کرنا تو اس قسم کی ادعیہ حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ فرماتے ہیں کہ (یا صاحب الدعاء لا تسئال ما لا یکون ولا یحل) اے دعا کرنیوالا نہ ہونے والے امر کو خدا سے طلب نہ کر۔ ایک اور مقام پر سید الموحدینؑ فرماتے ہیں کہ (من ساء ل فوق قدره استحق الحرمان) جو اپنی قدر و منزلت اور شان سے بڑھ کر خدا سے کوئی چیز طلب کرے وہ محروم رہے گا۔

آداب دعاء: آداب دعا میں سے ہے کہ دعا کرنیوالا پیٹ کو روزہ کے ذریعے حرام غذاؤں سے پاک رکھے اسی طرح بھوک کے ذریعے نفس کو اذیت دے کر اپنے آپ کو طاہر کرے۔ اور تجدید توبہ کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے منقول ہے (من اکل الحلال اربعین یوماً نورالله قلبه) جو چالیس روز (متواتر) حلال رزق کھائے خدا اس کے دل کو نورانی کر دیتا ہے ایک اور مقام پر حضرتؐ سے منقول ہے ۔

(ان لله ملکا ینادی علی بیت المقدس کل لیلة من اءکل حراما لم یقبل الله منه صرفا ولا عدلا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ ہر رات بیت المقدس سے نداء دیتا ہے کہ جو شخص حرام کھائیگا خدا نہ اس کے مستحب اعمال کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی واجب اعمال کو قبول کرتا ہے رسول اسلامؐ نے فرمایا کہ۔ (۱)

---

(۱) روایت میں موجود لفظ (صرفاً) سے مراد نماز نافلہ ہے اور (عدلاً) سے مراد نماز فریضہ ہے

(لو صلیتم حتی تکونوا کالاوتار و صمتم حتی تکونوا کالحنایا لم یقبل الله منکم الا بورع حاجز) نمازیں پڑھ پڑھ کر اگر تم کمان کی تانت کی طرح کمزور ہو جاؤ اور روزے اس قدر رکھو کہ کمان کی طرح ٹیڑھے ہو جاؤ پھر بھی خدا اس وقت تک اعمال کو قبول نہیں کرتا جب تک تقوی و پرہیزگاری اور مال حرام سے اجتناب نہ ہو۔ ختمی مرتبتؐ سے ہی مروی ہے کہ (العبادة مع اکل الحرام کالبناء علیٰ الرمل ،وقیل علی الماء) حرام مال کھا کر عبادت خدا کرنی ایسی ہے جیسے ریت پر عمارت تعمیر کرنی ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ پانی پر عمارت تعمیر کرنے کی طرح ہے۔ رسول خداؐ فرماتے ہیں کہ (یکفی من الدعاء مع البرّ ما یکفی الطعام من الملح) ترجمہ: نیکوکاری اور اچھے اعمال کرنا دعا کے ساتھ تو اسی طرح ضروری ہیں جس طرح کھانے کے لیے نمک کی ضرورت ہوتی ہے۔

ملاحظہ: ان مذکورہ شروط میں سے بعض ایسی ہیں جن کا ہونا دعا سے پہلے بھی ضروری ہے اور دعا کے بعد بھی ان کا ہونا ضروری ہے۔

القسم الثانی: وقت دعا کے آداب: بعض آداب دعا اس قسم کے ہیں جو اثناء دعا کے متعلق ہیں ۔ وہ مندرجہ زیل مذکور ہیں۔

الاول: دعا ٹھہر ٹھہر کر مانگنی چاہیے جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ وحی الٰہی میں ہے کہ (ولا تمل من الدعاء فانی لا امل من الاجابته) دعا مانگنے سے نہ اکتائیں ۔ اور میں قبول کرنے سے نہیں اکتاؤں گا۔

راوی عبدالعزیز الطّویل حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے (ان العبد اذا دعا لم یزل الله تبارك و تعالی فی حاجته مالم یستعجل)

ترجمہ! بندہ کو دعا مانگنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے جب تک وہ جلدی نہیں کرتا خدا اس کی حاجت کو قبول فرماتا ہے۔ حضرت صادق آل محمدؑ سے ہی منقول ہے۔(ان العبد اذا عجل فقام لحاجته یقول الله تبارك و تعالی ۔ اما یعلم عبدی انی انا الله الذی اقضی الحوائج ؟)جب انسان اپنی دعا میں جلدی کر کے اٹھ جاتا ہے اور حاجت کے حصول میں جلدی کرتا ہے تو اللہ تعالی کہتا ہے ۔ کہ کیا یہ میرا بندہ نہیں جانتا کہ میں ہی وہ اللہ ہوں جو حاجتوں کو پورا کرتا ہوں۔ روایت میں ملتا ہے۔

(اذا استعجل العبد فی صلاته یقول الله سبحانه ۔ استعجل عبدی ایراه یظن ان حوائجه بید غیری؟) جب بندہ نماز میں جلدی کرتا ہے تو خدا فرماتا ہے۔ میرے بندہ نے جلدی کی ہے کیا وہ گمان کرتا ہے کہ

حاجتیں میرے غیر کے ہاتھوں میں ہیں۔(اور وہ قبول کرتا ہے)حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ (یا باغی العلم صل قبل ان لا تقدر علی لیل و لا نہار تصلی فیہ انما مثل الصلاۃ لصاحبہا کمثل رجل دخل علی ذی سلطان فأنصت لہ حتیٰ فرغ من حاجتہ وکذالک المرء المسلم باذن اللہ ما دام فی الصلاتہ لم یزل اللہ ینظر الیہ حتی یفرغ من صلاتہ)

ترجمہ:اے علم کے چاہنے والا! نماز پڑھ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر بعد میں تجھے دن یا رات میں نماز پڑھنے کا موقع نہ مل سکے۔ نماز گذار کے لیے نماز اس طرح ہے جیسے ایک سوالی کسی بادشاہ کے ہاں جاتا ہے تو جب تک وہ اپنی حاجات کو بیان نہ کر لے۔اس وقت تک بادشاہ بڑے غور سے اس کی حاجت کو سنتا رہتا ہے۔تو ایک نمازی مومن کی بھی یہی حالت ہے کہ جب تک وہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے خدا اس کی طرف اپنی نظر رحمت وکرم کے ساتھ متوجہ رہتا ہے یہاں تک کہ وہ شخص نماز سے فارغ نہ ہو جائے۔

حضرت جعفر صادق ال محمدؑ فرماتے ہیں۔

(اذا صلیت فریضہ فصلہا لوقتہا صلاۃ مودع یخاف ان لا یعود الیہا ابدا ثم اصرف بصرک الی موضع سجودک فلو تعلم من عن یمینک و شمالک لاحسنت صلاتک و اعلم انک بین یدی من یراک ولا تراہ)

ترجمہ! اپنی ہر فریضہ نماز کو اس کے وقت پر آخری نماز سمجھ کر ادا کرو چونکہ ممکن ہے پھر کبھی آپ کو نماز کی آدائیگی کا موقع نہ ملے پھر اپنی نگاہوں کو جائے سجدہ کی طرف لگاؤ اگر تمہیں اس بات کا علم ہو کہ اپکے دائیں اور بائیں کوئی ہے تو اس وقت آپ بڑے خشوع وخضوع کیساتھ نماز پڑھتے ہو۔جبکہ آپ کو علم ہونا چاہے کہ آپ اس کے سامنے نماز ادا کر رہے ہیں جو ذات آپ کو تو دیکھ رہی ہے مگر آپ اسے نہیں دیکھ رہے۔رسول اکرمؐ سے منقول ہے (یا اباذر ما دمت فی الصلاۃ فانک تقرع باب الملک ومن یکثر قرع باب الملک یفتح لہ یا اباذر ما من مومن یقوم الی الصلاۃ الا تناثر علیہ البر ما بینہ و بین العرش وو کل اللہ بہ ملکا ینادی یا بن ادم لو تعلم ما لک فی صلاتک و لمن تناجی لما سئمت ولا التفت الی شیء)

ترجمہ! اے ابوذر آپ جب تک نماز میں مشغول رہتے ہو تو آپ گویا بادشاہ (خالق کائنات) کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہے ہوتے ہو۔اور جو مالک وآقا کے دروازہ کو بار بار کھٹکھٹاتا رہے آخر کار اس کے لیے دروازہ کھول ہی دیا جاتا ہے۔اے ابوذر مومن نماز ادا نہیں کرتا مگر یہ کہ عرش بریں سے اس پر نیکیوں کی بارش برسادی جاتی ہے۔اللہ تعالی اس امر کے لیے

ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے۔ جو یوں ندا دیتا ہے اے اولا د آدمؑ! اگر تم جانتے ہوتے کہ اس نماز میں آپ کے لئے کتنی جزا اور عظمت ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ تم کسے پکار رہے ہو تو پھر آپ کبھی بھی اس سے اکتا کر کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ خالق کائنات نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ (یاموسی عجل التوبه واخرالذنب و تاءن فی المکث بین یدی فی الصلاۃ ولا ترج غیری وا تخذنی جنة للشدائد وحصنا لملمات الامور)

ترجمہ! اے موسیٰؑ توبہ اور خدا کیطرف رجوع کرنے میں جلدی کرو اور گناہوں سے دور رہو اور نماز و دعا کی صورت میں میری بارگاہ میں حاضری کے دوران طوالت کرو میرے علاوہ کسی اور سے امید یں نہ باندھو شدائد اور مصیبتوں سے بچاؤ کیلئے مجھے ڈھال بناؤ۔ اور اپنے مشکل امور میں مجھے محکم قلعہ قرار دو۔(۱)

---

(۱) اس وحی میں حضرت موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے گناہوں میں تاخیر کرنے اور جلد توبہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں پر اس امر کی مختصر وضاحت کرنا مقصود ہے۔ انبیاء کرامؑ معصوم ہوتے ہیں۔ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کو مخاطب کر کے حقیقت میں دوسرے عام لوگوں کو تعلیم دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہوتا ہے جسے ہم نے سابقاً اسی موضع سے متعلق حدیث کے ذیل میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" تو اس اعتبار سے تمام اس قسم کی احادیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے جن میں معصوم اور اللہ کے برگزیدہ بندے مقربین خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی مغفرت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور کبھی ان کی طرف توبہ کرنیکی نسبت ہوتی ہے اس کے علاوہ یہاں پر ایک اور تحقیقی جواب بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جو کہ مذکورہ نکات سے زیادہ دقیق ہے وہ یہ کہ ان احادیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے معنی ذنب پر دقیق ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔ عربی لغت میں "ذنب" کو (نقص) کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تو بنابریں چونکہ ہر انسان چاہے جس مرتبہ اور منزلت پر بھی کیوں نہ پہنچ جائے وہ پھر بھی ممکن الوجود ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ واجب الوجود ہے اور اللہ تعالیٰ "عین کمال" ہے کمالات کی کوئی حد نہیں ہے تو اس صورت میں ان احادیث سے مراد یوں ہوگی کہ ہر ممکن کے سامنے کمالات کا لامتناہی سلسلہ موجود ہے۔ لہٰذا وہ واجب الوجود خدا جو کہ عین کمال ہے اور کمالات عطا کرنے والا ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے اس امکان کی قیود سے مجرد ہونے کے لیے اپنے آپ کو مادیت سے مجرد کر کے اور فنا فی اللہ کے بحر میں غوطہ زنی کر کے آسمان کمال کو چھونے کی جستجو میں رہتا ہے۔ (فتامل واغتنم) علاوہ بریں گناہوں سے جلد توبہ کرنے اور فوری طور پر خدا کی طرف رجوع کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس پر آیات قرآنیہ اور روایات آئمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام بکثرت دلالت کرتی ہیں۔ اگر چہ روایت میں "تاخیر گناہ" کے الفاظ ہیں مگر اس سے مراد ترک گناہ ہے۔)

الثانی: آداب دعا میں سے دوسرا امر یہ ہے کہ دعا میں اصرار کرنا چاہئیے چونکہ رسول اسلامؐ کا فرمان مقدس ہے کہ (**ان اللہ یحب السّائل اللوح**) خدا اصرار کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

ولید بن عقبہ الہجری روایت کرتا ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے یہ سنا کہ! (**واللہ لا یلح عبد مومن علی اللہ فی حاجتہ الاقضا ھا اللہ لہ**) کوئی بھی مومن بندہ خدا سے اپنی حاجت اصرار کے ساتھ طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ خدا اس کی حاجت کو پورا کر دیتا ہے راوی ابو صباح امام صادقؑ سے روایت کرتا ہے (**ان اللہ کرہ الحاح الناس بعضھم علی بعض فی المسئلة و احب ذالك لنفسه ان اللہ یحب ان یسئل و یطلب ما عندہ**) اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ ایک دوسرے سے کسی مسئلہ اور حاجت کی طلب میں اصرار کریں لیکن اپنے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس سے اصرار کے ساتھ حاجت کو طلب کریں خدا اس امر کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور اس کے خزانوں سے طلب کیا جائے۔

الثالث: آداب دعا میں سے ہے کہ حاجت کو نام لے کر طلب کیا جائے۔ ابو عبداللہ الضراء حضرت امام صادقؑ سے روایت کرتا کہ (**ان اللہ تبارك وتعالی یعلم ما یرید العبد اذا دعا و لکنه یحب ان تبث الیه الحوائج**) بندہ خدا سے جو بھی طلب کرتا ہے خدا اسے جانتا ہوتا ہے مگر خدا نام لیکر حاجت پیش کرنے کو پسند کرتا ہے۔ تورات سے منقول ہے۔ (**یا موسی من احبنی لم ینسنی و من رجا معر فی ألحّ فی مساء لتی یا موسی انی لست بغافل عن خلقی و لکن احب ان تسمع ملا ئکتی ضجیج الدعا من عبادی وتری حفظتی تقرب بنی ادم الی بما انا مقویھم علیه و مسببه لھم**)

(ترجمہ) کعب الاحبار سے منقول ہے کہ اے موسیٰ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ مجھے کبھی فراموش نہیں کرتا اور جو شخص میرے احسان کی امید رکھتا ہے وہ مجھ سے سوال کرنے میں اصرار کرتا ہے۔ اے موسیٰ میں اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہوں لیکن میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے فرشتے میرے بندوں کی دعاؤں کی آوازیں سنیں۔ اور میرے حافظان (اعمال) ملائکہ ملاحظہ کریں کہ بنی آدم کس طرح اس چیز کا (دعا وعبادت کے ذریعہ) میرا قرب حاصل کرتے ہیں۔ جس کی قوت وطاقت دینے والا اور اسے (دارین کی کامیابی کا) سبب قرار دینے والا میں خود ہوں۔

الرابع: خفیہ طور پر دعا مانگنا۔

آداب دعا میں سے ہے کہ خدا سے اپنی دعاؤں کو خفیہ اور پراسرار طور پر مانگا جائے تاکہ ریاکاری کا شبہ وغیرہ نہ ہو۔

کیونکہ خالق کائنات فرماتا ہے کہ (ادعوا ربکم تضرعا و خفیه) سورہ الاعراف ۵۵۔ تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خاموشی سے پکارو۔ اسماعیل ابن ھمام حضرت امام علی رضاؑ سے نقل کرتا ہے کہ ۔(دعوۃ العبد سرا دعوۃ واحدۃ تعدل سبعین دعوۃ علانیه) ترجمہ: بندہ کی خفیہ طور پر دعا کرنا زور زور سے علانیہ طور پر کی جانیوالی ستر دعاؤں کے برابر ہے ایک اور روایت میں ہے کہ (دعوۃ تخفیھا افضل من سبعین دعوۃ تظھرھا) مخفی دعا ستر ظاہری دعاؤں سے بہتر ہے ۔رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ (ان ربك يباهي الملائكه بثلاثه نفر رجل يصبح في ارض قفرة فيؤذن و يقيم ثم يصلي فيقول ربك للملائكه انظروا الى عبدى يصلي و لا يراه احد غيري فينزل سبعون الف ملك يصلون وراءه و يستغفرون له الى الغد من ذلك اليوم ورجل قام من الليل يصلي وحده فسجد ونام وهو ساجد فيقول انظروا الى عبدى روحه عندى وجسده ساجد لى ورجل في زحف فيفر اصحابه ويثبت هو يقاتل حتىٰ قتل) خالق کائنات ملائکہ کے سامنے تین قسم کے بندوں پر فخر و مباہات کرتا ہے۔

۱: ایسا شخص جو چٹیل میدان جہاں آثار زندگی بھی نہ ہوں وہاں پر صبح کرے اور اذان و اقامت کہنے کے بعد نماز ادا کرے تو خدا اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میرے اس بندہ کی طرف نگاہ کرو جو میری عبادت اس جگہ کر رہا ہے کہ (ریاکاری سے پاک ہے) جسے میرے سوا اور کوئی نہیں دیکھ رہا۔ ستر ہزار فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اس کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں اور دوسرے دن تک خدا سے اس کے لئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

۲: دوسرا وہ شخص ہے جو رات کی تاریکی اور تنہائی میں نماز ادا کرتا ہے اور طویل سجدہ میں سو جاتا ہے تو خدا اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کہ دیکھو میرے اس بندہ کو جسکی روح میرے ہاں پہنچ چکی ہے جب کہ اس کا جسم میرے لیے (دنیا میں) سجدہ کیئے ہوئے ہے۔

۳: تیسرا وہ شخص ہے جسے دشمنوں کی پیش قدمی اور سخت مرحلہ میں اس کے اصحاب و انصار چھوڑ کر بھاگ جائیں لیکن وہ شخص ثابت قدم رہ کر لڑتا رہے یہاں تک کہ قتل ہو جائے۔

الخامس: عموی دعا کرنا۔ راوی ابن القداح حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ (قال رسول اللهؐ اذا دعا احدكم فليعمم فانه أوجب للدعاء) رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جب آپ میں سے کوئی دعا کرے تو اسے عام کرے کیونکہ اس طرح دعا قبول ہوتی ہے۔

السادس: اجتماعی طور پر دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (و اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم) سورہ الکھف ۲۸ (ترجمہ) اور اپنے نفس کو ان لوگوں کیساتھ صبر پر آمادہ کرو جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ خدا نے مباہلہ کے لئے بھی اجتماعی حکم دیا ہے۔ یعنی اگر جھوٹوں پر لعنت بھیجنی ہو تب بھی اجتماعی لعنت بھیجو۔ ابو خالد حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ۔ (ما من رهط اربعين رجلا اجتمعوا فدعوا الله في امر الا استجاب الله لهم فان لم يكونوا اربعين فأربعة يدعون الله عشر مرات الا استجاب الله لهم فان لم يكونوا اربعة فواحد يدعو الله اربعين مرة يستجيب الله العزيز الجبار له)

ترجمہ! کوئی بھی قوم سے ایسے چالیس آدمی نہیں ہیں جو مل کر خدا کو پکاریں مگر یہ کہ خدا ان کی دعا و پکار کو قبول فرماتا ہے۔ اور اگر چالیس آدمی نہ ہوں تو چار آدمی دس مرتبہ خدا سے ملکر دعا کریں تو انکی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر چار آدمی بھی نہ ہوں تو ایک آدمی خدا سے چالیس مرتبہ دعا کرے تو عزیز و جبار خدا اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

راوی عبدالاعلی حضرت امام صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ (ما اجتمع اربعة قط على امر فدعوا الله تعالىٰ إلاّ تفرقوا عن اجابة) چار آدمی ایک امر پر متفق ہو کر دعا کریں تو خدا ان کی دعا جدا ہونے سے پہلے قبول فرماتا ہے۔

تذنیب: جو شخص دعا کرتے وقت (امین) کہتا ہو تو وہ بھی اس دعا کرنے میں شریک ہوتا ہے خداوند ذوالجلال ارشاد فرتا ہے۔ (قد اجيبت دعوتكما) سورہ یونس ۸۹ (ترجمہ) تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی۔ اس آیہ مجیدہ کی تفسیر یوں کی جاتی ہے۔ کہ دعا کرنے والے فقط حضرت موسیٰؑ تھے مگر حضرت ھارونؑ ان کی دعا پر آمین کہنے والے تھے۔ لیکن پھر بھی دعا کی نسبت دونوں کی طرف دیکر سند اجابت دی گئی ہے۔

راوی علی ابن عقبہ کسی شخص سے نقل کرتا ہے۔ کہ حضرت صادق ال محمدؑ نے ارشاد فرمایا کہ۔ (كان ابي اذا حزنه امر جمع النساء و الصبيان ثم دعا وأمنوا) میرے والد بزگوار (حضرت امام محمد باقرؑ) اگر کسی وجہ سے پریشان ہوتے تو گھر کی خواتین و بچوں کو جمع کر کے دعا فرماتے اور وہ سب امین کہتے۔ راوی سکونی حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ۔ (الداعي و المومن شريكان) دعا کرنے والا اور امین کہنے والا دونوں (دعا میں) شریک ہیں۔

السابع: دعا کے وقت خشوع و خضوع کا اظہار کرنا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔ ادعوا ربكم تضرعا و خفيته۔ اپنے رب کو عاجزی اور خاموشی کیساتھ پکارو۔ ائمہ ھدیٰ علیہم الصلوۃ والسلام کی ادعیہ میں وارد ہے کہ (ولا ينجي منك الا التضرع اليك) الٰہی تیرے عذاب سے سوائے تجھ سے عاجزی وانکساری کے اور کوئی چیز نہیں بچا

سکتی۔حضرت موسیؑ کی طرف خدا وحی میں ارشاد فرماتا ہے کہ (یا موسی کن اذا دعوتنی خائفا مشفقا وجلا و عفر وجهك في التراب و اسجد لي بمكارم بدنك و اقنت بين يدي في القيام و ناجني حيث تناجيني بخشيه من قلب وجل) اے موسیؑ جب مجھ سے دعا کرنے لگو تو مجھ سے ڈرتے ہوئے دعا کرنا اور اپنے چہرے کو خاک آلودہ کر کے دعا کرنا اور اپنے بدن کے اشرف و اعلیٰ (اعضاءِ سبعہ) کیساتھ میرے لئے سجدہ کرو۔ میرے حضور کھڑے ہو کر عاجزی و انکساری کرو۔ اور مجھے قلبی خوف کیساتھ پکارنا۔(۱)

حضرت عیسیٰؑ کو خدا وحی میں ارشاد فرماتا ہے (یا عیسیٰ ادعني دعاء الغريق الحزين الذي ليس له مغيث يا عيسیٰ اذل لي قلبك و اكثر ذكري في الخلوات و اعلم ان سروري ان تبصبص اليّ وكن في ذالك حياً ولا تكن ميتاً واسمعني منك صوتا حزيناً)

ترجمہ! اے عیسیٰؑ مجھے اس طرح (خضوع و خشوع کے ساتھ) پکارو جس طرح کوئی غمزدہ ڈوبنے والا پکارتا ہے کہ جس کا کوئی فریادرس اور مددگار نہیں ہوتا اے عیسی! اپنے دل کو میرے لئے متواضع کر اور تنہائیوں میں بکثرت میرا ذکر کر اے عیسیٰؑ

---

(۱) اس میں استعمال ہونے والے (خائفاً)، (مشفقاً)، (وجلاً) تینوں لفظوں کے معنیٰ اردو لغت میں ''ڈر'' کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں یہ ممکن ہے کہ اس وحی میں ان تینوں الفاظ کو ایک ہی معنیٰ (ڈر اور خوف) میں تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہو وہاں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ خدا سے خوف کی مختلف اقسام اور متعلق خوف کے اعتبار سے ان الفاظ میں سے ہر ایک لفظ سے خوف الٰہی کی ایک خاص قسم مراد ہو۔ مثلاً (خائفاً) کے لفظ سے مراد وہ خوف ہوگا جو خالق کی عظمت اور اس کی بے نیازی سے ملاحظہ ہوتا ہے کہ وہ کتنا عظیم ہے اور بندہ گناہوں میں لت پت ہے۔ اور اب اس حالت میں بندہ کس طرح بارگاہ عظیم میں حاضر ہے۔ اور (وجل) سے وہ خوف الٰہی مراد ہوگا جو اس امر کا ملاحظہ کرنے کے بعد ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنے گناہوں کا تصور کرتا ہے تو اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر دعا کرے۔ اسے اس امر کا خوف رہتا ہے کہ خدا اس کی دعا کو رد کر دے۔ ایسے خوف کو (وجل) کہا جاتا ہے۔ اسی مفہوم خوف پر حضرت امام زین العابدینؑ کا کلام حق ترجمان دلالت کرتا ہے جب آپ حج کے موقع پر تلبیہ کہہ رہے تھے لبیک اللھم ....الخ آپ یہ کہتے کہتے غش کھا گئے جب غش سے افاقہ ہوا تو لوگوں کے سوال کرنے کے بعد جواب میں فرمایا کہ مجھے تلبیہ کہتے وقت اس امر کا خوف ہوا کہ خداوند ذوالجلال مجھے یہ نہ کہہ دے کہ (لا لبیک ولا سعدیک)۔ اور جہاں تک (مشفقاً) کے معنیٰ کا تعلق ہے تو اس سے مراد ایسا خوف ہے جو حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے سے ہوتا ہے۔ (انتہی فتامل)

میری خوشی اس میں ہے کہ تو میرے سامنے حقیروں اور خوشامدانہ لوگوں کی طرح کلام کر۔ سوال کرنے میں زندہ دلی کا ثبوت دینا مردہ دل نہ ہونا اور مجھے اپنی اندوہناک وغمناک آواز سنا۔

روایت میں ملتا ہے کہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کوفرعون کی طرف بھیجا تو دونوں کو یوں فرمایا (لا یروّعکما لباسه فان ناصیته بیدی ولا یعجبکما ما متع به من زهرة الحیاة الدنیا و زینة المترفین فلو شئت زینتکما بزینة یعرف فرعون حین یراها ان مقدرته تعجز عنها ولکنی ارغب بکما عن ذالك فازوی الدنیا عنکما و کذالك افعل بأولیائی لاذودهم عن نعیمهما کما یذود الراعی غنمه عن مراتع الهلکةوانی لاجنبهم سلوکها کما یجنب الراعی الشفیق ابله عن موارد العثرةوما ذاك لهو انهم علیّ ولکن لیستکملوا نصیبهم من کرامتی سالما موفراً انما یتزین لی اولیائی بالذل والخشوع والخوف الذی ینبت فی قلوبهم فیظهر علیٰ اجسادهم فهو شعارهم ودثارهم الذی به یستشعرون ونجاتهم التی بها یفوزون ودرجاتهم التی لها یأملون ومجدهم الذی به یفخرون وسیماهم التی بها یعرفون فاذا لقیتهم ـ یاموسیٰ ـ فاخفض لهم جناحك والن لهم جانبك و ذلل لهم قلبك ولسانك واعلم انه من أخافلی ولیّافقد بارزنی بالمحاربةثم انا الثائر لهم یوم القیامة)

ترجمہ! خداوندکریم نے جب جناب موسیٰ وہارون کوفرعون کے پاس بھیجا تو ان کوفرمایا کہ تمھیں اس کا شاہانہ لباس حیرانی میں نہ ڈال دے اس کی پیشانی میرے قبضہ قدرت میں ہے اوراس کی زیب وزینت تعجب میں نہ ڈال دے (جوحقیقت پر مبنی ہی نہیں) اگر میں چاہتا تو تمھیں بھی ایسی آسائش دنیا سے مزین کرتا کہ اگرفرعون دیکھتا تو دنگ ہی رہ جاتا لیکن میں تم سے دنیا کی زیب وزینت کوتم سے دور رکھنا چاہتاہوں بلکہ میں نے اپنے تمام دوستوں کیلئے اس دنیا سے ہمیشہ اتنی مقدار میں عطا کرنا پسند کیا ہے جتنا ایک چرواہا قحط سالی کے دنوں میں اپنے حیوانوں کو چارہ دیتا ہے (تاکہ زندہ رہ سکیں) اور میں اپنے اولیاءکو دنیا کی لغزشوں اوراس کے مہلک راستوں سے اس طرح محفوظ رکھتا ہوں جسطرح ایک مہربان چرواہا اپنے گوسفندوں کو دھوکہ ونقصان کے مقام سے بچاتا ہے اور یہ اس لیئے نہیں کہ ان کا مقام میری نظر میں پست ہے اور وہ ذلیل وخوار ہیں بلکہ یہ اس لیئے ہے تاکہ وہ (بروز قیامت) اپنے حصہ کو پوری طرح حاصل کرسکیں اور میرے ہاں میرے اولیاء کی زیب وزینت اس میں ہے کہ وہ خشوع وخضوع اورخوف الہی کے ساتھ اپنے آپ کومزین کریں اوراسی سے ہی وہ پہچانے جاتے ہیں اوراسی (خوف) سے ہی انکی نجات وحیات ہے اوراسی سے ہی ان کی کامیابی وابسطہ ہے اور یہی ان کا درجہ ہے جس کے وہ امیدوار ہیں ااور یہی ان کا فخر ومجد ہے جس پر وہ ناز کرتے ہیں ااور یہی ہی ان کی خصوصی علامت

ہے جس سے ان کی شناخت و پہچان ہوتی ہے۔

اے، موسیٰ! ایسے لوگوں سے ملاقات کے وقت نرمی سے پیش آنا اور ان کے ساتھ متواضع ہو کر پیش آنا اور ان کیلئے دل وزبان کو رام کرو۔ اے موسیٰ جو میرے کسی دوست کو ڈراتا دھمکاتا ہے یا ہراساں کرتا ہے وہ درحقیقت میرے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور بروز قیامت میں ایسے لوگوں سے بدلہ لوں گا۔

الثامن: سوال سے پہلے خداوند ذوالجلال کی مدح وثناء کرنا ......

روایات کثیرہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ دعا کرنے سے پہلے خدا کی مدح وثناء کی جائے۔

حارث بن مغیرہ روایت کرتا ہے کہ حضرت امام جعفر علیہ السلام سے میں نے سنا ہے کہ (ایاکم اذا اراد ان یسئل احدکم ربہ شیئامن حوائج الدنیا حتیٰ یبداء بالثناء علی اللہ والمدحۃ لہ والصلوٰۃ علی النبیؐ ثم یسئل اللہ حوائجہ) آپ میں سے جو بھی خدا سے اپنی حاجات طلب کرنا چاہے تو سب سے پہلے خدا کی حمد وثناء کرے اور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود سلام بھیجے پھر اس کے بعد خدا سے اپنی حاجات طلب کرے۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں (ان رجلادخل المسجد و صلی رکعتین ثم سئل اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعجل العبد ربہ و جاء آخر و صلی رکعتین ثم اثنیٰ علی اللہ و صلی علی النبیؐ فقال رسول اللہ سل تعطہ) (ایک دفعہ) ایک شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد خدا سے حاجات طلب کرنے لگتا ہے تو رسول اکرمؐ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ یہ بندہ خدا سے جلدی دعا مانگ رہا ہے جبکہ دوسرا شخص آتا ہے دو رکعت نماز پڑھتا ہے پھر خدا کی ثناء کرنے کے بعد نبی اکرمؐ پر درود سلام بھیجتا ہے رسول خدا ایسے شخص کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اب جو مانگ خدا تجھے عطا فرمائے گا۔

محمد بن مسلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ (ان فی کتاب امیر المومنین ان المسئلۃ بعد المدحہ فاذا دعوت اللہ فمجدہ قال : قلت کیف نمجدہ ؟ قالؑ : تقول : یا من ھو اقرب الی من حبل الورید یا من یحول بین المرء وقلبہ یا من ھو بالمنظر الاعلی یا من لیس کمثلہ شئی) حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہا السلام کی کتاب میں مکتوب ہے کہ خدا سے سوال کرنے سے پہلے اس کی مدح کرو پس اگر خدا کو پکارنا ہو تو اس کی تعریف کرو، راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کیسے خدا کی حمد وثناء کی جائے ؟ تو امام اسے (تعلیم دیتے ہوئے) فرماتے ہیں یوں کہو اے خدایا تو میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اے وہ خدا جو انسان اور اس کے دل کے مابین

ہے اے وہ جس کے لیے اعلی مقام ہے اے وہ خدا جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔(۱)

معاویہ بن عمار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ (**انما ھی المدحۃ ثم الثناء ثم الاقرار بالذنب ثم المسئالۃ انہ واللہ ما خرج عبد من ذنب الا بالاقرار**) سوائے اس کے نہیں ہے کہ (دعا سے) پہلے خدا کی مدح ہے پھر اس کی ثناء ہے پھر اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف ہے پھر خدا سے سوال کرنا ہے کیونکہ خدا کی قسم کوئی بھی گناہ سے پاک نہیں ہوا مگر یہ کہ اس نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہو۔

راوی عیص بن قاسم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ (**اذا طلب احد کم الحاجۃ فلیثن علی ربہ ولیمدحہ فان الرجل منکم اذا طلب الحاجۃ من السلطان ھیأ لہ من الکلام احسن ما یقدر علیہ فاذا**

---

(۱) مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے مذکورہ کلام میں (**یا من ھو اقرب الی من حبل الورید**) سے مراد خالق کائنات کا مخلوق سے انتہائی قرب بتانا ہے۔اسی وجہ سے ورید کی مثال دی گئی ہے۔جو کہ بالکل گردن میں ہوتی ہے۔اور (**یا من یحول بین المرء قلبہ** سے مقصود یہ ہے کہ خالق کائنات انسان کے دل اور خود اس کے درمیان بھی حائل اور فاصلہ ہے اور وہی ذات جس کو چاہے اپنی توفیقات الہیہ سے شھوات بدنیہ اور جسمانی قوتوں کے تقاضوں کی طرف میل اور راغب نہیں ہونے دیتی۔اور یہ خدا کی طرف سے لطف ہے۔مولائے متقیانؑ کے کلام حق ترجمان کے تیسرے جملہ (**یا من ھو بالمنظر الاعلی**) سے مراد خدا کا احاطہ علم برائے جمیع ممکنات بیان کرنا ہے۔یعنی خدا ہر چھوٹی اور بڑی، مخفی اور ظاہر چیز کو جانتا ہے اور تمام پر خدا ہی کا کنٹرول اور حکمرانی ہے اور جہاں تک آخری جملہ (**یا من لیس کمثلہ شیء**) سے مقصود ہے تو اس سے خدا کی مثلیت کی مثل کی نفی کی جائے تو اس سے اس وحدہ لاشریک لہ کا مثل ثابت ہوتا ہے۔لہذا یہاں عربی گرائمر کی رو سے (کمثلہ) کی کاف زائدہ ہے۔تو اس صورت میں خدا کے (مثل) کی نفی ہو جاتی ہے۔نہ اس کے مثل کے مثل کی نفی ہوگی تا کہ اس کے مثل کا ثبوت لازم آئے۔اس جملہ کی ایک اور تفسیر بھی کی جاتی ہے وہ یوں کہ اس جملہ سے مراد خدا کے (مثل) کی نفی ہی ہے مگر دلیل و برہان کیساتھ نفی کی گئی ہے۔اس امر کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ذات کردگار مسلم الثبوت ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔اور اگر اس ذات کردگار کا (مثل) ثابت ہو جائے تو اس (مثل) کا (مثل) بھی ثابت ہونا لازم آئے گا۔تو ایسی صورت میں (مثل) ملزوم ہو گا اور (مثل المثل) لازم ہوگا۔تو جب لازم جو کہ (مثل المثل) ہے کی نفی ہو جائے گی تو اس سے ملزوم جو کہ (مثل) ہے اسکی بھی نفی ہو جائے گی۔اور اس کی نفی مطلوب ہے۔(فتامل واغتنم)

طلبتم الحاجة فمجدوا الله العزيز الجبار وامدحوه و اثنوا عليه بقول : يا اجود من اعطى و يا خير من سئل و يا ارحم من استرحم ياواحد يا احد يا صمد يا من لم يلد ولم يو لد ولم يكن له كفوا احد يا من ل يتخذ صاحبة و لا ولد أيا من يفعل ما يشاء ويحكم ما يريدو يقضي ما احب يا من يحول بين المرء و قلبه يا من هوبالمنظر الاعلى يا من ليس كمثله شئى يا سميع يا بصير ،..... واكثر من اسماء الله فان اسماء الله تعالى كثيرة و صل على محمد و على آل محمد ، وقل : اللهم اوسع على من رزقك الحلال ما اكف به وجهي واودى به عن ا مانتي و اصل به رحمي ويكون لي عونا على الحج والعمرة) آپ میں سے جب کوئی خدا سے حاجات طلب کرنا چاہے تو سب سے پہلے اسکی مدح وثناء کرے کیونکہ جب کسی حکمران وسلطان سے کوئی حاجت طلب کی جاتی ہے تو آپ اس کے لیے (خوش کرنے والی) بہترین کلام سب سے پہلے پیش کرتے ہو تو پس جب آپ خدا سے کوئی حاجت طلب کرو تو رزق عطا کرنے والے، اور بے مثل و بے مثال خدا کے لیے بھی حمد وثناء کرو اور اس کی تعریف ان الفاظ میں کرو! اے سب سے زیادہ سخی عطا کرنے والا ، اے وہ جس سے سوال کرنا اچھا اور مناسب ہے، اے وہ جو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، اے وہ جو ذات وصفات میں تنہا و یکتا ہے، اے بے نیاز، اے وہ جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا ہے، اے وہ جس کا کوئی ہم سر نہیں ہے، اے وہ ذات جس کی نہ کوئی زوجہ اور نہ کوئی بیٹا، اے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے ارادہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اپنی پسند کے مطابق قضاء وقدر کرتا ہے، اے وہ جو انسان اور اس کے دل کے مابین حائل ہے اور اعلیٰ مقام پر ہے، اے وہ جس کی کوئی مثال نہیں ہے، اے سننے والے، اے دیکھنے والے ...... (راوی کہتا ہے کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ کے اسماء گرامی زیادہ سے زیادہ ذکر کر چونکہ اسماء اللہ بہت زیادہ ہیں) پھر محمد و آل محمدؐ پر درود وسلام بھیجے اور یوں کہے: خدایا اپنے رزق حلال میں سے میرے رزق میں وسعت پیدا کرتا کہ میں اپنی آبرو بچا کر کسی سے سوال نہ کرسکوں اور جس کے ذریعہ میں اپنی امانات (واجبات وغیرہ) ادا کرسکوں اور صلہ رحمی کرسکوں اور یہ رزق حلال حج بیت اللہ اور عمرہ کرنے میں معاون ثابت ہو۔(۱)

---

(۱) اس حدیث مبارک میں مدح خداوندی کی گئی ہے۔ مدح کرنے کے بعد طلب رزق حلال کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسا رزق جو شرعی طریقہ سے کمایا گیا ہو اور کمانے کا طریقہ پاک و طاہر ہو۔ علماء میں اس امر کا اختلاف ہے کہ آیا حرام کو بھی رزق کہا جاتا ہے یا نہیں؟ تو گویا رزق ہے ہی حلال۔ بعض علماء کے نزدیک حرام کو اصلاً رزق ہی نہیں کہا جاتا۔
اور حدیث میں جہاں تک طلب ادائیگی امانت کی گئی ہے تو اس امانت کی ادائیگی سے مراد واجبات مثل عبادات وغیرہ کی ادائیگی پر قوت اور صحیح معنیٰ میں ان کو ادا کرنے میں معاون ثابت ہونے والا رزق طلب کیا گیا ہے۔ اسی لیے بعض روایات میں ملتا ہے کہ عبادات کی ادائیگی رزق حلال پر موقوف ہے جیسا کہ مروی ہے (لو لا الخبز ما صلينا ولا صمنا) اگر روٹی نہ ہوتی تو نہ نماز پڑھتے اور نہ ہی ہم روزہ رکھتے۔)

التاسع : قبل از دعا محمدؐ و آل محمدؐ پر درود وسلام بھیجنا:

ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ (قال رسول اللهؐ من ذکرت عنده فنسی ان یصلی علیّ خطاء الله به طریق الجنّة) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو میرا تذکرہ کرنے پر درود بھیجنا بھول جائے تو وہ راہ جنت کھو بیٹھتا ہے۔

راوی ابن القدح حضرت صادق آل محمدؐ علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (سمع ابی رجلا متعلقا بالبیت یقول : اللهم صل علی محمد فقال لا تبترها و لا تظلمنا حقنا قل : اللهم صل علی محمد و اهل بیته)میرے والد بزرگوار (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) نے خانہ کعبہ سے لپٹے ہوئے ایک شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا : خدایا محمدؐ پر درود بھیج ،تو میرے والد بزرگوار نے اس سے کہا کہ درود کو ادھورا نہ پڑھ اور ہمارے حق پر ظلم نہ کر، درود کو یوں پڑھ خدایا محمد و اھل بیت محمدؐ پر درود وسلام ہو۔

عبد اللہ بن نعیم کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ جب میں خانہ کعبہ میں داخل ہوا تو مجھے سوائے درود کے اور کوئی چیز یاد نہیں رہی تو امام علیہ السلام نے فرمایا خدا کے گھر میں کسی نے بھی آپ سے بہتر عمل انجام نہیں دیا۔

جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (ان عبدا مکث فی النار یناشدالله سبعین خریفا و سبعین خریفا والخریف سبعون سنة و سبعون سنة ثم قال : انه سئل الله بحق محمد و اهل بیته لما رحمتنی ، قال فاوحی الله الی جبرائیل ان اهبط الی عبدی فاخرجه الیّ قال یا رب کیف لی بالهبوط فی النار؟ قال انی قد امرها ان تکون علیك بردا وّ سلاما قال یا رب فما علمی بموضعه ؟ قال انه فی جب من سجین قال فهبط الیه وهو معقول علی وجهه بقدمه قال : قلت کم لبثت فی النار ؟ قال ما احصی کم ترکت فیها خلقا قال فاخرجه الیه قال: فقال له یاعبدی کم کنت تناشدنی فی النار؟ قال ما احصی یا رب قال : اما وعزتی و جلالی لو لا ما سئلتنی به لاطلت هوانك فی النار لکنه حتم حتمته علی نفسی لایسئلنی عبد بحق محمد و اهل بیته الا غفرت له ما کان بینی و بینه فقد غفرت لك الیوم) ایک جہنمی شخص ایک سو چالیس خریف خدا کو پکارتا رہا اور ایک خریف ایک سو چالیس سال کے برابر ہے پھر امام علیہ السلام نے فرمایا اس شخص نے خدا سے محمد و اہل بیت محمد کا واسطہ دے کر رحمت خدا کا سوال کیا حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالی نے جبرائیل کو وحی کی کہ جاؤ میرے اس بندہ کو جہنم کی آگ سے نکال کر لے آؤ جبرائیل نے عرض کی الہی میں کیسے جہنم کی

آگ میں جاؤں؟ تو خالق نے فرمایا جاؤ میں نے جہنم کی آگ کو آپ پر ٹھنڈا کر دیا ہے، پھر جبرائیل عرض کرتا ہے کہ مجھے اس کے مقام کا پتہ نہیں ہے خالق نے فرمایا کہ وہ جہنم کی وادی (سجین) کے گہرے کنویں میں ہے جبرائیل جب وہاں اس جہنمی شخص کے پاس آتا ہے تو (دیکھتا ہے کہ) وہ شخص رسی سے منہ کے بل لٹکا ہوا ہے جبرائیل کہتا ہے میں نے اس سے پوچھا یہاں جہنم میں کتنا عرصہ گذارا ہے؟ یہ شخص کہتا ہے مجھے کوئی شمار نہیں ہے، جبرائیل اسے وہاں سے نکال کر بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے، خداوند ذوالجلال اسے فرماتا ہے اے میرے بندہ کتنا تو نے مجھے پکارا ہے؟ بندہ عرض کرتا ہے مولا کوئی شمار نہیں ہے خالق دو جہاں فرماتا ہے آگاہ رہو مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم اگر تو مجھے محمد و آل محمد کے توسط سے نہ پکارا ہوتا تو میں جہنم میں تیرے عذاب کو طویل کر دیتا، لیکن میں نے اپنے اوپر حتمی قرار دیا ہے کہ جو بندہ بھی مجھے محمد و آلؑ محمد کا واسطہ دیکر سوال کرے گا میں اسے بخش دوں گا تو پس میں نے تجھے آج محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ معاف کر دیا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ (ان اللہ یقول یا عبادی او لیس من لہ الیکم حوائج کبار لا تجودون بھا الا ان یتحمل علیکم باحب الخلق الیکم تقضونھا کرامۃ لشفیعھم ؟ الا فاعلموا ان اکرم الخلق علیّ و افضلھم لدیّ محمد و اخوہ علی و من بعدہ الائمۃ الذین ھم الوسائل الی الا فلیدعنی من ھمتہ حاجۃ یرید نفعھا او دھتہ داھیۃ یرید کشف ضررھا بمحمد و آلہ الطیبین الطاھرین اقضھا لہ احسن ما یقضیھا من تستشفعون باعز الخلق علیہ) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو کیا ایسا نہیں ہے کہ جس شخص کو آپ کے ہاں کوئی بہت بڑی حاجات ہوں تو جب وہ آپ کی محبوب ترین شخصیات کا واسطہ دیتا ہے تو آپ اسے پورا کر دیتے ہو، تو آپ ان کے احترام واکرام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شخص کے حق میں کی گئی شفاعت کو قبول کرتے ہوئے ان حوائج کو پورا کر دیتے ہو، پس جان لو! میرے نزدیک سب سے مکرم و معظم اور افضل مخلوق محمدؐ اور ان کے بھائی علی اور ان کے بعد والے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو مجھ تک پہنچنے کے لیے وسائل ہیں جس کسی کو کوئی حاجت ہو یا کوئی نفع چاہتا ہو یا کوئی مشکل درپیش ہو تو اس کا حل چاہتا ہو تو مجھے محمد وآل محمدؐ کا واسطہ دیکر پکارے میں اس کی حاجت کو پورا کروں گا اور اچھے طریقے سے حل کروں گا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ کلام سن کر مشرکین ومنافقین اور دین سے منحرف ہو جانے والے لوگوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ پھر تم اپنے خدا سے یہ دعا کیوں نہیں کرتے ہو کہ وہ آپکو سب سے زیادہ غنی ومالدار بنا دے، حضرت سلمان فارسیؓ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے خداوند ذوالجلال سے ایسے امر کی طلب کی ہے جو دنیا کی

سلطنت وحکمرانی اوراس کی زرق وبرق سے افضل اورزیادہ نفع مند ہے، پس میں نے اپنے آقا ومولا خداوند ذوالجلال کو محمد وآل محمد کا واسطہ دیکر سوال کیا ہے کہ الٰہی مجھے ایسی زبان عطا فرما جو ہر وقت تیری حمد وثناء میں مشغول رہے اور ایسا دل عطا فرما جو ہر نعمت خداوندی پر شکرانہ ادا کرے اور مصائب ومشکلات پر صبر کرنے والا بدن عطا فرما، حضرت سلمان فارسیؓ فرمانے لگے کہ خالق کائنات نے میری اس التجا کو اپنی بارگاہ میں قبول بھی فرمالیا ہے اور میری یہ حاجات دنیا ومافیھا سے لاکھوں درجہ کہیں افضل وفائدہ مند ہیں ۔

محمد بن علی بن بابویہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں

(استاذنت زليخا على يوسف وقيل لها يا زليخا انا نكره ان نقدم بك عليه لما كان منك اليه قالت : انى لا اخاف من يخاف الله ، فلما دخلت ،قال لها يا زليخا ، مالى اراك قد تغير لونك قالت ، الحمد لله الذى جعل الملوك بمعصيتهم عبيدا و جعل العبيد بطاعتهم ملوكا ، قال لها ، يا زليخا ما دعاك الى ما كان منك ، قالت : حسن وجهك يا يوسف قال فكيف لو رايت نبيا يقال له محمدصلى الله عليه و آله وسلم يكون فى آخر الزمان احسن منى وجها و احسن منى خلقا و اسمح منى كفا؟ قالت صدقت : قال و كيف علمت انى صادق ؟ قالت لانك حين ذكرته وقع حبه فى قلبى فاوحى الله الى يوسف انها قد صدقت و انى قد احببتها لحبها محمداو آله فامره الله تبارك و تعالى ان يتزوجها) زلیخا نے حضرت یوسف سے ملاقات کی اجازت لی ،تو دروازے پر کھڑے دربان نے کہا کہ ہم کیسے آپ کو حضرت کے سامنے لے جائیں گے چونکہ آپ کے سابقہ سلوک کی وجہ سے ہمیں یہ پسند نہیں ہے تو زلیخا نے کہا کہ میں اس سے نہیں ڈرتی ہوں جو خدا سے ڈرتا ہے تو جب یوسف علیہ السلام کے ہاں گئی تو حضرت یوسفؑ اسے کہنے لگے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ متغیر نظر آرہی ہیں زلیخا نے جواب میں کہا کہ حمد ہے اس خدا کی جس نے بادشاہوں کو معصیتوں کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے غلام بنادیا اور غلاموں کو اطاعت کی وجہ سے بادشاہی کا مرتبہ عطاء کیا، حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا کہ کس چیز نے تجھے میرے ساتھ ایسا سلوک کرنے پر مجبور کیا تھا ؟ زلیخا جواب میں عرض کرتی ہے کہ اے یوسفؑ تیرے چہرے کے جمال نے ، یوسفؑ نے کہا کہ پھر آپ کی کیا حالت ہوگی جب اللہ کے آخری نبی محمد مصطفیٰ ؐ کو دیکھو گے جو کہ مجھ سے زیادہ صاحب جمال اور اچھے اخلاق والا اور کریم ہے؟ زلیخا نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہو (واقعا اللہ کا یہ آخری نبی ایسا ہی ہے) جناب یوسفؑ نے فرمایا آپ کو کیسے معلوم ہوا ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں جبکہ آپ نے اس آخری نبی کو دیکھا نہیں ہے؟ زلیخا نے کہا کیونکہ جب سے آپ نے اس نبی کا ذکر کیا ہے اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوگئی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت

یوسفؑ پر وحی نازل کی اور فرمایا کہ زلیخا سچ کہہ رہی ہے اور محمد و آل محمد علیہم السلام سے محبت کرنے کی وجہ سے میں نے اسے پسند کرلیا ہے لہذا اے یوسفؑ اس سے شادی کرلو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جابر روایت کرتا ہے(**ان ملکا من الملائکة سئل الله ان یعطیه سمع العباد فاعطاه الله فذلك الملك قائمٌ حتی تقوم الساعة لیس احد من المومنین یقول : صلی الله علی محمدو اهل بیته الا قال الملك و علیك السلام ثم یقول الملك : یارسول الله ان فلان یقرأك السلام فیقول رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم و علیه السلام**)فرشتوں میں سے ایک فرشتہ نے خدا سے بندوں کی (کلام و دعا) سماعت کرنے کو طلب کیا خدا نے اس کی حاجت پوری فرما دی تو اب یہ فرشتہ تا قیامت اس امر میں مشغول ہے کہ مومنین میں سے جو بھی رسول خداؐ پر درود سلام بھیجے یہ فرشتہ اس مومن کو جواب میں سلام بھیجتا ہے اور پھر رسولؐ کی خدمت میں اس مومن کے سلام کو پیش کرتا ہے تو رسول اسلام بھی اس کے جواب میں اس مومن پر سلام بھیجتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام ارشاد فرماتے ہیں (**اعطی السمع اربعة : النبی صلی الله علیه وآله وسلم والجنة والنار والحور العین ، فاذا فرغ العبد من صلوته فلیصل علی النبیؐ و لیسئل الجنة ولیستجر بالله من النار و لیسأ له ان یزوجه من الحور العین فانه من صلی علی النبیؐ رفعت دعوته و من سئل الله الجنة قالت الجنة یا رب اعط عبدك ما سئلك ومن استجارك بالله من النار ، قالت النار : یا ربّ اجر عبدك مما استجارك منه ، و من سئل الحور العین قلن : یا رب اعط عبدك ما سئل**)

(خداوند ذوالجلال نے) چار چیزوں کو سماعت عطا فرمائی ہے ۔(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) جنت الفردوس (۳) جہنم (۴) اور حورالعین ، پس بندہ جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اسے چاہیے نبی اکرمؐ پر درود سلام بھیجے اور (خدا سے) جنت کے بارے میں سوال کرے اور عذاب جہنم کی پناہ مانگے اور حورالعین کے ملنے کی خدا سے دعا کرے ، کیونکہ جو شخص نبی اکرمؐ پر (نماز کے بعد) درود بھیجتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جو خدا سے جنت کا سوال کرتا ہے تو خود جنت الفردوس خدا سے سفارش کرتے ہوئے کہتی ہے خدایا بندے نے جو چیز تجھ سے طلب کی ہے اسے عطا کر ، اور جو خدا سے جہنم سے محفوظ رہنے کی پناہ مانگتا ہے تو خود جہنم بھی خدا سے اس دعا کی قبولیت کی سفارش کرتی ہے اور جو خدا سے حور العین کی دعا کرتا ہے تو حورالعین دعا کی استجابت کے لیے خدا سے سفارش کرتی ہیں۔

راوی محمد بن مسلم امامین صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک امامؑ سے نقل کرتا ہے (**ما فی المیزان شئی اثقل من الصلوة علی محمد و آل محمدؐ و ان الرجل لیوضع عمله فی المیزان فیمیل به فیخرج النبیؐ الصلوة**

علیه و آله فیضعها فی میزانه فیرجح به) (انسان کے) میزان اعمال میں محمد و ال محمد علیہم الصلوۃ والسلام پر بھیجی ہوئی درود وسلام سے بڑھ کر اور کوئی عمل وزنی نہیں ہے جب (بروز قیامت) بندہ کے اعمال کو تولا جائے گا تو اس کے اعمال کے پلڑے کو ہلکا دیکھ کر نبی اکرمؐ اپنے اور اپنے اہل بیت پر اس بندے کی طرف سے بھیجی گئی صلوات کو اس بندے کے نامۂ اعمال میں رکھیں گے جس کے صدقہ اس کے اعمال کا پلڑا وزنی ہو جائے گا ۔

ہشام بن سالم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (لا یزال الدعا محجوبا حتی یصلی علی محمد و ال محمد) اس وقت تک دعا مستجاب نہیں ہوتی جب تک محمد و آل محمد پر درود سلام نہ بھیجا جائے ۔

اسی طرح ایک اور مقام پر صادق آل محمدؑ سے مروی ہے (من دعا ولم یذکر النبی صلی الله علیه و آله وسلم رفرف الدعا علی راسه فاذا ذکر النبیؐ رفع الدعا) جو شخص دعا مانگے اور نبی اکرمؐ کا ذکر نہ کرے (ان پر درود نہ بھیجے) تو دعا اس کے سر پر پھڑ پھڑا کر ٹھہر جاتی ہے جب نبی اکرمؐ کا ذکر کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے ،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے (من كانت له الی الله حاجة فلیبدأ بالصلوة علی محمد و آله ثم یسئل حاجته ثم یختم بالصلوة علی محمد و آل محمدؐ فان الله اکرم من ان یقبل الطرفین ویدع الوسط اذ كانت الصلوة علی محمد و آله لا تحجب عنه) جو شخص خدا سے حاجت طلب کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے پہلے محمد و آل محمد پر درود بھیجے پھر اپنی حاجت کو طلب کرے اور آخر میں بھی محمد و آل بیت محمد علیہم السلام پر درود کو بھیج کر دعا کو ختم کرے کیونکہ خداوند کریم کی ذات والاصفات اس سے بلند و برتر ہے کہ دعا کے اوّل و آخر کو تو قبول کر لے (اور جو اس کی حاجت ہو) کہ جو درمیان میں ہے قبول نہ کرے، کیونکہ محمد وال محمد پر بھیجے ہوئے درود کو خدا رد نہیں کرتا۔

العاشر :: حالت دعا میں رونا......

آداب دعا میں سے سب سے اہم پہلو اور ادب یہ ہے کہ انسان جب اپنے آقا و مالک سے دعا کی صورت میں راز و نیاز کی گفتگو کر رہا ہوتا ہے تو اسے روتے ہوئے دعا کرنی چاہیے۔ روتے ہوئے دعا کرنا چند مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے دعا کا اہم پہلو ہے۔

(ا) رو کر دعا مانگنے سے رقت قلبی ہوتی ہے دل نرم ہوتا ہے اور نرمی دل اخلاص کی علامت ہے اخلاص کے ساتھ مانگی ہوئی دعا ہی قبول ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (اذا اقشعر جلدك و دمعت عیناك ووجل قلبك فدونك

دونك فقد قصد قصدك) جب تیرے جسم پرآثار خوف طاری ہوں اورآنکھوں سے آنسو آنے لگ جائیں اور دل میں خوف (الہی) پیدا ہوتو اس وقت اپنی مرادوں کو مانگو۔

روایات میں ملتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو نہ آنا قساوت قلبی کی دلیل ہے جس سے انسان اپنے خالق و مالک سے دور ہو جاتا ہے خالق کائنات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی وحی میں ارشاد فرماتا ہے (**یا موسی لاتطول فی الدنیا املك فیقسو قلبك و قاسي القلب مني بعيد**) اے موسیٰ دنیا میں لمبی امیدیں باندھنے سے دل سخت ہوتا ہے اور سخت دل والا مجھ سے دور ہے۔

(۲) رو کر دعا کرنے سے خضوع وخشوع میں اضافہ ہوتا ہے اور گڑگڑا کر دعا کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بندہ دنیا و مافیھا سے منہ موڑ کر فقط خدا سے لو لگائے ہوئے ہے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (**اذا احب الله عبدا نصب فی قلبه نائحة من الحزن فان الله تعالی یحب کل قلب حزین و انه لا یدخل النار من بکی من خشیة الله تعالی حتی یعود اللبن الی الضرع و انه لا یجتمع غبار فی سبیل الله و دخان جهنم فی منخری مومن ابدا و اذا ابغض الله عبدا جعل فی قلبه مزمارا من الضحك و ان الضحك یمیت القلب و الله لا یحب الفرحین**) جب خدا اپنے کسی بندے کو محبوب رکھنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں دکھ وغم کو رکھتا ہے کیونکہ خداوند ذوالجلال ہر رنجیدہ وغمگین دل کو پسند کرتا ہے جو خوف الہی میں روتا رہے وہ جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ دوھا ہوا دودھ واپس (حیوان کے) تھن میں آجائے۔(یعنی گویا جس طرح دودھ کا تھن میں واپس آنا ناممکن ہے اسی طرح خوف الہی میں رونے والے انسان کا جہنم میں داخل ہونا ناممکن ہے) کیونکہ راہ خدا میں گریہ و بکاء کرنے والے مومن شخص کی ناک میں آہ وبکاء سے اٹھنے والا غبار اور جہنم کی آگ کا دھواں جمع نہیں ہوسکتا اور (اس کے برعکس) جب خدا کسی بندہ کو ناپسند کرتا ہے تو اس کے دل کو فرحت وخوشی کا مسکن قرار دیتا ہے کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور خداوند ذوالجلال ہر وقت خوشیوں میں مدہوش اور (خدا کو فراموش کر کے) مست رہنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔

(۳) گڑگڑا کر دعا مانگنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو وصیت فرمائی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔(**یا عیسیٰ هب لی من عینیك الدموع و من قلبك الخشیة و قم علی قبور الاموات فناد هم بالصوت الرفیع فلعلك تاخذ موعظتك منهم و قل انی لاحق فی اللاحقین ؛ یا عیسیٰ صب لی من عینیك الدموع واخشع لی بقلبك ، یا عیسیٰ استغث بی فی حالات الشدة فانی**

اغیث المکروبین و اجیب المضطرین وانا ارحم الراحمین)اے عیسیٰؑ مجھے اپنی آنکھوں سے (میرے خوف سے بہنے والے) آنسوؤں کا ہدیہ کر اور اپنے دل میں خوف الٰہی پیدا کر، قبرستان میں جا کر قبروں پر کھڑے ہو کر مردوں کو اونچی آواز سے پکارتا کہ ان سے کوئی موعظہ حاصل ہو اور ان مردوں کو کہو! کہ میں بھی آپ کے پاس آنے والا ہوں ،اے عیسیٰؑ میری بارگاہ میں اپنے آنسوؤں کو بھیج ، اے عیسیٰؑ قلبی طور پر مجھ سے ڈرو، اے عیسیٰؑ مشکلات میں مجھے پکار کیونکہ میں ہی دکھوں میں مبتلاء لوگوں کی مدد کرتا ہوں اور پریشان لوگوں کی پریشانیوں کو دور کرتا ہوں اور میں ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے (یا موسیٰ کن اذا دعوتنی خائفا مشفقا وجلا و عفر وجهك في التراب واسجد لی بمكارم بدنك واقنت بين يدیي في القيام و ناجني حيث تناجيني بخشية من قلب و جل و احيي بتوراتي ايام الحياة و علم الجهال محامدی و ذكر هم الائی و نعمی و قل لهم لا يتمادون في غيي ما هم فيه فان اخذی اليم شديد ،يا موسیٰ لا تطول في الدنيا املك فيقسو قلبك و قاسي القلب منی بعيد و امت قلبك بالخشية ، و كن خلق الثياب جديد القلب تخفی علی اهل الارض وتعرف في اهل السماء جليس البيوت مصباح الليل واقنت بين يدیي قنوت الصابرين وصح الی من كثرة الذنوب صياح الهارب من عدوه واستعن بي علی ذلك فاني نعم العون و نعم المستعان)

اے موسیٰ علیہ السلام خوف وخشیہ کے ساتھ مجھ سے دعا مانگا کرو اپنے چہرہ کو خاک آلود کر کے دعا کیا کرو اور اپنے بدن کے اشرف واعلیٰ اعضاء(اعضاء سبعہ) کے ساتھ سجدہ کرو میرے سامنے کھڑے ہو کر خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کرو اور قلبی خوف کے ساتھ مجھے پکارو، اور میری تورات سے اپنی زندگی کو جلاء بخشو اور جاہلوں اور نادانوں کو میرے محامد کی تعلیم دو اور انہیں میری نعمتیں یاد دلایا کرو اور انہیں کہو کہ جس ضلالت میں تم ہو اس میں مزید اضافہ نہ کریں (کیونکہ) میری گرفت المناک ہوتی ہے اے موسیٰ دنیا میں لمبی امیدیں رکھنے سے دل سخت ہوتا ہے اور سخت دل والا انسان مجھ سے دور ہے،خوف الٰہی سے (خواہشات) دل کو مردہ کرو اور اپنا لباس پرانا (لیکن) دل نیا اور تازہ رکھو، زمین والوں میں گمنام اور آسمان والوں میں مشہور بنو، خانہ نشینی اختیار کرو (شب زندہ داری سے) اپنی راتوں کو روشن کرو، میری بارگاہ میں صابروں کی طرح اطاعت وفرمانبرداری کرو گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس طرح بلند آواز سے دادوفریاد کرو جیسے کسی دشمن سے بھاگا ہوا شخص کرتا ہے، مجھ سے اس پر مدد ونصرت طلب کرو کیونکہ میں ہی بہترین ناصرو مددگار رہوں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر خالق کائنات نے حضرت موسیٰؑ کو وحی میں ارشاد فرمایا (یا موسیٰ اجعلني حرزك و ضع

عندی کنزك من الباقيات الصالحات) اے موسیٰ مجھے اپنی پناہ گاہ سمجھواور میرے پاس اپنے نیک اعمال باقیات وصالحات کا قیمتی خزانہ رکھو۔

(۴) گریہ و بکاء کے ساتھ دعا کرنے میں ایسی خصوصیات ہیں جو اس کے علاوہ کسی اور عبادت واطاعت خداوندی میں نہیں پائی جاتیں (بين الجنة و النار عقبة لا يجوزها الاالبكائوون من خشية الله تعالی) روایت میں ملتا ہے کہ جنت وجہنم کے مابین ایک ایسی دشوار گزار گھاٹی ہے جسے سوائے خوف الٰہی میں گریہ کرنے والوں کے اور کوئی عبور نہیں کرسکتا۔

(ان ربی تبارك و تعالی خبرنی فقال وعزتی و جلالی ما ادرك العابدون درك البكاء عندی شئيا و انی لابنی لهم فی الرفيق الاعلی قصرا لا يشاركهم فيه غيرهم) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امر کی خبر دی ہے کہ خدا فرماتا ہے مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم جو (منزلت ومقام) میرے ہاں (خوف الٰہی میں) رونے والوں کی ہے وہ عبادت گزاروں نے حاصل نہیں کی ہے میں رونے والوں کو بلند وبالا مقام پر ایسے محلات عطا کروں گا جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوگا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند متعال وحی میں ارشاد فرماتا ہے (وابك علی نفسك ما دمت فی الدنيا و تخوف العطب والمهالك ولا تغرنك زينة الحياة الدنيا وزهرتها) (اے موسیٰ) جب تک دنیا میں ہو اپنے نفس پر گریہ و بکاء کرو، اور ہلاکت و ہلاکت گاہوں سے ڈرو (تاکہ) دنیا کی زیب وزینت اور اس کی چمک دمک تمہیں دھوکا نہ دے۔

خداوند ذوالجلال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرماتا ہے (يا عيسیٰ ابن البكر البتول ابك علی نفسك بكاء من قد ودع الاهل و قلی الدنياو تركها لاهلها و صارت رغبته فيما عند الهه) اے پاک وپاکیزہ (مریم) کے بیٹے حضرت عیسیٰ اپنے نفس پر اس طرح گریہ وبکاء کر جس طرح کوئی شخص اپنے اہل وعیال سے بچھڑتے وقت کرتا ہے اور دنیا کو برا سمجھ کر دنیا داروں کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی رغبت اس میں ہوتی ہے جو خدا کے پاس ہے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام سے منقول ہے (لما كلم الله موسیٰ قال: الهی ما جزا من دمعت عيناه من خشيتك؟ قال يا موسیٰ اقی وجهه من حر النارو امنه يوم الفزع الاكبر) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کی تو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا الٰہی جس شخص کی آنکھوں سے تیرے خوف سے آنسو نکل آئیں اس کی جزاء کیا ہے؟ خدا نے جواب میں فرمایا کہ میں اس شخص کے چہرہ کو جہنم کی آگ کی گرمی سے محفوظ رکھوں گا اور اسے بہت بڑے خوف والے دن (قیامت) سے امان دوں گا۔

(کل عین باکیة یوم القیامة الاّ ثلاث : عین غضت عن محارم الله وعین سهرت فی طاعة الله و عین بکت فی جوف اللیل من خشیة الله) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی مگر تین آنکھیں نہیں روئیں گی (۱) جو نامحرموں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے (۲) وہ آنکھ جو اطاعت خداوندی میں رات بھر بیدار رہے (۳) وہ آنکھ جو آدھی رات خوف الٰہی میں گریہ کرے۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے (ما من شیٔ ا لاّ ولہ کیل و وزن الدموع فان القطرہ تطفی ء بحار امن نار فاذااغرورقت العین بمائھالم یرھق وجھہ قتر ولا ذلة و اذا فاضت حرّ مہ الله علی النار و لو ان باکیا بکی فی امةلرحموا) ہر چیز کا وزن و پیمانہ ہے مگر (خوف الٰہی میں) بہنے والے آنسوؤں کو نہیں تولا جا سکتا چونکہ (یہ اتنے وزنی ہیں) اس کا ایک قطرہ جہنم کی آگ کے دریاؤں کو بجھا دیتا ہے پر اشک آنکھوں کے چہرہ کو کبھی فقر وذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اور جب آنسو بہنے لگ جائیں تو خدا جہنم کی آگ اس کے لیے حرام کر دیتا ہے اگر کسی امت میں ایک شخص بھی گریہ کرنے والا ہوتو خداوند کریم (اس کے صدقہ) پوری امت پر رحم فرماتا ہے۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں (ما من عین الا وھی باکیة یوم القیامة الا عین بکت من خوف الله و ما اغرورقت عین بمائھا من خشیة الله الا حرم الله سائر جسدہ علی النار ولا فاضت علی خدہ فرھق ذلك الوجہ قترولاذلة وما من شیء الا ولہ کیل او وزن الا الدمعة فان اللهُ یطفیء بالیسیر منھا البحار من النار ولو ان عبداً بکی فی امةلرحم الله تلك الامة ببکاء ذلك العبد) بروز قیامت سوائے خوف الٰہی میں رونے والی آنکھ کے ہر آنکھ روئے گی پر اشک آنکھوں کے جسم کو خدا جہنم کی آگ سے محفوظ رکھتا ہے اور جونہی اس کے آنسو رخساروں پر بہنے لگتے ہیں اس کے چہرے کو ذلت وتنگ دستی اور فقر سے خدا محفوظ کر لیتا ہے، بروز قیامت ہر چیز کو تولا اور وزن کیا جائے گا سوائے خوف الٰہی میں بہنے والے آنسوؤں کے خدا معمولی سے آنسووں سے (جہنم کی) آگ کے بڑے بڑے سمندروں کو بجھا دے گا، اور اگر کسی امت میں ایک آدمی بھی رونے والا ہوتو خدا اس کی وجہ سے پوری امت پہ اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔

راوی معاویہ بن عمار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (کان فی وصیةرسول الله صلی الله علیہ و آلہ وسلم لعلیؑ انہ قال : یا علیؑ اوصیك فی نفسك بخصال فاحفظھا ثم قال اللھم اعنہ ـ وعد خصالا ـ والرابعة کثرة البکاء من خشیة الله یبنی لك بکل دمعة الف بیت فی الجنة) رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو وصیت میں فرمایا کہ اے علیؑ میں آپ کو چند صفات حمیدہ کی وصیت کرتا ہوں پس ان کی حفاظت کرنا، پھر حضرت رسول

اکرمؐ خدا سے حضرت علیؑ کے لیے ان صفات حسنہ کے حصول میں نصرت و مدد طلب کرتے ہیں (اور ان صفات کو شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ان میں سے چوتھی صفت یہ ہے کہ خوف الٰہی میں بہت زیادہ گریہ کرنا، خداوند ذوالجلال ایک آنسو کے عوض جنت میں ہزار گھر عطا فرماتا ہے۔

(ما من قطرة احب الی الله من قطرة دموع فی سواد اللیل مخافة من الله لا یراد بها غیره) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خوشنودی خدا کے لیے رات کی تاریکی میں خوف الٰہی میں بہنے والا قطرہ سے بڑھ کر خدا کو اور کوئی قطرہ محبوب نہیں ہے۔

کعب الاحبار کہتا ہے کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، خوف الٰہی میں گریہ کرنا اور آنسو بہانا میرے نزدیک راہ خدا میں سونے کا پہاڑ صدقہ دینے سے زیادہ محبوب ہے۔

ابن ابی عمیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (اوحی الله الی موسیٰؑ ان عبادی لم یتقربوا الیّ بشیء احب الیّ من ثلاث خصال قال موسیٰؑ: یا رب وما هن؟ قال: یا موسیٰؑ الزهد فی الدنیا والورع عن معاصی و البکاء من خشیتی ،قال موسیٰؑ یا رب فما لمن صنع ذا؟ فاوحی الله الیه، یا موسیٰؑ اما الزاهدون فی الدنیا ففی الجنة و اما البکائون من خشیتی ففی الرفیع الاعلی لا یشارکهم فیه احد(غیرهم) و امّا الورعون عن معاصیی فانی افتش الناس ولا افتشهم) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ اے موسیٰؑ میرے بندے میری تین محبوب ترین خصلتوں کے بغیر کسی اور چیز سے میرا تقرب حاصل نہیں کر سکتے، حضرت موسیٰؑ عرض کرتے ہیں الٰہی وہ کون سی محبوب ترین خصلتیں ہیں؟ اللہ فرماتا ہے دنیا کو ترک کرنا، میری نافرمانی نہ کرنا، اور میرے خوف سے گریہ کرنا، پھر حضرت موسیٰؑ عرض کرتے ہیں الٰہی جو شخص یہ خصلتیں حاصل کرتا ہے اس کے لیے اجر کیا ہے؟ خدا فرماتا ہے کہ دنیا سے منہ موڑنے والے جنتی ہوں گے اور میرے خوف میں گریہ کرنے والے ایسے بلند مقام پر ہوں گے جن کا کوئی اور شریک نہ ہوگا اور میری نافرمانی سے بچنے والوں کا حساب و کتاب نہیں ہوگا جبکہ دوسرے لوگوں کا ہوگا۔

(و من ذرفت عیناه من خشیة الله کان له بکل قطرة من دموعه مثل جبل احد تکون فی میزانه من الاجر وکان له بکل قطرة عین من الجنة علی حافتیها من المدائن و القصور مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر) رسول اللہؐ اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خوف الٰہی میں گریہ کرنے والے شخص کو اس کے ہر قطرہ کے عوض احد کے پہاڑ کے (وزن) برابر اجر دیا جائے گا اور خدا اس کے ہر آنسو کے عوض جنت کا ایک ایسا چشمہ عطا کرے گا جس کے اردگرد (دونوں طرف) محلات اور شہر ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھا ہوگا اور نہ کسی

کان نے پہلے سنا ہوگا، یہاں تک کہ کسی بشر کے دماغ میں ان کا خیال تک نہیں آیا ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں (ان ابراهیم النبیؑ قال : الهی ما لعبد بل وجهه بالدموع من مخافتك ؟ قال الله تعالى جزائوه مغفرتی و رضوانی یوم القیامة) حضرت ابراھیم علیہ السلام خدا کو عرض کرتے ہیں کہ الٰہی جو شخص اپنے چہرہ کو خوف الٰہی میں بہنے والے آنسوؤں سے تر کرتا ہے اس کا اجر کیا ہے؟ خداوند ذوالجلال فرماتا ہے کہ اس کی جزاء میری مغفرت اور بروز قیامت میری رضا ہے۔

راوی اسحاق بن عمار کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کو عرض کی، مولا میں دعا مانگتا ہوں رونے کی شکل بھی بنتی ہے مگر آنسو نہیں آتے تو بسا اوقات میں رونے کے لیے اپنے بعض مرحومین رشتے داروں کو یاد کرتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا (نعم تذکرهم فاذا رقفت فابك و ادع ربك تبارك و تعالیٰ) ہاں جائز ہے اپنے مرحومین کو یاد کر جب دل نرم ہو جائے تو اس وقت رو کر اپنے پالنے والے خدا سے دعا مانگ۔

آسان امر :

اگر انسان کو دعا کرتے وقت رونا نہ آئے تو کم از کم اسے رونے والوں کی طرح شکل بنانی چاہیے اس کی حضرت امام صادق علیہ السلام بھی تلقین فرماتے ہیں (وان لم یکن بک بکاء فتباکی) اگر تجھے رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنا۔

راوی سعید بن یسار کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو عرض کی مولا اگر دعا میں رونا نہ آئے تو کیا رونے کی شکل بنائی جا سکتی ہے حضرتؑ نے فرمایا (نعم ولو مثل رأس الذباب) ہاں (رونے کی شکل بنانا بھی صحیح ہے) اور اگر (رونا) مکھی کے سر برابر بھی کیوں نہ آئے روؤ۔

ان خفت امرا یکون او حاجة تریدها فابدأ بالله فمجده واثن علیه کما هو اهله و صل علی النبی صلی الله علیه و آله وسلم و تباك ولو مثل رأس الذباب ان ابی کان یقول اقرب ما یکون العبد من الرب وهو ساجد یبکی) اگر آپ کو کسی امر کے وقوع کا خوف ہو یا کسی حاجت کی اجابت کی خواہش ہو تو پھر خدا کا نام لے کر اس کی حمد و ثناء کرو جس کا وہ لائق ہے اور رسول خداؐ پر درود و سلام بھیجو اور رونے کی شکل بنا کر دعا شروع کرو اگرچہ رونا مکھی کے سر جتنا ہی کیوں نہ آئے (کیونکہ) میرے والد بزرگوار (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے تھے) کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ وہ شخص قریب ہے جو حالت سجدہ میں (خوف الٰہی میں) گریہ کرتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (ان لم یجئك البكاء فتباك وان خرج منك مثل رأس

الـذبـاب فبـخ بخ) اگر تجھے (دعا میں) رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بناؤ اور اگر مکھی کے سر برابر بھی آنسو نکل آئیں تو آپ کو مبارک ہوں

نصیحت: اگر خداوند ذوالجلال آپ کو دعا کرنے کی توفیق عطاء کرے اور پھر حالت دعا میں گریہ کی توفیق بھی حاصل ہو جائے تو اس وقت گناہان کبیرہ کو یاد کیا جائے اور روز قیامت کے مصائب و مشکلات کی یاد آوری کی لائی جائے تا کہ اس دن کی ہولناکیوں کے یاد کرنے پر حزن وملال پیدا ہو جائے چونکہ قیامت کا دن خوفناک دن ہے جس دن تمام مخلوق خدائے جبّار سے خوفزدہ ہوگی جس دن زبانیں گنگی ہوں گی اور انسان کے سامنے اس کے دنیا میں کیے ہوئے تمام اعمال مجسم شکل میں پیش کیے جائیں گے، قیامت کے دن ایک سناٹا طاری ہوگا، انسان کے تمام اعضاء و جوارح اس کے کیے ہوئے اعمال کی گواہی دیں گے، جس دن اس قدر بھیڑ ہوگی کہ لوگ اپنے پسینوں میں غرق ہوں گے، جس دن تمام مخفی چیزوں کو ظاہر کیا جائے گا اور انسان کے دنیا میں کیے ہوئے پوشیدہ اعمال سامنے لائے جائیں گے اور اس دن ایسے حقائق سامنے آئیں گے جنہیں انسان برداشت نہیں کر سکے گا اور اس دن لوگ ایک دوسرے کے کیے ہوئے اعمال کی حقیقت اور ان کے رازوں سے غافل ہوں گے اور کوئی ایک دوسرے کی حالت زار کی طرف متوجہ نہیں ہوگا بھلا وہ ایک دوسرے کو کیسے دیکھ سکیں گے جب کہ وہ چہروں کے بل لائے جائیں گے، ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہوئے لائے جائیں گے اور بعض تو اس دن مٹی کی طرح اہل محشر کے قدموں سے روندے جائیں گے اور بعض لوگوں کو جہنم کی آگ کے کنارے لٹکا دیا جائے گا یہاں تک کہ تمام اہل محشر اپنے حساب وکتاب سے فارغ ہو جائیں گے اور بعض کے گلے کو سانپ کے ساتھ باندھ دیا جائے گا تو جب تک تمام لوگ اپنے حساب سے فارغ نہیں ہوتے اس وقت تک یہ اس کی گردن کو نوچتا رہے گا اور بعض لوگوں پر ایسے حیوانات مسلط کیے جائیں گے جو اپنے پاؤں اور سینگوں سے انہیں مسل دیں گے۔

جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے (یـحشر الناس یوم القیامة حفاة، عراة، عزلا قد الجمهم العرق و بلغ شحوم الآذان) قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں، عریان اور ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر محشور ہوں گے اور (گرمی کی شدت، خوف الٰہی کی وجہ سے) ان کا پسینہ ان کے منہ تک آ جائے گا اور کانوں تک اپنے پسینہ میں غرق ہوں گے۔

یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ سودہ آہ وبکاء کرنے لگ گئی، اور کہنے لگی کہ (اس حالت میں) لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو پھر رسول خداؐ نے فرمایا کہ (شـغـل الـناس عن ذلك، (لكل امرىء منهم يو مئذ شأن

یغنیہ) لوگ اس سے غافل ہوں گے (کیونکہ خدا فرماتا ہے) ہر انسان اس دن اپنی خاص حالت میں ہوگا جو اسے دوسروں سے بے نیاز کردے گی، پھر آگے رسولؐ نے فرمایا (و کیف و انی لهم بالنظر؟ و منهم المسحوب علی وجهه والماشی علی بطنه و منهم (من) یوطأبالاقدام مثل الذر و منهم المصلوب علی شفیر النار حتیٰ یفرغ الناس من الحساب و منهم المطوق بشجاع فی رقبته ینهشه حتیٰ یفرغ الناس من الحساب و منهم من تسلط علیه الماشیةذوات الاخفاف فتطأه باخفافها و ذوات الاظلاف فتنطحه بقرونها و تطأه با ظلافها) وہ کیسے دیکھ پائیں گے جب کہ وہ اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور پیٹ کے بل چلیں گے اور ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جنہیں پاؤں سے روندھا جائے گا جیسے مٹی کو روندا جاتا ہے اور ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جنہیں (جہنم کی) آگ کے کنارے لٹکایا جائیگا یہاں تک کہ لوگوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے اور کچھ کو سانپ کے ساتھ لٹکایا جائے گا جو اسے گردن سے نوچتا رہے گا یہاں تک کہ سب لوگ اپنے حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے جن پر ٹاپوں والے جانوروں کو مسلط کیا جائے گا جو انہیں اپنے ٹاپوں سے کچلیں گے اور اسی طرح کھر درے پاؤں والے دوسرے حیوان مثلاً بیل وغیرہ کو بھی مسلط کیا جائے گا جو انہیں اپنے پاؤں سے مسل دیں گے اور سینگوں سے ماریں گے۔

غور وفکر: انسان کو قیامت کے دن اور اس سے پہلے اور اس دن کے بعد لوگوں کے احوال پر بغور نگاہ دوڑانی چاہیے اس دن کیسے انسان خوش بختی اور بد بختی کی حالت میں ہوگا اس اختلاف احوال سے انسان کو درس عبرت لینا چاہیے چونکہ ان احوال اور امور پر عمیق نظر رکھنے والے میں خوف الہی کا عنصر پیدا ہوتا ہے اور گریہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے رقت قلبی اور اخلاص جیسی عظیم صفات کے حصول میں معاونت ملتی ہے ایسی حالت میں دعا کرنے کی فرصت کو غنیمت جاننا چاہیے کیونکہ یہ امر واضح اور آشکار ہے کہ ایسی رقت آمیز حالت انسان کی عمر کی نفیس ترین گھڑیاں ہوتی ہیں، انسان کو ایسی قیمتی گھڑی میں پوری دنیا سے منہ موڑ کر اپنے مالک حقیقی رب ذوالجلال سے اپنی حاجات اور اُمنگوں کو طلب کرنا چاہیے، اور خدا سے یہ طلب کرنا چاہیے کہ خدا کبھی بھی بندہ کو فراموش نہ کرے اور خدا سے عاجزی و انکساری اور حضورِ قلبی کی صفات کو طلب کرے، اور خدا سے ہمیشہ ایسی چیز طلب کرنی چاہیے جس کا کمال و جمال باقی رہے اور ایسے امر کی دعا نہیں کرنی چاہیے جس میں وبال جان اور مشکلات ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسی دعا مال ومنال کے علاوہ ہی ہوسکتی ہے کیونکہ مال ومنال نہ باقی رہتا ہے اور نہ ہی آپ مال کے لیے باقی ہیں۔

تنبیہ: خدا سے جھوٹا ڈرنے کے بارے میں ....

جان لو کہ خدا کی بارگاہ میں گریہ کرنے اور چیخنے چلانے سے گناہوں سے چھٹکارہ حاصل ہوتا ہے اور یہ ایک محبوب صفت ہے لیکن یہ چیخنا اور چلانا اور آہ وزاری کرنا اس وقت تک کوئی کارآمد نہیں جب تک انسان حقیقی طور پر ان گناہوں کو جڑ سے اکھاڑ نہ دے اور ان کی خدا سے توبہ نہ کرے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں (و لیس الخوف من بکی و جرت دموعه مالم یکن له ورع یحجزه عن معاصی الله و انما ذلك خوف کاذب) خوف الٰہی اس کا نام نہیں ہے کہ گناہوں سے رکے بغیر اور معصیت خدا سے پرہیز کیے بغیر گریہ کر کے آنسو بہا لیے جائیں بلکہ یہ جھوٹا خوف الٰہی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے (مر موسیٰ برجل من اصحابه و هو ساجد و انصرف من حاجته وهو ساجد فقال علیه السلام لو کانت حاجتك بیدی لقضیتها لك فاوحی الله عزو جل الیه یا موسیٰ : لو سجد حتی ینقطع عنقه ما قبلته حتی یتحول عما اکره الی ما اُحب) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے ہاں سے گزرے دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا ہوا ہے اور جب اپنے کام سے فارغ ہو کر اسی راستے سے واپس پلٹے تو ہنوز وہ سجدہ میں ہی تھا تو جنابؑ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمھاری حاجت برآوری میرے قبضہ میں ہوتی تو میں پورا کر دیتا، تو خدا نے ان کو وحی کی اے موسیٰ اگر یہ شخص اس قدر سجدے کرے کہ اس کی گردن ٹوٹ جائے تب بھی میں اس وقت تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کروں گا جب تک وہ میرے ناپسندیدہ کاموں کو چھوڑ کر میرے پسندیدہ کام انجام نہ دے۔

حاشیہ: اس حدیث سے دو امر کا استفادہ ہوتا ہے۔

ا: ایک یہ کہ حوائج کا پورا کرنے والا فقط خالق کائنات وحدہ لاشریک لہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولوالعزم نبی حضرت موسیٰؑ نے اس شخص کی حاجت روائی میں اپنی عاجزی کا اعتراف کیا ہے۔ اور یہی ایک بندہ مومن موحد کا عقیدہ ہونا چاہیے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام و معصومین اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام خدا سے بندوں کی حوئج پورا کرواتے ہیں۔ اور یہ بطور واسطہ فرائض انجام دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان ہستیوں کے تصرف فی الکون کو اذن الٰہی کی قید کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے۔ قدرت الٰہیہ سے تصرف فرماتے ہیں۔ نہ یہ کہ یہ ہستیاں مستقل ہیں جیسا کہ غالیوں اور مفوضہ لوگوں کا عقیدہ فاسدہ ہے۔

۲: اور دوسرا امر جو حدیث میں مذکور ہوا ہے وہ یہ کہ اعمال فقط متقی اور نیک لوگوں کے قبول ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ نماز

روزہ کا پابند بھی ہو اور دوسری طرف اپنے چہرہ کو برے اعمال سے سیاہ بھی کرتا پھرے۔ایسے شخص کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بھی ارشاد خداوندی ہے کہ (انما یتقبل اللہ من المتقین) کہ خدا صرف متقیوں کے اعمال قبول کرتا ہے۔) (جعلنا الله من المتقين بحق امام المتقين ؑ)

ایک اور مقام پر مروی ہے کہ (ان موسیٰ مرّ برجل وهو يبكي ثمّ رجع وهو يبكي قال الهي عبدك يبكي من مخافتك قال الله تعالى يا موسىٰ لو نزل دماغه مع دموع عينيه لم اغفر له وهو يحب الدنيا) حضرت موسیٰ علیہ اسلام ایک شخص کے قریب سے گزرتے ہیں تو وہ گریہ کررہا ہے پھر واپسی پر بھی اسے گریہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں حضرت موسیٰ خدا کو عرض کرتے ہیں الٰہی تیرا یہ بندہ تیرے خوف میں گریہ کررہا ہے (اس کی حاجت کو پورا فرما) آواز رب العزت آتی ہے کہ اے موسیٰ اگر روتے روتے اسکے آنسوؤں کے ساتھ اس کا دماغ بھی پگھل کر بہہ جائے تو جب تک وہ دنیا سے محبت کرتا ہے میں اسے نہیں بخشوں گا۔(۱)

خالق کائنات حضرت موسیٰؑ کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے (يا موسىٰ ادعني بالقلب النقي واللسان الصادق) اے موسیٰؑ مجھے صاف ستھرے دل اور سچی زبان سے پکارو۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام سے منقول ہے (الدعا مفاتيح النجاح و مقاليد الفلاح و خير الدعا ما صدر عن صدر نقي وقلب تقي و في المناجاة سبب النجاة وبالاخلاص يكون الخلاص واذااشتد الفزع فالى الله المفزع) دعا ہی فلاح و کامیابی کی چابی ہے بہترین دعا وہ ہے جو پاک و طاہر دل سے نکلے خالق سے راز و نیاز کرنے میں ہی نجات ہے اور اخلاص قلب سے ہی مشکلات و مصائب سے چھٹکارہ حاصل ہوتا ہے، اور خوف کی شدت میں خدا کی بارگاہ ہی جائے پناہ ہے۔

---

۱) یہ بات واضح و آشکار ہوگئی کہ رحمت خدا دنیا سے محبت کرنے والے کو شامل نہیں ہوسکتی یہی وجہ ہے کہ پیروکاروان اہل بیت علیہم السلام نے ہمیشہ امیر المومنینؑ کے اس قول (الدنیا غری غیری) "اے دنیا میرے غیر کو دھوکہ دے" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا سے منہ موڑے رکھا۔اور یاد رہے اسی دنیا اور دنیا والوں کی دھوکہ بازیاں ہیں کہ اہل لوگوں کو پس پشت ڈال کر نا اہل لوگوں کو منصب و مقام دیا جاتا ہے۔اور حب دنیا ہی کا نتیجہ ہے کہ خلیفہ رسول علی ابن ابی طالبؑ کو "جلیس دار" بنا کر اسلام کی عمارت نو میں دراڑیں ڈال دیں۔اور تاریخ کے جگر میں سمویا ہوا مختلف ادوار میں اولادعلیؑ کے ساتھ ہونے والا سلوک اور رویہ بھی حب الدنیا کا رہن ہے۔لیکن متاع الحیوٰۃ الدنیا قلیل)

الحادی عشر: خدا سے حاجت طلب کرنے سے پہلے گناہوں کا اعتراف کرنا......

کیونکہ اس سے خدا کی طرف حقیقی توجہ حاصل ہوتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں بندہ کی عاجزی وانکساری کا اظہار ہوتا ہے اور جو خدا کی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری کرتا ہے خدا اسے بلند و عالی مقام اور منزلت عطاء کرتا ہے اور خدا متواضع قلوب کے ہاں ہوتا ہے روایت میں ملتا ہے کہ (ان عابدا عبد الله سبعين عاما صائما نهاره قائما ليله فطلب الى الله تعالى حاجة فلم تقض فاقبل على نفسه و قال ومن قبلك اتيت لو كان عندك خير قضيت حاجتك فانزل الله اليه ملكا فقال يابن ادم ان ساعتك التى ازريت فيها على نفسك خير من عبادتك التى مضت)
ایک شخص ساری رات کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتا دن کو روزے میں گزارتا اسی حالت میں اس نے ستر سال گزار دیے ایک دن خدا سے حاجت کو طلب کرتا ہے مگر وہ قبول نہ ہوئی تو وہ پھر اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ سب کچھ تیری وجہ سے ہے اگر تجھ میں اچھائی ہوتی تو آج حاجت خدا قبول کر لیتا اس اثناء میں خدا اس بندہ پر ایک فرشتہ کو نازل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ابن ادم تیرا اس نفس کو ملامت کرنا تیری گذشتہ ستر سالہ عبادت سے افضل ہے۔
حضرت امام محمد باقر علیہ اسلام فرماتے ہیں (اوحى الله تعالى الى موسىؑ أتدرى لمَ اصطفيتك بكلامى من دون خلقى ؟قال لا يارب ، قال يا موسىٰ انى قلبت عبادى ظهرا لبطن فلم ار اذل لى نفسا منك انك اذا صليت وضعت خديك على التراب) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ اے موسیٰ کیا جانتے ہو میں نے اپنی پوری مخلوق میں سے آپ کو اپنے ساتھ کلام کرنے کے لیے کیوں منتخب کیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ عرض کرنے لگے اے پالنے والے مجھے نہیں معلوم کیا وجہ ہے کہ آپ نے مجھے منتخب کیا، خداوند ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ اے موسیٰؑ میں نے اپنی ساری مخلوق کو چھانا ہے مجھے آپ سے بڑھ کر میری بارگاہ میں تواضع کرنے والا نظر نہیں آیا (کیونکہ) آپ جب میری بارگاہ میں نماز ادا کرتے ہو تو اپنے رخساروں کو مٹی پر رکھتے ہو۔
بعض روایات میں ملتا ہے کہ خالق کائنات نے حضرت موسیٰؑ کو یوں جواب میں ارشاد فرمایا (انى قلبت عبادى ظهرا لبطن فلم ار اذل لى نفسا منك فاحببت ان ارفعك من بين خلقى) میں نے اپنی پوری مخلوق کو چھانا ہے مگر آپ سے بڑھ کر کوئی متواضع نہیں ہے اس لیے میں نے پسند کیا ہے کہ آپ کو (اپنے سے کلام کرنے کا شرف بخش کر) پوری مخلوق سے بلند کر دوں۔
اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت موسیٰؑ کے بارے میں روایت میں ملتا ہے (ان الله سبحانه و تعالى اوحى الى

موسیٰ ان اصعد الجبل لمناجاتی وکان هناك جبال فتطاولت الجبال و طمع کل ان یکون هو المصعود علیه عدا جبلا صغیرا احتقر نفسه وقال اناقل ان یصعد لی نبی الله لمناجات رب العالمین فاوحی الله الیه ان اصعد ذلك الجبل فانه لا یری لنفسه مکانا) اللہ تعالی نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ میرے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے پہاڑ پر چڑھ، وہاں پر بہت زیادہ پہاڑ ہونے کی وجہ سے ہر پہاڑ فخر وتکبر کے ساتھ لالچ کرنے لگا کہ حضرت موسیٰؑ خدا کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے مجھ پر سوار ہوں گے، مگر ایک چھوٹا پہاڑ اپنے آپ کو حقیر اور معمولی جان کر کہنے لگا کہ میرا یہ رتبہ نہیں ہے کہ اللہ کا نبی حضرت موسیٰؑ خدا کے ساتھ مناجات کے لیے مجھے اختیار کریں تو پھر اللہ تعالی نے حضرت موسی کو وحی کی اے موسیٰؑ اس متواضع و عاجزی کرنے والے پہاڑ پر چڑھو کیونکہ اس نے اپنے آپ کو فخر و تکبر میں مبتلاء نہیں کیا اور حقیر جانا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے (ثلاثة لا یزید الله بهنّ الا خیرا ،التواضع لا یزید الله به الا ارتفاعا و ذل النفس لا یزید الله به الا عزا و التعفف لا یزید الله به الا غنیً) تین چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے خدا ہمیشہ خیر و بھلائی ہی کا اضافہ فرماتا ہے (۱) (بارگاہ خداوندی میں) عاجزی وانکساری کرنے والے کو خدا بلند کرتا ہے (۲) بارگاہ الٰہی میں فروتنی کرنے والے کو خدا عزت و وقار عطاء کرتا ہے (۳) (دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے) اپنے آپ کو بچانے والے کو خدا دولت مند بناتا ہے۔

اسی طرح بعض روایات میں ملتا ہے کہ نفس کو مارنے اور اسے عاجزی وانکساری کا لباس پہنانے سے خدا راضی ہوتا ہے۔(۱) خالق کائنات حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے (یا داؤد انی وضعت خمسة فی خمسة والناس یطلبونها فی خمسة غیرها فلا یجدونها ، وضعت العلم فی الجوع والجهد وهم یطلبونه فی الشبع و الراحة فلا یجدونه وو ضعت العز فی طاعتی و هم یطلبونه فی خدمة السلطان فلا یجدونه ووضعت الغنیٰ فی القناعة و هم یطلبونه فی کثرة المال فلایجدونه و وضعت رضائی فی سخط النفس وهم یطلبونه فی رضا النفس فلا یجدونه وو ضعت الراحة فی الجنة وهم یطلبونها فی الدنیا فلا یجدونها) اے داؤدؑ میں نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں رکھا ہے لیکن لوگ انہیں کسی اور پانچ چیزوں میں تلاش کرتے ہیں جبکہ وہ انہیں وہاں پا نہیں سکیں گے (۱) میں نے علم کو بھوک اور جد جہد کرنے میں رکھا ہے اگر لوگ اسے سیر ہو کر کھانے اور آرام

---

(۱) اور رضایت خدا ایک ایسا تحفہ ہے جو ہر ایک کا مطمع نظر ہے۔

وسکون میں تلاش کرتے ہیں جبکہ وہ علم کو نہیں پا سکیں گے (۲) میں نے عزت وافتخار کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری میں پنہاں کر دیا ہے لیکن لوگ اسے حکمرانوں کی چاپلوسی اور خدمت گزاری میں تلاش کرتے ہیں مگر وہ اسے نہیں پا سکیں گے (۳) میں نے ثروت مندی کو قناعت و کفایت شعاری میں رکھا ہے مگر لوگ اسے کثرت مال میں طلب کرتے ہیں جبکہ وہ حاصل نہیں کر سکیں گے (۴) میں نے اپنی رضا و خوشنودی کو مخالفت نفس میں مخفی کیا ہے لوگ اسے خوشنودی نفس میں تلاش کر رہے ہیں ہرگز نہیں پا سکیں گے (۵) میں نے راحت وسکون کو جنت الفردوس میں رکھا ہے مگر لوگ اسے دار دنیا میں طلب کر رہے ہیں لیکن وہ اسے حاصل نہیں کر سکیں گے۔

دعا سے پہلے گناہوں کے اعتراف کرنے سے خوف الٰہی اور رقت قلبی کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (اذا رق احدکم فلیدع فان القلب لایرق حتیٰ تخلص) جب آپ میں سے کسی پہ رقت قلبی کی کیفیت طاری ہو تو اس وقت دعا مانگو کیونکہ انسان اس وقت خلوص کی حالت میں ہوتا ہے۔

اپنی خطاؤں کو یاد کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ آنسو آ جاتے ہیں اور آنسو کی حالت میں خالق سے دعا کرنا یہ خود ایک آداب دعا میں سے ہے لہذا انسان کو ہر اس آداب دعا کا لحاظ رکھنا چاہیے جو کسی دوسرے آداب دعا کے متحقق ہونے کا سبب بنے، کیونکہ حضرت صادق آل محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں (انما هی المدحة ثم الثناء ثم الاقرار بالذنب ثم المسئلة انه و الله ما خرج عبد من ذنب الا بالاقرار) پہلے خالق کی مدح اور پھر ثناء الٰہی ہو اور پھر گناہوں کا اعتراف کیا جائے، اس کے بعد خدا سے اپنی حاجت کو طلب کیا جائے، خدا کی قسم جس نے بھی (بارگاہ الٰہی میں) اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے وہ بخشا گیا ہے۔

گناہوں کے اعتراف کرنے میں فوائد وعوائد:۔

جو انسان بارگاہ الٰہی میں اپنے گناہوں کا اقرار واعتراف کرے گا اسے پانچ قسم کے فوائد حاصل ہوں گے (۱) دنیا سے بے نیاز ہو کر فقط خدا سے مربوط ہو گا (۲) انکساری قلبی کی کیفیت حاصل ہو گی اور اس کیفیت کی فضیلت پہلے مذکور ہو چکی ہے (۳) رقت قلبی حاصل ہوتی ہے جو کہ اخلاص کی دلیل ہے اور اخلاص کی حالت میں ہی استجابت دعا ہوتی ہے (۴) اقرار گناہ گریہ کا سبب بنتا ہے اور گریہ تمام آداب دعا کا سردار ہے (۵) اعتراف گناہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان حق ترجمان پر عمل ہوتا ہے (جو کہ گزشتہ حدیث میں ذکر ہو چکا ہے)۔

الثانی عشر :: توجہ قلبی..................

آداب دعا میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان بارگاہ الٰہی میں توجہ قلبی کے ساتھ حاضر ہو کیونکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جو شخص آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا آپ بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتے ، یہ امر ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص آپ کی باتوں پر توجہ نہ کرے تو آپ بھی اس کی گفتگو پر متوجہ نہیں ہوں گے اور اس سے روگردانی اختیار کریں گے اور آپ اسے اپنی توجہات اور التفات کا مستحق ہی نہیں ٹھہرائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (من اراد ان ینظر منزلته عند الله فلینظر منزلة الله عنده فان الله ینز ل العبد مثل ما ینزل العبد الله من نفسه) جو شخص خدا کے ہاں اپنی منزلت و مرتبت کو جاننا چاہتا ہے اسے اپنے ہاں خدا کے مقام کو جاننا چاہیے (خدا کا مقام اس کے ہاں کتنا ہے) کیونکہ خدا بھی کسی بندہ کو اتنی ہی منزلت دیتا ہے جتنا وہ خدا کو اپنے ہاں منزلت و مقام دیتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (لا یقبل الله دعا ء قلب لاہ) اللہ تعالیٰ مشغول اور غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

راوی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (اذا دعوت الله فاقبل بقلبك) توجہ قلبی کے ساتھ خدا سے دعا مانگو۔

خالق کائنات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرماتا ہے (لا تدعنی الا متضرعا الیّ و همك هما واحدا فانك متی تدعنی كذالك اجبك) خشوع و خضوع کی حالت میں مجھ سے دعا کرنا اور آپ کا ھم وغم اور توجہ فقط دعا ہی کی طرف ہو کیونکہ اے عیسیٰؑ آپ جب بھی اس طرح دعا مانگو گے میں قبول کروں گا۔

حضرات آئمہ علیہم السلام سے منقول ہے (صلوٰة ركعتین بتدبر خیر من قیام لیلة و القلب ساه) غور وفکر اور توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز کا ادا کرنا پوری رات غافل دل سے عبادت کرنے سے افضل ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر معصومین علیہم السلام سے منقول ہے (لیس لك من صلوٰتك الا ما احضرت فیه قلبك) آپ کے لیے نماز کے اس حصہ میں اجر و فائدہ ہے جس میں حضور قلبی ہو۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی سنّت و شریعت سے ہے (اذا دخلتم فی الصلوٰة فاصرفوا الیها خواطركم و افكاركم وادعوا الله دعاً ظاهرا متفرغا واسئلوه مصالحكم ومنافعكم بخضوع و خشوع

وطاعۃواستکانۃ) جب آپ نماز شروع کریں تو اپنے خیالات، اذہان اور افکار کو پوری طرح نماز کی طرف متوجہ کرو خدا سے دعا کرتے وقت فراغ قلبی ہو یعنی دل کہیں اور مشغول اور اس سے غافل نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے خشوع وخضوع اور اس کی اطاعت کے ساتھ اور اطمینان قلبی سے اپنے لیے فوائد ومنافع طلب کرو۔

اسی طرح شریعت ادریس علیہ السلام سے ہی منقول ہے (اذا دخلتم فی الصیام فطھروا نفوسکم من کل دنس و نجس و صوموا اللہ بقلوب خالصۃ متنزھۃ عن الافکار السیّئہ والھواجس المنکرۃ فان اللہ یستنجس القلوب اللطخہ و النیّات المدخولہ) جب آپ روزہ رکھیں تو اپنے نفسوں کو ہر قسم کی نجاست ومیل وکچیل سے پاک کریں اور اخلاص نیت کے ساتھ اور بُری افکار سے پاک ہو کر اور غلط وسوسوں سے اجتناب کر کے فقط خدا کے لیے روزہ رکھو۔

الثالث عشر ::قبل از حاجت دعا کرتے رہنا..........

آداب دعا میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ انسان کو خدا سے فقط حاجت کے وقت دعا نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہمیشہ خدا سے مناجات ودعا میں مشغول رہنا چاہیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرماتے ہیں (یاابا ذر :الا اعلمك کلمات ینفعك اللہ بھن ؟قال بلیٰ یا رسول اللہ : قال ،احفظ اللہ یحفظك،احفظ اللہ تجدہ امامك، تعرف الی اللہ فی الرخاء یعرفك فی الشدۃ و اذا سئلت فاسئل اللہ و اذااستعنت فاستعن باللہ فقدجریٰ القلم بما ھو کائن الی یوم القیامۃ ولو ان الخلق کلھم جھدوا علی ان ینفعوك بما لم یکتبہ اللہ لك ما قدرو اعلیہ) اے ابوذرؓ کیا میں آپ کو ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جو آپ کو نفع دیں گے؟ جناب ابوذر نے عرض کی جی ہاں اے رسول خداؐ مجھے تعلیم دو، تو حضرت نے فرمایا کہ آپ خدا (کے حقوق) کی حفاظت کرو خدا آپ کی رعایت فرمائے گا، آپ اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو گے تو خدا اس سے پہلے آپ کی رعایت فرمائے گا آسانی کے حالات میں خدا کو یاد کرو تا کہ شدت ومصیبت کے وقت وہ آپ کی دیکھ بھال کرے، سوال اور مدد فقط خدا ہی سے مانگو قیامت کے دن تک کے لیے (انسان) کی تقدیر مقدر ہو چکی ہے اگر (اے ابوذر) پوری مخلوق خدا آپ کو کسی چیز کا نفع دینا چاہیں جو خدا نے آپ کے لیے مقدر نہیں کیا تو پوری مخلوق اس نفع دینے میں قادر نہیں ہے۔

راوی ہارون بن خارجہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ حضرت نے فرمایا (ان الدعا فی الرخاء لیستخرج الحوائج فی البلاء) آسانی کے وقت دعا کرنے سے مشکلات کے وقت حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (من تخوف من بلاء یصیبه فتقدم فیه بالدعاء لم یره الله ذالك البلاء ابدا) جو شخص کسی مصیبت میں مبتلاء ہونے کے خوف سے خدا سے دعا کرتا ہے تو خدا کبھی بھی اسے اس مصیبت میں مبتلاء نہیں کرتا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے (الدعاء بعد ما ینزل البلاء لاینتفع به) مصیبت آنے کے بعد مانگی ہوئی دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

الرابع عشر:: بھائیوں کے لیے دعا کرنا..................

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (من قدّم اربعین من المومنین ثمّ دعا استجیب له) جو شخص چالیس مومنوں کے لیے دعا کرنے کے بعد اپنے لیے دعا کرتا ہے خدا اس کی دعا کو قبول کرتا ہے، خصوصا نماز تہجد سے فارغ ہونے کے بعد تو اس امر کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے اور بعض روایات میں ملتا ہے کہ انسان سجدہ کی حالت میں نماز تہجد سے فارغ ہونے کے بعد یوں دعا کرے (اللهم رب الفجر و اللیالی العشر و الشفع و الوتر و اللیل اذا یسر و رب کل شئی و اله کل شئی و ملیك کل شئی صل علی محمد و آله و افعل بی و بفلان و فلان ما انت اهله ولا تفعل بنا ما نحن اهله، یا اهل التقویٰ و اهل المغفرة) اے الٰہی، اے فجر کے رب، اور دس راتوں کے رب، اور جفت و طاق کے رب، اور رات کے جب جانے لگے، اور ہر چیز کے رب، اور معبود، اے وہ جو ہر چیز کا مالک ہے محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام بھیج، اور میرے اور فلاں (یہاں پر مومنین کا نام لے) کے ساتھ ایسا کر جس کا تو اہل ہے اور ہمارے ساتھ ایسا نہ کرنا جس کے ہم اہل ہیں، اے وہ جو خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرنے والا ہے۔

روایت میں ملتا ہے (ان الله سبحانه و تعالی اوحی الی موسیٰؑ یا موسیٰؑ ادعنی علی لسان لم تعصنی به فقال: انی لی بذالك؟ فقال ادعنی علی لسان غیرك) حضرت موسیٰؑ کو خدا نے وحی میں ارشاد فرمایا: اے موسیٰ، مجھے ایسی زبان کے ساتھ پکارو جس سے میری معصیت نہ کی ہو حضرت موسیٰؑ عرض کرتے ہیں الٰہی، میں ایسی زبان کہاں سے لے آؤں؟ خالق جواب میں فرماتا ہے کہ آپ اپنے مومن بھائی کے ذریعہ سے دعا کروائیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (لیس شئی اسرع اجابة من دعوة غائب لغائب) ایک غائب (مومن) کے حق میں کی ہوئی دعا سے زیادہ جلد اور کوئی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔

فضل بن یسار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں (اوشك دعوة و اسرع اجابة دعوة المومن

لاخیه بظهر الغیب) مومن کی اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں کی ہوئی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے ہی مروی ہے(اسرع الدعاء نجاحا للاجابة دعاء الاخ لاخیه بظهر الغیب یبدأ بالدعا لاخیه فیقول له ملك موّ کل به اٰمین و لك مثلاه) مومن بھائی کی عدم موجودگی میں کی ہوئی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کے حق میں دعا شروع کرتا ہے تو فرشتہ اسے کہتا ہے کہ آمین، خدا اس کی مثل تجھے دوگنا عطاء کرے۔

اسی طرح عبداللہ بن سنان حضرت صادق آل محمد علیہم السلام سے نقل کرتا ہے (دعاالرجل لاخیه بظهر الغیب یدرالرزق و یدفع المکروه) مومن بھائی کی عدم موجودگی میں دعا کرنے سے رزق میں فراوانی ہوتی ہے اور مشکلات دور ہوتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں(قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ما من مومن دعا للمومنین الا رد الله علیه مثل الذی دعا لهم به من کل مومن و مومنة مضی من اول الدهر او هو ات الی یوم القیامة و ان العبد لیومر به الی النار یوم القیامةفیسحب فیقول المئومنون و المومنات ، یا رب هذا الذی کان یدعو لنا فیشفعوا فیه فیشفّعهم الله فیه فینجو) کوئی بھی مومن اپنے کسی مومن بھائی کے لیے دعا نہیں کرتا مگر یہ کہ خالق کائنات اس شخص کے لیے تخلیق انسانیت سے لے کر قیامت تک کے مومنین و مومنات کی تعداد کے برابر اسی قسم کی دعا کہ جو اس نے مومن بھائی کے لیے کی ہے قبول کرتا ہے اور جب ایک بندے کو بروز قیامت جہنم کی طرف بھیجا گیا تو یہی مومنین و مومنات اس کی شفاعت کریں گے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے الٰہی اس شخص نے (دار دنیا میں) ہمارے لیے دعائے خیر کی تھی خداوند ذوالجلال ان کی شفاعت کو قبول کرتے ہوئے اسے نجات دے گا۔

راوی علی بن ابراھیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میرے والد نے ایک دن عبداللہ بن جندب کو ایسی حالت میں دیکھا جس سے بہتر کسی اچھی حالت میں نہیں دیکھا تھا وہ حالت یہ تھی کہ عبد اللہ بن جندب آسمان خدا کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر دعا کر رہا تھا اور اس کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی، لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں نے اس سے عرض کی اے ابو محمد، میں نے آج تک اس سے بہتر تواضع والی حالت نہیں دیکھی جس میں آج میں نے آپ کو دیکھا ہے تو اتنے میں عبداللہ بن جندب جواب میں کہتا ہے کہ خدا کی قسم گڑگڑا کر میں نے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے مومن بھائیوں کے لیے دعا کی ہے کیونکہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سنا ہے کہ(من دعا لاخیه بظهر الغیب نودی من العرش ولک مأة الف ضعف) جو شخص اپنے مومن بھائی کے لیے اس کی عدم

موجودگی میں دعائے خیر کرتا ہے خدا عرش بریں سے اس شخص کو نداء دیتا ہے کہ آپ کے لیے اس جیسی ایک لاکھ حاجتیں قبول ہوں، تو مولا امام موسی کاظم علیہ السلام کے اس کلام حق ترجمان سننے کے بعد میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ اپنے لیے ایک لاکھ حاجت کو طلب کروں جو کسی مومن کے لیے دعا کرنے سے پوری ہو جاتی ہوں، اور اگر ان حاجات کو میں اپنے لیے طلب کروں تو معلوم نہیں کہ پوری بھی ہوں گی یا نہیں، جبکہ کسی مومن کے لیے دعائے خیر کرنے سے اپنے لیے ایک لاکھ حاجات حتمی طور پر مستجاب ہوتی ہیں۔

ابن ابی عمیر کہتا ہے کہ راوی زید النرسی نے کہا کہ میں ایک دن معاویہ بن وہب کے ساتھ میدان عرفات میں تھا اور وہ اس دن گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا، جب میں نے اس کی دعا کو غور سے سنا تو اس نے اپنے لیے ایک حرف برابر بھی دعا نہیں کی بلکہ وہ لوگوں کے نام لے لے کر اور ان کے آباؤ اجداد کے نام بنام دعا کر رہا تھا، جب لوگ وہاں سے ادھر اُدھر ہوئے تو میں نے معایہ بن وہب سے کہا کہ میں نے آج آپ سے عجیب وغریب امر دیکھا ہے وہ کہتا ہے کس چیز نے تجھے تعجب میں ڈالا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ آپ کے جذبہ ایثار نے مجھے تعجب میں ڈالا ہے آپ نے لوگوں کے لیے دعائیں مانگی ہیں اور اپنے لیے کوئی بھی دعا نہیں کی تو معاویہ بن وہب جواب میں کہتا ہے کہ اے میرے عزیز آپ کو اس امر سے متعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں نے اس ہستی سے سنا ہے جو کہ اپنے آباؤ اجداد کے علاوہ تمام گذشتہ اور آنے والوں کے سید و سردار ہیں۔ اور اگر خدا کی قسم میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو معاویہ بن وہب (آپنا نام لے کر کہتا ہے) کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہو جائیں، اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت بھی نصیب نہ ہو۔ اور وہ حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد یہ ہے جسکی وجہ سے میں نے اپنے لیے دعا نہیں کی! (من دعا لاخیہ فی ظھر الغیب ناداہ ملك من السماء الدنیا : یا عبد الله و لك مأۃ الف ضعف مما دعوت و ناداہ ملك من السماء الثانیہ :یا عبد الله ولك مأیتا الف ضعف مما دعوت وناداہ ملك من السماء الثالثہ: یا عبد الله و لك ثلاث مأۃ الف ضعف مما دعوت و ناداہ ملك من السماء الرابعۃ: یا عبد الله ولك اربع مأۃ الف ضعف مما دعوت ونادا‌ہ ملك من السماء الخامسۃ : یا عبد الله ولك خمسمأۃ الف ضعف مما دعوت و ناداہ ملك من السماء السادسۃ : یا عبد الله ولك ستمأۃ الف ضعف مما دعوت و ناداہ ملك من السماء السابعۃ : یا عبد الله ولك سبعمأۃ الف ضعف مما دعوت ثم ینادیه الله تبارك و تعالی : انا الغنی الذی لاافتقر : یا عبد الله ولك الف ،الف ضعف مما دعوت) جو شخص اپنے مومن بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعائے خیر کرتا ہے تو آسمان دنیا (پہلے آسمان) سے فرشتہ اسے پکار کر کہتا ہے کہ اے بندہ خدا (تو نے مومن بھائی کے لیے

دعا کی ہے) اس دعا کے بدلے تیرے لیے ایک لاکھ دعائے خیر قبول ہو، اسی طرح دوسرے آسمان سے فرشتہ نداء دیتا ہے کہ آپ کے لیے دو لاکھ اس جیسی دعائیں قبول ہوں اور پھر تیسرے آسمان سے فرشتہ تین لاکھ دعاؤں کی قبولیت کی نداد یتا ہے چوتھے آسمان والا فرشتہ چار لاکھ دعاؤں کی قبولیت کی ضمانت دیتا ہے پانچویں آسمان سے فرشتہ پانچ لاکھ کی قبولیت کی خبر دیتا ہے چھٹے آسمان سے چھ لاکھ کی دعائے خیر کی قبولیت کی فرشتہ نداء دیتا ہے پھر ساتویں آسمان سے فرشتہ نداء دیتا ہے کہ اے بندہ خدا اس مومن کے لیے کی گئی دعائے خیر کے عوض آپ کی سات لاکھ دعائیں قبول ہوں پھر خود خالق کائنات اس بندے کو نداء دے کر کہتا ہے کہ میں وہ غنی مطلق ہوں کہ جو کسی کا محتاج نہیں ہوں اے میرے بندہ تیرے لیے مومن بھائی کے لیے کی گئی دعا کے عوض میرے خزانوں سے دس لاکھ تیری دعائیں قبول ہوں، پھر معاویہ بن وہب کہتا ہے کہ اے زید النرسی کون سا امر زیادہ خطرناک ہے آیا وہ جسے میں نے اختیار کیا ہے یا وہ جس کا آپ مجھے حکم دے رہے ہو؟ (کہ لوگوں کی بجائے میں اپنے لیے دعا کروں)۔

تنبیہ: انسان کو اس امر کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہیے کہ جب وہ اپنے کسی مومن بھائی کے لیے دعائے خیر کر رہا ہو تو اس کیلئے جذبہ محبت کے ساتھ اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا کرے، اور دل سے اس امر کی تمنا ہو کہ جس چیز کی میں اس مومن بھائی کے لیے دعا کر رہا ہوں خداوند ذوالجلال اسے وہ عطا بھی کرے، اگر کوئی انسان ان مذکورہ صفات کے ساتھ کسی مومن بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو پھر اس صورت میں اسے وہ تمام اجر وثواب حاصل ہو گا جسے سابقا ہم نے روایات کی روشنی میں ذکر کیا ہے، اور پھر اس کے لیے بھی دوگنا دعا قبول ہو گی آپ کا کسی مومن بھائی کے لیے دعائے خیر کرنا حقیقت میں تین قسم کی نیکیوں پر مشتمل ہے

(۱) ایک تو خود مومن بھائی کے لیے دلی طور پر اظہار محبت کرنا ثواب ہے۔

(۲) دوسرا اس مومن کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ رکھنا جو کہ نیکی ہے۔

(۳) پھر اس بھلائی کی خدا سے دعا بھی کرنا۔

اسی طرح انسان کو اس امر کی طرف بھی ملتفت رہنا چاہیے کہ جس چیز کو مومن بھائی کے لیے طلب کر رہا ہو اسے خود دل سے پسند بھی کرتا ہو، پھر اس محبوب چیز کو سخی و کریم خدا سے طلب کرے خدا اپنے بندہ کو آپ سے زیادہ نفع و فائدہ پہنچانے میں قادر ہے، اور خدا کو یہ امر بہت زیادہ محبوب اور پسند ہے تو ایسی صورت میں لامحالہ خداوند کریم اس مومن کی سفارش وشفاعت کو قبول کرے گا۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ اللہ تعالیٰ کے اس قول (و یستجیب الذین آمنوا و عملوا الصالحات و یزید ھم من فضلہ) (سورۃ شوریٰ ۲۶ آیت) ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اللہ تعالیٰ انہیں کی دعا مستجاب کرتا ہے اور خدا اپنے فضل وکرم سے ان کے اجر میں اضافہ کر دیتا ہے۔ کی تفسیر میں نقل کرتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں

(ھو المومن یدعو لاخیہ بظھر الغیب فیقول لہ الملك ولك مثل ما سئلت و قد اعطیت لحبك ایّاہ)

(اس سے مراد) وہ مومن ہے جو اپنے مومن بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعائے خیر کرتا ہے تو (خدا کی طرف سے) فرشتہ اسے ندا دیتا ہے کہ جس نیکی و بھلائی کو تو نے مومن بھائی کے لیے طلب کی ہے تجھے بھی اس مومن کے ساتھ محبت رکھنے کے عوض عطاء کی گئی ہے۔

حکایت: کسی صالح انسان کی حکایت کی گئی ہے کہ وہ جب بھی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنے مومن بھائیوں کے لیے دعائے خیر کرتے، ایک دن جب وہ مسجد سے نکلے تو ان کا والد گرامی فوت ہو چکا تھا تو وہ اپنے والد کی تجہیز و تکفین اور دیگر رسوم عزاء ادا کرنے کے بعد ان کے ترکہ کو اپنے مومن بھائیوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیتے ہیں اس اللہ کے نیک بندہ سے جب سوال کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ تو جواب میں کہتا ہے کہ میں ان بھائیوں کے لیے مسجد میں خدا سے جنت الفردوس کی دعا کر رہا تھا اور اب میں ان کے لیے اس فانی دنیا کی چیزوں میں بخل کروں؟؟

لہٰذا انسان کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اس کلام حق ترجمان میں غور و فکر کرنی چاہیے حضرتؑ فرماتے ہیں کہ (**اذا تصافح المومنان قسّم بینھما مائة رحمة تسع و تسعون منھا لاشدھما حبا لصاحبہ**) جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے مابین ایک سو رحمت خدا تقسیم ہوتی ہے اور ان میں سے ننانوے رحمتیں اسے ملتی ہیں جو اپنے مومن بھائی سے زیادہ محبت رکھتا ہو، پس انسان کو خدا کی اپنے بندے پر عنایت و کرم نوازی پر غور و فکر کرنی چاہیے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ خدا کی محبت مومن بھائی سے محبت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا آپ جب کسی مومن بھائی کے لیے دعائے خیر کریں تو وہ خالص ہونی چاہیے کسی طمع و لالچ کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ انسان کو اس قصد کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ خداوند ذوالجلال مجھے اس کا عوض جنت الفردوس میں حور و قصور کی صورت میں عطاء کرے گا (یعنی) خدا ہی سے اجر و ثواب کی تمنا ہو بلکہ انسان کو اس قدر احتیاط کرنی چاہیے کہ مومن کے حق میں کی ہوئی دعا کی قبولیت اور استجابت سے بھی قطع نظر ہو کیونکہ یہ بھی ایک لالچ ہے اور اس قسم کے لالچ و طمع کرنے سے کہیں آپ خدا کی طرف سے حقیقی اجر و ثواب کو بھی نہ کھو بیٹھیں۔ جابر بن عبداللہؓ کی مذکورہ روایت پر غور کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مومن اپنے مومن بھائی

کے لیے دعائے خیر اس سے محبت کی بنیاد پر کرے۔

فصل: مومن سے مومن کی محبت کرنا..................

اے مومن آپ کیوں نہ اپنے مومن بھائی سے محبت کریں جبکہ وہ مومن بھائی آپ کا ناصر و مددگار ہے دشمنوں کے سامنے آپ کا معاون ہوگا اور آپ کے دین ومذہب میں بھی یہ مومن بھائی معاون ثابت ہوگا اور جن سے تو محبت کرتا ہے یعنی اہل بیت علیہم السلام ان سے محبت ومئودت کرنے میں یہ مومن بھائی آپ کے موافق ہے اور تیرے دشمنوں کا وہ دشمن ہے۔

آئمہ علیہم السلام سے مروی ہے **(لا یکمل عبد حقیقة الایمان حتی یحب اخاہ المومن)** اس وقت تک کسی بندے کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مومن بھائی سے محبت ومودت نہ رکھے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر آئمہؑ سے ہی مروی ہے **(شیعتنا المتحابون المتباذلون فینا)**
ہمارے شیعہ ہماری وجہ سے اور ہم سے محبت کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ہماری محبت میں جان ومال خرچ کرتے ہیں ۔

عبدالمومن انصاری روایت کرتا ہے کہ ایک دن میں حضرت امام موسی بن جعفر علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت حضرت کے ہاں محمد بن عبداللہ جعفری تھا تو میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگا، یہ دیکھ کر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مجھ سے سوال کرنے لگے (اُتحبہ؟) کیا تو اسے پسند کرتا ہے؟ تو میں نے جواب میں عرض کیا، جی ہاں، اور میں اس سے محبت فقط آپ کی وجہ سے کرتا ہوں، حضرت باب الحوائج موسی بن جعفر علیہما السلام فرمانے لگے **(ھو اخوك و المومن اخو المومن لابیه و اُمه ملعون ، ملعون من اتھم اخاہ ملعون ، ملعون من غش اخاہ ملعون، ملعون من لم ینصح اخاہ ملعون ، ملعون من استأثر علی اخیه ملعون ، ملعون من احتجب عن اخیه ملعون ، ملعون من اغتاب اخاہ)** یہ تیرا مومن بھائی ہے اور مومن دوسرے مومن کا ماں باپ کی طرف سے بھائی ہوتا ہے ملعون ہے، ملعون ہے وہ شخص جو اپنے مومن بھائی پر تہمت لگاتا ہے، ملعون ہے، ملعون ہے جو اپنے مومن بھائی کے ساتھ خیانت کرتا ہے، اور ملعون ہے، ملعون ہے وہ جو اپنے مومن بھائی کو نصیحت نہ کرے، ملعون ہے، ملعون ہے جو مومن بھائی پر اپنے آپ کو ترجیح دیتا ہو، ملعون ہے، ملعون ہے جو اپنے مومن بھائی سے (حقائق کی) پردہ پوشی کرے، ملعون ہے، ملعون ہے جو مومن بھائی کی غیبت کرتا ہو۔

ایک اور مقام پر حضرت موسی بن جعفر علیہما السلام سے منقول ہے **(اوثق عری الایمان الحب فی اللہ و البغض فی**

اللہ) مضبوطی ایمان یہ ہے کہ خدا کے لیے کسی سے محبت ہو اور خدا ہی کے لیے کسی سے بغض ہو۔

حضرت صادق آل محمدؑ ارشاد فرماتے ہیں (لکل شئی شئی یستریح الیہ و ان المومن یستریح الی اخیہ المومن کما یستریح الطیر الی شکلہ او ما رأیت ذالك؟) ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی سکون وہ چیز ہوتی ہے اور مومن کے لیے اس کا مومن بھائی اس طرح باعث راحت وسکون ہوتا ہے جیسا کہ پرندہ اپنے جیسا پرندہ کو دیکھ کر راحت محسوس کرتا ہے، کیا آپ نے اس امر کا ملاحظہ نہیں کیا ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (المومن اخو المومن و ھو عینہ و مرأتہ و دلیلہ لا یخونہ ولا یخدعہ ولا یظلمہ ولا یکذبہ ولا یغتابہ) مومن، مومن کا بھائی ہے وہ اس کی آنکھ ہے اور اس کیلئے آئینہ اور راہنما ہے، مومن اپنے مومن بھائی سے کبھی بھی خیانت نہیں کرتا اور ظلم نہیں کرتا اور مومن اپنے بھائی مومن کو جھٹلاتا نہیں اور اس کی غیبت نہیں کرتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (ایما مومنین او ثلاثہ اجتمعوا عند اخ لھم یأمنون بوائقہ ولا یخافون غوائلہ ویرجون ما عندہ ان دعوا اللہ اجابھم و ان سئلوہ اعطاھم و ان استزادوا زادھم و ان سکتوا ابتداھم)

جب دو یا تین مومنین ایک ایسے اپنے مومن بھائی کے ہاں جمع ہوں۔ جنہیں اس کے مکر وشر سے امان ہو اور دھوکہ وفریب سے ڈر نہ ہو اور اس سے اچھائی کی امید رکھتے ہوں یہ لوگ جب بھی خدا کو پکاریں گے خدا ان کی حاجات کو پورا کرے گا اور جس چیز کا خدا سے سوال کریں خدا انہیں عطاء کرتا ہے، خدا ان کے خیر میں اضافہ کرتا ہے اور اگر وہ خاموش بیٹھے رہیں (کوئی چیز بھی خدا سے طلب نہ کریں) تو خود خدا (اپنی عطاء میں) پہل کرتا ہے۔

حاشیہ: مولا نے اپنے اس کلام حق ترجمان میں مومن کی زیارت کو ایک مہم قید کے ساتھ مقید کر دیا ہے کہ مومن ایسے مومن کی زیارت کرے (یأمنون بوائقہ....الخ) جس کے شر اور دھوکہ دہی سے محفوظ ہو۔ کیونکہ یہ مہلک صفات ہیں ۔اور امامؑ نے فقط یہاں تک محدود نہیں کیا کہ زیارت کرنے والا مومن اس کے شر و مکر سے محفوظ ہو بلکہ دیگر تمام مومنین اس کے دھوکہ وفریب سے محفوظ ہوں۔ اب یہ بات واضح ولائح ہوگئی کہ ایسے لوگوں کے ہاں آنا جانا خلاف قول معصوم ہوگا جو لوگوں کے ساتھ دھوکہ دہی مکر وفریب کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوں اور اسی طرح بڑے بڑے لوگوں، ظالم و جابر حکمرانوں کے ہاں جانا بدرجہ اولی مخالفت قول معصوم ہوگی۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ (ابغض الخلق الی اللہ عالم زار سلطاناً وان العلماء امناء مالم یزوروا سلطاناً جائراً فاذا زاروھم خانوافی الدین)خالق کے ہاں پوری مخلوق میں سے ناپسند وہ عالم ہے جو حکمران ظالم کی زیارت کیلئے جائے کیونکہ علماء اس وقت دین کے امین

ہیں جب تک ظالم و جابر حکمرانوں کے دروازوں پر نہیں جاتے اور جب ان کے دروازوں پر دستک دینے لگ جاتے ہیں تو اس وقت وہ دین میں خیانت کرنیوالے ہوتے ہیں۔لیکن افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ آج آئمہ کے کلام حق ترجمان کو پس پشت ڈال کر ظالم حکمرانوں کے ساتھ علیل حجتوں کی بنیاد پر تعلقات بنانے اوران کے دروازوں کی ٹھوکریں کھانے کو اپنے لیے فخر و مباہات سمجھا جاتا ہے۔اوراس سے وہ لوگ نہ فقط اپنی آخرت تباہ کررہے ہیں بلکہ دنیا میں بھی اچھی شہرت کے حامل نہیں ہوتے۔)(فاعتبروا یا اولی الابصار)

(من زار اخاه لله لا لشئی غیره بل لالتماس ما وعد الله و تنجز ما عنده وکل الله به سبعین الف ملک ینادونه الا طبت و طابت لك الجنة) جوشخص اپنے مومن بھائی کی بغیر کسی لالچ وطمع کے فقط خدا کی رضا کے لیے زیارت کرتا ہےاوروہ اس زیارت کا اجر خدا سے طلب کرتا ہےتو اللہ تعالی اس شخص کے لیے ستر ہزار فرشتہ معین کرتا ہے جو اسے ندا دے کر کہتے ہیں کہ اے زیارت کرنے والا مومن تو پاک وپاکیزہ ہےاور تیرے لیے پاک و پاکیزہ جنت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشادفرماتے ہیں (من عامل الناس فلم یظلمهم و حدثهم فلم یکذبهم ووعدهم فلم یخلفهم کان ممن حرمت غیبته و کملت مروته ظهرت عدالته و وجبت اخوته) جولوگوں کے ساتھ بغیرظلم وزیادتی کے معاملہ کرتا ہواور جھوٹ سے اجتناب کرتا ہو اوران کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرتا ہو ایسا شخص ان لوگوں میں سے ہےجن کی غیبت کرنا حرام ہے وہ ایک عظیم شخصیت کا حامل ہےاوراس کی عدالت واضح طور پر ثابت ہےاورایسے شخص کے ساتھ محبت و بھائی چارگی کرنا واجب ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں (ان لله جنة لا یدخلها الا ثلاثه : رجل حكم على نفسه بالحق ، و رجل زار اخاه المومن فی الله ، و رجل آثر اخاه المومن فی الله) خدا کی جنت میں ایک ایسا مقام ہے جہاں صرف تین شخص ہی داخل ہوں گے (۱) ایک وہ شخص جو اپنے اوپر بھی حق وانصاف سے حکم لگاتا ہے (۲) وہ شخص جو رضائے خدا کے لیے مومن بھائی کی زیارت کرتا ہے (۳) وہ شخص جو اپنے مومن بھائی کا اپنے خدا کے لیے احترام اوراسے فضیلت وبرتری دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں (ان المومنین اذا التقیا و تصافحا ادخل الله یده بین ایدیهما فصافح اشدهما حبا لصاحبه) جب دو مومن آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ کی رحمت وکرم ان دونوں کو شامل ہوتی ہے اور جو ان میں سے اپنے دوسرے مومن کے ساتھ زیادہ محبت سے مصافحہ کرتا ہے خدا بھی اس سے مصافحہ کرتا ہے (یعنی اس پر زیادہ رحمتیں نازل کرتا ہے)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا تلاقیتم فتلاقوا بالتسلیم و التصافح و اذا تفرقتم فتفرقوا بالاستغفار) رسول خداؐ فرماتے ہیں جب آپ آپس میں ملاقات کرو تو سلام و مصافحہ کے ساتھ ملو اور جب ایک دوسرے سے جدا ہونے لگو تو (ایک دوسرے کے لیے) مغفرت کی دعا کے ساتھ جدا ہوا کرو۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام رسول اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا! (لقی ملك رجلا علی باب دار کان ربها غائبا فقال له الملك ما جاء بك الی باب هذه الدار ؟ فقال لی اخ اردت زیارته قال : لرحم ماسة بینك و بینه ام نزعتك الیه حاجة؟ قال ما بیننا رحم ماسة اقرب من رحم الاسلام وما نزعتنی الیه حاجة ولکن زرته فی الله رب العالمین ، قال فابشر فانی رسول الله الیك وهو یقرئوك السلام ویقول لك ایای قصدت وما عندی اردت بصنیعك فقد او جبت لك الجنة و عافیتك من غضبی و اجرتك من النار حیث اتیته) ایک دفعہ فرشتہ نے ایک شخص کو ایسے گھر کے دروازے پر دیکھا جس کا مالک غائب تھا فرشتہ اس شخص سے سوال کرتا ہے کہ کیسے اس دروازہ پر آنا ہوا؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرا یہاں بھائی رہتا ہے میں اس کی زیارت کے لیے آیا ہوں، فرشتہ کہتا ہے کہ کیا تیرے اور اس کے درمیان کوئی قوی رشتہ داری ہے یا کسی حاجت کی وجہ سے یہاں آیا ہے؟ وہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ ہمارے درمیان ایک ایسا قوی رشتہ ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی رشتہ نہیں ہے اور وہ اسلام کا رشتہ ہے اور مجھے اس سے کوئی (دنیاوی) غرض و حاجت نہیں ہے بلکہ فقط خدا کی رضا کے لیے اس کی زیارت کے لیے آیا ہوں، فرشتہ کہتا ہے میں تجھے بشارت دیتا ہوں کیونکہ میں تیری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور خدا تجھ پر سلام بھیجتا ہے اور فرما رہا ہے کہ تو نے حقیقت میں میری زیارت کا قصد اور اپنے اس فعل سے میری رضا کو طلب کیا تو ہے میرے پاس تیرے اس بہترین فعل کا اجر یہ ہے کہ تجھ پر جنت واجب ہے اور میرے قہر و غضب سے تجھے نجات حاصل ہے اور میں نے تجھے جہنم کی آگ سے پناہ دے دی ہے۔

حضرت امام علی بن ابی طالب علیہما السلام سے منقول ہے (النظر الی العالم عبادة والنظر الی الامام المقسط عبادة والنظر الی الوالدین برأفة و رحمة عبادة والنظر الی الاخ توده فی الله عبادة) عالم کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور عادل امام کی طرف نگاہ دوڑانا عبادت ہے، والدین کی طرف پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھنا عبادت ہے اور اپنے مومن بھائی کی طرف خدا کی وجہ سے محبت کی آنکھوں سے دیکھنا عبادت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (ما احدث الله اخاً بین مومنین الا احدث لکل منهما

درجة) اللہ تعالی دو مومنوں کے درمیان اخوت و برادری کو پیدا نہیں کرتا مگر یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے (جنت میں خاص) درجہ مقرر کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں (من استفاد اخا فی الله استفاد بیتافی الجنة) جس نے خدا کیلئے کسی کو بھائی اختیار کرلیا تو گویا اس نے جنت میں گھر بنالیا ہے (گویا) وہ جنت کے گھر سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے (من اکرم اخاه فانما یکرم الله فما ظنکم بمن یکرم الله ان یفعل الله به ؟) جو اپنے مومن بھائی کا احترام کرتا ہے گویا اس نے خدا کا احترام کیا ہے اور ایسے شخص کے اجر وثواب کا کیا گمان رکھ سکتے ہو جسے اللہ تعالی اپنی قدر واحترام کا عوض عطاء فرمائے گا ۔

جابر بن عبداللہ انصاری حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے (ان المومنین المتواخین فی الله لیکون احدهما فی الجنة فوق الآخر بدرجة فیقول یا رب انه اخی و صاحبی قد کان یأمرنی بطاعتك و یثبطنی عن معصیتك ویرغبنی فیما عندك یعنی الاعلیٰ منهما یقول ذلك فاجمع بینی و بینه فی هذه الدرجة فیجمع الله بینهما و ان المنافقین لیکون احدهما اسفل من صاحبه بدرك فی النار فیقول یا رب ان فلانا کان یأمرنی بمعصیتك ویثبطنی عن طاعتك و یزهدنی فیما عندك ولا یحذرنی لقائك فاجمع بینی و بینه فی هذا الدرك فیجمع الله بینهما و تلا هذه الآیة (الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین)

سورۃ الزخرف ۶۷ آیت مومنین جو آپس میں خوشنودی خدا کے لیے بھائی بھائی ہوتے ہیں تو جب ان میں سے ایک جنت میں دوسرے کی نسبت اعلی درجہ میں ہوگا ہے تو یہ بلند درجہ والا خداوند ذوالجلال سے عرض کریگا کہ الہی یہ میرا بھائی ہے دنیا میں میرا ساتھی تھا مجھے تیری اطاعت کی نصیحت کرتا تھا اور تیری نافرمانی کرنے سے روکتا تھا اور مجھے اس اعلی منزل جو تیرے پاس ہے اس کی ہمیشہ رغبت دلاتا رہتا تھا لہذا ہم دونوں کو اس اعلی درجہ میں اکٹھا فرما پھر اللہ تعالی ان دونوں کو ایک درجہ میں جمع فرمائے گا (جبکہ اس کے برعکس) منافقین میں سے جب ایک منافق دوسرے کی نسبت جہنم کے بہت نچلے درجہ میں ہو تو خدا سے کہے گا، الہی فلاں شخص مجھے تیری نافرمانی کا حکم دیتا تھا اور تیری اطاعت اور فرمانبرداری سے روکے رکھتا تھا اور تیرے اجر وثواب اور انعامات سے مجھے دور رکھا اور آج کی تیری اس ملاقات سے مجھے خوف نہیں دلاتا تھا لہذا ہم دونوں کو اسی پست درجہ میں جمع فرما، اللہ تعالی ان دونوں کو جہنم کے نچلے درجہ میں جمع فرمائے گا، اس کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اس دن تمام دوست سوائے صاحبان تقویٰ کے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے"۔

مومنین کی حاجت برآوری کرنا ....

راوی ابان بن تغلب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ حضرت فرماتے ہیں
(ایما مومن سئل اخاه المومن حاجة وهو یقدر علی قضائها فرده عنها سلط الله علیه شجاعا فی قبره ینهش من اصابعه) جو مومن اپنے مومن بھائی سے کسی ایسی حاجت کے بارے میں سوال کرتا ہے جس پر وہ قادر بھی ہو اور پھر وہ اسے پورا نہ کرے خداوند ذوالجلال قبر میں اس مومن پر ایسا سانپ مسلط کرے گا جو اسے اس کی انگلیوں سے نوچے گا۔

اسمعیل بن عمار کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی ، کہ مومن رحمت ہے؟ حضرت نے فرمایا، (نعم و ایما مومن اتاه اخوه فی حاجته فانما ذالك رحمة ساقها الله الیه و سببها له فان قضاها كان قد قبل الرحمة بقبولها و ان رده وهو یقدر علی قضائها فانما رد عن نفسه الرحمة التی ساقها الله الیه و سببها له و ادخرت الرحمة للمردود عن حاجته ومن مشیٰ فی حاجة اخیه ولم یناصحه بكل جهده فقد خان الله و رسوله و المومنین و ایما رجل من شیعتنا اتاه رجل من اخوانه و استعان به فی حاجته فلم یعنه وهو یقدر ابتلاه الله تعالی بقضاء حوائج اعدائنا لیعذ به بها ومن حقر مومنا فقیرا او استخف به وا حتقره لقلة ذات یده و فقره اشهره الله یوم القیامة علی رؤوس الخلائق و حقره و لا یزال ماقتا له و من اغتیب عنده اخوه المومن فنصره و اعانه نصره الله فی الدنیا و الآخرة و من لم ینصره ولم یدفع عنه وهو یقدر خذله الله وحقره فی الدنیا والآخرة) جب مومن کسی مومن بھائی کے پاس حاجت برآوری کے لیے آتا ہے تو یہ اس پر خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہے اور خدا ہی اس رحمت کے نزول کا سبب ہے اور اگر اس مومن نے اس کی حاجت برآوری کر دی تو اس نے اس رحمت الٰہی کا استقبال کیا ہے اور اگر وہ اس حاجت کے پورا کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اسے رد کر دیتا ہے تو گویا اس نے رحمت الٰہی کو دھتکارا ہے، اور یہ رحمت خداوند ذوالجلال صاحب حاجت مومن کے لیے محفوظ کر لیتا ہے اور جو شخص پوری جدوجہد اور اخلاص قلب کے ساتھ مومن بھائی کی حاجت برآوری کے لیے کوشش نہیں کرتا تو اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مومنین کے ساتھ خیانت کی ہے، ہمارے شیعوں میں سے جو شیعہ اپنے مومنین بھائیوں کی حاجت برآوری پر قدرت رکھنے کے باوجود حاجت برآوری نہیں کرتا تو خداوند ذوالجلال اس کو (عذاب کے طور پر) ہمارے دشمنوں کی حاجت برآوری کی مصیبت میں مبتلاء کر

دیتا ہے، تاکہ آخرت میں اس کے عوض خدا اسے عذاب دے، اور جو کسی فقیر مومن کو پست اور گھٹیا جانے اور اس کے پاس مال نہ ہونے کی بدولت اسے حقیر سمجھے، خالق کائنات اس کو بروز قیامت تمام لوگوں میں مشہور کر دیتا ہے (جس سے وہ ذلیل ہوتا ہے) اور اسے خدا حقیر بنا دیتا ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور جس شخص کے ہاں اس کے مومن بھائی کی غیبت کی گئی ہو اور وہ اپنے بھائی کی نصرت و مدد کرے خدا اس کی دنیا و آخرت میں مدد فرماتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کا دفاع نہ کرے جب کہ وہ اس پر قادر بھی ہو تو خداوند ذوالجلال اسے دنیا و آخرت میں رسوا کر دیتا ہے۔

حسین بن ابی العلاء کہتا ہے کہ ہم تقریباً بیس آدمی مکہ کو روانہ ہوئے تو راستہ میں ان کے لیے میں ہر منزل پر دنبہ کو ذبح کرتا تھا جب ہم مکہ پہنچ کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا (واها یا حسین أتذل المومنین ؟) افسوس ہے اے حسین، کیا تو مومنین کو ذلیل کرتا ہے؟ حسین بن ابی العلاء جواب میں کہتا ہے کہ مولا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ مومنوں کو ذلیل و رسوا کروں تو امامؑ نے فرمایا (بلغنی انك كنت تذبح لهم فی كل منزل شاة) مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو راستہ میں ہر مقام پر ساتھیوں کے لیے دنبہ ذبح کرتا تھا، حسین جواب میں عرض کرتا ہے کہ مولاً یہ کام تو میں نے خوشنودی خدا کے لیے کیا ہے (فقال عليه السلام : اما كنت ترى ان فيهم من يحب ان يفعل مثل فعالك فلا تبلغ مقدرته ذالك فتتقاصر اليه نفسه ؟) حضرت صادق آل محمدؐ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آیا تجھے اس بات کی خبر نہ تھی کہ تیرے ساتھیوں میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو تیری طرح ذبح کرنا جانتے ہیں اور چاہتے بھی تھے لیکن ان کی یہ حاجت پوری نہ ہوسکی اور (نتیجہ کے طور پر) اپنے آپ میں چھوٹا پن کا احساس کرنے لگے۔ پھر یہ شخص جواب میں عرض کرنے لگا اے رسولؐ خدا کے بیٹے آپ پر خدا کا درود و سلام ہو میں اسے دوبارہ نہیں دہراؤں گا، اور اب میں خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (لا تزال امتی بخير ما تحابوا و ادوا الامانة و اتوا الزكوة و اذا لم يفعلوا ابتلوا بالقحط و السنين و سيأتی علی امتی زمان تخبث فيه سرائرهم و تحسن علانيتهم طمعا فی الدنيا يكون عملهم رياء لا يخالطهم خوف ان يعمهم الله ببلاء فيدعونه دعاء الغ[ريق] فلا يستجيب لهم) میری امت اس وقت تک خیر پر ہے جب تک وہ آپس میں محبت کرتے رہیں، امانت کو ادا کریں زکوۃ کی پابندی کریں اور جب وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ قحط سالی کی مصیبت میں مبتلاء ہو جائیں گے اور میری امت [پر] ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ان کا باطن غلط ہوگا اور ظاہری طور پر اپنے آپ کو اچھا رکھیں گے، دنیا داری کا طمع و لا[لچ] کریں گے اپنے اعمال میں ریا کار ہوں گے اور انہیں اس بات کا خوف نہیں ہوگا کہ خدا ہم سب کو کسی مصیبت میں مبتلاء

دے گا تو پھر جب وہ خدا کو ڈوبتے ہوئے شخص کی طرح آہ و بکاء کر کے پکاریں گے تب بھی خدا ان کی دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔

ابراہیم التیمی کہتا ہے کہ میں ایک دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے ارشاد فرمایا (الا اخبرك ۔ یا ابراهیم۔ مالك فی طوافك هذا؟) اے ابراہیم: کیا میں آپ کو اس بات کی خبر نہ دے دوں کہ آپ کے طواف کی حقیقت کیا ہے؟ ابراہیم عرض کرتا ہے مولاً میں آپ پر قربان ہو جاؤں فرمائیے! (قال علیه السلام من جاء الی هذا البیت عارفا بحقه فطاف به افسبوعا و صلی رکعتین فی مقام ابراهیم کتب الله له عشرة الاف حسنة و رفع له عشرة الاف درجه) جو شخص اس گھر کی حقیقی معرفت کے ساتھ اس کا طواف کرے اور سات چکر لگانے کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نماز ادا کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور دس ہزار درجات کا اضافہ کرتا ہے، پھر حضرت امامؑ نے فرمایا (الا اخبرك بخیر من ذالك؟) کیا میں آپ کو اس سے بھی زیادہ نیکی کی خبر نہ دے دوں؟ یہ عرض کرتا ہے مولاً فرمائیے میں آپ پر قربان ہو جاؤں، (فقال علیه السلام: من قضی اخاه المومن حاجة کان کمن طاف طوافا و طوافا۔ حتی عد عشراً۔ و قال: ایما مومن سئله اخو ه المومن حاجة و هو یقدر علی قضائها ولم یقضها له سلط الله علیه شجاعا فی قبره ینهش اصابعه) امام علیہ السلام فرمانے لگے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت برآوری کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا ہو، طواف کیا ہو (یہاں تک کہ مولاً نے دس بار طواف کو ذکر کیا) اور ایسا شخص جو کسی مومن کی حاجت پوری کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو لیکن پھر بھی اسے پورا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر قبر میں ایک ایسا سانپ مسلط کرتا ہے جو اسے اس کی انگلیوں سے نوچتا ہے۔

امام حسن علیہ السلام کا حاجت برآوری کرنا

ابن عباسؓ روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ مسجد الحرام میں تھا، امامؑ وہاں اعتکاف میں تھے اور اس وقت خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھے، آپ کے چاہنے والوں میں سے ایک شخص حاضر خدمت ہوتا ہے، تو عرض کرنے لگتا ہے اے رسولؐ خدا کے بیٹے مجھ پر فلاں شخص کا قرض ہے اگر آپ اسے کہیں دیکھیں تو میری طرف سے آپ اس کا قرضہ ادا فرما دینا، امام حسنؑ جواب میں فرماتے ہیں (و رب هذه البنیه ما اصبح عندی شئی) اس گھر کے رب کی قسم میرے پاس ابھی کچھ بھی نہیں ہے، پھر یہ شخص امامؑ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مولاً اس شخص نے مجھے

قید کرنے کی دھمکی دی ہوئی ہے اگر آپ اسے کہیں دیکھیں تو اس سے میری طرف سے قرض کی ادئیگی کی مہلت لے لینا، ابن عباس کہتا ہے کہ امام حسنؑ نے طواف کو ترک کر دیا اور اس کے ساتھ چل پڑے میں نے عرض کی اے رسول کے بیٹے کیا آپ بھول گئے ہو کہ آپ حالت اعتکاف میں ہو؟ تو امام حسنؑ فرماتے ہیں (لا و لکن سمعت ابی یقول، سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم یقول من قضی اخاه المومن حاجة کان کمن عبد الله تسعة الاف سنة صائما نهاره، قائما لیله) نہیں میں بھولا نہیں ہوں لیکن میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ رسولؐ خدا فرماتے تھے جو شخص کسی مومن کی حاجت کو پورا کرتا ہے گویا اس نے اللہ تعالی کی نو ہزار سال یوں عبادت کی کہ دنوں کو روزے رکھتا ہو اور رات کو نماز میں مشغول رہتا ہو۔ (۱)

فصل

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالی کا کیا لطف و کرم ہے کہ وہ بے نیاز ہستی مومنین کی آپس میں محبت و اخوت کو چاہتی ہے، خداوند ذوالجلال اس بات کو بہت زیادہ پسند فرماتا ہے کہ مومنین ایک دوسرے سے محبت کے ساتھ رہیں، خدا

---

(۱) کتنا عظیم ثواب ہے حاجت برآوری کرنے میں۔ امام حسنؑ اپنی عظمت و منزلت کے باجود اور پھر عظیم ترین عبادت طواف خانہ کعبہ میں مصروفیت لیکن ان تمام امور کو مومن کی پریشانی اور مشکل پر قربان کر کے طواف خانہ کعبہ کو چھوڑ کر ایک عام مومن اور محبؐ اھل بیت علیہم السلام کیساتھ اس کی حاجت برآوری میں سعی کرنے کو ترجیح دی۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اماؑم کا یہ سب کچھ کرنا بغیر کسی سبب کے نہ تھا بلکہ کسی علت و سبب کا نتیجہ تھا۔ اور وہ احساس عظمت مومن ہے۔ جو کہ آج کل عنقاء ہے۔ مومن مومن کو ذلیل و رسوا کرنے پر تلا ہوا ہے۔ عام اور معمولی چیزوں کی بنیاد پر مومن اپنے مومن بھائی کی تباہی کے لیے گڑھے کھودنے میں لگا ہوا ہے۔ کہاں ہے ولایت اھل بیت علیہم السلام کا دعوی؟ کہاں گئی سیرت اھل بیت علیہم السلام؟ اماؑم نے تو قضاء حاجت کیلئے معیار و کسوٹی ایمان رکھا ہے۔ لیکن آج اگر قضاء حاجت کی بھی جائے تو معیار قرابت داری، دوستی اور تعلق کو رکھا جاتا ہے۔ تو پھر کیا فرق رہا سقیفہ کی تیسری اینٹ اور مدعی غدیری کے درمیان؟ کیا مہرہ غدیر حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے ہاں یہی معاییر تھے؟ آؤ بغور علی کی سیرت کو پڑھیں پھر اپنے اوپر اس کی تطبیق کریں پھر لوگوں کو بتانے کے بھی قابل ہونگے۔ امام اگر اعتکاف کو چھوڑ رہے ہیں مومن کی قضاء حاجت کیلئے تو کیا ہمارے اعمال اور شخصی مصروفیات زیادہ اہمیت کے حامل ہیں؟؟ مومن کی عظمت خدا اور اس کے اولیاء کرام علیہم السلام کے ہاں بہت عزیز ہے۔ خدا مومنین کو اور زیادہ عظمت عطا فرمائے۔ آمین)

کے ہاں سب سے افضل عمل مومنین کے دلوں میں سرور پیدا کرنا ہے۔

حکایت: حسن بن یقطین اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتا ہے کہ اہواز کے علاقہ میں ہم پر یحییٰ بن خالد کی طرف سے ایک والی مقرر ہوا اور میرے دادا کہتے ہیں کہ مجھ پر کچھ بقایا ٹیکس تھا اگر میں اسے ادا کر دیتا تو اس میں میری ہلاکت اور فقر تھا گویا میرا سب کچھ چلا جاتا جب کہ دوسری طرف لوگوں نے مجھے ڈرایا ہوا تھا کہ والی کبھی بھی نہیں چھوڑے گا، وہ ضرور وصول کرے گا میں اس خوف کی حالت میں فرار کرتے ہوئے خدا کی پناہ لینے کے لیے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے والی کی طرف میرے لیے ایک مختصر سا خط لکھا جس کی عبارت یوں تھی (بسم اللہ الرحمن الرحیم ان للہ فی ظل عرشہ ظلا لا یسکنہ الا من نفس عن اخیہ کربۃ او اعانہ بنفسہ او صنع الیہ معروفا ولو بشق تمرۃ و ھذا اخوک والسلام) رحمٰن رحیم خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں عرش خدا کے سایہ کے تحت ایک ایسا (رحمت خدا کا) سایہ ہوگا جو کسی کو نصیب نہیں ہوگا مگر اس شخص کو جو اپنے مومن بھائی کی مشکلات کو دور کرتا ہے اور اس کی مدد و معاونت کرتا ہے اور مومن بھائی کے ساتھ نیکی کرے چاہے وہ نیکی ایک کھجور کے ٹکڑے سے ہی کیوں نہ ہو (لھذا) یہ تیرا بھائی ہے (اس کا خیال رکھنا) والسلام۔

پھر امامؑ نے اس خط کے آخر میں مہر لگا کر مجھے دیا اور فرمایا کہ والی تک پہنچا دینا جب میں اپنے وطن واپس آیا تو رات کو والی کے گھر کی طرف چل پڑا، دروازہ پر پہنچ کر میں نے اجازت لی اور کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے ایلچی ہوں، اچانک وہ ننگے پاؤں دروازے پر آ گیا اس نے میری طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے سلام کیا اور میری پیشانی چومنے لگا پھر کہنے لگا کیا آپ ہیں میرے آقا و مولاؑ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول؟ میں نے کہا جی ہاں، تو اس نے کہا اگر واقعات آپ میرے مولاؑ کے رسول ہو تو آپ نے مجھے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا، والی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر لے گیا اور مجھے اپنے مقام پر بٹھا کر خود میرے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میرے مولاؑ کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہو؟ ں نے کہا خیریت سے ہیں، تو والی شکر خدا کرنے لگا تو میں نے بھی شکر کے طور پر خدا کا ذکر کیا اور تین دفعہ لفظ اللہ کو ان پر لے آیا پھر میں نے اسے امامؑ کا خط دیا اس نے اس کو پڑھا اور چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھ کر مجھے کہنے لگا اے رے مومن بھائی حکم کریں کیا چاہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ میرے ذمہ کچھ ہزار درھم ہیں جن کی ادائیگی میرے لیے مشکل ہ والی نے ٹیکس والے رجسٹر کو اٹھایا اور میرے ٹیکس کو ختم کر دیا اور پھر اپنے خزانوں کے صندوق کو لا کر میرے اور اپنے یان آدھا آدھا تقسیم کر دیا پھر اپنے مویشیوں کو میرے اور اپنے درمیان تقسیم کر دیا، اسی طرح غلاموں کو بھی تقسیم کر دیا،

کپڑوں وغیرہ کو بھی بانٹ دیا یہاں تک کہ مجھے اپنی جائیداد میں برابر کا حصہ دیا اور پھر کہنے لگا کہ کیا میں نے آپ کو خوش کیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا خدا کی قسم آپ نے میری فرحت وسرور میں اضافہ کردیا ہے یہ شخص کہتا ہے کہ جب حج کا موسم آیا تو میں نے سوچا کہ اس فرحت وسرور کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں اس سے زیادہ اور کوئی محبوب امر نہیں ہے کہ میں حج پر جاؤں اور امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر والی کا شکریہ ادا کروں اور امامؑ کو والی کے لیے دعائے خیر کی التماس کروں، تو اس نیّت سے جب میں حج کے لیے مکہ روانہ ہوا تو میں اپنے مولا وآقاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جونہی میں حاضر ہوتا ہوں امام علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر فرحت وخوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، امامؑ نے مجھے دیکھ کر فرمایا (یا فلان ما کان من خبرك مع الرجل؟) اے فلاں اس (والی) نے تیرے ساتھ کیا تعاون کیا ہے؟ تو پھر میں نے مولاؑ کو اپنا احوال سنایا، مولاؑ بہت خوش ہوئے میں نے عرض کی اے میرے آقاؑ آپ کو اس تعاون سے خوشی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اسے تمام امور میں خوشیاں نصیب فرمائے، تو امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (ای والله لقد سرّنی و لقد سرّ آبائی و الله لقد سرّ امیر المومنین علیه السلام و الله لقد سرّ رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم و الله لقد سرّ الله فی عرشه) ہاں، خدا اسے خوشیاں نصیب کرے کیونکہ خدا کی قسم اس نے (اپنے اس عمل سے) مجھے اور میرے آباؤ اجداد کو خوش کیا ہے امیر المومنین اور رسولؐ خدا کو بھی خوشی حاصل ہوئی ہے اور خدا وند ذوالجلال عرش بریں پر اس کے اس عمل پر خوش وراضی ہے۔

تبصرہ: آپ کو اس والی کا قصہ گہری نگاہ سے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کیسے اس نے اپنے امامؑ کے بھیجے ہوئے ایلچی کا ننگے پاؤں استقبال کیا اور پھر اس کے اکرام واحترام میں کتنا اہتمام کیا اور بس یہیں تک بھی نہیں بلکہ اس کو اپنے تمام اموال میں برابر کا شریک بنایا اور یہ سب کچھ اس نے مولاؑ کے اس فرمان (هذا اخوك) یعنی یہ تیرا بھائی ہے، جو انہوں نے اس خط میں لکھ کر بھیجا تھا پر عمل کرتے ہوئے کیا ہے اور مولاؑ کے کلام حق ترجمان کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے حقیقی بھائی کی طرح اپنے تمام ترکہ کو اس کے درمیان برابر طور پر تقسیم کردیا اور شرعا دو حقیقی بھائیوں کا یہی حکم ہے۔

نتائج: یہ حدیث مبارک ہمیں چند مندرجہ ذیل امور کی طرف رہنمائی کرتی ہے
(۱) مومن کو خوش کرنے سے خدا اور اس کا رسولؐ اور آئمہ علیہم السلام خوش ہوتے ہیں (۲) جب مومن کسی مومن بھائی کی طرف اپنی حاجت لے جاتا ہے تو اسے ہر ممکن حسب قدرت مدد کرنی چاہیے، حتیٰ کہ اپنے جاہ ومنصب سے مدد کرے اور دعا کے ذریعے مدد کرے جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے اس مومن کی مدد کی اور فرمایا (او اعانه بنفسه) یعنی ا...

سے (مومن کی) مدد کرنا۔

(۳) اس حدیث سے ہمیں یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی مشکلات ومصائب میں لوگوں کی بجائے خدا کی بارگاہ میں رجوع کرنا چاہیے یا پھر ان دروازوں پر جانا چاہیے جو حقیقت میں خدا ہی کے ہیں اور وہ محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں، جیسا کہ راوی کے اس قول سے واضح ولائح ہوتا ہے کہ، میں نے اللہ کی طرف امام جعفر صادق علیہ السلام کا واسطہ بنا کر رجوع کیا ہے،، اور اسی میں انسان کی نجات وکامیابی ہے اور آپ نے اس واقعہ میں ملاحظہ فرمایا ہے کہ اس مشکل میں مبتلاء مومن کو اہل بیتؑ کے واسطہ سے خدا کی طرف رجوع کرنے میں کیا کچھ حاصل ہوا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے (ان العبد من عبادی یأتینی بالحسنة فابیحه جنتی ، فقال دائودؑ یا رب: وما تلك الحسنة ؟ قال یدخل علی عبدی المومن سرورا ولو بتمرة فقال دائودؑ حقاً علی من عرفك ان لا یقطع رجائه منك) جب بندہ کوئی نیکی بجالاتا ہے تو میں اس کے لیے اپنی جنت کو مباح کر دیتا ہوں، حضرت داؤدؑ عرض کرتے ہیں اے پالنے والے وہ کون سی ایسی نیکی ہے (جس کے عوض جنت مباح ہوتی ہے) ؟ خدا جواب میں فرماتا ہے کہ مومن بندہ کو خوش کرنا چاہے کھجور دے کر ہی کیوں نہ کیا جائے، پھر حضرت داؤدؑ عرض کرتے ہیں واقعا حق کی بات ہے جس نے تیری معرفت کر لی پھر اسے تجھ سے امید کو نہیں توڑنا چاہیے۔

(قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ایما مومن عاد مریضا خاض فی الرحمة فاذا قعد عنده استنقع فیها فاذا عاده غدوة صلی علیه سبعون الف ملك الی ان یمسی و ان عاده عشیة صلی علیه سبعون الف ملك حتی یصبح) جو مومن کسی مریض مومن کی عیادت کرتا ہے وہ بحر رحمت الہیہ میں غوطہ زن ہوتا ہے تو جب تک وہ اس مریض کے ہاں موجود رہتا ہے رحمت الہی کے سمندر میں غرق رہتا ہے جب وہ صبح کو مریض کی عیادت کرتا ہے تو اللہ تعالی کی طرف سے ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کے لیے جاتا ہے تو پھر صبح ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس پر درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم : قال الله تبارك و تعالی لیأذن بحرب منی من اٰذی عبدی المومن ولیأمن من غضبی من اکرم عبدی المومن ولو لم یکن فی خلقی فی الارض فیما بین المشرق و المغرب الا مومن واحد مع امام عادل لاستغنیت بعبادتهما عن جمیع ما خلقت فی ارضی ولقامت سبع ارضین و سبع سموٰت بهما ولجعلت لهما من ایمانهما و انسا لا یحتاجان الی انس سواهما) رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے جس شخص نے

میرے مومن بندے کو اذیت دی اس نے میرے ساتھ جنگ کی، اور جس نے میرے مومن بندے کا اکرام واحترام کیا وہ میرے قہر وغضب سے امان پا گیا اگر میری مخلوق میں مشرق ومغرب کے درمیان اس فرش زمین پر کوئی بھی نہ ہوتا سوائے ایک مومن بندے اور امام عادل کے تو میں ان دو کی عبادت کی وجہ سے تمام اہل زمین کی عبادت سے بے نیاز ہوتا اور ان دو کی وجہ سے ساتوں آسمان وزمین قائم رہتے اور ان کے ایمان کی بدولت ان کے لیے ایک ایسا مونس وغمخوار پیدا کر دیتا پھر وہ کسی اور مونس کے محتاج نہ رہتے۔

الخامس عشر: دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خدا سے عاجزی وانکساری سے دعا کرنے لگتے تو دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اس طرح دعا کرتے جیسے مسکین کسی سے طعام کو طلب کرتا ہے۔

اللہ تعالی حضرت موسیٰؑ کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے **(الق كفيك ذلابين يدیّ كفعل العبد المستصرخ الى سيده فاذا فعلت ذالك رحمت و انا اكرم الاكرمين و اقدر القادرين ، يا موسیٰ سلنی من فضلی و رحمتی فانها بيدی لا يملكها غيری وانظر حين تسئلنی كيف رغبتك فيما عندی لكل عامل جزا و قد يجزی الكفور بما سعی)** (دعا کرتے وقت) اے موسیٰؑ میرے سامنے اپنے ہاتھوں کو ذلت وعاجزی کے ساتھ اس طرح پھیلا کر دعا مانگو جس طرح کوئی عبد اپنے آقا و مالک کے سامنے چیختا اور فریاد رسی کرتا ہے اگر آپ نے ایسا کیا تو میں آپ پر اپنی رحمت برساؤں گا کیونکہ میں ہی سب سے زیادہ کرم کرنے والا اور میں ہی قدرت رکھتا ہوں اے موسیٰؑ مجھ سے میری رحمت اور فضل وکرم کا سوال کر کیونکہ یہ میرے ہی قبضہ قدرت میں ہے میرے سواء اور کوئی اس کا مالک نہیں ہے، اے موسیٰ غور کرو جب آپ مجھ سے سوال کرتے ہو تو آپ کو میرے خزانہ رحمت اور میری نعمات میں کتنی رغبت ہے، میرے پاس ہر عمل کرنے والے کی جزاء ہے یہاں تک کہ کافر اور میرے منکر کو بھی اس کی سعی اور کوشش کا اجر دیا جاتا ہے۔(۱)

---

(۱) اس مذکورہ حدیث سے چند امور بڑے واضح اور لائح ہو جاتے ہیں۔ پہلا امر یہ ہے کہ انسان کو فقط اور فقط فضل الٰہی اور رحمت خداوندی کا طلب گار رہنا چاہیے۔ اپنے آپ کو خود محتاج لوگوں اور مخلوق خدا سے روگردان کر کے اسکی رحمت و کرم کا سوال کرنا چاہیے۔ جو کہ حقیقت میں رحمت وفضل اور کرم نوازی کا مالک ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ یہ فلاں شخص کا مجھ پر مستقل طور پر فضل وکرم نوازی ہے تو اس سے حدیث مبارک کے سیاق اور کلام امام حق ترجمان کی مخالفت ہوتی ہے۔ ابو

بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے بارے میں سوال کرتا ہے تو امامؑ جواب میں فرماتے ہیں (علی خمسة اوجه اما التعوذ فتستقبل القبله بباطن کفیك، و اماالدعا فی الرزق فتبسط کفیك وتفضی بباطنهما الی السماء، و اما التبتل فایمائك باصبعك السبابه، و اما الابتهال فترفع یدیك مجاوزا بهما رأسك، و اما التضرع ان تحرك اصبعك السبابه مما یلی وجهك وهو دعاء الخیفه) (ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا) پانچ صورتوں میں ہے

(۱) جب خدا کی پناہ مانگنے کی دعا ہو تو اس وقت قبلہ رخ ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف کر کے دعا مانگو۔

(۲) جب طلب رزق کی دعا ہو تو اس وقت دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر آسمان کی طرف ہتھیلیوں کو بلند کر کے دعا کرو۔

(۳) اور اگر دنیا سے منہ موڑنا اور سب سے کٹ کر خدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنی ہو تو اپنی انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دعا کرو۔

(۴) عاجزی وانکساری کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو سر تک بلند کرو۔

(۵) اور حالت تضرع کی صورت میں اپنی انگشت شہادت کو چہرے کے سامنے حرکت دو، یہ خوف زدہ لوگوں کی دعا کی حالت ہے۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ (مرّ بی رجل و انا ادعو فی

کیونکہ فضل وکرم خداوند ذوالجلال کے قبضہ قدرت میں ہے۔لیکن اس کے فضل وکرم اور رحمتوں کے حصول کے لیے وسائط اور وسائل کا کوئی انکار نہیں ہے۔اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کا فضل وکرم حقیقت میں خود اسی ذات وحدہ لاشریک لہ ہے اور یہ کافی قرآنی آیات اور احادیث آئمہ معصومینؑ سے ثابت ہے۔جیسا کہ آیہ وسیلہ اس امر کی واضح وبین دلیل ہے۔دوسرا یہ امر بھی اس مذکورہ حدیث مبارک سے ثابت ہو جاتا ہے خالق کے نزدیک عمل خیر کرنے والے کیلئے جزاء خیر ہے۔لیکن اگر عامل مومن ہو تو اسے دنیا وآخرت میں اس کا اجر وجزاء عطا کیا جاتا ہے۔دوسری طرف اگر کافر اور منکر خدا ہو تو پھر اس کا عمل خیر رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ خالق کائنات عادل ہے۔خدا کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ (لا نضیع اجر المحسنین) مگر کافر ومنکر خدا کو دنیا میں اسے اجر دے دیا جاتا ہے۔اور پھر آخرت میں اس کا کوئی نصیب نہیں ہوتا۔اور یا پھر اسے اس امر کے عوض آخرت میں اس کے عذاب میں تخفیف کی صورت میں دیا جاتا ہے۔)

صلاتی بیساری فقال: یا عبد الله بیمینك فقلت ،یا عبد الله انّ لله تبارك و تعالی حقا علی هذه كحقه علی هذه) میں نماز میں بائیں ہاتھ سے دعا مانگ رہا تھا تو ایک شخص میرے قریب سے گزر کر کہتا ہے کہ اے بندہ خدا دائیں ہاتھ سے دعا مانگ تو میں نے اسے جواب میں کہا کہ اللہ تعالی کا دائیں ہاتھ پر اسی طرح حق ہے جیسے اس کا بائیں ہاتھ پر حق ہے۔

حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام سے منقول ہے (الرغبة تبسط یدیك و تظهر باطنهما و الرهبة تبسط یدیك و تظهر ظاهرهما والتضرع تحرك السبابه الیمنی یمینا و شمالا و التبتل تحرك السبابه الیسری ترفعها فی السماء رسلا و تضعها رسلا و الابتهال تبسط یدیك و ذراعیك الی السماء والابتهال حین تری اسباب البكاء) (خدا سے کسی چیز میں) رغبت کرتے وقت دونوں ہاتھ کھول کر ہتھیلیوں کو ظاہر کر کے دعا مانگی جائے، خدا سے خوف کی حالت میں (دعا کے وقت) ہاتھوں کو کھول کر پشت کو (بلند کر کے) ظاہر کیا جائے خشوع وخضوع کے وقت دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو دائیں بائیں حرکت دی جائے اور خدا کی طرف مکمل توجہ کرنے کی حالت میں بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بھی لے جائے اور پھر آہستہ سے نیچے لے آئے، عاجزی انکساری کی حالت میں آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں اور بازوؤں کو بلند کرے اور آہ و بکا سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنی چاہیئے۔

راوی سعید بن یسار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی مذکورہ مضمون پر مشتمل ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا (هكذا الرغبة و ابرز باطن راحتیه الی السماء و هكذا الرهبه وجعل ظهر كفیه الی السماء هكذا التضرع و حرك اصابعه یمینا و شمالا و هكذا التبتل یرفع اصابعه مرة و یضعها اُخریٰ و هكذا الابتهال و مدّ یده تلقاء وجهه و قال، لا تبتهل حتی تجری الدمعة) اسی طرح (نعمات خداوندی میں) رغبت کے وقت اپنی ہتھیلیوں کو (بلند کر کے) ظاہر کیا جائے، خوف الٰہی کی حالت میں ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف بلند کیا جائے خشوع وخضوع کے وقت انگشت شہادت کو دائیں بائیں (ہاتھوں کو بلند کر کے) حرکت دی جائے، خدا کی طرف توجہ محض اور حالت انقطاع میں انگشت کو بلند بھی کر اور نیچے بھی لے آئے عاجزی کی صورت میں اپنے ہاتھوں کو منہ کے سامنے بلند کرے اور عاجزی وانکساری کی حالت آنسوؤں کے بہنے کی صورت میں کرنی چاہیے۔(امامؑ نے یہ تمام حالتیں کر کے بھی دکھائیں)

ایک اور حدیث میں ملتا ہے کہ (الاستكانة فی الدعا ان یضع یدیه علی منكبیه) دعا میں عاجزی وانکساری

حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں پر رکھے۔

انتباہ: حدیث کی شرح اور بیان اسرار حدیث۔

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں دعا کے وقت جو ہیات اور حالات بیان ہوئی ہیں ان کا راز دو امروں میں سے ایک ہوسکتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ ان ہیات اور حالات کو وقت دعا تعبدا اختیار کرنا چاہیے کسی قسم کی چوں چراں کی مجال نہیں ہے بلکہ اتنا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خالق کائنات کی طرف سے اس کے مبلغین اور مرشدین حق آئمۃ اطہار علیہم السلام نے ادعیہ میں ان مختلف ہیات و حالات اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے اور عبد اپنے مولا و آقا کا پابند ہوتا ہے اور اسی کو تعبد کہتے ہیں یعنی کسی حکم کی علت اور سبب جانے اور پوچھے بغیر اس پر عمل کرنا۔

(۲) دوسرا یہ کہ ان مخصوص حالات و ہیات کو اختیار کرنے کا راز خود ان روایات پر غور کرنے سے کسی حد تک معلوم ہوسکتا ہے اور ان سے ایک ظاہری علت معلوم ہوسکتی ہے وہ یوں کہ ان روایات میں انسان کو نعمات الھیہ میں رغبت کے وقت ہاتھوں کو کھول کر دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ طبعی طور پر کسی چیز میں رغبت کی صورت میں انسان کی کیفیت یونہی ہوتی ہے اور جب اسے اپنی امیدوں کے حصول کی کرن ہو اور عطاء کرنے والے پر حسن ظن ہو تو اس کے فضل و کرم کی تمنا کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کو کھولے ہوئے ہوتا ہے، تا کہ ان احسانات اور فیوضات کو اپنے کھلے ہاتھوں مین لے سکے جب کہ اس کے برعکس خوف و دہشت کی حالت میں انسان اپنے مولا و آقا کے سامنے خجالت محسوس کررہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل عبد تصور کرتا ہے لھذا ایسی حالت میں دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کی پشت کو ظاہر کر کے ذلیل و حقیر سمجھ کر اپنے خالق و مالک جو کہ تمام اسرار و رموز کا عالم ہے اس سے زبان حال کے ساتھ یوں مخاطب ہوتا ہے الہی مجھے تیرے سامنے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے شرم آرہی ہے لہذا میں خجالت محسوس کر کے ان کو زمین کی طرف کر دیا ہے کیونکہ مجھے اپنے اعمال بد کی وجہ سے تجھ سے خوف و ڈر لگ رہا ہے کہ میں ان گناہوں کے بعد کس منہ سے تیری نعمات میں رغبت کرتے ہوئے انہیں طلب کروں۔

اور حالت تضرع و خشوع میں انگشت شہادت کو دائیں بائیں حرکت دینے کے حکم کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انسان اس وقت اپنے آپ کو یوں بے قرار و بے تاب سمجھے جیسے جوان بیٹے کی موت پر اس کی ماں کی حالت بے قراری ہوتی ہے، کیونکہ اس عظیم مصیبت پر ماں بھی کبھی دائیں جانب انگلی کو حرکت دیتی ہوئی نوحہ کناں ہوتی ہے اور کبھی بائیں جانب گرتی ہے اور کبھی اپنے آپ کو جوان بیٹے کی میّت پر گراتی ہے تو کبھی روتی ہوئی اس کی میّت سے ہٹ جاتی ہے اور یہ

شدت بے قراری و بے تابی کی دلیل ہے۔ اور جہاں تک خدا کی طرف توجہ محض کی صورت میں انگشت شہادت کو بلند کرنے اور نیچے لے آنے کے حکم کی وجہ ہے وہ یہ کہ انسان زبان حال سے اس وقت یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں پوری کائنات سے منہ موڑ کر تیری ذات جو کہ وحدہ لاشریک لہ ہے کا محبِّ حقیقی ہوں اور فقط تجھ سے ہی لو لگاتا ہوں اور انگلی کے اشارہ سے اس کی وحدانیتِ ذات وصفات بیان کرنا مراد ہوتی ہے۔

اور عاجزی اور انکساری کی حالت میں ہاتھوں کو منہ تک پھیلانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انسان اس وقت اپنے ذلیل اور حقیر ہونے کا اعتراف کر رہا ہوتا ہے بعض روایات میں ہاتھوں کے ساتھ ساتھ بازوؤں کو بھی آسمان کی طرف بلند کرنے کا حکم ملتا ہے اور بعض میں تو ان کو سر سے بھی بلند کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان تمام کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ انسان ایسی حالت سے اپنی بے چارگی اور ذلیل ہونے کا مظاہرہ کرے جیسے کوئی انسان کسی بحر میں ڈوبنے کی صورت میں ہاتھوں کو بلند کرتا ہے اسی طرح انسان بھی دعا میں ہاتھوں کو بلند کر کے اس بات کا اظہار کر رہا ہوتا ہے کہ الٰہی مجھے گناہوں کے دریا میں ڈوبنے سے بچا لے اور میں تیری رحمت کے دامن کو پکڑ کر اس ظلمت کے دریا سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تو ہی ہلاک ہونے والوں کو نجات دے سکتا ہے اور تو ہی مصیبت زدوں کی سنتا ہے اور اب میں تیرے حضور ذلیل بندے کی طرح حاضر ہوں۔

اور جہاں تک ہاتھوں کو کندھوں پر رکھ کر دعا کرنے کا راز ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اس حالت سے انسان اپنے آپ کو گناہ گار اور قصور وار بنا کر پیش کرتا ہے اور اس بات کا مظاہرہ کرتا ہے کہ الٰہی مجھے میری شہوات اور خواہشات پرستی نے جکڑ رکھا ہے اور اب میں تیرے حضور ان ہاتھوں کو گناہ کرنے کی سزا میں جکڑا ہوا ہے۔

علماء کی نصیحت : بعض علماء فرماتے ہیں کہ دعا مانگنے والے کو سب سے پہلے خدا کی حمد وثناء کرنی چاہیے پھر اس کے بعد ان اسماء الٰہیہ کا ورد کرے جو اس کے مطلوب اور سوال سے مناسبت رکھتے ہوں مثلاً رزق طلب کرتے وقت الرازق، الوہاب، الجواد، المغنی، المنعم، المعطی، مسبب الاسباب، رازق من یشاء بغیر حساب وغیرہ جیسے اسماء کا ورد کرے، اسی طرح مغفرت وتوبہ طلب کرنی ہے تو خدا کے ایسے اسماء کا ورد کرے جو توبہ اور مغفرت کے مفہوم پر مشتمل ہوں مثلاً توّاب، رحمن، رحیم، الغفور، الغفار، الستار، الصبور، السماح ... العطوف، الرئوف، المفضل، الم... وغیرہ اور اگر دشمن سے انتقام کی دعا ہو تو العزیز، الجبار، القہار، المنتقم، الفعال لما یرید وغیرہ اسماء کا ذکر کرے، خدا سے طلب علم کی صورت میں العالم، الفتاح، المرشد، الرافع جیسے اسماء الٰہی کا ورد کرے۔

القسم الثالث : دعا کے بعد کے آداب ....

دعا مانگنے کے بعد بھی دعا مانگنے والے کے لیے بعض آداب دعا کو ذکر کیا جاتا ہے اور یہ چند مندرجہ ذیل ہیں

الاوّل: استمرار دعا. انسان کو دعا ترک نہیں کرنی چاہیے دعا کی قبولیت وعدم قبولیت ہر دو صورت میں دعا پر مستمر رہنا چاہیے کیونکہ خود دعا کرنا بھی ایک مہم عبادت ہے اور جہاں تک قبولیت دعا کے بعد دعا نہ چھوڑنے کا حکم ہے یہ اس لیے ہے کہ حاجت قبول ہونے کے بعد خدا کو دعا کے ذریعے یاد نہ کرنا ایک جفا کاری ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اس نعمت کے عوض میں انسان کو حمد وثناء الہی میں اضافہ وزیادتی کرنی چاہیے کیونکہ خداوند ذوالجلال نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ان لوگوں کو جھڑکا ہے جو خدا کو دعا کے قبول ہونے کے بعد بھول جاتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ (**واذا مس الانسان ضر دعا ربه منيبا اليه ثم اذا خوله نعمة منه نسي ما كان يدعوا اليه من قبل**) سوۃ الزمر آیت ۸۔ انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پوری توجہ کے ساتھ خدا سے دعا کرتا ہے اور پھر جب اسے (خدا) نعمت عطاء کرتا ہے تو وہ اسے بھول جاتا ہے، جس سے تھوڑی دیر پہلے دعا کر رہا تھا۔

ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہوتا ہے (**و اذا مس الانسان الضر دعانا لجنبه او قاعدا او قائما فلما كشفنا عنه ضره مرّ كان لم يدعنا الى ضر مسه كذالك زين للمسرفين ما كانوا يعملون**) سورہ یونس آیت ۱۲۔ انسان کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ اٹھتا بیٹھتا، کروٹیں بدلتا ہر وقت ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اس سے مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو ہم سے یوں منہ موڑتا ہے کہ گویا کبھی اس نے کسی مصیبت کے دور کرنے کے وقت پکارا ہی نہ ہو، بے شک زیادتی کرنے والوں کے اعمال یونہی ان کے سامنے آراستہ کر دیے جائیں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے (**ينبغي للمومن ان يكون دعائوه في الرخاء نحوا من دعائهفي الشدة ليس اذا اعطى فتر ولا يمل من الدعاء فانه من الله بمكان**) مومن کو چاہیے آسانی کے وقت بھی اسی طرح دعا کرتا رہے جیسے مشکل ومصیبت کے وقت دعا کرتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے جب آسانی کے دن ہوں تو دعا کرنے میں اکتاہٹ محسوس کرے کیونکہ دعا کا خدا کے ہاں خاص مقام ومنزلت ہے۔

اور اگر انسان کی دعا فوری طور پر قبول نہ ہو تو پھر بھی انسان کو اپنے آقا ومولا سے سلسلہ مناجات کو منقطع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عین ممکن ہے کہ قبولیت دعا میں تاخیر اس لیے ہوئی ہو کہ خداوند ذوالجلال اپنے بندہ کی آواز کو پسند کرتا ہے اس لیے دعا کی صورت میں اس کی آواز کو بار بار سننا چاہتا ہے لہذا ضروری ہے کہ انسان اس چیز کو ترک نہ کرے جسے خدا پسند کرتا ہو۔

احمد بن محمد بن ابی نصر کی روایت پر غور کریں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ اے مولاً میں آپ پر قربان ہو جاؤں میں کئی سالوں سے خدا سے حاجت طلب کر رہا ہوں اور قبولیت دعا میں تاخیر کی وجہ سے میرے دل میں مختلف سوچیں آنے لگی ہیں تو امام علی رضا علیہ السلام نے اس سے فرمایا(یـا احـمـد ایـاك و الشیـطان ان یکون له علیك سبیل حتی یقنطك ان ابا جعفر علیه السلام کان یقول ان المومن لیسئل الله حاجة فیئوخر عنه تعجیل اجابته حبا لصوته و استماع نحیبه ثم قال والله ما اخّر الله عن المومنین ما یطلبون فی هذه الدنیا خیر لهم مما عجل لهم فیها و ایّ شئی الدنیا ؟)اے احمد، شیطان کے (وسوسوں) سے بچو کہیں وہ تجھ پر غالب آ کر تجھے (خدا کی رحمت) سے نا امید نہ کر دے کیونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مومن جب خدا سے کسی حاجت کو طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آواز کو بار بار سننے کے شوق و محبت کی بدولت استجابت دعا کو متأخر کر دیتا ہے، پھر امامؑ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ مومن کی طلب کردہ دعاؤں کو اس دنیا میں متأخر کرتا ہے تو یہ تأخیر کرنا دعا کے جلد قبول ہونے سے بہتر ہے (کیونکہ آخرت میں اسے دعا کا اجر مل جاتا ہے)، اور دنیا کی کیا اہمیت ہے؟۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں(ان العبد الولی لله یدعو الله فی امر ینوبه فیقال للملك الموکل به اقض لعبدی حاجته ولا تعجلهافانی اشتهی ان اسمع نداءه و صوته و ان العبد العدولله لیدعو الله فی امر ینوبه فیقال للملك الموکل به اقض لعبدی حاجته و عجلها فانی اکره ان اسمع ندائه و صوته ، قال فیقول الناس ما اعطی هذا الا لکرامته ولا منع هذا الا لهوانه) اللہ کا محبّ جب خدا سے اپنے کسی امر کے بارے میں سوال کرتا ہے تو خدا فرشتہ کو کہتا ہے کہ میرے اس بندہ کی حاجت کو پورا کرنا مگر جلدی نہ کرنا کیونکہ میں اپنے محبوب بندہ کی آواز کو سننا پسند کرتا ہوں اور اپنے بندہ کی مناجات کو بار بار سننا چاہتا ہوں جبکہ (اس کے برعکس) کوئی دشمن خدا حاجت طلب کرتا ہے تو خدا فرشتہ کو ارشاد فرماتا ہے کہ فوری طور پر اس کی حاجت کو پورا کرو کیونکہ میں اس کی آواز کو نہیں سننا چاہتا، پھر امام علیہ السلام نے فرمایا جبکہ لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی دعا اس لیے جلد قبول ہوئی ہے کیونکہ وہ زیادہ خدا کے ہاں معزز و محترم ہے اور فلاں کی دعا جلد قبول نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس کے ہاں عزیز نہیں ہے (جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے)۔

حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں(لا یزال المومن بخیر و رخاء و رحمة من الـلـه ما لم یستعجل فیقنط فیترك ا لدعا فقلت له و کیف یستعجل؟ قال یقول قد دعوت الله منذ کذا و

كذا ولا ارى الاجابة) مومن اس وقت تک خدا کی رحمت و خیر میں ہوتا ہے جب تک قبولیت دعا میں جلدی نہیں کرتا پھر (جلد قبول نہ ہونے کی صورت میں) نا امید ہو کر دعا کو ترک نہیں کرتا راوی کہتا ہے کہ میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی، جلدی کیسے کی جاتی ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ (دعا کے جلد قبول نہ ہونے کی صورت میں مایوس ہو کر) یوں کہنا کہ میں نے اتنے عرصہ سے خدا سے حاجت طلب کی ہے لیکن خدا نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

ایک اور مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (ان المومن ليدعو الله فی حاجته فيقول اخروا اجابته شوقا الى صوته و دعائه فاذا كان يوم القيامة قال الله تعالى عبدى دعوتنى و اخرت اجابتك و ثوابك كذا و كذا و دعوتنى فی كذا و كذا فاخرت اجابتك و ثوابك كذاو كذا، قال عليه السلام فيتمنى المومن انه لم يستجب له دعوة فی الدنيا مما يرى من حسن الثواب) مومن جب خدا کو پکارتا ہے تو خالق کائنات ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اس مومن کی دعا کی قبولیت میں دیر کرنا تا کہ میں اس کی آواز کو بار بار سنوں اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس وقت خالق کائنات اپنے اس بندے سے کہے گا کہ اے میرا بندہ دنیا میں تو نے مجھے پکارا تھا اور دعا مانگی تھی جبکہ میں نے تیری دعا کی قبولیت میں (تیری آواز کے سننے کے شوق میں) تاخیر کی تھی لہذا آج اس تاخیر کا ثواب یہ ہے (نعمات اخروی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) پھر امامؑ فرماتے ہیں کہ مومن اس دن خدا کی طرف سے اس قدر اجر و ثواب پائے گا کہ وہ تمنا کرنے لگ جائے گا کاش دنیا میں اس کی کوئی بھی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں (قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم رحم الله عبدا طلب من الله حاجة فالح فی الدعا استجيب له او لم يستجب له) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال اس بندے پر اپنی رحمتیں نازل کرے جو خدا سے اصرار کے ساتھ دعا کرتا ہے چاہے دعا قبول ہو یا نہ ہو، پھر امام جعفر صادق علیہ السلام قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمانے لگے (وادعوا ربى عسى الا اكون بدعاء ربى شقيا) سورۃ مریم ۴۸، اور اپنے رب کو آواز دوں گا تا کہ اس طرح میں اپنے پروردگا کی عبادت سے محروم نہ رہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ (ان الله يحب السائل اللحوح) خالق کائنات اصرار کرنے والے سائل کو پسند فرماتا ہے۔

کتاب تورات میں ملتا ہے کہ (یا موسیٰ من احبنى لم ينسنى و من رجاء معروفى الح فى مسئلتى يا موسى ى لست بغافل عن خلقى و لكن احب ان تسمع ملائكتى ضجيج الدعا من عبادى و ترى حفظتى تقرب ـى آدم الىّ بما انا مقويهم عليه و مسببه لهم، يا موسى قل لبنى اسرائيل لاتبطرنّكم ا لنعمه فيعاجلكم

ایک اور مقام پر ہے (او تکون لك جنة من نخيل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا) سورۃ الاسراء آیت ۹۱۔ یا تمہارے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں جن کے درمیان تم نہریں جاری کرو۔ (و قالوا لو لا نزّل هذا القران علی رجل من القريتين عظيم) سورۃ زخرف آیت ۳۱۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

آیت کی تفسیر: ان دو قریوں سے مراد مکہ و طائف ہیں اور مکہ سے مغیرہ یا اس کا بیٹا ولید مراد ہے اور طائف سے ابو مسعود عروہ بن مسعود الثقفی مراد ہے جو کہ صاحبان مال و ثروت تھے، بعض روایات میں ملتا ہے کہ حبیب بن عمرو الثقفی طائف میں سب سے بڑا صاحب ثروت تھا کفار و مشرکین ان دو شخصوں پر قرآن نازل ہونے کا مطالبہ اس لیے کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں بڑی قوم سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ و طائف میں سب سے بڑے صاحبان مال تھے، مذکوہ بالا بیان سے فقراء و مساکین کی عزت و عظمت واضح و اجاگر ہوگئی ہے اور یہ بیان اصحاب مال و ثروت کی مذمت کیلئے بھی کافی و وافی ہے صاحبان مال و دولت کی مذمت اور فقراء و مساکین کی مدح کیوں نہ ہو جبکہ خالق نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی میں فرمایا (یا

دنیوی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ خدائی مناصب علم و کمال کی بناء پر عطا ہوتے ہیں۔ اور اس کی ادائیگی کے لیے عوامی رابطہ ہونا ضروری ہے۔ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم الصلواۃ والسلام کی اس سادہ زندگی سے ان دعویداروں کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے جنکی زندگی فرعون و نمرود کی آرائش و آسائش سے کم نہیں ہوتی اور وہ اپنے تئیں وراثت انبیاء اور راہنمائی قوم کے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں۔ اور ان آیات مبارکہ سے ان فاسد خیالات و عقائد کی بھی نفی ہوتی ہے جو اولیاء اللہ اور انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مقتضائے بشریت سے نکال کر اور نوع انسان کے اکمل و اشرف افراد ہونیکی جھوٹی نفی کرتے ہیں۔ جبکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہادی بشریت میں جہاں خالق سے احکام و شریعت لینے کا جذبہ ہوتا ہے۔ وہاں مخلوق تک پہنچانے کیلئے جذبہ بشریت ہوتا ہے۔ جس سے وہ لوگوں کی زندگی سے مربوط رہتے ہیں۔ اگر رسول یا نبی عام لوگوں سے الگ تھلگ رہ جائے بازاروں اور اجتماعات میں نہ جائے تو پیغام الٰہی کس طرح پہنچائے گا۔ اصلاح بشریت کی ذمہ داری کیسے نبھائے گا۔ اور ان کاموں کیلئے رابطہ بہر حال ضروری ہے۔ اور یہ لوگ خبث باطنی کی بنا پر اس طرح طنز کر کے رسول کو سماج سے الگ کر کے خانہ نشین کرنا چاہتے تھے جبکہ ہر ہادی اور خدا کی طرف سے منصوب راہنماء اس قسم کے طعن و طنز سے اپنے فرائض کو نظر انداز نہیں کرتا۔

دینے میں چالیس سال کا عرصہ تھا۔(۱)

ابی بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے (ان المومن لیدعو فیئوخر با جابته الی یوم الجمعة) مومن جب دعا کرتا ہے تو اس کی قبولیت کو آنے والے روزِ جمعۃ تک مؤخر کر دیا جاتا ہے۔

---

(۱):(قد اجیبت دعو تکما) اس آیہ مجیدہ کا پس منظر یہ ہے کہ اس سے پہلی والی آیہ میں خالق کائنات نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ (وقال موسیٰ ربنا انک اتیت فرعون و ملا ئه....الخ) اس آیہ مجیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب خدا کی طرف سے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو عطا کی گئی نعمات اور سہولیات کو دیکھا تو خداوند ذوالجلال کی خدمت میں حضرت موسیٰؑ نے عرض کی کہ الٰہی یہ فرعون اس مال و زر کے ذریعہ سے دنیا والوں کو تیرے راستہ سے بہکائے گا۔اور ان کو مال کا لالچ دے کر طمع میں ڈال کر گمراہ کرے گا۔لہذا اس کے اس مال کو تباہ و برباد کر دے۔اور اسے اپنے عذاب میں گرفتار کر اور یہ اس وقت تک ٹھیک ہی نہیں ہوں گے جب تک یہ لوگ اپنی آنکھوں سے عذاب نہیں دیکھیں گے۔خالق کائنات نے اپنے اس پیارے نبی حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کی دعا کو قبول کر لیا۔

وقت گزرتا گیا ایک دن جب حضرت موسیٰؑ اپنی جماعت بنی اسرائیل کے ساتھ فرعون لعین کے ظلم و جبر سے فرار اختیار کی تو اعجاز خداوندی سے دریائے نیل میں ان کے گزرنے کا راستہ بنا دیا گیا۔اس طرح حضرت موسیٰؑ اپنی جماعت کے ساتھ اس دریائے نیل کو پار کر گئے۔اور فرعون لعین سے نجات پا گئے۔لیکن فرعون جب ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی فوج کو دریائے نیل سے گزارنا چاہا تو جونہی وہ پانی کے اندر گئے تو پانی آپس میں مل گیا اور وہ راستے ختم ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت اس دریا میں غرق ہو گیا۔تو اس طرح حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کی دعا خدا نے قبول کر لی۔لیکن اس سے پہلے جب خالق نے ان دونوں کو دعا کی قبولیت کی بشارت دی تھی تو اس کے اور اب فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا عرصہ گزرا تھا۔امامؑ نے اسی مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔لہذا مومن کو مایوس اور نا امید نہیں ہو جانا چاہیے۔کیونکہ ممکن ہے خدا نے دعا کو قبول کر لیا ہو لیکن اس کے ظاہر ہونے کا وقت ابھی نہ آیا ہو لہذا اپنی دعا کو منقطع نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خود دعا کرنا بھی ایک عبادت ہے۔)

نصیحت

عقل وخرد رکھنے والے انسان کو کبھی بھی اپنے آقا و مولا سے سلسلہ مناجات کو منقطع نہیں کرنا چاہیے اور عقل مند انسان بہ زیادہ دعا کرتا ہے اور اس امر کے چند مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

(۱) جیسا کہ آپ پر سابقہ مطالب کتاب سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ خداوند ذوالجلال کے نزدیک کا بہت زیادہ مقام اور فضیلت ہے، اور یہ بہت عظیم عبادت ہے بلکہ حقیقت میں دعا ہی مغز عبادت ہے لہذا عقل م انسان کو کبھی بھی مغز عبادت کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) کثرت سے دعا کرنے سے انسان مشکلات و مصائب سے محفوظ رہ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دعا کے ذریعے انسان ـ مقدر میں لکھی ہوئی بلائیں اور مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔

(۳) انسان جب کثرت سے خدا کو پکارتا ہے تو اس کی آواز عرش بریں پر معروف ہو جاتی ہے اور پھر جب کوئی حاجہ ہوتی ہے تو اس وقت کوئی بھی چیز اس آواز کے وہاں تک پہنچنے کے لیے حائل نہیں ہوتی۔

(۴) کثرت کے ساتھ دعا کرنے سے انسان رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ رسو اسلام نے کثرت سے دعا کرنے والوں کے لیے یوں دعا فرمائی ہے (رحم الله عبدا طلب من الله) خدا کی رحمت اس بندے پر جو خدا سے طلب خیر کرتا ہے۔

(۵) کثرت دعا سے ایک یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کی آواز خدا کے ہاں محبوب ہوئی تو خدا کو بار بار پکارنے سے خ خوش ہو گا اور اگر آواز خدا کو ناپسند ہوئی تو بار بار خدا کو پکارنے سے رحمت خدا شامل ہو جائے گی (اور یہ آواز بھی محبوب خ بن جائے گی) اور بار بار دعا کرنے سے خدا رحم کرتے ہوئے دعا کو قبول فرما دے گا، انسان کو نعمات خداوندی سے ا امیدوں کو منقطع نہیں کرنا چاہیے اور مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خالق کی طرف سے بندہ کو ہر رات ندا آتی ہے ھل من داع فاجیبہ؟) کوئی ہے پکارنے والا جس کی پکار کو میں سنوں؟ (یا طالب الخیر اقبل) اے نیکی چاہنے والا میر طرف آ تو سہی۔

امیر المومنینؑ کے قول مبارک کی طرف ملاحظہ کریں، آپؑ فرماتے ہیں (و متی تکثر قرع الباب یفتح لك) بار با دروازہ کھٹکھٹانے سے (آخر) دروازہ کھل ہی جاتا ہے ایک اور مقام پر رسولؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں (ان العبد لیقول اللھم اغفرلی و ھو معرض عنه ثم یقول اللھم اغفرلی وھو معرض عنه ثم یقول اللھم اغفرلی فیقو

سبحانه للملائكة الاترون الى عبدى ؟سئلنى المغفرة و انا معرض عنه ثم سئلنى المغفرة و انا معرض عنه ثم سئلنى المغفرة علم عبدى انه لا يغفر الذنوب الا انا اشهدكم انى قد غفرت له بندہ دعا مانگتے ہوئے کہتا ہے الہی میرے گناہوں کو معاف فرما جبکہ باری تعالی اس شخص سے روگردان ہوتا ہے ، اسی طرح وہ پھر مغفرت الہی کو طلب کرتا ہے لیکن خدا اس سے روگردان ہوتا جب تیسری دفعہ خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہے تو اس وقت خداوند ذوالجلال ملائکہ کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کیا آپ میرے اس بندے کا ملاحظہ کر رہے ہو؟ اس نے مجھ سے مغفرت کا سوال کیا جبکہ میں اس سے روگردان رہا اس نے پھر دوسری دفعہ طلب مغفرت کی تب بھی میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی ، اور پھر جب اس نے تیسری دفعہ مجھ سے طلب مغفرت کی تو اس کا مطلب ہے کہ میرے بندہ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ میرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا پس اے فرشتوں میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ (بار بار دعا کرنے سے) میں نے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے ۔

(۶) اگر انسان کی آواز خدا کے ہاں محبوب ہو تو اس کی اجابت دعا میں تاخیر کر دی جاتی ہے تا کہ وہ دعا میں مستمر رہے اور اس کی پیاری آواز کو خدا سن کر خوش ہوتا ہے لیکن اگر انسان پہلے ہی سے دعا کرنے میں مستمر ہو تو ایسی صورت میں اس کی اجابت کو اس لیے نہیں روکا جاتا تا کہ وہ دعا کرنے میں مستمر رہے کیونکہ یہ تو پہلے سے حاصل ہے کہ وہ دعا مسلسل کر رہا ہے مگر ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کی اجابت دعا میں تاخیر اس لیے ہوتی ہو تا کہ خدا اسے اس حاجت کا اجر آخرت میں جزاء عظیم کی صورت میں دینا چاہتا ہے اور آخرت کے دن انسان کو اس بات کی کہیں زیادہ فرحت و خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں اس کی حاجت قبول نہیں ہوئی اور اب آخرت میں اس کا عوض اور اجر دیا جا رہا ہے کیونکہ نعمات اخرویہ میں ہیشگی ہے اور جب کہ دنیاوی نعمات فنا ہو جاتی ہیں اور عقل مند انسان پر فانی اور باقی رہ جانے والی چیز کے درمیان فرق واضح و لائح ہے لہذا بقا کو فنا پر اشرفیت ہے بلکہ ان دو کے درمیان کوئی موازنہ بھی نہیں ہے ۔

(۷) بار بار دعا کرنے سے انسان کو محبت الہی کا تمغہ حاصل ہوتا ہے اور اس امر کی طرف رسولؐ اسلام اپنے کلام حق ترجمان میں اشارہ فرماتے ہیں (ان الله يحب من عباده كل دعاء) اللہ تعالی کثرت سے دعا کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے ۔

(۸) کثرت سے دعا کرنے سے بقول امام جعفر صادق علیہ السلام ، امام علی علیہ السلام کی تاسی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے (و كان امير المومنين رجلا دعاء) امیر المومنین علیہ السلام سب سے زیادہ دعا مانگتے تھے ،

اشکال: گذشتہ مباحث دعا میں ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کو توجہ ذہنی اور حضور قلبی کے ساتھ مناجات کرنی چاہیے اور یہ شر تقاضا کرتی ہے کہ انسان ہر وقت دعا میں مشغول نہیں رہ سکتا جبکہ ان شروط کے نہ ہونے کی صورت میں دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمان امامؑ ہے (**لا یقبل اللہ دعاء قلب لاہ**) بے پرواہی کی حالت میں مانگی ہوئی دعا خدا قبول نہیں کرتا، اسی طرح ملتا جلتا امامؑ کا فرمان ایک اور مقام پر ہے (**لا یقبل اللہ دعاء قلب قاس**) خدا عدم توجہی کی صورت میں کی ہوئی دعا قبول نہیں فرماتا، چونکہ اکثر اوقات انسان کے اندر مندرجہ بالا صفات حضور ذہنی، توجہ قلبی جیسی صفات مفقو ہوتی ہیں نتیجہ کے طور پر انسان کو اکثر اوقات دعا مانگنا میسر نہیں ہے جبکہ دوسری طرف روایات بار بار دعا کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور دعا پر مستمر رہنے کا حکم ملتا ہے تو ان دو امروں کے درمیان کیسے موافقت ہو سکتی ہے؟

الجواب: انسان جب مذکورہ شروط دعا کے مفقود ہونے کی صورت میں دعا کو ترک کر دے گا تو شیطان بہت جلد غالب آئے گا اور اسے انسان کو فتح کرنے میں بڑی آسانی ہوگی اور ایسی صورت میں نفس امارہ بھی انسان کو مختلف قسم کے اوہام خیالات فاسدہ پیدا کر کے روک دے گا لہذا جب انسان اپنے اندر دعا کرنے کو بوجھ محسوس کرے تو ایسی حالت میں انسان کو ان شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرنا چاہیے اور شیطان کو اپنے نفس پر غلبہ کے لیے مہلت نہیں دینی چاہیے بلکہ اس وقت روحانی اسلحہ کے ساتھ شیطان کا مقابلہ کرے اور اسے اپنی طاقت و قدرت باور کرائے، شیطان سے دم دبا کر بھاگنا نہیں چاہیے بلکہ ثابت قدمی کا ثبوت دینا چاہیے جس کے نتیجے میں شیطان آپ سے بھاگ جائے گا، اور سستی و کاہلی بھی چلی جائے گی جسے آپ پہلے محسوس کر رہے تھے۔ اور وہ اسلحہ روحانی جس کے ذریعے شیطان اور نفس امارہ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے وہ دعا ہے یہی وجہ ہے رسولؐ اسلام نے اپنے ارشاد گرامی میں دعا کو اسلحہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (**الا ادلکم علی سلاح ینجیکم من اعدائکم ویدر ارزاقکم قالوا بلی یا رسول اللہ، قال تدعو ن ربکم باللیل والنھار فان سلاح المومن الدعاء**) کیا میں آپ کو ایک ایسے اسلحہ کی نشاندہی نہ کر دوں جو آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے اور آپ کے رزق میں اضافہ کا موجب ہو؟ لوگوں نے عرض کی جی ہاں، اے رسولؐ خدا ہمیں اس کی نشاندہی کرو تو آپؐ نے فرمایا کہ دن رات خدا کو پکارتے رہو کیونکہ مومن کا اسلحہ دعا ہے۔

انسان کے دشمن: یہ بات آپ پر واضح ہو جانی چاہیے کہ انسان کے چار دشمن ہیں

(۱) خواہشات نفس۔

(۲) دنیا۔

(۳) شیطان۔

(۴) نفس امارہ۔

اور انہی چار دشمنوں سے خدا کی پناہ اور امان مانگنے کا حضرات آئمہ علیہم السلام کی دعاؤں میں ذکر ملتا ہے آئمہ اطہار علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں (**فیا غوثاہ ثم و اغوثاہ بك یا اللہ من ہوی قد غلبنی و من عدو قد استکلب علیّ و من دنیا قدتزینت لی و من نفس امارۃ بالسوء الا ما رحم ربی**) خدایا میں تیری مدد چاہتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں خواہشات کے غلبہ سے، دشمن کے کاٹنے کے شر سے اور اس دنیا کے شر سے جو میرے سامنے مزین ہو کر آتی ہے اور برائی کا حکم دینے والے نفس سے میرا رب ہی اس سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

تبصرۃ: آپ کو اس دعا عظیم کے مندرجات پر بغور توجہ کرنی چاہیے اس دعا میں آئمہ علیہم السلام نے ان دشمنوں سے خدا کی پناہ مانگی ہے اور ان سے خدا کی پناہ مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی انسان کے بدترین دشمن ہیں جس نے اپنے آپ کو ان دشمنوں کے حوالے کر دیا وہ دنیا و آخرت میں اپنے آپ کو ہلاک سمجھے لہذا انسان کو ان بڑے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے بارگاہ الہی میں خضوع و خشوع کے ساتھ دعا میں مشغول رہنا چاہیے اگرچہ توجہ قلبی نہ بھی ہو تو زبان کی حد تک یاد خدا میں مشغول رہنا چاہیے کیونکہ زبان سے یاد خدا کرنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے (**علی کل قلب جاثم من الشیطان فاذا ذکر اسم اللہ خنس الشیطان و ذاب و اذا ترك الذکر التقمہ الشیطان فجذبہ و اغواہ و استزلہ و اطغاہ**) ہر انسان کے دل پر شیطان لعین کی طرف سے کابوس اور ثقل سا ہوتا ہے (جو اسے ذکر خدا سے غافل رکھتا ہے) اور جب انسان ذکر الہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو شیطان بے حال اور ناکامی کے ساتھ (دم دبا کر) بھاگ جاتا ہے اور جب انسان یاد الہی کو ترک کر دیتا ہے تو شیطان اسے لقمہ کی طرح نگل جاتا ہے اور اسے اپنی طرف جذب کرتے ہوئے راہ حق سے دور کر کے سرکش بنا دیتا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کر کے اس پر زیادتی و ظلم کرتا ہے۔

اب مذکورہ کلام سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ انسان کو حضور قلبی وغیرہ کے مفقود ہونے کی صورت میں بھی دعا کرنے سے اجتناب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے انسان کا بدترین دشمن شیطان اس پر غالب آ کر اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ کئی دفعہ انسان دعا شروع کرتے وقت حضور ذہنی و

قلبی نہیں رکھتا ہوتا لیکن دعا پر مستمر رہنے سے اثناء دعا میں گریہ وزاری، خشوع وخضوع اور حضور ذہنی جیسی صفات حاصل ہو جاتی ہیں، اور حق وحقیقت تو یہ ہے کہ دعا نہ کرنے سے دل میں قساوت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر ایک عرصہ تک دعا کو ترک کر دیا جائے تو دعا کرنے کی طرف میلان ہی نہیں ہوتا لیکن جب انسان اپنے آپ کو دعا کی عادت ڈال لے تو پھر نفس ہمیشہ دعا کی طرف مائل اور راغب رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ارشاد رسول اکرم ہوتا ہے (الخیر عادۃ) نیکی ایک عادت ہے اور کتنی دفعہ ہم نے اس بات کا ملاحظہ کیا ہے کہ انسان جب اپنے آقا و مالک کے ساتھ مناجات کرنے کا شائق ہوتا ہے جس طرح ایک مریض اپنے صحت یاب ہونے کا شوق رکھتا ہے یا پھر ایک پیاسا میٹھے شربت کے پینے کا مشتاق ہوتا ہے جب ایسا شخص پوری دنیا سے منہ موڑ کر خدا سے ہم کلام ہوتا ہے تو اپنے اندر راحت وسکون محسوس کرتا ہے اس کے اندر فرحت وسرور کی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ اپنے اندر نور الٰہی کی شعاعوں کو محسوس کرتا ہے اور وہ اس خلوت اور زمین وآسمان کے سلطان باری تعالیٰ کے ساتھ اپنی مناجات کو اپنے لیے فخر وشرف گردانتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے شب بیداری کرنے والوں کے چہرے نورانی ہوتے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا (لانھم خلوا باللہ سبحانہ فکساھم من نورہ) کیونکہ وہ (دنیا کو چھوڑ کر) اللہ کے ہوتے ہیں تو خدا نے ان کو (جزاء کے طور پر) اپنے نور کا لباس پہنا دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد گرامی امام محمد باقر علیہما السلام سے نقل کرتے ہیں کہ (کان فیما اوحی اللہ الی موسی بن عمران کذب من زعم انہ یحبنی فاذا جنّہ اللیل نام یابن عمران رایت الذین یصلون لی فی الدجی و قد مثلت نفسی بین اعینھم یخاطبونی و قد جلیت عن المشاھدہ و یکلمونی وقد عززت عن الحضور ، یابن عمران ھب لی من عینیك الدموع و من قلبك الخشوع و من بدنك الخضوع ثم ادعنی فی ظلم اللیالی تجدنی قریبا مجیبا) باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اے فرزند عمران جھوٹے ہیں وہ لوگ جو میری محبت کا دعوی کرتے ہیں لیکن جب رات چھا جاتی ہے تو وہ (مجھے فراموش کر کے) سو جاتے ہیں، اے فرزند عمران جن لوگوں کو رات کی تاریکی میں مجھ سے مناجات کرتے ہوئے دیکھو تو یاد رکھو کہ میں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہوں، وہ مجھ سے خطاب کر رہے ہوتے ہیں لیکن مجھے مشاہدہ نہیں کر سکتے، وہ مجھ سے کلام کر رہے ہوتے ہیں مگر مجھے دیکھ نہیں پاتے، اے فرزند عمران مجھے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کا ہدیہ بھیج مجھے آپ کے دل کا خشوع چاہیے اور اسی طرح آپ میں تواضع ہو، رات کی تاریکی میں مجھے پکارو تو مجھے اپنا قریب اور دعا کا قبول کرنے والا پاؤ گے۔

راوی علی بن النوفلی روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام سے سنا کہ (ان العبد لیقوم فی

الليل فيميل به النعاس يمينا و شمالا و قد وقع ذقنه على صدره فيأمر الله ابواب السماء فتفتح ثم يقول للملائكة انظروا الى عبدى ما يصيبه من التقرب الیّ بما لم افترضه عليه راجيا منى ثلاث خصال ، ذنبا اغفره له او توبة اجدد هاله او رزقا ازيده فيه اشهدوا يا ملائكتى انى قد جمعتهن له) خدا کا بندا جب تاریکی رات میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتا ہے جبکہ نیند سے کبھی دائیں چلا جاتا ہے اور کبھی بائیں تو ایسی حالت میں خالق کائنات اپنے ملائکہ کو کہتا ہے کہ اس بندہ کیلئے آسمان رحمت کے دروازوں کو کھولنے کا حکم دیتا ہے اور ملائکہ کو کہتا ہے کہ میرے اس بندہ کو دیکھو جو میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ برداشت کر رہا ہے جبکہ یہ عبادت (نماز شب) میں نے اس پر فرض بھی نہیں کی اور یہ بندہ مجھ سے تین خصلتیں طلب کر رہا ہے(۱) گناہوں کی مغفرت (۲) تجدید توبہ (۳) رزق میں فراوانی، اے ملائکہ گواہ رہنا میں نے یہ تینوں خصلتیں اسے عطا کر دی ہیں ۔

اعلیٰ منزل: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مفضل بن صالح کو ارشاد فرماتے ہیں (يا مفضل ان لله عبادا عاملوه بخالص من سرّه فعاملهم بخالص من برّه فهم الذين تمرّ صحفهم يوم القيامة فرغا واذا وقفوا بين يديه تعالى ملأها من سرّ ما اسروا اليه، فقلت يا مولای ولم ذالك ؟فقال : اجلهم ان تطلع الحفظة على ما بينه و بينهم) اے مفضل اللہ تعالیٰ کے خاص بندے مخلص ہو کر خدا کے ساتھ راز و نیاز سے معاملہ کرتے ہیں (لہذا) جزاء کے طور پر خدا بھی ان لوگوں کے ساتھ نیکی کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے نامہ اعمال بروز قیامت خالی صفحات کے طور پر پیش کیے جائیں گے اور پھر خالق کائنات ان کے خلوت میں کیے ہوئے اعمال صالحہ اور راز و نیاز کے اعمال سے پُر فرمائے گا، مفضل عرض کرتا ہے مولاً اس کی کیا وجہ ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا کہ خدا اس بات کو پسند نہیں فرماتا، کہ دنیا میں نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے ان راز و نیاز کے اعمال پر آگاہ ہوں، لہذا خدا ان سے چھپا کر ان مخفی نیک اعمال کو بذات خود ان کے نامہ اعمال پر درج فرمائے گا۔

توضیح و تنبیہ: اے انسان تجھے ان اعلیٰ مقامات اور منازل عرفان سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ منازل حقیقت میں جنت سے بھی زیادہ اعلیٰ و اشرف ہیں ، اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ حقیقت میں جنت تو ان منازل تک پہنچنے کے لیے ایک واسطہ اور وسیلہ ہے اور حقیقت میں یہی اعلیٰ منزل ہے جو مقام رضوان تک پہنچاتی ہے اور یہی وہ منزل ہے جس کے بارے میں خالق دو جہاں اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) سورۃ المائدہ ۱۱۹ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں ۔(۱)

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہوتا ہے (و رضوان من الله اکبر ذالك هو الفوز العظيم) سورۃ التوبہ ۷۲۔ سب سے بڑی چیز رضائے الٰہی ہے اور یہی ایک عظیم کامیابی ہے۔

حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے (عبادی الصديقين تنعموا بعبادتی فی الدنيا فانكم بها تنعمون فی الجنة) اے میرے صدیق بندو دنیا فانی میں میری عبادت سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ جنت الفردوس میں اسی عبادت کے صدقہ خوش حال اور آسودہ ہوں گے۔

حضرت سیّد الاوصیاء امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام ارشاد فرماتے ہیں (الجلسة فی الجامع خير لی من الجلسة فی الجنة فان الجنة فيها رضا نفسی و الجامع فيه رضا ربی) جنت میں بیٹھنے سے مجھے مسجد میں بیٹھنا زیادہ محبوب ہے کیونکہ جنت میں بیٹھنے سے نفس کی رضا ہے جبکہ مسجد میں بیٹھنے سے خدا کی خوشنودی و رضا ہے

قصہ

ایک راہب (یہودی عالم) سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ تنہائی پسند کیوں ہوتے ہیں؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تنہا نہیں ہوتا بلکہ میں خدا کے ساتھ ہم نشین ہوتا ہوں، جب میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھ سے راز و نیاز کی گفتگو کرے تو میں اس کی مقدس کتاب کی تلاوت کرتا ہوں اور جب میں اس سے مناجات کرنا پسند کروں تو اس کی عبادت کرتا ہوں یعنی نماز پڑھتا ہوں۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ (من انس بالله استوحش من الناس و علامة الانس بالله الوحشة من الناس) جو خداوند ذوالجلال سے مانوس ہو گیا وہ لوگوں سے بے نیاز ہو گیا اور خدا سے انس و لو لگانے کی علامت ہی یہی ہے کہ لوگوں سے وحشت محسوس کرے۔

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ اھل بیت علیہما الصلوٰۃ والسلام اسی منزل عظیم کیلئے تمام اعمال انجام دیتے رہے اور جنت کوثر کے لیے اعمال نہیں کیئے جیسے مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہما السلام اسے تاجروں جیسی عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ بلکہ تمام زندگی رضائے الٰہی میں گزاردی حتی کہ شب ہجرت بھی رضائے الٰہی اور اسی اعلیٰ منزل کے حصول کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ اور یہی وجہ ہے شب ضربت انیسویں ماہ رمضان المبارک کو "فزت و رب الکعبہ" کی صدا بلند کر کے اس "فوز عظیم" کا اعلان فرما دیا جو اللہ کے مخلص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔)(هنيأ لك يا بن ابی طالبؑ)

مدح علی بن ابی طالب علیہما السلام دربار معاویہ میں ....

مومنین کو اس عظیم واقعہ پر بغور نگاہ دوڑانی چاہیے کہ ضرار ابن ضمرہ اللیثی نے فضائل علیؑ کو دربار معایہ لعین میں کس طرح بیان کیے، روایت میں ملتا ہے کہ ایک دن یہ شخص دربار میں آتا ہے معاویہ اسے کہتا ہے کہ آج علی بن ابی طالبؑ کے اوصاف و کمالات بیان کرو، ضرار ابن ضمرہ نے بات ٹالنے کی کوشش کی لیکن معاویہ نے اصرار کیا اب ضرار اللیثی فضائل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خدا کی قسم علیؑ ایک زیرک انسان تھا، باہمت شخص تھا، اٹل بات کہتا تھا، علی مجسمہ عدل و انصاف تھا، علیؑ چشمہ علم و عرفان تھا، حکمت کے موتی اس کے اردگرد سے پھوٹتے تھے، دنیاوی رنگینیوں کو پسند نہیں کرتا تھا دنیا سے بے نیاز تھا، رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے مانوس تھا، خدا کی قسم علیؑ بہت دقیق فکر رکھتا تھا، رب سے راز و نیاز کی گفتگو کرتا تھا، سخت لباس پہننے کو پسند فرماتے تھے، علیؑ لذیذ کھانوں سے اجتناب کرتا تھا، خدا کی قسم علیؑ ہم میں ایسے گھل مل کر رہتا تھا جیسا کہ ہم سے ایک ہو وہ ہمارے قریب تھا ہم جب سوال کرتے تو وہ جواب دیتا تھا، علیؑ کے قریب ہونے کے باوجود بھی اس کی ہیبت کی وجہ سے ہم کلام کرنے میں حیا و خجالت محسوس کرتے تھے، اس کی عظمت ہمارے دلوں میں اس قدر تھی کہ ہم اس کے سامنے آنکھیں اٹھا کر دیکھ نہیں سکتے تھے، جب مسکراتا تو لعل و جواہر ظاہر ہوتے تھے، اس کے ہاں متدین لوگ عزیز ہوتے تھے، مسکین و فقیر لوگوں کو پسند کرتا تھا ، طاقت ور لوگوں کی باطل مرادیں اس کے ہاں ناکام ہوتی تھیں، ضعیف لوگ اس کے عدل و انصاف سے مایوس نہیں ہوتے تھے (ضرار حدیث کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ) میں خدا کو گواہ بنا کر کہہ رہا ہوں کہ میں نے علیؑ کو کتنی دفعہ مسجد کے محراب میں اس وقت دیکھا ہے جب رات اپنی تاریکی کے پردے بچھا چکی ہوتی تھی اور ستارے ڈوب چکے ہوتے تھے، اور علیؑ اپنی داڑھی کو پکڑ کر محراب مسجد میں خوف الٰہی سے حالت بے قرار میں غمگین و پریشان لوگوں کی طرح آہ و بکاء کر کے رو رہا ہوتا تھا (گویا) اب بھی میرے کانوں میں علی بن ابی طالب کی دعا کے یہ کلمات گونج رہے ہیں (یا دنیا ، یا دنیا ابی تعرضت امُ الیّ تشوقت؟ هیهات ، هیهات لاحان حینك غرّی غیری لا حاجة لی فیك قد بتتك ثلاثا لا رجعة فیها فعمرك قصیر و خطرك كثیر واملك حقیر آه ، آه من قلة الزاد و بعد السفر ووحشة الطریق وعظیم المورد) (افسوس) اے دنیا، اے دنیا کیا تو میرے در پے ہوئی ہے یا تو میری مشتاق ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں یہاں تیری کوئی نہیں سنے گا اور یہ تیرا وقت نہیں ہے جاؤ کسی اور کو (اپنی رنگینیوں سے) دھوکہ دو، اے دنیا مجھے تیری کوئی حاجت اور طمع نہیں ہے میں نے تو تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں جس کے بعد رجوع ہی نہیں ہوسکتا، اے دنیا تیری مدت تھوڑی ہے آخر تجھے فنا ہونا

ہے اور تجھ سے امیدیں لگانا گھٹیا پن ہے اور تیرا خطرہ بہت زیادہ ہے، پھر امامؑ سرد آہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ افسوس زادِ راہ میرے پاس کم ہے جبکہ (آخرت کا) سفر لمبا ہے اور راستہ بھی وحشت ناک اور تنہائی کا ہے اور منزل بہت سخت اور عظیم ہے، علی بن ابی طالب علیہما السلام کے ان فضائل سننے کے بعد معاویہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر رخساروں پر آگئے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتا ہے اور تمام حاضرینِ محفل آہ و بکاء میں ڈوبے ہوئے ہیں، پھر معاویہ کہتا ہے مجھے ربّ ذوالجلال کی قسم ابوالحسن علی علیہ السلام ایسا ہی تھا، پھر ضرار سے معاویہ کہتا ہے کہ تجھے علی سے کتنی محبت تھی؟ ضرار کہتا ہے کہ مجھے علیؑ سے اس طرح محبت تھی جس طرح موسیٰؑ سے اس کی ماں کو محبت تھی اور میں نے جو علی علیہ السلام کے حق میں کوتاہیاں کی ہیں میں خدا سے معافی چاہتا ہوں، پھر معاویہ کہتا ہے کہ اب علیؑ کے بغیر کیسے صبر کر رہے ہو؟ ضرار کہتا ہے کہ میں علیؑ کی جدائی پر اس ماں کی طرح صبر کر رہا ہوں جس کے سامنے اس کے بیٹے کو ذبح کر دیا ہو، تو اس کے نہ آنسو ٹھہرتے ہیں اور نہ ہی اس کو سکون آتا ہے اور نہ ہی اس کے غم کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ پھر ضرار دربار معاویہ سے روتا ہوا نکل جاتا ہے، معاویہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میرے چلے جانے کے بعد آپ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو میری اس طرح مدح و ثناء بیان کرے تو بعض لوگوں (عمرو ابن عاص) نے جواب دیا کہ جتنی کسی کے ساتھی کی قدر و منزلت ہوا تنا ہی اس کے فراق پر غم ہوتا ہے۔

الثانی:: بعد از دعا ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنا......

دعا کے بعد کے آداب میں سے ایک یہ ادب بھی ہے کہ دعا سے فراغت کے بعد دعا کے لیے اُٹھنے والے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (**ما ابرز عبد یده الی الله العزیز الجبار الا استحی الله ان یردها صفراً فاذا دعا احدکم فلا یرد یده حتی یمسح علی وجهه و رأسه**) کسی بھی بندے کا دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھتا مگر یہ کہ خدا ان ہاتھوں کو خالی لوٹانے میں حیا محسوس کرتا ہے پس جب بھی آپ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھیں تو ان کو اپنے چہرہ اور سر پر مسح کریں۔

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے (**ما بسط عبد یده الی الله عز و جل الّا استحی الله ان یردها صفرا حتی یجعل فیها من فضله و رحمته ما یشاء فاذا دعا احدکم فلا یرد یده حتی یمسح بها علی رأسه و وجهه۔ وفی خبر آخر۔ علی وجهه و صدره**) کوئی بھی انسان بارگاہ الٰہی

میں اپنے ہاتھوں کو دعا کے لیے بلند نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند عالم انہیں واپس خالی لوٹانے میں حیا محسوس کرتے ہوئے اپنی مرضی کے مطابق اپنے فضل وکرم میں سے ان ہاتھوں کو عنایت کرتا ہے پس آپ میں سے جو بھی دعا کے لیے ہاتھوں کو اٹھائے انہیں واپس کرنے سے پہلے اپنے سر اور چہرہ پر مسح کرے، بعض اخبار میں ملتا ہے کہ اپنے چہرہ اور سینہ پر مسح کرے۔

اسی طرح آئمہ اطہار علیہم السلام کی ادعیہ میں بھی ملتا ہے کہ (و لم ترجع ید طالبة صفرا من عطائك و لا خائبةمن نحل هباتك) الٰہی کوئی بھی ہاتھ تیری بارگاہ میں تیری عطا کی طلب کے لیے اٹھنے والا ہاتھ تیری عنایات وعطا سے خالی واپس نہیں لوٹتا اور تیری رحمت سے محروم نہیں ہوتا۔

الثالث : اختتام دعا درود پر کرنا..........

آداب دعا میں سے ہے کہ انسان اپنی دعا کو محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود بھیج کر ختم کرے چونکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (من كانت له الى الله حاجة فليبدأ بالصلوٰة على محمد و آله صلى الله عليه واله وسلم ثم يسئل حاجته ثم يختم بالصلوة على محمد و آله فان الله اكرم من ان يقبل الطرفين و يدع الوسط اذا كانت الصلوة على محمد و آله لا تحجب عنه) جو شخص خدا سے کوئی حاجت طلب کرنا چاہے تو اسے ابتدا میں محمد و آل محمد پر درود بھیجنا چاہیے اور آخر میں بھی درود بھیجنا چاہیے کیونکہ خداوند ذوالجلال اس سے بلند و برتر ہے کہ ابتداء دعا اور آخر دعا کو تو قبول کرے (جو کہ محمد و آل محمد پر درود وسلام ہے) لیکن وسط میں مانگی گئی دعا کو قبول نہ کرے (جو کہ بندہ کی حاجت ہے)، کیونکہ محمد و آل محمد پر بھیجے ہوئے درود اور رحمت خدا کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

الرابع :: دعا کے بعد ما شاء اللہ... کہنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے (اذا دعا الرجل فقال بعد ما يدعو ما شاء الله لا قوة الا بالله العلى العظيم قال الله استبتل عبدى و استسلم لامرى اقضوا حاجته)۔

حاشیہ:(اصول کافی میں باب دعا میں امامؑ سے ان کلمات کو یوں ذکر کیا گیا ہے۔(ما شاء الله لا حول ولا قوة الا بالله) لیکن مصنف علامہؒ نے (لاحول) کے کلمہ کو یہاں اپنی اس کتاب میں ذکر نہیں کیا ہے۔

ما شاء اللہ.....الخ کی بہت زیادہ تفاسیر کی گئی ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ (حول سے مراد حرکت ہے۔تو اس تفسیر کی بناء پر انسان ان کلمات سے بارگاہ ایزدی میں اپنی ہر حرکت کے ذاتی ملکیت ہونیکی نفی کر رہا ہوتا ہے۔جبکہ بعض نے (حول) سے مراد (قدرت) لی ہے۔تو ایسی صورت میں معنی یوں ہوگا کہ انسان کسی چیز پر قدرت و طاقت نہیں رکھتا۔مگر

یہ کہ خالق کائنات کی توفیق اور اس کی مدد سے قادر ہے۔اور بعض نے (حول) کے کلمہ کی تفسیر (انتقال اور تحول) سے کی ہے۔تو ایسی صورت میں یوں معنی ہوگا کہ انسان اگر گناہوں سے نیکی کی طرف منتقل ہوتا ہے تو یہ فقط اور فقط خدا کی مدد اور اسکی توفیق ایزدی سے ہوتا ہے اور یہی معنی حضرت امام محمد باقرؑ کے باب توحید میں مروی کلام حق ترجمان سے قریب ہے حق وحقیقت یہ ہے کہ انسان اس کلمہ کے ذریعے اپنے آپ کو قضاء وقدر الٰہی کے سامنے سپرد کرتا ہے۔اور اس بات کا اظہار کر رہا ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب خیرات وعنایات مالک وخالق خدا کی طرف سے ہیں۔اور حقیقت میں انسان اپنے عاجز مطلق ہونے کا اعتراف کر رہا ہوتا ہے اور خدا کی طرف محتاج اور فقیر ہونے کا اعلان عام کرتا ہے اور یہ کلمہ شریفہ توحید خفی پر بین دلالت کرتا ہے کیونکہ انسان ہر غیر اللہ کیلئے قوت وطاقت اور حرکت واستطاعت کی نفی کر رہا ہوتا ہے۔اور حصر حقیقی کے طور پر نہ حصر اضافی کیطرح سب کچھ ذات کردگار کیلئے ثابت کرتا ہے۔اور حقیقت میں یہی ایمان بالتوحید ہے۔اس کے علاوہ جو شخص کسی اور کیطرف قدرت وطاقت کی نسبت دیتا ہے تو اس کا عقیدہ توحید مشکوک ہے۔) (اعاذنا اللہ وایاکم من الشرک)

جو شخص دعا کے بعد ان کلمات " **ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** ،، کی تلاوت کرتا ہے تو خالق (ملائکہ کو) ارشاد فرماتا ہے کہ اس میرے بندہ نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو میرے سپرد کردیا ہے اور میرے احکام و اوامر کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے تو لہٰذا اے فرشتو اس کی حاجت کو پورا کرو۔

حضرت امام امیر المومنین علی علیہ السلام کا کلام حق ترجمان ہے کہ (**من احب ان یجاب دعاءہ فلیقل بعد ما یفرغ ما شاء اللہ استکانۃ للہ ما شاء اللہ تضرعا الی اللہ ما شاء اللہ توجھا الی اللہ ما شاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**) جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو تو حاجت طلب کرنے کے بعد یوں کہے "**ماشاء اللہ استکانۃ للہ.......... ...... العلی العظیم**"۔

الخامس :: بعد از دعا کار خیر کرنا......

آداب دعا میں سے ہے کہ انسان دعا مانگنے کے بعد نیک اعمال بجالائے دعا کے بعد والی حالت دعا سے پہلے کی نسبت بہتر ہو اپنی زندگی گناہوں میں نہ گزارے کیونکہ بسا اوقات دعا کے بعد والے گناہ دعا کی قبولیت میں مانع ہوجاتے ہیں ،اسی امر کو آئمہ اطہار علیہم السلام نے اپنی ادعیہ میں یوں بیان فرمایا ہے (**و اعوذبک من الذنوب التی تردّ الدعاء و اعوذبک من الذنوب التی تحبس القسم**) الٰہی میں ایسے گناہوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جو استجابت

دعا میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور عطا الٰہی کے روکنے والے گناہوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

ابن مسعود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہے کہ حضرت نے فرمایا (اتقوا الذنوب فانها ممحقة للخيرات ان العبد ليذنب الذنب فينسى به العلم الذى كان قدعلمه و ان العبد ليذنب الذنب فيمتنع به من قيام الليل و ان العبد ليذنب الذنب فيحرم به الرزق و قد كا ن هيناً له) گناہوں سے بچو کیونکہ یہ نیکیوں کو برباد اور ہلاک کر دیتے ہیں انسان گناہوں کی وجہ سے حاصل شدہ معلومات اور علم کو بھول جاتا ہے، گناہوں کی بدولت انسان تاریکی رات میں عبادت خدا کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے، گناہوں کی بدولت انسان اس رزق سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو اس کے لیے آسان اور مہیا تھا، اس کے بعد رسولؐ اسلام نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی (انا بلوناهم كما بلونا اصحاب الجنة ..... الى آخر الآيات) سورة القلم آیت ۱۷۔ہم نے ان کو اسی طرح آزمایا ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح کو پھل توڑ لیں گے۔ رسولؐ اسلام نے آخری آیات تک تلاوت فرمائی۔ (۱)

زبور داؤدؑ میں ارشاد باری تعالی ہوتا ہے (يابن ادم تسئلنى و امنعك لعلمى بما ينفعك ثم تلح على بالمسألة فاعطيك ما سئلت فتستعين به على معصيتى فاهم بهتك سترك فتدعونى فاستر عليك فكم من جميل اصنع معك و كم من قبيح تصنع معى ؟ يوشك ان اغضب عليك غضبة لا ارضى بعدها ابدا) اے فرزند آدم جب تو مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس حاجت کو روک لیتا ہوں اپنے اس علم کی وجہ سے جو

---

(۱) ان آیات کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ دولت مند ہونے کی وجہ سے رسول خداؐ کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اور رسول اسلام کو دیوانہ کہتا تھا تو خداوند ذوالجلال نے اس بات کی طرف توجہ دلوائی ہے کہ ہم پہلے بھی ایسے لوگوں کا امتحان لے چکے ہیں جو غریبوں اور مسکینوں کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے تھے اور انھیں اپنی طاقت کا غرور اور گھمنڈ تھا۔ تو ہم نے راتوں رات ان کے باغوں کو ختم کر دیا اور صبح کو یہ سب لوگ توبہ کرنے لگے۔ اور ہم نے احسان کرتے ہوئے ان کی توبہ قبول کر لی۔ ان لوگوں کو ہم نے واضح کر دیا کہ ہمارے اقتدار سے باہر نکلنا ممکن نہیں ہے۔ اب توجہ طلب امر یہ ہے کہ دور حاضر میں کتنے ہی ابن مغیرہ فکر لوگ پائے جاتے ہیں جو نشہ دولت میں غریبوں کو بھلا دیتے ہیں حتی کہ حقوق اللہ کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید ان تمام لوگوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ ہم جس وقت چاہیں ساری نعمتیں واپس لے سکتے ہیں اور پھر کوئی ہمارے سامنے چوں چرا ں بھی نہیں کر سکتا۔

تیرے نفع کو جانتا ہے لیکن جب تو اس حاجت پر اصرار کرتا ہے تو میں عطا کرتا ہوں اور پھر تو اسی نعمت کے ساتھ میری نافرمانی کرتا ہے، اور جب تیرے عیبوں کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں تو تو مجھ سے پردہ پوشی کی دعا کرتا ہے اور میں قبول کر لیتا ہوں پس (غور وفکر کر) میں نے کتنی نیکیاں تیرے ساتھ کی ہیں جبکہ تو نے میری کتنی نافرمانی کی ہے اور (تیرے ان اعمال کی وجہ سے) قریب ہے کہ میں تجھ پر ایسا ناراض ہوں پھر کبھی راضی بھی نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے (ولا یغرنك المتمرد علی بالعصیان یأکل رزقی و یعبد غیری ثم یدعونی عند الکرب فاجیبه ثم یرجع الی ما کان علیه فعلیّ یتمرد ام لسخطی یتعرض؟ فبی حلفت لاخذنه اخذة لیس منها منجا ولا دونی ملجأ این یهرب من سمائی و ارضی؟) اے عیسیٰؑ کہیں آپ کو میری نافرمانی کرنے والے سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے (اس وجہ سے کہ) یہ کھاتا میرا رزق ہے اور اطاعت میرے غیر کی کرتا ہے اور میں مصیبت کے وقت اس کی دعا کو قبول بھی کرتا ہوں، اور پھر یہ اپنی اصلی حالت (یعنی میری نافرمانی) کی طرف لوٹ جاتا ہے کیا یہ سرکشی کرتا ہے یا میرے غضب اور ناراضگی کے درپے ہوا ہے؟ مجھے اپنی ذات کی قسم ایسے شخص کو ایسے پکڑوں گا کہ پھر اسے کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی، یہ کہاں بھاگے گا! میرے آسمان سے یا میری زمین سے؟ (کیونکہ سب کا مالک تو میں ہوں)۔

حضرت محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں (ان العبد لیسئل اللہ تعالی حاجة من حوائج الدنیا فیکون من شأن اللہ تعالیٰ قضائها الی اجل قریب اوْ بطیء فیذنب العبد عند ذالك الوقت ذنبا فیقول للملك المئوکل بحاجته لا تنجزها فانه قد تعرض لسخطی و قد استوجب الحرمان منی) انسان جب خدا سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو خداوند ذوالجلال اپنی مرضی کے ساتھ اس حاجت کو ایک مدت تک یا کچھ دیر کے ساتھ پوری فرماتا ہے اور پھر جب بندہ اپنے مولا و آقا خدا کی اس عرصہ میں نافرمانی کرتا ہے تو خدا مقرر شدہ فرشتہ کو کہتا ہے کہ اس کی حاجت کو پورا نہ کرنا کیونکہ یہ میرے غضب کے درپے ہوا ہے جس کی وجہ سے اب وہ میری رحمت سے محروم ہو گیا ہے۔

فصل: گناہوں کے آثار ونتائج

یہ بات واضح و روشن ہے کہ آئمہ اطہار علیہم السلام کی ادعیہ مبارکہ میں مختلف گناہوں سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے اور ان گناہوں کے آثار ونتائج کی تفصیلات حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی کلام حق ترجمان سے یوں ملتی ہیں

(۱) (ان الذنوب التی تغیر النعم البغی علی الناس و الزوال عن العادة فی الخیر و اصطناع المعروف و

كفران النعم و ترك الشكر ، قال الله تعالى ﴿ ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم ﴾۔

(۲) (والذنوب التی تورث الندم قتل النفس التی حرم الله قال الله تعالى فی قصة القابيل حين قتل اخاه هابيل فعجز عن دفنه﴿ فاصبح من النادمين ﴾

و ترك صلة الرحم حين يقدر و ترك الصلوة حتى يخرج وقتها وترك وصية و رد المظالم ومنع الزكوة حتى يحضر الموت و ينغلق اللسان)۔

(۳) (والذنوب التی تزيل النعم عصيان العارف و التطاول على الناس و الاستهزاء بهم والسخرية منهم)

وہ گناہ جو نعمتوں کو تبدیل کرتے ہیں

(۱) لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنا ۔

(۲) اعمال خیر کی عادت کو ترک کر دینا۔

(۴) نعمات الہیہ کا کفران کرنا۔

(۵) منعم حقیقی کا شکر ترک کرنا۔خداوند ذوالجلال قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے'' خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کر لے''

وہ گناہ جن سے ندامت ہوتی ہے

(۱) ایسے نفس کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا حرام ہو کیونکہ اللہ تعالی ہابیل و قابیل کے قصہ میں جب قابیل اپنے مقتول بھائی ہابیل کو دفن کرنے سے عاجز ہو گیا فرماتا ہے'' وہ (قابیل) نادم و پریشان لوگوں میں سے ہوا۔

(۲) حسب استطاعت رشتے داروں سے صلہ رحمی کو ترک کرنا۔

(۳) نماز کو ادا نہ کرنا یہاں تک کہ وقت چلا جائے ۔

(۴) وصیت نہ کرنا۔

(۵) حقوق ادا نہ کرنا۔(۶) زکوۃ نہ دینا یہاں تک کہ موت آجائے اور زبان بند ہو جائے اس وقت پھر کچھ نہ کر پائے۔

نعمات ختم کر دینے والے گناہ

(۱) اصحاب معرفت کا معصیت خدا کرنا۔

(۲) لوگوں پر تکبر و فخر کرنا۔

(۳) لوگوں کا مذاق اڑانا۔

(۴) لوگوں کو ٹھٹھا سے ذلیل کرنا۔

رزق و مقسوم کو دور کرنے والے گناہ

والذنوب التی تدفع القسم : اظهار الافتقار ، والنوم عن صلوة العتمة و عن صلوة الغداة و استحقار النعم وشکویٰ المعبود عزّ و جل ۔

(۱) اپنے آپ کو فقیر اور محتاج ظاہر کرنا۔

(۲) نماز عشاء اور نماز صبح کو سوئے رہنا۔

(۳) نعمات خداوندی کی قدر نہ کرنا۔

(۴) (لوگوں کے سامنے) خدا کا شکوہ و شکایت کرنا۔

پردہ فاش کرنے والے گناہ

(۱) شراب پینا۔(۲) جوا کھیلنا (۳) لوگوں کو ہنسانے والی باتوں میں مشغول رکھنا۔

(۴) فضول باتیں کرنا (۵) لوگوں کے عیوب کو بیان کرنا۔(۶) مشکوک لوگوں (بداعمال وبدعقیدہ) کے ساتھ بیٹھنا۔

مصیبتوں کے نزول کے سبب بننے والے گناہ۔

(۱) غمگین اور دکھی لوگوں کی مدد نہ کرنا۔(۲) مظلوم کی معاونت نہ کرنا۔(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا بلکہ اسے ضائع کردینا۔

وہ گناہ جو دشمنوں کے غلبہ کا سبب ہیں

(۱) کھلم کھلا ظلم کرنا۔(۲) علنی طور پر بدکاریاں کرنا۔(۳) ممنوع اور شرعی طور پر ناجائز چیزوں کو حلال سمجھنا اور ان کا مرتکب ہونا۔(۴) اچھے لوگوں کے ساتھ برا کرنا۔ (۵) برے لوگوں کی تابعداری کرنا۔

وہ گناہ جو موت کی جلدی کا سبب ہیں

(۱) قطع رحمی (۲) جھوٹی قسمیں کھانا (۳) جھوٹی گفتگو کرنا (۴) زنا کرنا (۵) مسلمانوں کے راستوں کو بند کرنا

(۶) امامت وخلافت اور قیادت کا اعلان کرنا جبکہ وہ اس کا اہل اور حقدار نہ ہو۔

خدا سے نا اُمید کرنے والے گناہ

(۱) رحمت خدا کی وسعت سے مایوس ہو جانا۔ رحمت الٰہی سے نا امید ہونا۔

(۲) غیر اللہ پر بھروسہ کرنا۔ (۳) خدا کے کیے ہوئے وعدوں کو جھٹلانا۔

وہ گناہ جو ظلم کی فضا قائم کرتے ہیں

(۱) جادو ٹونا کا کام کرنا (۲) نجوم پر ایمان رکھنا (۳) قضا وقدر الٰہی کو جھٹلانا

(۴) والدین کی نافرمانی کرنا۔

بے نقاب کرنے والے گناہ

(۱) ادا نہ کرنے کی نیت اور قصد سے کسی سے قرض لینا (۲) فضول خرچی کرنا

(۳) اپنے اہل خانہ اولاد اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں کنجوسی کرنا (۴) بداخلاقی کرنا

(۵) کم صبر ہونا اور مشکلات میں بے قرار ہو جانا۔ (۶) دین دار لوگوں کی اہانت کرنا۔

دعا کو رد کرنے والے گناہ

(۱) بد نیتی (۲) بد باطنی (۳) بھائیوں سے منافقت کرنا۔ (۴) دعوت کو ٹھکرانا (۵) واجب نمازوں میں اس حد تک تاخیر کرنا یہاں تک کہ نماز کا وقت چلا جائے۔

نعوذ باللہ من ذالک کلہ بلطفہ وکرمہ

فصل :: مباہلہ

روایات میں مباہلہ کے لیے ایک مخصوص وقت ملتا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب ممکن ہو وگرنہ کسی بھی وقت مباہلہ کیا جا سکتا ہے۔ ابوحمزہ ثمالیؒ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کرتا ہے (**الساعة التی تباهل فیها مابین طلوع الفجر الی طلوع الشمس**) طلوع فجر اور طلوع شمس کا درمیانی وقت مباہلہ کا وقت ہے

کیفیت مباہلہ : مباہلہ کا طریقہ اور اس کی کیفیت راوی ابومسروق سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا کلام حق ترجمان منقول ہوا ہے کہ راوی کہتا ہے میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی جب ہم لوگوں سے قرآن مجید کی آیت

اطاعت '' اطیعوا اللہ و اطعوا الرسول و اولی الامر منکم'' یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو، اس آیت کے ذریعہ آپ کی امامت پر استدلال کرتے ہیں تو وہ لوگ ہمارے استدلال کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ مذکورہ آیہ مجیدہ امراء السرایا کے حق میں نازل ہوئی ہے۔(۱)

---

(۱) فائدہ: (گناہوں کے ذکر کی مناسبت سے یہاں پر قارئین کے ذہن کو معطر کرنے کے لیے گناہوں کے بارے میں ایک طویل وعریض بحث اور خلاف کو مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔علماء مذاہب میں اس امر پر اختلاف ہے کہ آیا گناہان کبائر معدود ہیں۔یعنی ان کی ایک معین تعداد ہے۔اور اسی طرح گناہان صغائر کی بھی ایک معین تعداد ہے؟؟ یا پھر ایسا نہیں ہے بلکہ گناہوں کا کبیر اور صغیر کے ساتھ متصف ہونا ایک نسبی اور اضافی امر ہے؟؟ علماء امامیہ رحمھم اللہ دوسرے قول کو اختیار کرتے ہیں کہ گناہوں کا کبیرہ اور صغیرہ ہونا نسبی اور اضافی ہے۔نہ یہ کہ کبائر گناہوں کی محدود تعداد ہے اور اسی طرح صغائر کی بھی کوئی محدود معین تعداد ہے۔جیسا کہ دوسرے مذاہب والوں کا نظریہ ہے۔

اور کبائر وصغائر کا نسبی اور اضافی ہونے کو مذہب امامیہ کے سلطان شیخ ابوعلی الطبرسیؒ نے اپنی کتاب تفسیر قرآن ''مجمع البیان'' میں ذکر فرمایا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ بعض گناہ دوسرے بعض گناہوں کی نسبت چھوٹے ہونگے۔تو گویا اسطرح ایک بڑا گناہ بھی ہے جب اس سے چھوٹے کی طرف نسبت دی جائے اور چھوٹا بھی ہے جب اس کو اس سے بڑے کی طرف نسبت دی جائے۔مثلاً زخم لگانا ایک چھوٹا گناہ ہے قتل کرنے کی نسبت سے جبکہ طمانچہ کی نسبت ایک بڑا گناہ ہے۔اور اسی طرح زنا ایک بہت بڑا گناہ ہے بوسہ لینے کی نسبت سے اور لواط کی نسبت سے چھوٹا گناہ ہے۔اسی طرح دیگر گناہوں کی کیفیت ہے۔پس کوئی خاص حد فاصل نہیں ہے کبائر وصغائر کے درمیان تاکہ ایک حد تک کبائر رک جائیں اور پھر اس سے آگے صغائر شروع ہو جائیں۔جیسا کہ غیر امامیہ زعم کرتے ہیں۔اور جہاں تک بعض گناہوں کے عذاب پر قرآن مجید میں وعید دی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن پر صراحت سے عذاب کی وعید نہیں ہے وہ چھوٹے گناہ ہیں۔بلکہ ان گناہوں کا قرآن مجید میں خصوصی طور پر ذکر کرنا ان گناہوں کی اہمیت کے پیش نظر ہے۔وگرنہ تمام گناہ شدید ہیں۔تمام معصیت خدا ہیں۔اور تمام گناہ ذاتی طور پر بڑے ہیں کیونکہ نافرمانی کس ذات کی ہو رہی ہوتی ہے؟؟ یہی وجہ ہے کہ روایات میں بھی ملتا ہے کہ انسان کو اپنے چھوٹے گناہوں کے چھوٹا ہونے پر نگاہ نہیں دوڑانا چاہیے بلکہ اس امر کی طرف غور کرنا چاہیے کہ میں نافرمانی کس ذات کی کر رہا ہوں۔اور گناہوں کے درمیان یہ چھوٹے

اور بڑے ہونیکی نسبت کا معیار غضب الٰہی کے شدید اور اس کے عذاب الیم اور کراہت الٰہی کے کم یا زیادہ ہونا ہے۔جیسا کہ روایات میں شرک کے بارے میں ملتا ہے کہ (اکبر الکبائر الشرک باللہ تعالٰی) اور اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہوتا ہے (**الفتنہ اشد من القتل**)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا گناہوں کا کبیرہ وصغیرہ ہونا ذاتی طور پر ہے اور یہ معین تعداد میں ہیں؟ یا کبیرہ وصغیرہ نسبی واضافی امر ہے۔باقی رہا گناہوں کو صغیرو کبیرہ کی طرف تقسیم کرنا تو یہ سب علماء کرتے ہیں جو ہر اختلاف وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔کہ یہ اوصاف ذاتیہ ہیں یا نسبی واضافی اور عارضی ہیں۔)

(فتامل و اغتنم)

(۲) فائدہ: ''امراء السرایا'' سے فوج اور لشکر کا وہ گروہ اور مجموعہ جسکی تعداد ۴۰۰ ہو۔اور وہ دشمن کا مقابلہ کر رہا ہو۔اور یہ گروہ لشکر کے بڑے بڑے جرار اور اچھے افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔لفظ ''مباھلہ'' (بھلہ) سے ماخوذ ہے۔اور اس کا معنی لعنت ہے۔یعنی لوگ اگر کسی مسئلہ میں آپس میں اختلاف کریں تو وہ سب جمع ہوکر اپنے میں سے ظالم اور جھوٹے پر خدا کی طرف سے لعنت کی دعا کریں۔یہی وجہ ہے قارئین کرام! نصاریٰ نجران اور رسولؐ کے مابین ہونے والا مشہور و معروف مباھلہ میں رسول اسلام ان کو اپنے ساتھ لے گئے جو سچے تھے۔اور حق کے ساتھ تھے باطل ان کے قریب بھی کبھی نہیں آیا۔اور بڑے بڑے مدعیان کو ساتھ نہ لے گئے تھے۔کیونکہ وہاں خدا سے لعنت کے نازل ہونیکی دعا کرنی تھی اور اگر جھوٹے ساتھ ہوتے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ......!! یہی وجہ ہے کہ جب نصاریٰ نجران کے ایک بڑے نے ان مقدس چہروں کو دیکھا تو اپنوں کو کہہ دیا کہ واپس چلے جاؤ ان سے مباھلہ نہ کرنا یہ مجھے ایسے انوار نظر آ رہے ہیں اگر ان کے مقابلے میں ہم آئے تو تباہ ہو جائیں گے۔اور عذاب الٰہی ہمیں شامل ہو جائے گا۔معلوم یہ ہوا کہ نصاریٰ نجران بھی ان مسلمانوں سے بہتر ہوئے کہ وہ اھل بیت اطہار علیہم السلام کے مقابلہ میں نہ آئے۔لیکن افسوس ان نام نہاد مسلمانوں پر جو رسول خدا کی آنکھیں بند ہونے سے آج تک اھل بیت اطہار علیہم السلام کو نہ پہچان سکے اور ان کے حقوق کو غصب کرتے رہے اور ان کا مقابلہ کرتے رہے۔لیکن یہ امر بھی ایسے نام نہاد مسلمانوں پر واضح ہونا چاہیے کہ ہم نہیں کہتے بلکہ نصاریٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو بھی ان ہستیوں کے مقابلہ میں آئے گا وہ عذاب الٰہی اور لعنت خدا کا مستحق ٹھہرے گا لہذا اب یہ لوگ عیسائیوں کے ہاں جہنمی بھی ہیں اور لعنتی بھی ہیں اب جواب عیسائیوں کو دو ہمیں نہ دو!!!؟؟؟)

اس کے بعد ہم آیت ولایت ''انما ولیکم اللہ ... الی الآخر'' کو استدلال کے طور پر تلاوت کرتے ہیں تو لوگ اس کو بھی یوں کہہ کر انکار کر دیتے کہ یہ آیت تو تمام مومنین کے حق میں نازل ہوئی ہے نہ فقط ان کے حق میں جنہیں آپ امام مانتے ہو، پھر ہم آیت مودت ''قل لا اسئلکم علیہ..... الی آخرہ'' کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں تو پھر بھی لوگ یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ یہ آیت تو مسلمانوں کے قرابتداروں اور رشتہ داروں کی محبت ومودت کے بارے میں نازل ہوئی ہے پھر راوی کہتا ہے کہ مولاؑ میں نے ہر دلیل کو پیش کیا مگر ان لوگوں نے قبول نہیں کیا، امام صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا (اذا کان ذالك فادعهم الی المباهله) اگر یہ لوگ کسی بھی دلیل کو قبول نہیں کرتے تو پھر ان کو مباہلہ کی دعوت دو۔

راوی عرض کرتا ہے مولاؑ مباہلہ کیسے ہوتا ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا (اصلح نفسك ثلاثا و اظنه قال صم واغتسل و ابرز انت وهو الی الجبان فشبك اصابعك من يدك اليمنی فی اصابعه و ابدأ بنفسك فقل، اللهم رب السماوات السبع و رب الارضين السبع عالم الغيب و الشهادة الرحمن الرحيم ان كان ابو مسروق جحد حقا و ادعی باطلا فانزل عليه حسبانا من السماء اوْ عذابا اليما ثم ردالدعوة عليه فقل و ان كان فلان جحد حقا و ادعی باطلا فانزل عليه حسبانا من السماء اوْ عذابا اليما) اے ابومسروق آپ تین دن تک (توبہ و استغفار سے) اپنے نفس کی اصلاح کریں، راوی کہتا ہے کہ شائد امامؑ نے روزہ اور غسل کرنے کا بھی حکم فرمایا تھا پھر آپ اور آپ کا مخالف ایک صحراء میں نکل جائیں اور آپ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دو پھر یوں کہو، الہی تو سات آسمان و زمین کا خالق ہے ظاہر و پوشیدہ کا عالم ہے، اور تو رحمٰن و رحیم ہے، اگر ابومسروق حق کا منکر ہے اور باطل کا دعوی رکھتا ہے تو اس پر آسمان سے مصیبت نازل فرما اسے دردناک عذاب میں مبتلاء فرما، اور اگر فلاں شخص (جو کہ میرا خصم ہے) حق کا انکار کر رہا ہے اور باطل کا مدعی ہے تو پھر اس پر بھی آسمان سے بجلی نازل فرما اور اسے دردناک عذاب میں مبتلاء فرما۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ (فانك لا تلبث ان تری ذالك فيه فو الله ما وجدت خلقا يجيبنی اليه) اے ابومسروق تھوڑی ہی دیر میں اس کا اثر دیکھ لے گا، مجھے خدا کی قسم میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو دعوت مباہلہ کو یوں قبول کرے۔

راوی ابو العباس سے کیفیت مباہلہ کے بارے میں مروی ہے کہ مباہلہ کرنے والے ایک دوسرے کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کے بعد پھر انہیں کھول کر یوں بددعا کرے (اللهم ان كان فلان جحد حقا اوْ اقر بباطل فاصبه بحسبان من السماء اوْ بعذاب اليم من عندك و تلاعنه سبعين مرة) اگر یہ فلاں شخص حق کا انکار کرتا ہے اور باطل کا اقرار و اعتراف کرتا ہے تو پھر آسمان سے اس پر بجلی گرے یا تیری طرف سے دردناک عذاب ہو اور پھر اس پر ستر دفعہ لعنت کرے۔

خاتمۃ: مذکورہ بالا بیان سے دعا کی شرائط واضح ولائح ہو گئی ہیں چاہے وہ شرائط دعا کرنے سے پہلے کی ہوں یا ان کا دعا کے ساتھ ہونا ضروری ہو یا دعا کے بعد کی شرائط ہوں، اور من جملہ ان شروط میں دعا کو چھپا کر کرنا اور اسے مخفی رکھنا ہے اور یہ شرط تمام شرائط دعا کی بنیاد اور اساس ہے، چونکہ اس سے دعا کو اعداء کے شر سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور اس سے دعا کو ریا کاری جیسی مہلک مرض سے بھی محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اور ریا کاری جیسی ایک اور مصیبت اور بیماری عُجب (خود پسندی) ہے، اس مرض سے اعمال خیر تباہ اور ضائع ہو جاتے ہیں تو یہاں ہم ان دو بیماریوں کو دو اقسام میں ذکر کرتے ہیں۔

اوّل :: ریا کاری :: بیان ماہیت ریا کاری ....

اس مرض کی ماہیت وحقیقت یہ ہے کہ اعمال حسنہ کے ذریعے مخلوق خدا کا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرنا اور لوگوں کے دلوں میں مقام و منزلت کی طلب کو ریا کاری کہتے ہیں، ریا کار انسان ہمیشہ مخلوق خدا سے اپنے احترام کا طلبگار رہتا ہے اور ریا کار شخص لوگوں کو اس امر پر مسخر کرتا ہے کہ وہ اس کی ہر حاجت وتمنا کو پورا کرتے رہیں حقیقت میں یہی شرک خفی ہے۔

حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (من صلی صلوۃ یرائی بھا فقد اشرک) جو شخص نماز میں ریا کاری کرتا ہے وہ مشرک ہے پھر آنحضرت نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی (قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فمن کان یرجو القاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا)۔ (اے حبیبؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں مگر (فرق یہ ہے کہ) مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے لہذا جو بھی اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ ٹھہرائے۔

ایک اور مقام پر رسولؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے (انا خیر شریک و من اشرک معی شریکا فی عملہ فھو لشریکی دونی لانی لا اقبل الا ما خلص لی) مجھے ایسے عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے کیا گیا ہو اور یہ عمل میرے شریک کیلئے ہے میں تو خالص اعمال کو قبول کرتا ہوں (ان لکل حق حقیقۃ وما بلغ عبد حقیقۃ الاخلاص حتی لا یحب ان یحمد علی شئی من عمل اللہ) ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک اخلاص کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کے اندر یہ جذبہ نہ پیدا ہو کہ وہ کسی بھی عمل خیر پر اپنی مدح وثناء کو پسند نہ کرے (۱)

تنبیہ: آپ پر یہ امر واضح و آشکار ہونا چاہیے کہ دعا کو مخفی رکھنا جس طرح ابتداء دعا میں مستحب ہے اسی طرح دعا کرنے کے بعد بھی دعا کو مخفی رکھنا ایک مرغوب امر ہے، دعا کو ظاہر کر کے اسے ہلاک و برباد نہیں کرنا چاہیے، خلوت اور تنہائی میں رہنے سے انسان کو ریا کاری کی مرض سے نجات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے، اور اگر انسان جلوت میں ہو تو پھر بھی اپنے آپ کو جادہ اخلاص پر گامزن رکھے اور ریا کاری کا شائبہ بھی نہ آنے دے، اور یہی مخلصین کے اعلی درجات کی منزل ہے

---

(۱): ریا کاری ایک ایسی مصیبت اور مرض ہے جس سے کوئی ہی محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر شعبہ اور انسان کی حیات کے مختلف ادوار اور اقسام میں مختلف انواع کے ساتھ انسان اس مرض میں مبتلاء ہے۔ کیونکہ چاہے عابد ہو، عالم ہو طالب علم دینی ہو، افسر ہو، کسی بھی حوالہ سے کسی کی بھی خدمت کر رہا ہو تو اگر اس کے دل میں ذرہ برابر بھی لوگوں سے اپنے اس عمل خیر اور زحمت پر مدح وثناء کی طلب اور خواہش ہو تو گویا اس نے اپنے اس عمل میں غیر خدا کو شریک ٹھہرایا ہے۔ اور اس کو شرک کہا جاتا ہے۔ اور اس کو شرک خفی کی اقسام میں اس لیے شمار کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک پوشیدہ اور مخفی ہے۔ جو کہ ہر ایک پر آسانی سے واضح و آشکار نہیں ہے۔ اور شرک ایک ایسا گناہ عظیم ہے جسے قرآن مجید میں (ظلم عظیم) کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

دفتر احادیث معصومین علیہم الصلواۃ والسلام اس موضوع پر لبریز نظر آتا ہے۔ معصومین علیہم السلام کے کلام حق ترجمان میں اس مرض کے نقصانات اور علاج وغیرہ کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف علامؒ نے بھی بعض علاج کو ذکر کیا ہے۔ لیکن ہم یہاں سید الاوصیاء امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہما السلام جو کہ اخلاص عمل میں مجسمہ تھے بلکہ اخلاص کے چشمے ان سے پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام حق ترجمان کو ذکر کرتے ہیں۔ جن میں آپؑ ریا کار شخص کی نشانیاں ذکر فرماتے ہیں اب ہم میں سے ہر ایک مولا علیؑ کے بتائے ہوئے ریا کاری کے معیار پر پرکھے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں (ثلاث علامات للمرائی :ینشط اذا رای الناس و یکسل اذا کان وحدہ و یحب ان یحمد فی جمیع امورہ) ریا کار شخص تین علامتوں سے پہچانا جاتا ہے۔

۱:لوگوں میں ہو تو بڑے جوش وخروش سے اعمال بجالاتا ہے۔

۲:تنہائی میں ہو تو سستی برتتا ہے۔

۳:اور اپنے ہر عمل خیر پر لوگوں سے تعریف اور مدح کا طلبگار رہتا ہے۔)

مخلص لوگوں کے ہاں خلوت وجلوت مساوی ہے کیونکہ ان لوگوں کی جو حالت خلوت میں ہوتی ہے وہی اخلاص اور انقطاع الی اللہ کی حالت جلوت میں بھی ہوتی ہے، اور یہ منزل اخلاص آسانی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کے لیے انسان کو پہلے خدا کی حقیقی معرفت حاصل کرنی چاہیے اسی طرح مخلوق خدا کی حقیقت کو بھی پہچاننا چاہیے ۔عزم و ہمت بلند ہونی چاہیے تو پھر مخلص انسان کے نزدیک خلوت وجلوت برابر ہوتی ہے شاید اسی برابری اور مساوت کی طرف سید العرفاء افضل الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام وحی ترجمان رہنمائی فرماتا ہے کہ (یا ابا ذر لا یفقه الرجل کل الفقه حتی یری الناس امثال الاباعر فلا یحفل بوجودهم ولا یغیره ذالك کما لا یغیره وجود بعیر عنده) اے ابوذرؓ کوئی بھی اس وقت تک صحیح طرح معرفت نہیں رکھ سکتا جبتک وہ لوگوں کی موجودگی اور عدم موجودگی سے اثر انداز نہ ہو(یعنی ان کی کوئی پرواہ نہ کرے) ان کا ہونا اس پر اسی طرح اثر نہ کرے جیسے اونٹ کا ہونا یا نہ ہونا اثر نہیں کرتا۔

بعض علماء اعلام نے رسولؐ اسلام کے اس کلام کو ہمارے مذکورہ مطلب کی طرف اشارہ سمجھا ہے کہ انسان مخلص کے نزدیک لوگوں کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا ہے اس کے عمل خیر پر اثر انداز نہیں ہوتا، لیکن رسولؐ خدا کے اس کلام حق ترجمان کے ذیل سے ایک اور مطلب اور معنی بھی سمجھا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان جب اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو اسے ذلیل وحقیر سمجھے اسی معنی سے ملتا جلتا معنی خالق کائنات کے اس کلام سے ملتا ہے جو حضرت موسیٰؑ کو فرمایا ہے (اذا جئت للمناجات فاصحب معك من تکون خیرا منه) اے موسیٰؑ جب میرے ساتھ مناجات کے لیے آنا تو اپنے ساتھ اسے لے آنا جس سے آپ افضل ہوں، اب حضرت موسیٰؑ حیرت زدہ ہیں مخلوق خدا میں سے جسے بھی دیکھتے ہیں یہ جرأت نہیں کر پاتے کہ میں اس سے اچھا ہوں انسانوں میں ملاحظہ فرمایا پھر حیوانات کا ملاحظہ فرمایا کسی کو دیکھ کر یہ جرأت نہ کر پائے کہ میں اس سے اچھا ہوں یہاں تک کہ ایک کتا سے گزر ہوا جسے کھجلی کی بیماری تھی، حضرت موسیٰؑ اسے اپنے ساتھ لے جانے کے ارادہ سے اس کے گلے میں رسی ڈالدی اسے لے کر آرہے تھے کہ راستہ میں ہی اسے آزاد کر دیا، جب بارگاہ الٰہی میں مناجات کے لیے حاضر ہوئے تو خدا نے کہا،(یا موسیٰ این ما امرتك به؟ فقال یا رب لم اجده فقال الله تعالی وعزتی و جلالی لو اتیتنی باحد لمحوتك من دیوان النبوة)

اے موسیٰؑ جس چیز کا میں نے تجھے حکم دیا تھا کہاں ہے؟ حضرت موسیٰؑ عرض کرتے ہیں الٰہی میں نے اپنے سے کم کسی کو نہیں پایا، پھر خدا فرماتا ہے مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم اگر آج اپنے ساتھ کسی کو اپنے سے کم سمجھ کر لے آتا تو میں دفتر نبوت سے تیرے نام کو بھی مٹا دیتا، اور تجھ سے یہ منصب سلب کر لیتا۔

ریاء کے خطرے: ریاء کی بیماری کے تین خطرات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

اول: عمل کرنے سے پہلے جو دل و دماغ میں داخل ہوتا ہے وہی انسان کو عمل کرنے پر اکساتا ہے مثلاً اگر عمل پر اکسانے کے لیے مخلوق خدا کی رغبت اور رضا ہو تو یہ ایک دینی جذبہ نہیں ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس رغبت کی بنیاد پر عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ حقیقت میں معصیت الٰہی ہے، اطاعت خداوندی کی وادی سے بہت دور ہے اور اسی امر کی طرف رسول اسلام کا کلام اشارہ کرتا ہے (الریاء شرک خفی) ریا خفی شرک ہے، تو ایسی صورت میں اگر انسان ریاء کے اس اکسانے والے جذبہ کو ختم کردے اور نفس پر کنٹرول کرتے ہوئے اپنے آپ سے ریاء کو دور بھگاتے ہوئے مخلصانہ ہو کر خدا کے لیے عمل شروع کرے وگرنہ اگر ایسا نہ کرسکے تو ایسی حالت میں عمل سرانجام نہ دینا اچھا اور بہتر ہے۔

ثانی: ریاکاری کا دوسرا خطرہ یہ ہے کہ انسان ابتداء میں خلوص نیت کے ساتھ عمل کرنے پر عزم وارادہ کرتا ہے لیکن پھر اسے ابتداء ہی میں شیطانی وسوسے اور موانع عارض ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں اسے عمل کو ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ابتداء عمل میں جب اس کے اندر خلوص کا عزم پیدا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ایک دینی جذبہ پایا جاتا ہے لہذا اسی دینی جذبہ کے تحت عمل کو جاری رکھے اور جہاد نفس کرتے ہوئے ریاکاری کو دور بھگائے، اور ہمارے عنقریب ریاکاری کیلئے بیان کردہ علاج کے ذریعے اس مہلک مرض کا علاج کرے، اور حصول اخلاص میں مسلسل کوشش کرتا رہے کیونکہ ریاکاری کے ڈر سے عمل خیر کو بالکل ترک کردینا شیطان کی معاونت کے مترادف ہے اور اس سے شیطان کو اپنے ہدف کے حصول پر فرحت وخوشی ہوتی ہے، تو اگر آپ نے جہاد نفس نہ کیا اور عمل کو چھوڑ دیا تو گویا آپ نے شیطان کو اس کا مقصود دے دیا۔

ثالث: انسان اپنے دل میں خلوص رکھتا ہوتا ہے پھر بعد میں ریاکاری کے اسباب اسے عارض ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ انسان کو ان اسباب ریاکاری سے بچاؤ کے لیے دفاع کرنا چاہیے، اور اپنے عمل کو کبھی بھی ترک نہیں کرنا چاہیے، اور اپنے اندر موجود جذبہ اخلاص کو اجاگر کرتا رہے اور عقل و دین کی معاونت سے عمل خیر کو مکمل کرے کیونکہ شیطان لعین سب سے پہلے انسان کو عمل چھوڑنے کی ترغیب دیتا ہے اگر انسان شیطان کی ایک نہ سنتے ہوئے اپنے عمل میں مشغول رہے تو پھر وہ ملعون اپنا دوسرا تیر چھوڑتا ہے اور وہ یہ کہ اسے ریاکاری عمل کی دعوت دیتا ہے اور اگر پھر بھی انسان شیطان کے اس جال سے بچ گیا تو وہ یوں کہتے ہوئے وسوسے میں ڈالنے کی ناکام کوشش کرتا ہے" اے انسان تیرا یہ عمل خالص نہیں ہے تو ریاکاری کر رہا ہے تیری یہ مشقت اور محنت ضائع ہو رہی ہے اور کیا فائدہ اس عمل میں جس میں اخلاص نہ ہو"

شیطان لعین اس قسم کے ورغلانے والے کلمات اور اقوال سے انسان کو عمل کے چھوڑنے پر وادار کرتا ہے اور ایسی حالت میں انسان اگر عمل کو چھوڑ دیتا ہے تو گویا اس نے شیطان کی غرض کو کامیاب کیا ہے ایسی صورت میں انسان اس شخص کی مانند ہے جس کو اس کا مولا و آقا گندم کی ایک مقدار دے اور اس میں کچھ جَو وغیرہ بھی شامل ہوں تو آقا اسے گندم سے مٹی نکالنے کا کہے اور گندم کو ان چیزوں سے صاف کرنے کا کہے لیکن غلام گندم کو اس خوف سے صاف ہی نہ کرے کہ کہیں اسے صحیح طور پر صاف نہ کر پائے ایسا ہی ہے وہ شخص جو کسی عمل خیر کو اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ لوگ مجھے ریاکار نہ کہیں لیکن حقیقت میں اس شخص کا لوگوں کے ڈر سے اور ریاکاری کی تہمت سے بچتے ہوئے عمل خیر کو چھوڑ دینا خود ایک ریاء خفی ہے کیونکہ اس نے عمل کو لوگوں کی مذمت کے ڈر سے ترک کیا ہے اور یہ اس شخص کی مانند ہے جو لوگوں کی مدح وثناء کے لالچ میں عمل خیر کرے لہذا انسان کو چاہیے کہ لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اپنے عمل کو جاری وساری رکھے، نتیجہ کے طور پر انسان ایسی منزل پر پہنچ جائے گا کہ لوگ اس کے عمل خیر کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوں گے اور یہ لوگوں کے ہاں تو مجہول ہو گا لیکن آسمان دنیا میں معروف ومشہور ہو گا اور وہ اس وصف اور مرتبہ کو پالے گا جسے امامؑ نے اپنے کلام میں یوں بیان فرمایا ہے (احب العباد الی الله الاتقیاء، الاخفیاء الذین اذا ذکروا لم یعرفوا) اللہ کے نزدیک بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو مخفی رہنے والے متقی ہیں، جو لوگوں کے ہاں غیر معروف ہیں۔

ایسا شخص اس طرح ہے کہ اپنے عمل کو مخفی طریقہ سے انجام دیتا ہے اور لوگ اس پر مطلع بھی نہیں ہیں جبکہ شیطانی وسوسہ اور خیال کی بنا پر عمل خیر کو ترک کرنے میں شیطانی مکر وفریب کو تقویت ملتی ہے اور اس طرح دشمن چند چیزوں کا شکار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

(۱) شیطان اس مومن کے دل میں دیگر مسلمانوں اور مومنین کے بارے میں سوئے ظن پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے مثلاً اس شخص کا لوگوں کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ مجھے ریاکار سمجھتے ہیں جب کہ حقیقت میں یہ لوگوں کے بارے میں بدگمانی کرنا ہے جو کہ ایک حقیقی مومن کی شان کے لائق نہیں ہے۔

(۲) شیطان اپنے مکر وفریب کے ذریعے اسے ریاء میں ڈال دیتا ہے جس سے اس نے فرار کیا ہوتا ہے کیونکہ لوگوں کی باتوں کے خوف سے کسی عمل کو ترک کرنے کو ہی تو ریاء کاری کہتے ہیں حقیقت میں اس شخص نے اس عمل کو چھوڑ کر واضح کر دیا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی مدح وثناء کو پسند کرتا ہے اور ان کی مذمت سے ڈرتا ہے اگر لوگوں کی جانب سے اپنی مدح وثناء کو پسند نہ کرتا ہوتا اور ان کی مذمت سے نہ ڈرتا ہوتا تو اس عمل خیر کو کبھی بھی ترک نہ کرتا، لہذا ایسی صورت میں ان دو شخصوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا جو لوگوں کی مذمت کے ڈر سے عمل خیر کو ترک کر دے اور وہ شخص جو لوگوں سے

غفلت اور کوتاہی کے طعنوں سے ڈرتے ہوئے کسی نیک عمل کو بڑے خضوع وخشوع سے انجام دے، یہ دونوں شخص ریاکاری میں برابر ہیں۔

(۳) شیطانی وسوسوں میں آکر کسی عمل خیر کو ترک کر دینے میں گویا شیطان کی دعوت پر لبیک کہنے کے مترادف ہے اور شیطان کو خوشی پہنچانے کے برابر ہے، اور یہی شیطان کی خواہش وغرض ہوتی ہے۔

اشکال:

اس مقام پر ایک عجیب وغریب قسم کا شیطانی مکروفریب پیش کیا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ آپ قارئین بھی اس کی طرف ملتفت ہوں۔ اور اس سے اجتناب کریں اور وہ مکروحیلہ یہ ہے کہ شیطان انسان کو مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے حضرت انسان آپ اس عمل خیر کو چھوڑ دیں۔ کیونکہ لوگ آپ کو ریاکار کہیں گے۔ اور لوگوں کو آپ کے بارے میں سوءظن کرنے کا موقع ملے گا۔ لہذا آپ لوگوں پر شفقت اور رحم کرتے ہوئے اور انہیں اس بدگمانی کی برائی سے بچاتے ہوئے آپ اس عمل خیر کو ہی ترک کر دیں۔ اور یہ عمل خیر کو ترک کرنا درحقیقت لوگوں کو نفع پہنچانے کیلئے ہے تو ایسی صورت میں آپ کو ثواب ملے گا بلکہ دوسرا مؤمن بھی سوءظن کی بیماری سے بچ جائے گا اور یہ ہر دو کیلئے نفع مند ہوگا۔

اس اشکال کا جواب کچھ اس طرح ہے۔

الجواب:

یہ خیال حقیقت میں نفس امّارہ کے مکروفریب کی پیداوار ہے۔ اور جب شیطان ہر قسم کے حربوں سے ناکام ہو جاتا ہے تو وہ انسان پر اپنا یہ آخری وار کرتا ہے جبکہ یہ حیلہ ومکر چند وجوہ کی بنا پر غلط اور باطل ہے۔

الوجہ الاول: یہ خیال ہی حقیقت میں ایک گناہ ہے کیونکہ آپ جب اس ڈر سے عمل کو چھوڑیں کہ لوگ آپ کے ریاکار ہونیکا گمان نہ کریں تو درحقیقت یہ لوگوں کے بارے میں آپکی بدگمانی ہے جو کہ خود ایک گناہ ہے۔ اور ممکن ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں ریاکاری کا گمان نہ کرتے ہوں لیکن آپ لوگوں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہوئے عمل خیر کو ترک کر کے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں جبکہ لوگ ممکن ہے گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔

الوجہ الثانی: انسان کا عمل خیر کو ترک کرنے سے شیطان کو مزید اس پر غلبہ وکنٹرول کرنیکی جرأت ہوتی ہے۔ جبکہ ذکر الٰہی سے شیطان سے دوری اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور اگر آپ نے اسے ترک کر دیا تو اس سے نہ فقط شیطان کو خوشی و فرحت ہوگی بلکہ وہ آپ پر غلبہ حاصل کرنے میں آسانی محسوس کرے گا۔ اور اس سے دیگر آفات و بلیات بھی پیدا ہوسکتی ہیں

الوجہ الثالث: حقیقت میں اس قسم کے اشکالات کا پیدا ہونا نفس کی سستی وکاہلی کا نتیجہ ہے کیونکہ انسان کو جب لوگوں کے بارے میں خوف پیدا ہوا کہ وہ ریا کاری کا گمان کرنے سے گناہ میں مرتکب ہوں گے تو اس صورت میں عمل خیر کو ترک کر کے اس شخص نے لوگوں کا فائدہ تو سوچا ہے لیکن اپنا فائدہ نہیں سوچا۔ حالانکہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو آپ خود اس کو غلط قرار دیں گے۔ کیونکہ اگر آپ کو دنیاوی کوئی چیز حاصل ہو مثلا مال ودولت یا گھر تو آپ اس صورت میں باقی لوگوں کو اپنے آپ پر فضیلت نہیں دیتے اور انکے بارے میں نہیں سوچتے اور ان کیلئے اسے ترک نہیں کرتے۔ لیکن ادھر لوگوں کو ایک اپنے وہم وگمان کی بنا پرانہیں گناہ سے بچاتے ہوئے اپنے آپ کو اس عمل خیر کے ثواب سے محروم رکھتے ہو۔ آخر ایسا کیوں اختلاف ہے؟؟!!عمل خیر میں ایک گمان کی بنا پر آپ اسے چھوڑ دیتے ہیں جبکہ دنیاوی مال کو لوگوں کیلئے ترک نہیں کرتے ہو؟ آیا یہ نفس کی کاہلی اور سستی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟؟ دنیاوی مال میں تو جھگڑا کرتے ہو اور اسوقت اپنے پرائے سب بھول جاتے ہیں۔ لیکن اعمال صالحہ کے ثواب کے حصول میں نفس کی سستی!!

کتنی مرتبہ ملاحظہ کیا ہے کہ مال ومتاع کے مرحلہ میں کتنے دوستوں اور ہم نواؤں نے ایک دوسرے کو چھوڑا ہے۔ اور ان سے جفاکشی کا ثبوت دیا ہے۔ باپ بیٹے کو بھول جاتا ہے۔ نشہ دولت میں عرصہ دراز کی آپس کی دوستی اور اخوت کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ اب ان تمام مذکورہ مثالوں سے واضح ولائح ہو گیا کہ آپکا عمل خیر کو ترک کرنا لوگوں پر شفقت اور رحم کرنا نہیں ہے بلکہ یہ شیطانی حربوں اور چالوں میں سے ایک چال اور حربہ ہے۔ اور نفس کی سستی وکاہلی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ آپ ایک دنیاوی فائدہ کو لوگوں کیلئے چھوڑنے پر تیار نہیں ہو عمل آخرت کے ثواب واجر کو کیوں چھوڑتے ہو؟؟ جو کہ دنیاوی مال سے کہیں زیادہ نفیس اور قیمتی ہے۔ لہذا آپ جب کسی عمل خیر میں مشغول ہوں تو اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں لوگوں کی باتوں میں آ کر اور ان کے خوف سے اس عمل خیر کو ترک نہ کریں۔ کیونکہ عین ممکن ہے آپکے اس عمل خیر سے لوگ متاثر ہوتے ہوئے اس عمل خیر کو وہ بھی انجام دیں۔ اور ان کے اس عمل خیر کے انجام دینے سے آپکو بھی ثواب اور اجر ملے گا۔ کیونکہ روایات میں ملتا ہے کہ (من سنّ سنّةً حسنة كان له أجر من يعمل بها) کسی نیکی کی سنت اور ابتداء کرنے والے کو بھی اتنا ثواب ملتا ہے جتنا اس نیکی کے عمل کرنے والے کو ملتا ہے۔ آئمہ علیھم الصلاۃ والسلام سے اسی معنی میں مروی ہے کہ

(العاقل لا يفعل شيئاً من الخير رياءً او لا يتركه حياءً)

ترجمہ: عقل مند انسان کوئی بھی نیکی دکھاوے کیلئے نہیں کرتا اور کسی بھی نیکی کو (لوگوں سے) شرم وحیا میں آ کر نہیں چھوڑتا۔

اشکال:

یہاں شیطان ایک اور طریقہ سے لوگوں کو ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔اور اپنے مکر وفریب کا جال بچھاتا ہے جو کہ پہلے والے اشکال سے بھی کمزور اور تنگ نظری پر مشتمل ہے۔اور وہ اشکال کچھ یوں ہے

کہ انسان کو شیطان ورغلاتا ہے کہ اے انسان تیرے عمل خیر کرنے سے لوگ تیرے بارے میں اچھا گمان کرنے لگ جائیں گے کہ فلاں بڑا نیک و پارسا ہے اور تو لوگوں میں معروف ہو جائے گا۔ جب کہ خالق کائنات اس طرح نیکی کو پسند نہیں کرتا بلکہ روایات میں تو ملتا ہے کہ (احبُّ العباد الی اللّٰہ الاتقیاء الاخفیاء) (ترجمہ) مخفی طور پر عبادت کرنیوالے مجھے بہت زیادہ پسند ہیں۔لہذا شیطان لعین ان کمزور حیلوں کے ذریعہ سے انسان کو اس بات پر ورغلاتا ہے کہ اس عمل خیر کو چھوڑ دے تاکہ کہیں لوگوں میں "نیکوکار" مشہور نہ ہو جائے۔اور خداوند ذوالجلال اسے پسند نہیں فرماتا۔

جواب: اس قسم کے مکروفریب میں انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل ودماغ پر مکمل کنٹرول رکھے اور دل میں اس بات کو راسخ کرے کہ لوگوں کے ہاں میری شہرت اور عدم شہرت برابر ہے۔اور اس پر کوئی اثر انداز نہ ہو۔شہرت تو ویسے صلحاء کو مل ہی جاتی ہے کیونکہ خدا نے اس بات کا صلحاء سے وعدہ فرمایا ہے کہ (علیك ستره و علیّ اظهاره) اے بندہ تجھ پر نیک اعمال کو مخفی رکھنا ہے اور میں اسے نشر کروں گا۔لیکن انسان اس شہرت کے در پے نہ ہو۔ بلکہ دل میں شہرت وعدم شہرت کا درجہ مساوی و برابر رکھتا ہو۔لوگوں کی مدح و مذمت میں فکر مند ہی نہ ہو۔ کیونکہ اسمیں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ انسان کو ہر وقت قیامت کی ہولناکیاں اور آخرت پر متوجہ رہنا چاہیئے۔لوگوں کی مدح سرائی کے لالچ میں نہ فقط عمل ضائع ہو جاتا ہے بلکہ عذاب الٰہی کا مستحق ہی ٹھہرتا ہے۔رسول اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلّم سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ میں راہ خدا میں صدقہ دیتا ہوں صلہ رحمی بھی کرتا ہوں اور یہ سب کچھ خدا کیلئے کرتا ہوں لیکن ان اعمال حسنہ پر جب کوئی میری مدح وثناء کرتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور مجھے پسند لگتی ہے۔رسول خدا خاموش ہو گئے آپؐ نے کچھ بھی نہ فرمایا اتنے میں آیۃ قرآنیہ نازل ہوتی ہے۔

﴿قل أنّماانا بشر مثلكم يوحى اليَّ انماالهكم اله واحدفمن كان يرجوا لقاء ربّه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادةربّه أحداً﴾ سورۃ الکھف ١١٠۔

ترجمہ: اے حبیب کہہ دو! میں آپ کیطرح انسان ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے لہذا جو بھی اس خدا کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ عمل صالح کرئے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔

تحقیق انیق:

لوگ جب کسی شخص کی مدح وثناء کریں تو اس سے جو خوشی وفرحت ہوتی ہے اسکی دو قسمیں ہیں ا محمود ۲ مذموم۔

محمود:

وہ خوشی جو لوگوں کیطرف سے کی گئی مدح وثناء سے ہوتی ہے۔اور جسے خدا نے پسند کیا ہے اسکی تین اقسام ہیں۔

<u>الاوّل</u>:انسان خدا کی اطاعت وبندگی مخلصانہ کرے بلکہ اپنی عبادات اور اطاعت خداوندی کو مخفی رکھنے کے قصد سے بجا لائے لیکن جب لوگوں کو اس کی بندگی اور اطاعت خداوندی کی اطلاع وخبر ہو جائے تو اس بات کا یقین کرنا چاہیئے کہ خداوند ذوالجلال نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کو اسکی نیکیوں پر اطلاع کی ہے۔

اور خدا کیطرف سے انہیں خبر ہوئی ہے کیونکہ یہ صفات خداوندی میں سے ہے۔کہ وہ اپنے نیک بندوں کے اعمال حسنہ کو لوگوں میں ظاہر کرتا ہے اور انہیں انکی اطلاع دیتا ہے جیسا کہ بعض ادعیہ میں بھی وارد ہوا ہے

"**یامن اظهر الجمیل وستر القبیح**" ترجمہ:اے وہ خدا جو نیکی کو ظاہر کرتا ہے اور برائی پر پردہ ڈالتا ہے اور اسی طرح خالق کائنات اپنی وحی میں ارشاد فرماتا ہے کہ

(عملك الصالح علیك ستره و علیّ اظهاره)

ترجمہ:اے بندہ تجھ پر نیک عمل کا چھپانا ہے اور میں اسے (لوگوں میں) ظاہر کروں گا۔انسان اپنے اعمال حسنہ کو نہ صرف مخفی بجالائے بلکہ مخفی رہنے کے قصد سے بجالائے اب یہ خداوند ذوالجلال کا بندہ پر فضل واحسان ہوگا کہ وہ لوگوں میں اسے نیک مشہور کرے اور لوگوں کو اسکے حسنات پر مطلع فرمائے اس سے بڑھ کر خدا کے لطف وکرم پر اور کون سی دلیل ہوسکتی ہے کہ بندہ اطاعت خداوندی اور معصیت خداوندی ہر دو کو

چھپا کر کرتا ہے مگر خداوند ذوالجلال بندہ پر اپنی خصوصی کرم نوازی کرتے ہوئے اس کی برائیوں پر پردہ ڈالتے ہوئے بندہ کی نیکیوں کو مشہور کر دیتا ہے بندہ کیلئے خدا کا اس سے بڑھ کر اور کیا لطف ہوسکتا ہے۔کہ اس کی برائیوں کو چھپاتا ہے اور اچھائیوں کو لوگوں میں ظاہر کرتا ہے اللہ تبارک وتعالی کی مخلصانہ عبادت کرنے والے کو خدا کے لطف وکرم پر خوشی اور فرحت محسوس کرنی چاہیئے نہ یہ کہ لوگوں کی مدح سرائی سے اور انکے دلوں میں اسکی منزلت بڑھنے سے خوشی ہو۔اور اسی کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہوتا ہے کہ **(قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فلیفرحوا)** سورہ یونس ۵۸

ترجمہ:اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ یہ فضل ورحمت خدا کا نتیجہ ہے لہذا انہیں اسی پر خوش ہونا چاہیے۔

الثانی:

دنیا میں خدا کیطرف سے بندوں کی نیکیوں کو ظاہر کرنا اور برائیوں پر پردہ ڈالنے سے اس امر پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ خداوند ذوالجلال آخرت میں بھی اسی طرح لطف وکرم فرمائے گا۔ کیونکہ رسولؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ (ما ستر اللّٰہ علی عبدٍفی الدنیا الّاستر علیه فی الأخرة) ترجمہ: اللہ تبارک وتعالی دنیا میں بندہ کی پردہ پوشی نہیں کرتا مگر یہ کہ آخرت میں بھی اسکی پردہ پوشی کرتا ہے۔

الثالث:

تیسری وہ خوشی کہ جو اچھی ہے اور مذموم نہیں ہے جب بندہ کے اعمال حسنہ پر اطلاع رکھنے والے لوگ اسکی مدح کریں اور اسے انکی مدح سرائی کرنے پر اس لیئے خوشی ہو کہ لوگ اطاعت خداوندی کو پسند کرتے ہیں اور خدا سے محبت رکھتے ہیں اور اسی طرح خدا سے محبت کرنیوالے سے بھی محبت کرتے ہیں اور انکے دل بھی اطاعت خدا کی طرف مائل ہیں۔ اگر اسے لوگوں کیطرف سے مدح کرنے پر اس وجہ سے فرحت وخوشی ہو تو یہ بھی ممدوح خوشی ہے اس لیئے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خدا کی اطاعت کرنے والوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتے اور ان سے حسد کرتے ہیں اور انکا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور اطاعت کرنیوالوں کو بناوٹ کرنیوالوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

لہذا اگر لوگ اطاعت خداوندی کرنیوالوں کی حمد وثناء کریں تو صلحاء لوگوں کو اس پر اسوجہ سے خوشی ہوتی ہے کہ یہ لوگ ان لوگوں کی طرح نہیں جو نیک لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں اور نیکیوں کو ناپسند کریں بلکہ یہ لوگ خدا سے محبت کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں تو اس قسم کی فرحت وخوشی میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ حسن ہے۔

اور انسان میں اس قسم کی مدح وثناء کے وقت اخلاص کی علامت یہ ہے کہ لوگوں کی مدح سرائی اسکے اعمال حسنہ میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتی۔ اور اسکے اعمال میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوتا بلکہ اسکے ہاں دونوں حالتیں برابر ہیں چاہے لوگوں کو اسکے اعمال حسنہ کی اطلاع ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی انسان اپنے اندر لوگوں کی مدح سرائی سے تبدیلی محسوس کرئے تو اس وقت اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ ریا کاری کر رہا ہے لہذا ایسی صورت میں اسے اس بری مرض کا ازالہ کرنا چاہیے اسوقت اسے اپنے عقل ودین کو استعمال میں لانا چاہیے وگرنہ ہلاک ہو جائیگا۔ (أعاذنا الله و ايّاكم من الرّيا)۔

مذموم: لیکن اگر انسان کو لوگوں کیطرف سے اسکی مدح سرائی کرنے سے اس لیئے خوشی ہو کہ اب اس کا مقام لوگوں میں بڑھ گیا ہے لہذا انہیں اب اسکی عزت وعظمت کرنی چاہیئے اور اسکی مدح کرتے رہنا چاہیے اور یہ تصور کرئے کہ اب لوگوں پر

فرض ہے کہ اسکی حاجات کو پورا کریں

اور ہر وقت عزت و احترام سے پیش آئیں اس قسم کی خوشی حقیقت میں ریا کاری کی دوسری تصویر ہے اور اس سے انسان کے اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں اچھے اعمال برے اعمال میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور جہاں اسکے اعمال کا پلہ بھاری تھا اب وہ خسارے میں ہے۔ اور جنت الفردوس کے اعلی درجات سے نکل کر جہنم کے پست ترین مقام پر پہنچ گیا ہے

انسان کو جاننا چاہیے کہ ریا کاری کی جڑ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو بھلانا ہے اور اللہ تعالی کے وسیع خزانے میں تفکر نہ کرنے سے ریا کاری کی مرض لاحق ہوتی ہے خداوند ذوالجلال کی دنیا میں پائی جانیوالی نشانیوں میں غوروفکر نہ کرنے سے ریا کاری کا منحوس جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اوراسی طرح خدا کی نعمات اخرویہ کی جانب متوجہ نہ ہونے سے ریا کاری کی مرض ہوتی ہے لیکن ان تمام امور کی اصل اور جڑ دنیا اور شہوات کی اندھی محبت ہے اور شہوت کی اندھی محبت ہی ہر برائی کی جڑ ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ اگر عمل خدا کیلئے خالصتاً ہوتو وہ ہر قسم کی ریا کاری سے صاف ہوتا ہے اور وہ عمل فقط خدا کیلئے اور دار آخرت کیلئے ہوتا ہے لیکن لوگوں کے ہاں جاہ وجلال کی محبت اور انکے دلوں میں مقام ومنزلت کی رغبت اور نعمات دنیا کا حرص اور اس قسم کے دیگر امور انسان کے دل کو اندھا کر دیتے ہیں اور اسے آخرت میں فکر کرنے سے روکتے ہیں اور یہ انوار الہیہ سے منور ہونے میں مانع ہوتے ہیں۔

اشکال:

اگر کسی شخص کے نفس میں ریا کاری کیلئے کراہت ہو اور اس کراہت کی بنا پر ریا کاری سے دور بھاگتا ہو اور اس سے بغض رکھتا ہو۔ وہ اخلاص کیساتھ خدا ہی کیلئے اعمال بجالاتا ہو اور اس کے اعمال حسنہ پر لوگوں کا مطلع ہونا اسے کوئی متغیر نہ کر سکے بلکہ اس کا مرتبہ اخلاص اس درجہ پر ہو کہ لوگوں کا ہونا اور نہ ہونا اس کے ہاں برابر ہو۔ لوگ اس کے اعمال کی مقدار اور کیفیت میں تبدیلی نہ لا سکیں اور اس پر لوگوں کی تاثیر نہ ہو لیکن پھر بھی ان تمام امور کے باوجود وہ اس امر سے خالی نہ ہو کہ اس کی طبیعت غیر اختیاری طور پر ریاء کیطرف مائل ہو۔ اور اس سے محبت کرتا ہو اور ریا کاری سے اس کی طبیعت غیر اختیاری حالت میں خوش ہو لیکن عقلی طور پر وہ ریا کاری سے بغض کرتا ہو۔

تو آیا ایسا شخص ریا کار لوگوں کی فہرست میں ہوگا ؟؟

الجواب:

اللہ سبحانہ وتعالی نے بندہ کو اس کی طاقت اور برداشت کے مطابق تکلیف دی ہے خداوند ذوالجلال نے بندہ کو ایسے کسی امر

کی تکلیف نہیں دی جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور وہ اسکا متحمل نہ ہو۔ لہذا انسان اس امر پر طاقت نہیں رکھتا کہ وہ شیطانی وسوسہ کو بھی روک لے، اور نہ ہی طبیعت بشری کے تقاضوں کے قلع قمع کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تاکہ وہ اس تقاضائے طبیعت بشری کا قلع قمع کرتے ہوئے بالکل شھوات کی طرف مائل ہی نہ ہو، اور مقتضائے طبیعت بشری کا انسان کی طاقت وقدرت سے باہر ہونا یہ ایک غیر متنازع اور مسلم امر ہے، اسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تقاضائے بشریت سے عفو و معافی کی خدا کیطرف سے بشارت دی گئی ہے تاکہ رحمت الٰہیہ سے لوگوں کو ناامیدی نہ ہو۔ اور حرج ومرج لازم نہ آئے اور تاکہ لوگ بارگاہ خداوندی کے قریب ہو کر اسکی رحمت واسعہ کے ہمیشہ متمنی وطلب گار رہیں۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

(عفا اللّٰه لاُمّتی عمّا حدّثت به انفسها ما لم تنطق به او تعمل به)(ترجمہ) اللہ تعالی نے میری امت کو نفس کی رغبات سے معاف کیا ہے جب تک وہ ان رغبات پر عمل درآمد نہیں کرتے اسلیئے کہ اعضاء و جوارح کی حرکات وسکنات انسان کے قبضہ و اختیار میں ہیں جبکہ دلوں کے وسوسے اور اوھام اور خیالات پر انسان اختیار نہیں رکھتا۔ اور یہ ایک ایسا واضح اور اظھر من الشمس امر ہے جو ہر عقل مند انسان درک کرتا ہے۔ ہاں یہ ایک علیحدہ امر ہے کہ انسان کامل کو ان خیالات اور وسوسوں کا ان کے مخالف امور اور اضداد کیساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اور شھوات کا مقابلہ اس سے کراہت کرنے سے کیا جاتا ہے۔ اور معرفت علوم دینیہ اور عقل وخرد کی روشنی سے ان رذیل خیالات کا دفاع کیا جاتا ہے انسان کو اپنی عاقبت کا خیال کرنا چاہیئے۔ اگر انسان ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی گزارے تو آدائیگی تکلیف میں اس نے کوتاہی نہیں کی۔ کیونکہ وسوسے اور خیالات ریا شیطانی چال ہے۔ اور پھر ریا کی طرف مائل ہونا نفس آمارہ کی کارستانی ہے۔ جبکہ ریا کاری سے اجتناب اور نفرت کرنا ایمان کی علامت اور عقل وخرد کے ہونیکی دلیل ہے۔

<u>ریا کاری کا علاج</u>: یہ امر واضح اور روشن ہونا چاہیئے کہ اخلاص کی جڑ اور اساس انسان کی حالت کا خلوت وجلوت میں برابر ہونا ہے۔ مخلص انسان وہی ہوتا ہے جو دورخ نہیں رکھتا کہ تنہائی میں کچھ ہو اور لوگوں کے درمیان کسی اور چہرہ کیساتھ پیش آئے۔ بلکہ جو اسکی حالت خلوت میں ہوتی ہے وہی اسکی حالت جلوت میں ہوتی ہے جیسا کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ "اے انسان تجھ پر کھلم کھلا عمل کرنا ہے" جواب میں اس سے سوال کیا گیا کہ کھلم کھلا عمل کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو حکیم کہتا ہے کہ کھلم کھلا عمل سے مراد یہ ہے کہ اگر لوگوں کو آپ کے اعمال کی اطلاع ہو جائے تو آپ کو اس سے جھجک محسوس نہ ہو۔ اور حقیقت میں یہ کلام سید الحکماء مرشد الاوصیاء حضرت علی بن ابی طالب علیھما السلام سے حاصل

کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت امام الاتقیاء ووالد الائمة الامناء ومکمل الاولیاء امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیهما الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں. (ايّاك وما تعتذر منه فانه لا يعتذر من خير وايّاك و كلّ عمل فی السرّ تستحی منه فی العلانيه و ايّاك و كل عمل اذا ذكر لصاحبه انكره) ترجمہ: بچو ایسے کام سے جس سے بعد میں تمہیں معذرت کرنی پڑے کیونکہ اچھے کام کی بدولت معذرت نہیں کرنی پڑتی۔ اور اس مخفی اور پوشیدہ عمل سے بچو جس کے واضح ہونے پر آپ کو شرم محسوس ہو. اور اس عمل سے محفوظ رہو جسے اگر اس کے مرتکب سے ذکر کیا جائے تو وہ اس عمل بد سے انکار کردے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں (انّ اعلی منازل الايمان درجة واحدة من بلغ اليها فقد فاز وظفر وهو ان ينتهي بسريرته فی الصّلاح الی ان لا يبالی بها اذا ظهرت ولا يخاف عقابها اذا استترت) ترجمہ: ایمان کے اعلی منازل کا ایک ایسا درجہ ہے جس پر اگر کوئی پہنچ جائے تو وہ کامیاب وکامران ہے. وہ یہ ہے کہ اسے اس کے مخفی اعمال کے ظاہر ہونے پر کوئی خوف اور انکی کوئی پرواہ نہ ہو اور اسی طرح چھپے رہنے سے انکے عقاب سے بھی خائف نہ ہو۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عرض کیا گیا کہ مولاً نجات کس میں ہے؟ تو حضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ (أن لا يعمل العبد بطاعة الله يريد بها النّاس) ترجمہ: انسان خدا کی اطاعت لوگوں کیلئے نہ کرے۔ اسی طرح ریاکاری کی مذمت میں ایک اور مقام پر ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں (أنّ اللّه لا يقبل عملاً فيه مثقال ذرة من رياءٍ) ترجمہ: ذرہ برابر ریا والے عمل کو خداوند ذوالجلال قبول نہیں فرماتا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ریاکاری کی مذمت کرتے ہوئے راہ خدا میں قتل ہونے والے اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والے اور اسی طرح کتاب خدا قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ (كذبت بل أردت أن يقال فلان جواد ، كذبت بل أردت أن يقال فلان شجاع ، كذبت بل أردت أن يقال فلان قارىء) ترجمہ: تو اپنے دعوی سخاوت میں جھوٹ بولتا ہے کیونکہ تم نے راہ خدا میں مال اس لیئے خرچ کیا تھا تاکہ لوگ آپکو سخی کہیں۔ اور اے راہ خدا میں قتل ہونے والے تم اپنے اس دعوی میں جھوٹے ہو اصل میں تم نے شجاع مشہور ہونیکی شہرت میں جان دی تھی۔ اور اسی طرح تلاوت قرآن کرنے والے کو رسولؐ فرمائیں گے کہ تم جھوٹے ہو تم نے قرآن کی تلاوت اس لیئے کی تھی تاکہ لوگ آپ کو قاری قرآن کے لقب سے پکاریں۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں ایسے لوگ کبھی بھی ان اعمال پر ثواب حاصل نہیں کرسکیں گے۔ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں کہ (انّ اخوف ما اخاف عليكم الشّرك الأصغر) ترجمہ: مجھے آپ کے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر (چھوٹے شرک) کا ہے۔ لوگوں نے عرض کی! یا رسول اللہ چھوٹے شرک سے کیا مراد ہے؟ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا کہ (الرّیاء یقول الله یوم القیامة اذا جازی العباد بأعمالهم :اذهبو ا الی الّذین کنتم تراؤون فی الدنیا هل تجدون عندهم ثواب اعمالکم؟)ترجمہ: ریا کاری چھوٹا شرک ہے خالق کائنات قیامت کے دن جب بندوں کوان کے اعمال کی جزاء دے گا تو ریا کارلوگوں سے کہے گا کہ جاؤ ان لوگوں سے اپنے اعمال کی جزاءلوجن کے دکھاوے کے لیےتم اعمال بجالاتے تھے کیا آج آپ ان لوگوں کے پاس اپنے اعمال کا ثواب پاؤ گے؟ حدیث میں ہے کہ (یئومر برجال الی النار فیوحی الله سبحانه الی ملك خازن النار ، یا مالك قل للنار لا تحرق لهم اقداما فقد کانوا یمشون بها الی المساجد ، و قل للنار لا تحرق لهم وجوها فقد کانوا یسبغون الوضوء، و قل للنار لا تحرق بهم أیدیا فقد کانوا یرفعونها الی بالدعاء ، وقل للنار لاتحرق لهم السنة فقد کانوا یکثرون تلاوة القرآن ،فیقول لهم مالك : یا اشقیاء ما کانت اعمالکم فی ا لدنیا؟ فیقولون کنا نعمل لغیر الله فیقول لهم خذوا بثوابکم ممن عملتم له)جب ریا کاری کرنے والوں کوجہنم کی طرف جانے کاحکم دیا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالی جہنم کے نگران فرشتہ (مالک) کو کہے گا اے مالک جہنم کی آگ کو کہو کہ ان کے قدموں کو نہ جلائے کیونکہ یہ لوگ ان سے چل کر مسجد میں جایا کرتے تھے اور آگ کو کہو کہ ان کے چہروں کو بھی نہ جلائے کیونکہ ان پہ وہ وضو کا پانی ڈالا کرتے تھے اور آگ ان کے ہاتھوں کو بھی نہ جلائے کیونکہ وہ انہیں میری بارگاہ میں دعا کے لیے اٹھاتے

تھے اور جہنم کی آگ کو کہو کہ ان کی زبان کو بھی نہ جلائے کیونکہ وہ اس سے تلاوت قرآن کرتے تھے، پھر مالک (تعجب میں آکر) ان لوگوں سے کہے گا کہ اے بدبختو تمہارے دنیا میں کیا اعمال تھے؟ تو وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم غیر اللہ کے لیے عمل کرتے تھے، مالک فرشتہ انہیں کہے گا کہ جاؤ جن کے لیے دنیا میں اعمال بجالایا کرتے تھے ان سے ثواب لو۔

ریا کاری خدا کی ناپسندیدگی کی موجب ہے اور دنیا وآخرت میں ذلت و رسوائی کا سبب ہوتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن ریا کار شخص کوسب کے سامنے یوں پکارا جائے گا کہ اے فاجر، اے دھوکہ باز، اے ریا کاری کرنے والا شخص کیا تجھے اس وقت شرم نہ آئی جب تو اطاعت خداوندی سے دنیا کوخرید کر رہا تھا اور لوگوں کے دلوں کو خریدنے کی کوشش میں تھا اور آخرت کے سلطان کی سلطنت کو حقیر جانتا تھا اور بغض خدا سے لوگوں کی محبت کا سودا کر رہا تھا اور عبادت خداندی سے لوگوں کے سامنے مزین ہوا کرتا تھا، خدا کی دوری سے لوگوں کا قرب حاصل کرتا تھا، غضب الٰہی سے لوگوں کی رضا کا خریدار تھا''۔

اگر انسان اس ذلت و رسوائی کے بارے میں غور وفکر کرے اور لوگوں کی جانب سے جو کچھ اسے ملے گا اس کے اور خدا کی طرف سے ملنے والے ثواب جو کہ اب ریا کاری کی وجہ سے ضائع کر بیٹھا ہے اگر ان دونوں کے درمیان موازنہ کرے اور غور وفکر کرے کہ ریا کاری سے اعمال حسنہ برے اعمال میں تبدیل ہو گئے ہیں تو ریا کاری کی مذمت کے لیے

یہی کافی ہے کہ ثواب الٰہی، عقاب خداوندی میں تبدیل ہو چکا ہے، یہ تمام امور ریا کاری کے ضرر کو سمجھنے کے لیے کافی و وافی ہیں اور یہ امور انسان کو ریا کاری کی مرض سے بچنے کے لیے وادار کرتے ہیں کیونکہ انسان ان اعمال حسنہ کے ذریعے جنت الفردوس کا اعلیٰ رتبہ جو کہ صدیقین کا رتبہ ہے حاصل کرسکتا ہے لیکن اب ریا کاری کرنے سے جہنم کے آخری درجے کا مستحق ٹھہرے گا۔

یہ کیسی ذلت وتباہی ہے پھر بروز محشر پوری مخلوق خدا کے سامنے رسوائی حاصل ہوگی اور فقط یہی کچھ بھی نہیں بلکہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کی ٹوہ میں رہنے سے ہر وقت دکھ اور غم کا شکار رہتا ہے کیونکہ لوگوں کو راضی رکھنا ایک ایسی غایت ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، اگر کوئی ایک فریق راضی ہوتا ہے تو لوگوں کا دوسرا فریق ناراض ہو جاتا ہے اور بسا اوقات لوگوں کے ایک فریق کی رضا مندی دوسرے کی ناراضگی خریدنے سے حاصل ہوتی ہے، لہذا جو شخص خدا کی ناراضگی سے لوگوں کی رضا کو حاصل کرنا چاہے خالق کائنات اس شخص پر ناراض ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دیتا ہے۔(۱)

اور پھر کیا یہ کوئی عقل مندی ہے کہ لوگوں سے اپنی مدح وثناء کروانے کے چکر میں انسان مذمت الٰہی کا مستحق ہو جائے؟ لوگوں کی حمد وثناء نہ اس کے رزق میں اضافہ کرسکتی ہے اور نہ ہی اس کی زندگی بڑھا سکتی ہے، یہ جھوٹی مدح انسان کو اس دن کوئی فائدہ نہ دے گی جس دن ہر کوئی (اعمال حسنہ کا) محتاج ہوگا، جس دن کو روز محشر سے یاد کیا جاتا ہے، انسان کو لوگوں کے ہاں موجود کسی چیز کی طمع ولالچ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ رزق دینے والا فقط خالق کائنات ہے اور اس کی عطاء سب سے بہترین عطاء ہے، جو مخلوق خدا میں لالچ کرے اور ان کے پاس پائی جانے والی کسی چیز کی طمع کرے تو اگر وہ اسے پا بھی لے تو اس میں رسوائی وذلت اور نفس کی اہانت ہے یہ کون سی عقل مندی ہے کہ انسان اوہام پرستی کی بنا پر خدا کے خزانوں کو چھوڑ کر جھوٹی امیدوں کے پیچھے لگ جائے؟ اور یہ امیدیں اگر پوری بھی ہو جائیں تو اس کی لذت اس ذلت ورسوائی کو دور نہیں کرسکتی جو انسان کو خدا کے خزانوں کو چھوڑ کر لوگوں سے امید لگانے میں حاصل ہوئی ہے عقل مند انسان کو ان امور میں غور وفکر کرنا چاہیے اور ان اسباب رزق کے ضرر ونقصان کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اگر انسان ان اسباب رزق

---

(۱) تو گویا وہ اس شعر کا حقیقی مصداق بن جاتا ہے کہ

نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا رہا　　　نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

اور دنیا میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔

کی بازگشت اور ان سے حاصل ہونے والے نقصانات پر غور و فکر کرے تو کبھی بھی ان میں رغبت نہ کرے اور خلوص دل کے ساتھ خالق کی بارگاہ میں حاضر ہو، کیونکہ عقل مند کبھی بھی نقصان دہ چیزوں میں رغبت نہیں کرتا، ریا کار شخص کی تنبیہ کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر لوگ اس کے باطن میں پائی جانے والی ریا کاری اور ظاہری اخلاص کو جان لیں تو وہ اس سے نفرت کرنے لگ جائیں اور اللہ تعالی بھی عنقریب اس کے اس راز کو فاش کرے گا تا کہ لوگ اس سے نفرت کریں، اور خالق کائنات لوگوں پر واضح کر دے گا کہ یہ ریا کار ہے اور میری بارگاہ میں ناپسندیدہ ہے لیکن اس کے برعکس اگر انسان میں اخلاص ہو تو خدا لوگوں پر اس کے اخلاص حقیقی کو روشن کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے لیے مسخر کر دیتا ہے، لوگوں کے دلوں میں مخلص شخص کے لیے محبت ڈال دیتا ہے اور خدا لوگوں کی زبان پر اس کی حمد و ثناء جاری کرواتا ہے۔

واقعہ

ایک روایت میں ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی اس قدر عبادت کروں گا تا کہ یاد کیا جاؤں تو یہ شخص ایک مدت مدید تک عبادت خدا میں مشغول رہا لیکن اس ریا کار عابد کے پاس سے کوئی شخص بھی نہیں گزرتا مگر یہ کہتا ہوا گزر جاتا کہ یہ ریاکاری اور بناوٹ کی عبادت کر رہا ہے تو یہ شخص پریشان ہو کر اپنے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی پوری عمر ایک بے سود اور گھٹیا ہدف میں ضائع کر دی ہے لہذا اب مجھے خدا کے لیے عمل کرنا چاہیے تو اب اپنی نیت کو خالص کرتا ہے اور خدا کے لیے مخلص ہو کر اعمال بجا لاتا ہے تو اب اس کے ہاں سے جو شخص بھی گزرتا تھا اسے متقی اور پرہیزگار کہتا ہوا گزرتا تھا۔

اسی امر کی طرف خدا کا فرمان اشارہ کرتا ہے کہ (**علیك ستره و علی اظهاره**) اے بندہ تجھ پر اعمال خیر کو چھپانا ہے اور میں انہیں (لوگوں میں) ظاہر کروں گا اور حضرات آئمہ اطہار علیہم السلام کی کلام سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے (**ان الله یقسم الثناء کما یقسم الرزق**) رزق کی طرح مدح و ثناء بھی خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

اور یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے کہ لوگوں کی مدح و ثناء سے انسان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا خالق کے ہاں یہ ایک مذموم امر ہے اور اسی طرح اگر لوگ مذمت کرتے ہیں تو بھی یہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی، اگر لوگ کسی انسان کے مخلص اور متقی ہونے کی وجہ سے مذمت کریں تو خدا کے ہاں اس شخص کی حقیقت میں مدح ہے اور خدا اسے اپنے مقرب لوگوں میں قرار دیتا ہے لوگوں کی مذمت اور مکاریاں اسے کیسے نقصان پہنچا سکتی ہیں جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (**من آثر محامد الله علی محامد الناس کفاه الله موئونة الناس**) جو شخص (اپنے لیے) خدا کی مدح و ثناء کو لوگوں سے حاصل ہونے والی مدح و ثناء پر فوقیت دے تو خدا

اسے لوگوں کی طرف سے مشکلات میں کافی ہوتا ہے۔

ختمی مرتبت ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں (من اصلح امر اخرته اصلح الله امر دنیاه و من اصلح ما بینه و بین الله اصلح الله ما بینه و بین الناس) جو شخص اپنی آخرت کو سنوارتا ہے خدا اس کی دنیا کو سنوارتا ہے اور جو شخص خدا اور اپنے درمیان معاملہ صاف رکھتا ہے خدا اس کے اور لوگوں کے درمیان مسائل کو سلجھاتا اور ان کی اصلاح کرتا ہے، اور ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن وہ اعمال حسنہ کی طرف بہت زیادہ محتاج ہوگا کیونکہ قیامت کے دن کے بارے میں قرآن مجید میں ملتا ہے کہ (یوم لا ینفع فیه مال و لا بنون الا من اتی الله بقلب سلیم) (قیامت کے) دن نہ مال نفع دیگا اور نہ اولاد مگر یہ کہ قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضری دو۔ ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے (لا یجزی والد عن ولده) جس دن نہ باپ بیٹے کے کام آئیگا۔ اس دن خدا کے مقرب ترین لوگ بھی اپنے آپ میں مشغول اور پریشان ہوں گے نفسا نفسی کا عالم ہوگا چہ جائے کہ کوئی اس دن کسی غیر کی خبر لے اس دن سوائے عمل خالص کے کوئی فائدہ نہیں دیگا، جیسا کہ دور کا سفر کرنے والے مسافر کو سفر کی مشکلات سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے ساتھ مال و زر کی ضرورت ہوتی ہے جب محتاج ہو تو وہ سفر میں ان سے فائدہ اٹھاتا ہے قیامت کے دن سے زیادہ اور

کوئی حاجت اور فقر و فاقہ والا دن نہیں ہوسکتا اور خدا کے لیے خالص عمل کرنے سے زیادہ اور کوئی نفع والا عمل نہیں ہوسکتا سب سے قیمتی جوہر عمل خالص ہے اور اٹھانے میں بھی بہت ہلکا ہے، بلکہ عمل خالص انسان کو اٹھائے ہوئے ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوا ہے (و ینجی الله الذین اتقوا بمفازتهم) خدا صاحبان تقوی کو ان کی کامیابی کے سبب نجات دے دے گا، سورۃ زمر آیت ۶۱۔

اس مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے کہ قیامت کی شدت کے وقت اعمال حسنہ انسان کو کہتے ہیں کہ آؤ مجھ پر سوار ہو جاؤ، دنیا میں تم نے مجھے اٹھائے رکھا اور آج میں آپ کا بوجھ اٹھاتا ہوں تو انسان ان پر سوار ہو جائے گا اور اعمال حسنہ کی بدولت قیامت کے دن کی سختیوں کا مقابلہ کرے گا،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے (ان العمل الصالح لیمهد لصاحبه فی الجنة کما یرسل الرجل غلامه بفراشه فیفرش له) (دنیا میں) نیک اعمال کرنے والے شخص کے لیے (آخرت میں) اعمال حسنہ اس طرح ان کے آنے سے پہلے راستہ ہموار کرتے ہیں جیسے کوئی آقا اپنے غلام کو کہیں اپنے جانے سے پہلے بھجوا کر بستر وغیرہ بچھوا کر انتظام کرواتا ہے،

پھر اس قول مبارک کے بعد امامؑ قرآن مجید کی اس آیہ کی تلاوت فرماتے ہیں (و من عمل صالحا فلانفسهم يمهدون) سورۃ روم آیت ۴۴۔ جو لوگ نیک عمل کر رہے ہیں وہ اپنے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں،

جس شخص کے دل میں قیامت کے دن کی ہولنا کیوں کا خوف ہو اور خدا کے ہاں اعلی منازل آخرت کا یقین ہو تو اس کے سامنے دنیاوی امور جو کہ چند روزہ

ہیں پست اور ہیچ نظر آتے ہیں چونکہ ان میں گندگی اور بد مزگی ہے دکھوں اور مصیبتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آخرت کی عظمت کے صحیح عقیدہ سے انسان قلبی طور پر صرف خدا ہی کی طرف مائل ہوتا ہے اور ریاکاری کی ذلت و رسوائی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے، اس اخلاص کی بدولت اس کا دل انوار الٰہیہ کا مرکز بن جاتا ہے، انوار الٰہیہ سے اس کا دل روشن و منور ہو کر نکھرتا ہے، اس کی زبان پر بھی نور خدا کا اثر ہوتا ہے، اللہ تعالی اس کے دل میں اپنے لیے انس و محبت میں اضافہ کر کے مخلوق خدا سے بالکل نا امید اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، حقارت دنیا اور عظمت آخرت کا احساس اجاگر ہوتا ہے، لوگوں پر بھروسہ اس کے دل سے اٹھ جاتا ہے جس سے ریاکاری کا ایک مہم عنصر ختم ہو جاتا ہے، تنہائی اور خلوت کو پسند کرنے لگ جاتا ہے اور پھر لگاتار اس پر رحمت الٰہی کی بارش رہتی ہے اس کی زبان سے حکمت کے موتی بکھرتے ہیں، رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ (من اخلص لله اربعين يوما فجر الله ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه) جو شخص چالیس دن خدا کے لیے مخلص ہو جائے تو خداوند ذوالجلال حکمت کے چشمے اس کے دل سے زبان پر جاری کر دیتا ہے۔

راوی عبید بن زرارہ حضرت صادق آل محمد علیہم السلام سے نقل کرتا ہے (ما من مومن الا وقد جعل الله له من ايمانه انسا يسكن اليه حتى لو كان على قلة جبل لم يستوحش) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مومن کے لیے اس کے ایمان کو جائے سکون قرار دیا ہے تو پھر اگر وہ پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر ہی کیوں نہ ہو تو وہ اپنے آپ میں وحشت و تنہائی محسوس نہیں کرتا، اسی طرح ایک اور مقام پر امام جعفر صادق علیہ اسلام سے مروی ہے (خالط الناس تخبرهم و متى تخبرهم تقلهم) لوگوں سے اختلاط اور میل جول کرو تا کہ انہیں آزمالو اور پھر انہیں آزمانے کے بعد ان کو چھوڑ دو گے اور ان سے بیزار ہو جاؤ گے۔

اسی طرح کا فرمان حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ملتا ہے (الوحشة من الناس على قدر الفطنة بهم) لوگوں سے وحشت و تنہائی اتنی ہی ہوگی جتنا انہیں سمجھ لیا جائے گا۔

کعب الاحبار روایت کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بعض انبیاء کی طرف وحی میں ارشاد فرمایا کہ ”اگر تم اس بات کو پسند

کرتے ہو کہ کل جنت الفردوس میں میری ملاقات کرو تو پھر دنیا میں تنہائی کے ساتھ صرف مجھ سے لو لگا کے زندگی بسر کرو اور اس طرح دکھ و غم اور تنہائی سے رہو جیسے کوئی تنہا پرندہ ایک ایسی زمین کی طرف اڑے جہاں نہ گھاس ہو اور نہ پانی کے آثار ہوں، درختوں کے پتے کھا کر یہ تنہا پرندہ گزارا کرے اور جب رات ہو جائے تو اپنے گھونسلے میں آ کر پناہ لے اس تنہائی میں یہ پرندہ سب سے خلوت اختیار کر کے ان سے وحشت کیے ہوئے ہے لیکن میرے ساتھ مانوس ہو کر زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

حضرت سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے منقول ہے (**من اصعد الی الله خالص عبادته اهبط الله عز و جل الیه افضل مصلحته**) جو شخص خالص عبادت سے عرش علیٰ کی طرف ترقی کی منازل طے کرنا چاہتا ہے تو خدا اپنی بارگاہ سے اس کے لیے بہترین مصالح اور اس کے مفادات کو نازل فرماتا ہے۔

حضرت امام باقر العلوم ارشاد فرماتے ہیں (**لا یکون العبد عابداً لله حق عبادته حتی ینقطع عن الخلق کلهم الیه فحیئذ یقول هذا خالص لی فیقبله بکرمه**) انسان اس وقت تک حق عبودیت ادا نہیں کر سکتا جب تک پوری مخلوق خدا سے منہ موڑ کر اپنے خالق سے لو نہ لگا لے، اس وقت خالق اسے کہتا ہے کہ یہ عابد شخص میرے لیے مخلص ہے پھر خدا بھی اپنے رحم و کرم سے اس کی عبادت کو قبول کرتا ہے۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں کہ بندے پر خدا کی اس سے بڑھ کر اور کوئی جلیل القدر نعمت نہیں ہو سکتی کہ بندہ کے دل میں فقط خدا کی محبت ہو اس کے غیر کی نہ ہو۔

ہشام بن الحکم کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (**یا هشام : الصبر علی الوحدة علامة قوة العقل فمن عقل عن الله اعتزل من اهل الدنیا و الراغبین فیها و رغب فیما عند الله و کان الله انیسه فی الوحشة و صاحبه فی الوحدة و غناه فی العیلة و معزه من غیر عشیرة ، یا هشام : قلیل العمل مع العلم مقبول مضاعف و کثیر العمل من اهل الجهل مردود**) اے ہشام: تنہائی پہ صبر کرنا قوت عقل کی علامت ہے جو خدا کے معاملہ میں عقل مند ہوتا ہے پھر وہ تمام مخلوق خدا اور دنیا میں رغبت کرنے والوں سے دور ہو جاتا ہے وہ خدا کے ہاں پائے جانے والے خزانوں میں رغبت کرتا ہے اور تنہائی میں اس کا مونس خدا ہوتا ہے اور اس کا ساتھ خدا ہوتا ہے محتاجی اور فقر و فاقہ میں خدا اسے کافی ہوتا ہے اور خدا اسے خاندان کے بغیر عزت و اکرام دیتا ہے، اے ہشام: علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی حقیقت میں بہت زیادہ اور (خدا کے ہاں) مقبول ہوتا ہے جبکہ کثرت عمل جہالت کے ساتھ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتا ہے۔

حضرت امام جواد محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں (افضل العبادة الاخلاص) سب سے بہترین عبادت اخلاص پیدا کرنا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے (لو سلك الناس وادیا وسیعا لسلکت وادی رجل عبد الله وحده خالصا) اگر لوگ ایک وسیع وعریض وادی کی طرف چلے تو میں اس شخص کی وادی اور اس کے مقام کی طرف جاؤں گا جہاں وہ اخلاص کے ساتھ تنہائی میں خدا کی عبادت کر رہا ہو۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرمان ہے کہ (لو جعلت الدنیا کلها لقمة واحدة لقمتها من یعبد الله خالصا لرایت انی مقصر فی حقه ولو منعت الکافر منها حتی یموت جوعا و عطشا ثم اذقته شربة من الماء لرایت انی قد اسرفت) اگر پوری دنیا ایک لقمہ ہو اور میں اسے اس شخص کو کھلا دوں جس نے اللہ کی مخلص ہو کر عبادت کی ہو لیکن پھر بھی اس کے باوجود اس مخلص عابد کی خدمت کرنے سے اپنے آپ کو کوتاہ سمجھوں گا، اور اگر اس کے برعکس کسی کافر کو اس میں سے کچھ بھی نہ دوں یہاں تک کہ بھوکا پیاسا مرنے لگ جائے اور پھر اسے ایک گھونٹ پانی کا پلا دوں تو اس وقت میں اپنے آپ کو فضول خرچی کرنے والوں میں شمار کروں گا۔

مذکورہ بالا وہ علمی ادویہ ہیں جن سے ریاکاری کا نجس درخت جڑوں سے اکھاڑا جا سکتا ہے۔

ریاکاری کے خاتمہ کے لیے عملی دوا: خاتمہ ریاکاری کا علمی دوا ذکر کرنے کے بعد اب اس منحوس مرض کے خاتمہ کے لیے چند عملی دوا ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) انسان اپنے آپ کو اس امر کا عادی بنائے کہ عبادات کو مخفی رکھے۔

(۲) انسان جس طرح لوگوں سے چھپ کر فواحش اور برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے
اسی طرح عبادات کو بھی چھپا کر کرے اور کسی کو دکھا کر نہ کرے۔

(۳) اپنی عبادات کا اپنے خالق و مالک خدا کے علم اور اطلاع پر اکتفاء کرے اور اپنی عبادات پر لوگوں کے مطلع ہونے کی ہوس میں نہ رہے۔

(۴) غیر اللہ سے اپنی عبادات کے جاننے کی طلب نہ کرے۔

حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کو فرماتے ہیں (اذا صام احدکم صوما فلیدهن رأسه و لحیته و یمسح شفتیه بالزیت لئلا یری الناس انه صائم و اذا اعطی بیمینه فلیخف عن شماله و اذا صلی فلیرخ ستر بابه فان الله یقسم الثناء کما یقسم الرزق) آپ میں سے جب کوئی روزہ دار ہو تو اپنے سر اور داڑھی اور ہونٹوں کو تیل وغیرہ

سے تر کرے تا کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ روزہ دار ہے، اور اگر دائیں ہاتھ سے نیکی کرے تو بائیں کو پتہ بھی نہ ہو، چھپ کر دروازہ بند کر کے نماز ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دیگر ارزاق کی طرح مدح وثناء (کے رزق) کو بھی تقسیم کرتا ہے، اور مدح وثناء اسی کے قبضہ وقدرت میں ہے کہ لوگوں سے کسی کی مدح کروائے یا مذمت کروائے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (**ان فی ظل العرش ثلاثة يظلهم الله بظله يوم لا ظل الا ظله : رجلان تحابا فی الله وافترقا عليه و رجل تصدق بيمينه صدقة فاخفاها عن شماله و رجل دعته امرأة ذات جمال فقال انی اخاف الله رب العالمين**) ترجمہ:۔ اس دن کہ جب ہر کوئی نفسا نفسی کے عالم میں ہوگا اور خدا تعالیٰ کی رحمت کے سائے کے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس وقت تین قسم کے لوگوں پہ رحمت خدا کا سایہ ہوگا پہلا وہ شخص ہے جس نے خدا کو اپنی دوستی و دشمنی کا معیار قرار دیا۔ خدا کیلئے کسی کو دوست رکھتا ہے اور خدا کے لیے کسی سے دشمنی کرتا ہے۔، اور دوسرا وہ مخلص کہ جو دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو اس کے بائیں ہاتھ کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور تیسرا وہ شخص کہ جسے ایک خوبصورت فاحشہ عورت بدکاری کی دعوت دے مگر وہ خوف خدا کی بدولت اسے ٹھکرا دے۔

ایک راوی کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے خود سنا ہے کہ امام فرماتے ہیں۔"**حدثنی ابی عن آبائه عليهم السلام ان امير المؤمنين قال لكميل بن زياد النخعی تبذل ولا تشهر ووارشخصك ولا تذكر و تعلم واعمل واسكت تسلم تسر الابرار وتغيظ الفجار ولاعليك اذا عرفك الله دينه ان لا تعرف الناس ولا يعرفونك**" یعنی:۔ میں نے اپنے آباء واجداد سے سنا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے جناب کمیل بن زیاد نخعی کو ارشاد فرمایا کہ اے کمیل خرچ کرو مگر شہرت نہ کرنا، اپنے آپ کو چھپانا، اور پھر (نیکی کر کے) اسے یاد نہ کرو، پہلے علم ہو پھر عمل کرو، خاموشی میں ہی سلامتی ہے، نیک لوگوں کو سرور پہنچاؤ، اور برے لوگوں کے بارے میں غیظ وغضبناک ہو، معرفت دین کی نعمت حاصل ہونے کے بعد اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ کوئی آپ کو جانتا ہے یا نہیں۔

تذنیب: (تتمہ) اگر انسان اپنے کسی عمل کو لوگوں سے چھپا کر انجام دیتا ہے اور مخفی رکھتا ہے اور خدا کے لیے مخلص ہو کر سر انجام دیتا ہے تو اسے چاہیے کہ عمل خیر کے بعد بھی اس کا ان الفاظ کے ساتھ اعلان نہ کرتا پھرے کہ "میں نے یہ عمل مخلص ہو کر انجام دیا ہے، اور یہ میرے حسنات کے ترازو میں اور زیادہ وزن پیدا کرے گا" کیونکہ حقیقت میں یہ اعلان بذات خود اشتہار لگانے کے مترادف ہے، اور اس سے اعمال حسنہ کے چھپانے کا عزم کمزور ہو جاتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ اعمال حسنہ کو بجالانے کے بعد ان کی شہرت اور اعلان کرنا اس طرح ہے جیسے اعمال حسنہ کے وقت ان کی شہرت کرنا ہے ۔لہٰذا انسان کو اپنی پوری محنت پر پانی نہیں پھیرنا چاہیے بلکہ جس طرح ان اعمال کو بجالاتے وقت چھپائے رکھتا ہے اسی

طرح ان کو بجالانے کے بعد بھی چھپائے رکھے۔ کیونکہ اعمال مخفی رکھنے کی علنی اور ظاہری اعمال سے زیادہ فضیلت ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب ظاہری اور جہری اعمال حسنہ میں اخلاص ہوتب کوئی ثواب ہے لیکن پھر بھی مخفی سے کم ہے۔ اور اگر جہری اعمال میں بالکل اخلاص ہی نہ ہوتو ثواب کے بجائے عقاب اور عذاب کا مستحق ہوگا اور اس امر کی طرف آئمہ علیہم السلام کا کلام حق ترجمان اشارہ فرماتا ہے کہ "ان فضل عمل السر علی عمل الجهر سبعون ضعفا" یعنی:۔ مخفی عمل کو علنی وظاہری عمل پہ ستر درجہ فضیلت ہے" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں " من عمل حسنة سراً کتبت له سراً فاذا اقر بها محیت و کتبت جهراً فاذا اقر بها ثانیا محیت و کتبت ریاء" یعنی:۔ جو شخص چھپ کر کوئی اچھائی کرتا ہے تو اس کی یہ اچھائی اعمال مخفی کی فہرست میں لکھی جاتی ہے (اور جس کا ثواب بہت زیادہ ہے) اور اگر اس کے بعد وہ انسان اسے ظاہر کرتا ہے تو پھر اسے مخفی اعمال کی فہرست سے مٹا کر ظاہری اعمال حسنہ کی فہرست میں لکھا جاتا ہے (جس کا ثواب پہلے سے کم ہوتا ہے) لیکن اگر اس کے بعد وہ دوسری مرتبہ اس نیک عمل کو ظاہر کرتا ہے تو اسے حسنات کی فہرست سے مٹا کر ریا کاری کے عمل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور ریا کاری سے بڑھ کر اور کوئی قبیح کلمہ نہیں ہے جو اس کی تفسیر کرے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی مصیبتیں اور نقصانات ریا کاری سے زیادہ خطرناک ہوں۔ کاش کہ ریا کاری کرتے وقت زبان گنگ ہوجائے اور سکوت اس وقت انسان کی حفاظت کرے۔

اعمال ظاہر کرنے کی اجازت:۔ شریعت میں ریا کاری کی تو کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے لیکن اخلاص کے ساتھ کیے جانے والے اعمال کی کبھی اجازت دی جاتی ہے اور وہ فقط اس وقت ہے جب انسان اپنے دوسرے مؤمن بھائی کو کسی نیک عمل کرنے پر اکسانا چاہے اور اسے رغبت دلانے کا قصد وارادہ ہو تو اس وقت اپنے نیک عمل کو اس مؤمن بھائی کے سامنے ظاہر کرسکتا ہے (۱)

---

(۱) یہ یادرہنا چاہیے کہ ریا کاری کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ بلکہ اخلاص کے ساتھ بجالائے ہوئے عمل کو کسی دوسرے مومن کو ترغیب دینے کی غرض سے مخفی رکھنے کی بجائے ظاہر کیا جائے اسکی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اور اس کا ریا کاری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ریا کاری یعنی غیر اللہ کیلئے کیا جانے والا عمل اور خدا کیلئے مخلص ہوکر عمل کرنا لیکن کسی کو ترغیب دینے کیلئے ظاہر کرنا ان دو کے درمیان بڑا فرق ہے۔) (فتامل)

الثانی العجب:۔ یہ مہلک امراض میں سے ایک خطرناک مرض ہے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ثلاث مھلکات ،شح مطاع، و ھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ وھو محبط للعمل وھو داعیة المقت من اللہ سبحانہ" یعنی:۔تین مہلک امراض ہیں بخل پن،خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا، اور خود پسندی اور یہ ایک ایسی مرض ہے جس سے خالق کائنات کی ناراضگی کے علاوہ گذشتہ تمام اعمال بھی ضائع ہوجاتے ہیں۔

حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ "لولا ان الذنب للمؤمن خیر من العجب ما خلی اللہ بین عبدہ المؤمن وبین ذنب ابدا" یعنی:۔اگر مؤمن کے لیے گناہ نیکی پر اترانے اور خود پسندی سے بہتر نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کبھی اپنے مؤمن بندے کو گناہ کا مرتکب نہ ہونے دیتا۔

اور اسی طرح حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "سیئۃ تسوؤک خیر من حسنۃ تعجبک" یعنی:۔وہ گناہ جس کا تمھیں رنج ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نیکی سے بہتر ہے جس سے تم میں غرور پیدا ہوجائے۔(۱)

حاشیہ:(اگر چہ گناہ میں کوئی خوبی اور بہتری نہیں ہے لیکن اگر کبھی گناہ کے بعد انسان کا نفس نادم ہوکر ملامت کرنے لگ جائے اور وہ توبہ پر آمادہ ہوجائے تو ظاہر ہے ایسا گناہ اس کار خیر سے بہتر ہے جس کے بعد غرور اور خود پسندی پیدا ہو جائے۔)

ایک اور مقام پر سید الموحدین امام المتقین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "لاحسب اعظم من التواضع ولاوحدة اوحش من العجب" یعنی:۔تواضع سے بہتر کوئی حسب نہیں ہے اور خود پسندی سے زیادہ وحشت ناک کوئی تنہائی نہیں ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خالق کائنات نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ "اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ داود علیہ السلام یا داود بشر المذنبین و انذر الصدیقین قال کیف ابشر المذنبین و انذر الصدیقین؟قال : یا داود بشر المذنبین بانی اقبل التوبة و اعفو عن الذنب وانذر الصدیقین ان لا یعجبوا باعمالھم فانہ لیس عبد یستعجب بالحسنات الا ھلک یعنی:۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے داؤد گنہگاروں کو بشارت دو اور نیک بندوں کو ڈراؤ۔حضرت داؤد علیہ السلام نے تعجب سے بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ یاالٰہی کیسے نیک لوگوں کو ڈراؤں اور گنہگار لوگوں کو بشارت دوں؟تو پروردگار نے جواب میں فرمایا کہ اے داؤد برے لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دو کہ میں ان کی توبہ کو قبول فرماؤں گا اور ان کے گناہوں کو بخش

دوں گا (اگر وہ خلوص دل سے توبہ کریں) اور نیکوکاروں کو اس بات سے ڈراؤ کہ وہ اعمال خیر کے بعد غرور اور خود پسندی کا شکار نہ ہو جائیں، کیونکہ جس بندے نے بھی خود پسندی کی ہے وہ تباہ و ہلاک ہوا ہے۔

حضرت محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ " قال اللہ تعالیٰ انا اعلم بما یصلح به امر عبادی و ان من عبادی المؤمنین لمن یجتهد فی عبادته فیقوم من رقاده و لذیذ و ساده فیجتهد و یتعب نفسه فی عبادتی فاضربه بالنعاس اللیلة واللیلتین نظراً منی له وابقاء علیه فینام حتّٰی یصبح فیقوم ماقتا لنفسه وزاریا علیها ولو اخلی بینه وبینی ما یرید من عبادتی لدخله من ذالك العجب باعماله فیأتیه ما فیه من هلاکه لعجبه باعماله و رضاه عن نفسه حتی یظن انه قد فاق العابدین وجاز فی عبادته حد التقصیر فیتباعد منی عند ذالك وهو یظن انه قد تقرب الی " یعنی:۔ میں سب سے زیادہ بہتر جانتا ہوں کہ میرے بندوں کا فائدہ کس چیز میں ہے میرے مؤمنین بندوں میں سے جب کوئی سب سے زیادہ جدوجہد کرتا ہے اور (رات کی تاریکی میں) میٹھی نیند کو اور نرم و نازک بستر کو چھوڑ کر اٹھتا ہے تو میں بسا اوقا اسے ایک دو رات کے لیے سستی میں ڈال دیتا ہوں، یہ میری طرف سے اس پہ شفقت و نظر کرم ہے تا کہ جب وہ سو جاتا ہے تو صبح سویرے اٹھ کر اپنے آپ کی مذمت کرتا ہے اور نادم ہوتا ہے اور اس کے برعکس اگر میں اسے اپنی حالت پہ چھوڑ دوں اور وہ اسی قوت اور طاقت سے میری عبادت میں جدوجہد کرتا رہے تو اس طرح اس میں غرور اور خود پسندی داخل ہو جائے گی جس سے اس کے تمام اعمال ضایع ہو جائیں گے۔اس سے وہ اپنے آپ سے اس طرح سے راضی ہوگا کہ تمام عبادت کرنے والوں سے اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھے گا اور کوتاہی کی حدود سے اپنے آپ کو دور تصور کرے گا جبکہ یہ چیزیں اسے مجھ سے دور کرتی ہیں اور وہ میرے قرب کا گمان کرتا ہے۔

اسی روایت کو ایک اور سلسلہ راویان سے صاحب کتاب جواہر الکلام حضرت آیۃ اللہ الشیخ محمد حسن نجفی رحمہ اللہ نے اس روایت مذکورہ میں اضافہ کرتے ہوئے تتمہ کے طور پر یوں نقل فرمایا ہے کہ نیک اعمال کرنے والوں کو اپنے اعمال صالحہ کرنے پہ زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اگر وہ جتنی بھی زیادہ عبادات کرلیں اور پوری عمر میری عبادت میں گذار دیں تو پھر بھی وہ حق عبادت ادا نہیں کر پائیں گے اور ان کی یہ عبادات جنت کے مقام اعلیٰ اور میری رحمت و کرم کے بلند مقام پر نہیں پہنچا سکتیں۔لیکن اگر کسی نے میری فضل و رحمت اور شفقت و کرم کی امیدیں لگائیں۔اور مجھ پر حسن ظن رکھا۔تو اس وقت وہ ان مقامات کو حاصل کرسکیں گے۔اور اس وقت ان کی ان کوتاہیوں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے گا اور اس وقت انہیں میری مغفرت اور رحمت و رضا حاصل ہوگی کیونکہ میں ہی رحمان و رحیم ناموں سے معروف اللہ ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ " قال الله سبحانه ان من عبادی المؤمنین لمن یسألنی الشیء من طاعتی فأصرفه عنه مخافة الاعجاب" یعنی:۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے مؤمنین بندوں میں سے بعض مجھ سے ایسی چیز کو طلب کرتے ہیں جس سے حقیقت میں میری اطاعت و فرمانبرداری ہوتی ہے مگر میں وہ سوال پورا نہیں کرتا ہوں تا کہ ان میں خود پسندی و غرور پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "یا معشر الحواریین کم من سراج اطفأته الریح ؟و کم من عابد افسده العجب" یعنی:۔اے میرے حواریو کتنے ایسے چراغ ہیں جنہیں ہوا نے بجھا دیا ہے اور کتنے ایسے عبادت گذار ہیں جنھیں خود پسندی اور غرور نے تباہ کر دیا ہے۔

حقیقت عجب:۔ اس بری مرض کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ اس سے نیک عمل کی عظمت کی طلب اور لوگوں سے اپنے عمل صالح کے عظیم ہونے کی داد کی طلب ہونے کے ساتھ ساتھ خوشی اور فخر و مباہات کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔

اشکال:۔ اگر کوئی شخص اپنے اندر اس وجہ سے فخر و سرور محسوس کرے کہ اس نے اطاعت خداوندی کرتے ہوئے نیک عمل انجام دیا ہے نہ اس بنیاد پر کہ وہ لوگوں سے اپنے اس عمل پر داد لینے اور عظیم کہلوانے کی طلب میں خوشی محسوس کر رہا ہے تو آیا ایسی صورت میں بھی اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے؟اور یہ خوشی بھی عجب اور خود پسندی کے زمرے میں ہوگی ؟۔جبکہ اس سے کوئی انسان بھی خالی نہیں ہے۔کیونکہ جب بھی کوئی انسان نماز روزہ وغیرہ جیسے نیک اعمال بجالاتا ہے اور اسے اچھا مقام حاصل ہونے کی توقع ہوتی ہے تو لامحالہ اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔

جواب:۔ خود پسندی سے مراد ایسی خوشی ہے جس سے انسان دوسروں پر فخر کرے اور عمل صالح پر اتراتا ہو اور خود ہی سے اس کے اشتہار لگاتا پھرے اور نیک عمل کی بزرگی اور عظمت کی بناء پر دوسروں سے اپنی عظمت اور تعریف طلب کرے اور اپنے آپ کو تقصیر اور کوتاہی کی وادی سے خارج تصور کرتا ہو اور حقیقت میں یہی ہلاک کرنے والی چیز ہے کہ انسان حق عبودیت ادا کرنے کا دعویٰ کرے اور یاد رکھو اس سے اعمال حسنہ برے اعمال کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جس سے انسان جنت کے اعلیٰ درجات کے استحقاق کے بجائے جہنم کے گھٹیا طبقہ کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ "علیك بالجد ولا تخرجن نفسك من حد التقصیر فی عبادة الله و طاعته فان الله تعالیٰ لا یعبد حق عبادته" یعنی:۔آپ پر (عبادت کی) جدو جہد کرنا ہے

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں ہمیشہ اپنے نفس کو کوتاہ سمجھو کبھی بھی حق عبادت ادا کرنے کا گمان نہ کرنا کیونکہ کوئی بھی انسان حق عبادت ادا نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع اور انکساری کے ساتھ ساتھ اپنے نیک اعمال کے بجا لانے پر خوشی اور فرحت توفیق الٰہی پر شکر کی صورت میں ہو تو یہ ایک اچھی بات ہے کوئی مذموم فعل نہیں ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ " **من سرته حسنته و ساء ته سیئته فهو مؤمن** یعنی:۔ اگر کسی کو اس کی نیکی خوشی دے اور برائی پر وہ دکھی ہو تو وہ مؤمن ہے۔ ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں کہ " **لیس منا من لم یحاسب نفسه کل یوم فان عمل خیراً حمد الله و استزاده وان عمل سوءً ا استغفر الله** " یعنی:۔ جو شخص روزانہ اپنا محاسبہ نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اگر انسان اچھا عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ ساتھ زیادتی نیک عمل کرنے کو طلب کرے اور اگر اس سے کوئی برا عمل صادر ہو تو خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ " **و اعلموا (عباد الله) ان المؤمن لایصبح ولا یمسی الاو نفسه ظنون عنده فلا یزال زاریا علیها و مستزیدا لها فکونو اکالسابقین قبلکم و الماضین امامکم قوضو امن الدنیا تقویض الراحل و اطووها طی المنازل** " یعنی:۔ اے اللہ تعالیٰ کے بندو جان لو کہ مرد مؤمن ہمیشہ صبح و شام اپنے نفس سے بدگمان ہی رہتا ہے اور اس سے ناراض ہی رہتا ہے لہٰذا تم بھی اپنے پہلے والوں کی مانند ہو جاؤ جو تمہارے آگے آگے جارہے ہیں جیسا کہ انہوں نے دنیا سے اپنے خیمہ ڈیرہ کو اٹھا لیا ہے (اور عمارت کو منہدم کر دیا ہے) اور ایک مسافر کی طرح دنیا کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہیں لہذا تم بھی ہمیشہ عمل کے لیے تیار رہو۔

عجب (خود پسندی) کا علاج:۔ انسان مؤمن کو غرور و خود پسندی کی طرف لے جانے والے امور میں غور و فکر کرتے رہنا چاہیے کیونکہ عجب ناپسندیدگی کا موجب ہے اور غرور و خود پسندی سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں انسان کو ان مقدمات اور وسائل پر دقیق نگاہ کرنی چاہیے جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے۔ کیا وہ وسائل اس کے قبضہ و اختیار میں ہیں یا نہیں ہیں؟ اسی طرح اس مرض سے نجات کے لیے انسان کو ہمیشہ اپنے طعام پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ کیا وہ رزق جو کھا رہا ہے اس کا اپنا ہے یا کسی اور ہستی کی طرف سے عطا کردہ ہے؟؟!!! اور انسان کو اپنی صحت و سلامتی پر غور کرنا چاہیے جس سے وہ اعمال حسنہ آسانی سے بجا لاتا ہے کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمات میں سے نہیں ہے؟ تو جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے رزق اسی کا کھا کر عبادت کرتا ہے۔ وسائل عبادت اسی ذات کے عطا کیے ہوئے ہیں عافیت و سلامتی اسی ذات

وحدہ لاشریک لہ کی عنایت ہے،تو پھرغرور واعمال حسنہ پہ اترانا کیسا ہے؟۔

یقیناً اس التفات وتوجہ سے انسان اس مرض سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔شاید کتنے ہی مریض ہوں اگر انہیں عافیت اورصحت وسلامتی کے حصول کے عوض دن ورات کھڑا رہنا پڑے تو وہ یہ عوض ادا کرنے میں ذرا برابر بھی توقف اور دیر نہیں کریں گے تو پھر اے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس عافیت وسلامتی سے اگر رات کا کچھ حصہ اسی خدا کی عبادت کے لیے کھڑا رہنا پڑے تو غرور کس بات کا ہے؟ جبکہ تم شب و روز کے کتنے اوقات سے اللہ کی عنایت کردہ عافیت وسلامتی سے اپنے دنیاوی مفادات حاصل کرتے ہو۔کتنے سال و مہینے تم صحت کو اپنی شخصی غرض وغایت کے لیے استعمال کرتے ہو لہٰذا خود پسندی کس امر پر ہے؟!جبکہ سب کچھ خدا ہی کا دیا ہوا ہے اس کا رزق کھاتے ہو،اس کی عطا کردہ صحت وسلامتی سے چلتے پھرتے ہو، اس خدا کے عطا کردہ اعضاء و جوارح سے فائدہ حاصل کرتے ہو، دن رات اس کی عطا کردہ طاقت وقوت کے بل بوتے پر دنیا میں فوائد حاصل کرر ہے ہو۔

پس انسان کو اعمال حسنہ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمات کے درمیان موازنہ کرنا چاہیے کہ آیا میں ان نعمات خداوندی کا حق شکر بھی ادا کررہا ہوں یا نہیں؟ اور اسے اس امر کیطرف متوجہ رہنا چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں کس قدر اطاعت خدا کررہا ہے کیا نعمات خدا کا شکریہ ادا کرنے کے لیے بارگاہ ایزدی میں عبادت کے لیے جب کھڑا ہوتا ہے تو کیا یہ کھڑا ہونا اسی کی توفیق سے نہیں ہے تو اور کیا ہے؟؟ تو پھر جب اس کا شکر ادا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے تو ایک اور نعمت خداوندی اور توفیق الٰہی کا مرہون ہونا پڑتا ہے اور اسی طرح انسان نعمات خداوندی کے لامتناہی سلسلہ میں غرق ہے اور انسان اس کا حق شکر ادا کرنے میں کوتاہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی میں ارشاد فرماتا ہے کہ " یا داؤد اشکرنی قال و کیف اشکرك یا رب والشکر من نعمك تستحق علیه شکرا؟ قال: یا داؤد رضیت بهٰذا لاعتراف منك شکرا" یعنی:۔ارشاد رب العزت ہوا کہ اے داؤد میرا شکر ادا کرو حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی شکر بھی تیری نعمات میں سے ایک نعمت ہے۔اس پہ بھی شکر کرنا ہوگا خالق نے فرمایا: اے داؤد آپ کا میرا حق شکر ادا نہ کرنے کا اعتراف بذات خود ایک شکر ہے جس پہ میں راضی ہوں۔

انسان کو اپنے اعمال اور خدا کی عطا کردہ ایک ایک نعمت کے درمیان موازنہ کرنا چاہیے تو اس سے معلوم ہوجائیگا کہ اس کے اعمال ان نعمات وافرہ کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

نصیحت:۔ روایات میں ملتا ہے کہ ایک واعظ ونصیحت کرنے والا ہارون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا تو ہارون

نے اسے وعظ ونصیحت کرنے کو کہا تو اس واعظ نے جواب میں کہا کہ اے بادشاہ اور خلیفہ وقت اگر آپ کو شدت پیاس کے وقت پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملے تو اس وقت تم اسے کتنے کا خریدو گے؟ تو ہارون نے جواب دیا کہ میں اسے اپنی آدھی سلطنت کے عوض خریدونگا تو واعظ نے کہا کہ اگر اس گھونٹ کو تجھ تک آنے کے لیے روک لیا جائے تو کتنا خرچ کرو گے؟ تو ہارون نے جواب دیا کہ میں اپنی حکومت کا باقی آدھا حصہ خرچ کردوں گا تو پھر واعظ نے کہا کہ جب یہ سلطنت پانی کے ایک گھونٹ کی قیمت کے برابر ہے تو پھر اس حکومت پر غرور کس بات کا ہے؟؟

لمحہ فکریہ:۔ پس انسان کو غور وفکر کرنی چاہیے کہ وہ اپنی ایک شب و روز میں کتنی نعمات الہیہ کو استعمال کرتا ہے جو کہ بڑے بڑے بادشاہوں کی سلطنتوں سے بھی زیادہ قیمتی ہیں تو پھر ان نعمات خداوندی کے سامنے اس تیری اخلاص سے عاری عبادت کی کیا قیمت ہے؟ آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ اگر کوئی مزدور دن رات کام کرتا ہے تو اسے اس پورے دن کا عوض دو درہم کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ایک محافظ اگر ساری رات جاگتا ہے تو اسے کچھ درہم دیے جاتے ہیں اسی طرح صنعت وحرفت کا حال ہے ان تمام کے اعمال کی قیمت چند درہم و دینار کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔لیکن اگر انسان ایک معمولی سا عمل اللہ تعالی کے لیے کرتا ہے مثلاً ایک دن روزہ رکھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے لامحدود خزانوں سے اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ "الصوم لی وانا اجزی بہ" روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے کہ "اعددت لعبادی مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر بقلب بشر" یعنی:۔میں نے اپنے بندوں کے لیے ایسی نعمات تیار کی ہیں کہ جنھیں نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھا ہے اور نہ ہی کسی کان نے سن رکھا ہے اور نہ کسی بشری دماغ میں ان کا کوئی خیال تھا۔

اے انسان تیرا یہ ایک دن جس کی قیمت دنیا میں دو درہم کے مساوی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تھکاوٹ بھی حاصل ہوتی ہے لیکن اگر اسے خدا کے لیے صرف کیا ہوتا تو پھر اس کی قیمت کی کوئی مقدار معین نہیں کی جاسکتی اور اگر رات کو عبادت خدا میں گذاری ہوتی تو خداوند ذوالجلال اس کی جزا کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانو یعملون ترجمہ:۔پس کسی نفس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے لیے کیا کیا خنکی چشم کا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے جو ان کے اعمال کی جزا ہے۔ سورۃ السجدہ آیت ۱۷

اسی طرح وہ دن کہ جس کی قیمت دنیا میں کچھ درہموں کے برابر ہے اگر ان میں سے بعض اوقات کو اللہ تعالیٰ

کے لیے سجدہ میں گذار دیا جائے چاہے اس وقت انسان پر سستی کی حالت ہی کیوں نہ طاری ہو لیکن پھر بھی خداوند ذوالجلال اس سجدہ سے اپنے ملائکہ کے سامنے فخر ومباہات کرتا ہے جبکہ سجدہ کا وقت کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو لیکن چونکہ اب اس کی نسبت خدا کی طرف ہے لہٰذا اب اس کی قیمت بڑھ جائے گی اور یہ وقت بھی بہت جلیل اور عظیم ہوگا۔ بلکہ اگر انسان ایک مختصر وقت میں خدا کے لیے مختصر طریقہ سے دو رکعت نماز ادا کرتا ہے یا پھر اس کی سانس لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتی ہے تو خالق کائنات اس کی جزا میں ارشاد فرماتا ہے کہ

" ومن يعمل من الصالحات من ذكر اوانثىٰ وهو مؤمن فاؤلٰيك يدخلون الجنة" ترجمہ:۔اور جو بھی نیک کام کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ وہ صاحب ایمان بھی ہو ان سب کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔سورۃ النساء آیت ۱۲۴(۱)

حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

" من قال: سبحان الله غرس الله له شجرة في الجنة" یعنی:۔جو شخص سبحان اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ جنت

---

(۱) دین اسلام دین عدل ہے اور یہ دو چیزوں سے مرقع ہے۔ایمان اور عمل دین اسلام نے قومیت اور اقربا پروری کی بنیاد پر نجات کا پیغام نہیں دیا ہے۔جیسا کہ بعض دیگر ادیان کا زعم ہے۔کہ یہودی نصرانیوں کو جہنمی کہتے ہیں اور نصرانی اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکدار کہلواتے ہیں۔چاہے اعمال جیسے بھی ہوں۔لیکن خالق کائنات نے اپنی مقدس کتاب میں بار بار اس امر کا کھلا ہوا اعلان کر دیا ہے کہ برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی برداشت کرو گے اور نیک اعمال کرو گے تو اس کی جزا بھی ملے گی۔اس طرز فکر کو دین اسلام کہا گیا ہے۔

اس کی وضاحت دو طریقوں سے کروادی گئی ہے پہلے یہاں عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کو ایمان کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔تو اب یہ معلوم ہو گیا کہ نہ فقط زبانی ایمان کا دعویٰ گناہوں کے سامنے کارآمد آئے گا اور نہ روزے نمازیں اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے بغیر کارآمد ہوں گے۔مولائے کائنات سید الموحدین علی ابن ابی طالبؑ نے اسی نکتہ کو نہایت حسین الفاظ میں واضح فرمایا ہے (**بالايمان يستدل على الصالحات وبالصالحات يستدل على الايمان**) یعنی ایمان سے نیک اعمال کی طرف راہنمائی ہوتی ہے اور نیک اعمال سے ایمان کا پتہ ملتا ہے۔اور اسی کی طرف آئمہ اہل بیت علیہم السلام اپنے کلام حق ترجمان میں اشارہ فرماتے ہیں (**كونوا لنا زينا ولا تكونوا علينا شيناً**) اے شیعو! ہمارے لیے باعث زینت بنو باعث ننگ و عار نہ بنو۔)

الفردوس میں اس کے لیے ایک درخت لگاتا ہے۔

تنبیہ:۔اے انسان تیری سانسوں کی یہ گھڑیاں بہت قیمتی ہیں ۔اس قسم کے کتنے اوقات تو لایعنی اور بے سود چیزوں میں ضایع کر دیتا ہے جبکہ حق یہ ہے کہ تم اپنے اعمال کو کم سمجھو اور انھیں قلیل مقدار جانو اور ان کے مقابل میں خدا نے جو تجھے اپنی نعمات اور تجھے عزت و شرف بخشا ہے یہ اس کی رحمت اور اس کا احسان و فضل ہے۔

حقیقت میں اتنی عنایات ان قلیل اعمال کی جزا نہیں ہوسکتیں ۔انسان کو ہمیشہ اپنے اعمال کے بارے یہ خوف رہنا چاہیے کہ خدا کی شان کے مطابق ادا نہیں ہوئے اور مقام رضائے خداوندی تک نہیں پہنچے ہیں اور ہمیشہ انسان اپنے نفس کو سزاوار جانے اور قصوروار ٹھہرائے۔خدا کی نگھبانی اور نگرانی سے خوفزدہ رہے اور نفس کا محاسبہ کرتا رہے ۔شاید رحمت خدا سے کامیابی حاصل ہو۔کیونکہ ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"من مقت نفسه دون مقت الناس آمنه الله تعالیٰ من فزع یوم القیامة" جو شخص لوگوں کی بجائے اپنے نفس سے ناپسندیدگی اور نفرت کرے خداوند ذوالجلال اسے عذاب قیامت سے محفوظ رکھے گا۔

حکایت:۔ روایت میں ہے کہ ایک بہت عبادت گذار شخص تھا جس نے ستر سال دن کو روزہ رکھ کر اور رات کو عبادت خدا کر کے گزار دیے ایک دن اس نے خدا سے ایک حاجت طلب کی تو اس کی حاجت پوری نہ ہوئی اس وقت وہ اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ سب کچھ تیری وجہ سے ہے اگر تجھ میں بھلائی ہوتی تو آج میری حاجت پوری ہوجاتی۔تو اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر اپنا فرشتہ نازل کیا اور فرمایا کہ اے ابن آدم میرے نزدیک یہ مختصر سا وقت کہ جس میں تو نفس کو ملامت کر رہا ہے اس کی قدر و قیمت تیری تمام گذشتہ عبادات سے زیادہ ہے۔

اسی لیے روایات میں ملتا ہے کہ

"یبیت احدکم نادماً علیٰ ذنبه زاریا علیٰ نفسه خیر له من ان یصبح مبتهجاً بعمله" یعنی:۔تم میں سے اگر کوئی اپنے گناہوں پر پشیمان ہوکر،نفس کو ملامت اور عتاب کر کے رات گذارے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ صبح اٹھ کر اپنے اعمال پر اترائے اور فخر و مباہات کرے ۔پس عقل مند انسان کو چاہیے کہ اپنے عمل صالح کو ریاکاری اور خود پسندی سے بچائے رکھے اسی طرح اپنے آپ کو غیبت اور تکبر و نخوت سے بھی محفوظ رکھے کیونکہ یہ دونوں بھی خود پسندی اور ریاکاری کی طرح اعمال صالحہ کے لیے مضر ہیں۔

معاذ بن جبل کی روایت:۔شیخ ابو محمد جعفر بن احمد بن علی القمی اپنی کتاب" المنبیء عن زهد النبی" میں

اپنے سلسلہ روایت سے معاذ بن جبل سے نقل کرتے ہیں کہ راوی نے معاذ بن جبل کو کہا کہ مجھے اس حدیث کو سناؤ جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اور پھر اسے یاد کیا ہے معاذ روکر کہتا ہے کہ ہاں، پھر کہتا ہے کہ ایک دن میں رسول خداؐ کے ساتھ پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ اچانک ختمی مرتبت نے آسمان کی طرف نگاہ کرکے فرمایا کہ "حمد وثناء ہے اس پروردگار کی جو اپنی مخلوق کے لیے وہی کرتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے معاذ! میں نے عرض کی اے مؤمنین کے آقا وسردار اور اللہ کے رسول فرمائیں میں حاضر ہوں پھر فرمایا کہ اے معاذ میں نے دوبارہ عرض کی لبیک اے رسول خدا رحمت بن کر تشریف لانے والے نبی۔ رسول خدا فرماتے ہیں کہ "احدثك شيئاً ما حدث به نبي امته ان حفظته نفعك عيشك وان سمعته ولم تحفظه انقطعت حجتك عند الله" یعنی:۔ میں تجھے ایسی چیز کے بارے میں بتاتا ہوں کہ جسے کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتایا، اگر آپ نے اسے یاد کرلیا تو آپ کو زندگی میں فائدہ دے گی اور اگر آپ نے اسے سن کر بھلا دیا تو پھر اللہ کی حجت آپ پر ختم ہوگئی۔ پھر فرمانے لگے کہ " ان الله خلق سبعة املاك قبل ان يخلق السموٰات فجعل في كل سماء ملكا قد جللها بعظمته وجعل علىٰ كل باب من ابوب السماوات ملكا بوابا فتكتب الحفظة عمل العبد من حين يصبح الىٰ يمسى ثم ترتفع الحفظة بعمله وله نور كنور الشمس حتىٰ اذا بلغ سماء الدنيا فتزكيه وتكثر فيقول الملك : قفوا واضربو بهٰذا العمل وجه صاحبه انا ملك الغيبة فمن اغتاب لا ادع عمله يجاوزني الىٰ غيري امرني بذالك ربي" یعنی:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے سات فرشتے قوت واقتدار کے مالک خلق فرمائے اور ہر آسمان پر ایک فرشتہ معین کیا اور ان کی عظمت وجلالت سے آسمان کو رفعت و بلندی عطا فرمائی اور ہر آسمان کے دروازے پر ایک دربان فرشتہ معین فرمادیا پس نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے صبح سے لیکر شام تک اعمال کو رقم کرتے ہیں پھر جب یہ نامہ اعمال آسمان دنیا کی طرف لے جانے لگتا ہے جبکہ بندے کا عمل سورج کی روشنی کی طرح چمک رہا ہوتا ہے تو اس وقت یہ فرشتہ انسان کے ان اچھے اعمال کی تصدیق کرتا ہے لیکن وہ نگھبان فرشتہ کہتا ہے کہ اس نامہ اعمال کو یہیں روک لو اور ان کو اس بندے کے منہ پہ مارو کیونکہ میں غیبت کے گناہ کو لکھنے والا فرشتہ ہوں جس نے غیبت کی ہوگی خدا نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس کے نامہ اعمال کو یہاں سے اوپر نہیں جانے دوں گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " ثم تجي الحفظة من الغد ومعهم عمل صالح فتمر فتزكيه وتكثره حتىٰ تبلغ السماء الثانيه فيقول الملك : الذى فى السماء الثانيه قفوا واضربوا بهٰذا العمل وجه صاحبه انما ارادبهذا عرض الدنيا انا صاحب الدنيا لا ادع عمله يتجاوزني الى

غیـری" یعنی:۔ پھر دوسرے دن اس کا نامہ اعمال لیکر آتا ہے اس میں نیک اعمال بھی درج ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پہلے آسمان سے گذرتے ہوئے دوسرے آسمان پر پہنچتے ہیں لیکن جب دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو دوسرے آسمان والا فرشتہ انھیں روک کر کہتا ہے کہ ان اعمال کو اس شخص کے منہ پر مارو۔ کیونکہ اس نے ان اعمال کو دنیا کی غرض و غایت کے لیے بجا لائے ہیں۔ اور میں دنیا کے اعمال کا فرشتہ ہوں لہٰذا خدا نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں ان اعمال کو اپنے سے اوپر نہیں جانے دوں گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ " ثـم تصعد الحفظة بعمل العبد مبتهجا بصدقة وصلاة فتعجب به الحفظة و تجاوز به الیٰ السماء الثالثه فیقول الملك: قفو او اضربوا بهٰذا العمل وجه صاحبه و ظهره انا ملك صاحب الکبر فیقول: انه عمل و تکبر علی الناس فی مجالسهم امرنی ربی ان لا ادع عمله یتجاوزنی الیٰ غیری" یعنی:۔ پھر جب کراماً کاتبین تیسرے دن بندہ کا نامہ اعمال لیکر خوشی کے ساتھ آتے ہیں تو اس نامہ اعمال میں بندہ کے صدقہ و نماز جیسے نیک اعمال کو اوپر جانے سے روک لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان اعمال کو اس بندے کے منہ اور پیٹھ پر مارو ہم اسے قبول نہیں کرتے کیونکہ خدا نے میری ڈیوٹی تکبر کے گناہ کے بارے میں لگائی ہے اور یہ شخص دنیا میں اپنی محافل و مجالس میں ان اعمال سے دنیا والوں پر تکبر اور فخر کیا کرتا تھا لہٰذا خدا نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس متکبر شخص کے اعمال کو اوپر نہ جانے دوں۔

پھر رسول خدا فرماتے ہیں کہ

" ثـم تصعد الحفظة بعمل العبد یزهر کالکوکب الدری فی السماء له دوی بالتسبیح والصوم و الحج فتمر به الیٰ السماء الرابعه فیقول: لهم الملك: قفو واضربوا بهٰذاالعمل وجه صاحبه و بطنه انا ملك العجب انه کان یعجب بنفسه و انه عمل وادخل نفسه العجب امرنی ربی ان لا ادع عمله یتجاوزنی الیٰ غیری" یعنی:۔ پھر جب کراماً کاتبین چوتھے روز بندے کے اعمال کو لیکر جاتے ہیں تو وہ کوکب دری کی طرح منور ہوتے ہیں اور خدا کی تسبیح و تقدیس اور روزہ و حج جیسے اعمال صالحہ کے جھنجھنانے کی پیاری آواز سے جب چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کا دربان اسے روک کر کہتا ہے کہ ان اعمال کو اس شخص کے منہ اور پیٹ پر مارو۔ میں خود پسندی اور غرور کے گناہ (کی سزا دینے والا) فرشتہ ہوں۔ یہ شخص خود پسندی کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اپنے آپ پر خوش رہتا تھا، خود پسندی کرتا تھا، خدا کے حکم کے مطابق میں اس کے اعمال کو اپنے سے اوپر نہیں جانے دوں گا۔

پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

۔" و تصعد الحفظة بعمل العبد کالعروس المزفوفه الیٰ اهلها فتمر به الیٰ ملك السماء

الخامسه بالجهاد و الصلاۃ ما بین الصلاتین و لذالك العمل رنین کرنین الابل علیه ضوء کضوء الشمس فیقول الملك:قفوا انا ملك الحسد و اضربوا بهٰذا العمل وجه صاحبه و احملوه علیٰ عاتقه انه کان یحسد من یتعلم اویعمل لله بطاعته و اذا رائی لاحد فضلاً فی العمل و العبادۃ حسده و وقع فیه فیحمله علیٰ عاتقه و یلعنه عمله"یعنی:۔پھر اعمال لکھنے والے فرشتے بندہ کے اعمال کو دلہن کی سجاوٹ کی طرح پانچویں آسمان کی طرف جہاد اور نماز مستحب جیسے اعمال حسنہ کو لے جاتے ہیں اور ان اعمال سے اونٹ کی آواز کی طرح آواز آرہی ہوتی ہے۔اور یہ اعمال سورج کی روشنی کی طرح چملک دمک رہے ہوں گے۔پھر پانچویں آسمان کا فرشتہ کہے گا کہ ان اعمال کو یہیں پہ روک لو میں حسد کے گناہ کا فرشتہ ہوں۔خدا نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص حسد جیسے گناہ میں مبتلاء ہو اس کے اعمال کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں لہٰذا ان اعمال کو اس شخص کے منہ پر مارو۔انھیں اس کے کندوں پر لادو اور وہ خود ان کا بوجھ اور وبال اٹھائے گا۔کیونکہ یہ شخص دنیا میں علم حاصل کرنے والے اور اللہ تعالی کی اطاعت کرنے والے شخص کے ساتھ حسد کیا کرتا تھا اور جب کسی شخص میں کوئی کمال وفضل دیکھتا تو اس کے ساتھ حسد کرتا تھا۔پس ان اعمال کو اس پر لادو اور اس کا عمل اس پر لعنت کرتا ہے۔

اس کے بعد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" و تصعد الحفظة بعمل العبد من صلاۃ و زکاۃ و حج و عمرۃ فیتجاوزون به الیٰ السماء السادسه فیقول الملك:قفو انا صاحب الرحمة اضربو ا بهٰذا العمل وجه صاحبه و اطمسوا عینیه لان صاحبه لم یرحم شیئاً اذا اصاب عبداً من عباداللہ ذنب للآخرۃ اوضر فی الدنیا شمت به امرنی ربی ان لا ادع عمله یجاوز نی" یعنی:۔کراما کاتبین نماز،زکاۃ ،حج اور عمرہ جیسے اعمال حسنہ کو لے جاتے ہیں تو جب چھٹے آسمان تک پہنچتے ہیں تو وہاں کا فرشتہ کہتا ہے کہ یہاں پر رک جاؤ۔میں رحمت کا فرشتہ ہوں ان اعمال کو اس شخص کے منہ پر مارو (اور ان اعمال کی بدولت) اس کی آنکھوں کی روشنی زائل کردو۔کیونکہ یہ شخص دنیا میں کسی پر بھی رحم نہیں کیا کرتا تھا اگر کوئی بندہ اخروی گناہ میں مبتلاء ہو جاتا یا دنیا میں اسے کوئی مصیبت لاحق ہوتی اور نقصان پہنچتا تو یہ شخص اس پر خوشی کا اظہار کرتا تھا۔اور مجھے خدا کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایسے شخص کے اعمال کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں۔

پھر ختمی مرتبت فرماتے ہیں کہ

" و تصعد الحفظة بعمل العبد بفقه و اجتهاد و ورع وله صوت کالرعد و ضوء کضوء البرق ومعه ثلاثةآلاف ملك فتمر به الی 'ملك السماء السابعه فیقول الملك قفوا واضربوا بهٰذاالعمل

وجہ صاحبہ انا ملك الحجاب احجب كل عمل ليس لله انه اراد رفعة عند القواد و ذكراً في المجالس وصيتا في المدائن امرني ربي ان لا ادع عمله يجاوزني الي غيري مالم يكن لله خالصاً" یعنی:۔ پھر اگلے دن کراما کاتبین بندے کے اعمال حسنہ جیسے مسائل دینیہ میں فہم اور اجتہاد اور تقویٰ کولیکر اوپر جاتے ہیں تو اس وقت اعمال سے بادل کے گرجنے کی طرح آواز نکل رہی ہوتی ہے۔ اور وہ بجلی کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں اس وقت ان کے ساتھ تین ہزار فرشتے ہوتے ہیں۔ (اس شان وشوکت کے ساتھ) جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو وہاں کا دربان فرشتہ کہتا ہے کہ یہاں پہ رک جاؤ اور ان اعمال حسنہ کو اس شخص کے منہ پر مارو۔ میں حجاب کا فرشتہ ہوں ہر وہ عمل جو خدا کے لیے نہیں ہوتا ہے میں اس کو چھپا لیتا ہوں اور پردہ ڈال لیتا ہوں۔ کیونکہ یہ شخص دنیا میں اپنے بڑوں میں مقام حاصل کرنے کے لیے اعمال بجالاتا تھا۔ اور مجالس ومحافل میں اپنے تذکرہ کی طمع میں نیکیاں کیا کرتا تھا۔ اور شہرت کی غرض سے اعمال بجالاتا تھا۔ خدا نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ ایسے شخص کے اعمال کو یہاں سے اوپر نہ جانے دوں جب تک اس کے اعمال خدا کے لیے خالص نہ ہوں۔

" وتصعد الحفظة بعمل العبد مبتهجا به من صلاة و زكاة و صيام و حج و عمرة وخلق حسن وصمت و ذكر كثير تشيعه ملائكة السماوات والملائكة السبعة بجماعتهم فيطوؤن الحجب كلها حتیٰ يقوموا بين يديه سبحانه فيشهدوا له بعمل و دعاء فيقول: انتم حفظة عمل عبدي و انا رقيب عليٰ ما في نفسه انه لم يردني بهٰذا العمل عليه لعنتي فتقول الملائكة :عليه لعنتك و لعنتنا" یعنی:۔ پھر جب کراما کاتبین خوشی کے ساتھ بندے کے اعمال حسنہ نماز، زکات، روزہ، حج وعمرۃ اور حسن خلق، خاموشی کے ساتھ رہنا اور ذکر کثیر جیسے اعمال حسنہ کولیکر اوپر جاتے ہیں تو ان کے ساتھ تمام آسمانوں کے ملائکہ اور (اوپر مذکورہ) سات ملائکہ جو کہ ہر آسمان پر دربان کے طور پر مقرر ہیں۔ ان کے تمام اعمال کو اکٹھا کر کے راستہ کی تمام رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے جب خالق کائنات کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تا کہ اس بندے کے اعمال اور دعا کی گواہی دیں اس وقت خالق دو جہاں فرماتا ہے کہ آپ میرے بندہ کے (ظاہری) اعمال کو قلم بند کیا کرتے تھے جبکہ میں اس کے اندر اور نفس کو جانتا ہوں اس شخص نے ان اعمال کو میرے لیے نہیں بجالایا ہے اس پر میری لعنت ہو تو تمام فرشتے کہتے ہیں کہ اے پروردگار تیری اس پر لعنت ہے تو ہماری بھی اس پر لعنت ہو۔

اب راوی کہتا ہے کہ معاذ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام حق کو یہاں تک سنا تو رونے لگا۔ معاذ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ اپنے اعمال میں اخلاص کیسے پیدا کروں

؟تو آپؐ نے فرمایا کہ اے معاذ! یقین میں اپنے نبی کی اقتدا کرو۔ معاذ کہنے لگا کہ مولا آپ اللہ کے رسول و نبی ہیں اور میں (حقیر) معاذ ہوں (آپ کی اقتداء میرے لیے کیسے ہوسکتی ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

" و ان کان فی عملك تقصیر یا معاذ فاقطع لسانك عن اخوانك و عن حملة القرآن و لتكن ذنوبك علیك لا تحملها علی اخوانك ولا تزك نفسك بتذمیم اخوانك ولا ترفع نفسك بوضع اخوانك ولا تراء بعملك ولا تدخل من الدنیا فی الآخرة ولا تفحش فی مجلسك لكی یحذروك لسوء خلقك ولا تناج مع رجل وانت مع آخر ولا تعظم علی الناس فتنقطع عنك خیرات الدنیا ولا تمزق الناس فتمزقك كلاب اهل النار قال الله(والناشطات نشطا) أفتدری ماالناشطات؟انها كلاب اهل النار تنشط اللحم والعظم "یعنی:۔اے معاذ اگر چہ آپ کے عمل میں کوتاہی اور تقصیر ہے تو اس کے عذاب سے بچاؤ کیلئے (کم از کم) اپنے مؤمن بھائیوں کے بارے میں زبان کو کنٹرول میں رکھو، قرآن کی اتباع کرنے والوں کے بارے میں بھی زبان کو روکو، خود اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ اپنے بھائیوں پر انھیں نہ ڈالو، اپنے بھائیوں کی مذمت سے اپنے پاک و پاکیزہ ہونے کے پرچم نہ لگاؤ، مؤمن بھائیوں کو ذلیل کر کے خود بلند ہونے اور باعزت بننے کی سعی نہ کرو عمل صالح میں ریا کاری نہ کیا کرو، دنیا کے راستے سے آخرت میں جانے کی کوشش مت کرو، اپنی محافل و مجالس میں فحش گوئی مت کرو کہ آپکی بدخلقی کی وجہ سے لوگ آپ سے خوف کھائیں اور دور ہو جائیں۔ اس حالت میں آپ کسی سے کوئی خفیہ اور تنہائی والی بات نہ کرو جبکہ آپ کے ساتھ کوئی تیسرا ہو، لوگوں پر بڑا بننے کی کوشش نہ کرو تا کہ دنیا کی خیرات آپ سے منقطع نہ ہو جائیں، لوگوں کو (برا بھلا کہہ کر) زبان سے نہ کاٹو ورنہ جہنم کے کتے آپ کو کاٹیں گے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ "اور آسانی سے کھول دیے جانے والے ہیں" پھر رسول خداؐ نے فرمایا کہ اے معاذ کیا جانتے ہو کہ "ناشطات" سے کیا مراد ہے؟ یہ جہنم کے کتے ہیں جو کہ گوشت اور ہڈیوں کو کاٹتے ہیں۔ معاذ کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ کون ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں؟ تو رسول خداؐ نے فرمایا کہ خدا جس کے لیے آسانی پیدا کردے اس کے لیے ان صفات کا حاصل کرنا آسان ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے معاذ کو قرآن مجید کی اتنی کثرت سے تلاوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا وہ اس حدیث کی تلاوت کرتا تھا۔

پانچواں باب

ذکر کے بارے میں

یہ باب "ذکر" کے بارے میں ہے جو دعا کے ملحقات میں سے شمار ہوتا ہے۔ چونکہ اس کتاب کی غرض تالیف دعا کی فضیلت بیان کرنا اور ایسے امور کا ذکر کرنا تھا جن کا دعا مانگنے والے کے لیے ضروری تھا۔ اور جب یہ امور ایک اطمینان کن اور حد کفایت تک بیان ہو چکے تو اب ہم نے چاہا کہ اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسے امر کو بھی ذکر کر دیا جائے جو فضل و کمال میں دعا کے مساوی ہے اور جس طرح آیات اور روایات میں دعا کی ترغیب دلائی گئی ہے اس طرح اس امر کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے اور یہ دعا کا کام دیتی ہے اور اپنی مراد کے حصول کے لیے اور سخت مصیبتوں کے دور کرنے میں دعاء کی طرح "ذکر" بھی فائدہ دیتا ہے۔

اور جو فوائد و عوائد دعا کے ہم نے ذکر کیے ہیں ان سے واضح و لائح ہو چکا ہے کہ دعا ایک ایسی چیز ہے جس پہ عقل و نقل دلالت کرتا ہے اور ہر قسم کی مصیبت و بلاء کو دور کرتی ہے اسی دعا ہی کے ذریعے ہر نفع کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور ان منافع میں دوام اور استمرار بھی دعا ہی کے ذریعہ ہے "ذکر" بھی ان تمام خصوصیات اور فوائد کو سموئے ہوئے ہے جسے ہم عنقریب بیان کریں گے۔ پس ذکر پر بھی ادلہ عقلیہ اور نقلیہ پائی جاتی ہیں اور اس پر ترغیب دلاتی ہیں۔

ذکر پر ادلہ عقلیہ

پہلی دلیل:۔ عقل دو طرح سے ذکر کو ثابت کرتا ہے وہ اس طرح سے کہ منعم کا شکر کرنا واجب ہے۔ اور ذکر کی اقسام میں سے شکر بھی ایک قسم ہے، لہٰذا یہ بھی واجب ہوا۔

دوسری دلیل:۔ "ذکر" ایسے ضرر کو دور کرتا ہے جس کے حاصل ہونے کا گمان ہوتا ہے اور ہر وہ ضرر جس کے حصول کا ظن ہو اس کا دور کرنا قدرت رکھنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے لہٰذا ذکر کرنا واجب ہوا

ہمارا پہلا دعویٰ کہ ذکر ضرر ظن کو دور کرتا ہے اور ذکر نہ کرنے سے اس کے لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس پر بطور دلیل معصومین علیہم السلام کی چند روایات کو ذکر کیا جاتا ہے راوی حسین بن زید حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ " **قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ما من قوم اجتمعوا فی مجلس فلم یذکروا الله ولم یصلو علی نبیهم الا کان ذالك المجلس حسرة ووبالاً علیهم یوم**

القیامة" یعنی:۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو قوم کسی محفل میں جمع ہوتی ہو اور انہوں نے نہ ذکر خدا کیا ہو اور نہ ہی اپنے نبی (ص) پر درود بھیجا ہو تو بروز محشر یہ محفل ان کے لیے وبال جان اور حسرت ہوگی۔

اسی طرح اور مقام پر حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں کہ " **ما اجتمع قوم فی مجلس لم یذکروا الله و لم یذکرونا الا کان ذالك المجلس حسرة علیهم یوم القیامة** " یعنی:۔کوئی بھی قوم کسی ایسی محفل میں جمع نہیں ہوئی جس میں انھوں نے نہ ذکر خدا کیا ہو اور نہ ہی ہمیں یاد کیا ہو مگر یہ کہ وہ محفل قیامت کے دن باعث وبال و حسرت اور افسوس کا موجب ہوگی۔

ایک اور جگہ پر انہی حضرت علیہ السلام سے مروی ہے کہ

کوئی بھی ایسی مجلس نہیں ہے جس میں نیک یا برے لوگ جمع ہوئے ہوں اور ذکر خدا کیلیئے بغیر ایک دوسرے سے جدا ہوئے مگر یہ کہ یہ مجلس و محفل باعث افسوس و حسرت ہوگی۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے منقول ہے کہ " **یموت المؤمن بکل میتة الا الصاعقة و لا تاخذه وهو یذکر الله** "یعنی:۔مؤمن پر ہر قسم کی موت آسکتی ہے مگر یہ کہ ذکر خدا کے وقت آسمانی بجلی سے نہیں مرے گا۔

ہماری دلیل عقلی میں دوسرا دعویٰ کہ ہر وہ ضرر جس کے حصول کا ظن ہو اس کا دفع کرنا واجب ہے، تو یہ ایک بدیہی اور واضح امر ہے جسکے اثبات کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے

ذکر پر ادلہ نقلیہ:۔"ذکر" کے بارے میں قرآنی آیات اور اسی طرح روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں

کتاب

یہاں پر قرآن مجید کی چند آیات کو ذکر کیا جاتا ہے

(۱) خداوند ذوالجلال کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمانا کہ " **قل الله ثم ذرهم فی خوضهم یلعبون** " ترجمہ:۔اللہ کا نام لو اور انھیں فضول اور ناحق باتوں میں پڑا رہنے دو۔

(۲)" **واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة** " ترجمہ:۔اپنے رب کو دلی طور پر خضوع و خشوع کے ساتھ یاد کرو۔

(۳)" **فاذکرونی اذکرکم** " ترجمہ:۔تم میرا ذکر کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔

(۴) " **یا ایها الذین آمنوا اذکروا الله ذکراً کثیراً و سبحوه بکرة و اصیلاً** "ترجمہ:۔اے اہل ایمان بہت زیادہ ذکر خدا کیا کرو اور صبح و شام اسکی تسبیح کرو۔

سنت

اور جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو ذکر کے بارے میں بکثرت احادیث معصومین علیہم السلام پائی جاتی ہیں جن کو ذکر کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔

لہٰذا ہم ان میں سے بعض کو ذکر کرنے پہ اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) راوی محمد بن ابی عمیر نے ، ہشام بن سالم سے حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ " ان اللہ تعالیٰ یقول :۔ من شغل بذکری عن مسألتی أعطیته افضل ما أعطی من سألنی "خالق کائنات فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ذکر میں مشغول رہنے کی وجہ سے مجھ سے کوئی سوال نہ کر سکا تو میں اسے سوال کرنے والے شخص سے بہتر عطا کروں گا۔

تنبیہ:۔ آپ پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ جس مقصد کو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں اور وہ "ذکر" ہے اس کے لیے یہی ایک روایت کافی و وافی ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر کو دعا کا نائب قرار دیا گیا ہے بلکہ دعا پر اسے فضیلت دی گئی ہے۔ لہٰذا جو تمام فوائد دعا پر مترتب ہوتے ہیں وہ ذکر پر بھی مترتب ہوتے ہیں۔

(۲) ہارون بن خارجہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ

" ان العبد لیکون له الحاجة الی الله فیبدأ بالثنآء والصلاۃ علی محمد و آل محمد حتیٰ ینسیٰ حاجته فیقضیها الله له من غیر ان یسأله ایاها "یعنی:۔ بندہ کو حاجت طلب کرتے وقت چاہیے کہ وہ پہلے خدا کی حمد وثناء کرے پھر محمد وآل محمد پر درود وسلام بھیجے یہاں تک کہ (اگر وہ) اپنی حاجت کو طلب کرنا بھول جائے تو خالق کائنات اسکی اس حاجت کو بغیر طلب کیے پورا کردیتا ہے۔

(۳) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

" جو شخص عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کی وجہ سے خدا سے کوئی سوال نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔

(۴) امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس نے مجھے لوگوں کے سامنے یاد کیا میں اسے ملائکہ کے سامنے یاد کروں گا۔

(۵) راوی ابن القداح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک حد ہوتی

ہے مگر ذکر خدا کی کوئی حد نہیں ہے جس پر وہ ختم ہو اللہ تبارک وتعالیٰ نے واجبات کا حکم دیا ہے جنہیں بجالانے سے تکلیف ختم ہوجاتی ہے۔جیسا کہ ماہ رمضان کے روزوں کی حد روزہ رکھنا ہے، حج کے فریضہ کی حد اس کا انجام دینا ہے مگر ذکر کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ خداوند متعال قلیل ذکر پر راضی نہیں ہوتا اور خدا نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی ہے جس پر یہ ختم ہو (پھر امام علیہ السلام نے اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی)

" یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا و سبحوہ بکرۃ و اصیلا "۔ترجمہ:۔اے ایمان والو! اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔

پس اللہ تعالیٰ نے ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی ہے۔

(پھر اس کے بعد امام علیہ السلام فرماتے ہیں) کہ میرے والد بزرگوار بہت زیادہ ذکر کیا کرتے تھے جب بھی میں ان کے ساتھ چلتا تو انہیں ذکر خدا میں مشغول دیکھتا۔کھانے پر بیٹھتے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اگر کسی سے بات کرنے لگتے تو ذکر خدا کو فراموش نہ کرتے تھے میں ان کو ملاحظہ کرتا تھا کہ ہر وقت ان کی زبان پہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہوتا تھا وہ ہم سب کو جمع کر کے ذکر خدا کرنے کا حکم فرماتے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجاتا ہم میں سے کسی کو قرآن کی تلاوت کا حکم فرماتے اور کسی کو ذکر کرنے کی نصیحت فرماتے۔

جس گھر میں ذکر قرآن ہوتا ہو اور تلاوت قرآن ہو اس میں برکات کا نزول ہوتا ہے گھر میں ملائکہ کا مسکن بن جاتا ہے، شیاطین اس گھر کو چھوڑ دیتے ہیں اور آسمانی مخلوق کے لیے یہ گھر اس طرح نورانی ہوتا ہے جیسے زمینی مخلوق کے لیے ستارے چمکدار ہوتے ہیں اور جس گھر میں نہ تلاوت قرآن ہو اور نہ ہی ذکر خدا ہو وہاں برکت چلی جاتی ہے ملائکہ وہاں سے رخصت ہوجاتے ہیں اور وہ شیاطین کے لیے آماجگاہ بن جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا کہ اہل مسجد میں سے سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ جو ان میں سے سب سے زیادہ ذکر کرنے والا ہے۔

(۶) ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ " شیعتنا الذین اذ اخلوا ذکروا اللہ کثیراً " ہمارے شیعہ وہ ہیں جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو خدا کو بہت یاد کرتے ہیں

(۷) اسی طرح ایک اور مقام پر صادق آل محمد سے مروی ہے کہ " قال اللہ تعالیٰ لموسیٰ علیہ السلام اکثر ذکری بالليل والنهار و کن عند ذکری خاشعا " خالق کائنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دن

رات میرا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور میرے ذکر کے وقت فروتنی و عاجزی اختیار کر۔

(۸) انہی سے مروی ہے کہ

" قال اللہ تعالیٰ :۔ یاابن آدم اذکرنی فی ملاء اذکرک فی ملاء خیر من ملئک " یعنی اللہ تعالی :۔(بندے کو مخاطب ہوکر) ارشاد فرماتا ہے کہ اے آدم علیہ السلام کی اولاد تو مجھے لوگوں کے اکٹھ میں یاد کر میں تجھے اس سے بہتر اجتماع و اکٹھ میں یاد کروں گا۔

(۹) حضرت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

" اربع لا یصیبهن الا مؤمن الصمت وهو اول العبادة والتواضع لله سبحانه و تعالیٰ و ذکر الله علی کل حال و قلة الشی " یعنی:۔ چار ایسی چیزیں ہیں جنہیں مؤمن کے علاوہ کوئی بھی حاصل نہیں کرسکتا (۱) خاموشی کہ جو عبادت کی پہلی سیڑھی ہے،(۲) خدا کے لیے عاجزی (۳) ہر حالت میں خدا کا ذکر، (۴) مال کی کمی

(۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ

" یموت المؤمن بکل میتة : یموت غرقا ،و یموت بالهدم ، و یبتلی بالسبع ،و یموت بالصاعقة ولا تصیب ذاکراً لله"، یعنی:۔مؤمن ہر قسم کی موت سے مرسکتا ہے،غرق ہوکر، گرتی عمارت کے نیچے آکر، درندوں سے نقصان پہنچ کر، لیکن آسمانی بجلی سے نہیں مرے گا جب تک وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت اسے نقصان نہیں دے سکتیں جب وہ ذکر خدا میں مشغول ہو۔

(۱۱) حدیث قدسی میں ہے کہ

" ایما عبد اطلعت علی قلبه فرأیت الغالب علیه التمسك بذکری تولیت سیاسته و کنت جلیسه و محادثه و انیسه" یعنی:۔جس بندے کے دل و دماغ کو میں نے پہچان لیا کہ اس پر میرے ذکر کے علاوہ اور کوئی چیز غالب نہیں ہے تو پھر میں اس کے امور کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہوں اور میں ہی اس کا انیس اور ہمنوا اور اس سے باتیں کرنے والا ہو جاتا ہوں۔

(۱۲) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے کہ جب مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ میرا بندہ ہر وقت میری ہی یاد میں گم رہتا ہے تو پھر میں اس کی شہوت کو مجھ سے مناجات اور دعا مانگنے میں تبدیل کر دیتا ہوں میرا بندہ اس بلند منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ جب وہ کسی خطاء کرنے کا ارادہ کرنے لگتا ہے تو میں اپنی توفیقات کی صورت میں اس کے اور گناہ کے مابین حائل ہو جاتا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے نمائندہ اور ولی ہیں ،اور

یہی حقیقت میں شجاع ہیں اور جب کبھی میں اہل زمین کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ان لوگوں کی بدولت عذاب کو دور کر دیتا ہوں۔

(۱۳) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ وہ تورات جس کی تحریف نہیں ہوئی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے پوچھا کہ اے میرے رب کیا تو مجھ سے قریب ہے کہ میں تجھ سے سرگوشی کروں یا بعید ہے کہ تجھے ندا دوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے موسیٰ جس نے مجھے یاد کیا تو میں اس کے ساتھ بیٹھنے والا ساتھی ہو جاتا ہوں۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ اس دن کہ جب تیری امان کے علاوہ اور کوئی امان دینے والا نہ ہوگا ۔اس دن تیری امان میں کون ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ (میری امان میں ہوں گے) جو مجھے یاد کرتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں۔ اور ایک دوسرے سے میری وجہ سے محبت کرتے ہیں تو میں بھی ان سے محبت کروں گا۔اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جب بھی میں اہل زمین کو عذاب دینے لگتا ہوں تو وہ مجھے یاد آجاتے ہیں جن کی وجہ سے دوسروں سے عذاب دور کر دیتا ہوں۔

(۱۴) شعیب انصاری اور ہارون بن خارجہ دونوں نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ

"حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن لوگوں کے اعمال پر نظر ڈالنے کے لیے باہر نکلے تو ایک آدمی کے پاس آئے جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ عبادت گذار تھا جب شام ہوئی تو اس نے اپنے پہلو کے قریب ایک درخت کو حرکت دی تو اس سے دو انار کے پھل گرے۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شخص نے سوال کیا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ لگتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے ہو ہمیں یہاں رہتے ہوئے بہت مدت ہوگئی ہے اب تک اس درخت سے ایک سے زیادہ انار نہیں گرے پس اگر آپ اللہ کے نیک اور صالح بندے نہ ہوتے تو دو انار نہ ملتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں موسیٰ بن عمران کے علاقے کا رہنے والا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبح کی تو اس شخص سے پوچھا کہ کیا آپ ایسے شخص کو بھی جانتے ہیں کہ جو آپ سے بھی زیادہ عبادت گذار ہو؟ تو اس شخص نے جواب میں کہا کہ ہاں فلاں شخص ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شخص کی طرف چل پڑے دیکھا تو وہ پہلے شخص سے بھی زیادہ عبادت گذار ہے جب شام ہوتی ہے تو اسے دو روٹیاں اور پانی عطا ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شخص نے کہا کہ اے عبد خدا بتاؤ آپ کون ہیں؟ لگتا ہے کہ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں مجھے یہاں بہت مدت ہوگئی ہے اب تک مجھے یہاں ایک روٹی

کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا اگر آپ اللہ کے نیک بندے نہ ہوتے تو یہ دو روٹیاں نہ ملتیں۔ لہٰذا آپ بتاؤ کہ آپ کون ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ بن عمران کے علاقے کا رہنے والا ہوں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا آپ اپنے سے زیادہ عبات گذار کو جانتے ہو؟ تو اس شخص نے عرض کیا کہ فلاں لوہار فلاں شہر کا رہنے والا مجھ سے زیادہ عبادت گذار ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شخص کے پاس آئے تو وہ عبادت گذار ہونے کے بجائے ذکر خدا میں محو رہتا تھا جب نماز کا وقت ہوا تو اس نے نماز ادا کی شام ہوئی تو اس نے اپنے غلہ کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ دوگنا ہو چکا تھا یہ دیکھ کر اس نے سوال کیا کہ اے عبد خدا تم کون ہو؟ لگتا ہے کوئی عبد صالح ہو۔ ہم بہت مدت سے یہاں رہ رہے ہیں میری باقی دنوں کی کمائی تقریبا برابر ہوتی ہے لیکن آج دوگنا ہوئی ہے، لہٰذا بتایئے آپ کون ہیں؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ بن عمران کے علاقے کا رہنے والا ہوں۔ پھر اس شخص نے اپنی ایک تہائی کمائی کا حصہ راہ خدا میں دے دیا اور ایک تہائی اپنے مالک کو دے دی اور ایک تہائی سے طعام خریدا جسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بیٹھ کر کھایا راوی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسکرایا تو اس شخص نے پوچھا کہ کیوں مسکراتے ہو؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی نے فلاں شخص پر میری راہنمائی کی تو میں نے اسے تمام مخلوق سے بڑھ کر عبادت گذار پایا پھر اس شخص نے ایک اور عابد پر میری راہنمائی کی یہ شخص پہلے والے عابد سے بھی زیادہ عبادت گذار تھا پھر اس عابد نے آپ کی طرف راہنمائی کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ آپ اس سے بھی زیادہ عبادت گذار ہیں حالانکہ آپ مجھے ان لوگوں کی طرح دکھائی نہیں دیتے یہ سن کر اس عبادت گذار شخص نے کہا کہ میں ایک غلام آدمی ہوں کیا آپ نے مجھے ذکر خدا میں مشغول نہیں دیکھا؟ اور وقت پر نماز پڑھنے والا ہوں اور اگر میں ہر وقت نماز وغیرہ میں مشغول رہوں تو اس سے میرے مالک کے حق میں کوتاہی ہوگی اور دیگر لوگوں کو بھی نقصان ہوگا اچھا اب آپ بتاؤ کیا اپنے شہر کو جانا چاہتے ہو (تاکہ کرامت کے طور پر اسے آپ کے قریب کروں) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہاں راوی کہتا ہے کہ اتنے میں ایک ابر کا گذر ہوا تو اس لوہار عابد نے اس ابر کو اپنی طرف بلایا جب وہ آئی تو اسے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو تو ابر نے کہا کہ میں فلاں علاقہ جانا چاہتی ہوں۔ اس عابد نے کہا کہ چلی جاؤ پھر دوسری ابر کا گزر ہوا تو اس سے بھی کہا کہ کہاں جارہی ہو ابر نے کہا کہ میں فلاں علاقہ جانا چاہتی ہوں تو عابد نے کہا کہ چلی جاؤ پھر تیسری ابر کو بلایا پوچھا کہ کہا جانا چاہتی ہو ابر نے جواب دیا کہ موسیٰ بن عمران کے علاقہ میں جانے کا ارادہ ہے لوہار نے کہا کہ اس آدمی (موسیٰ بن عمران) کو ایک مہربان دوست کی طرح اپنے ساتھ اٹھاؤ اور اسے انتہائی نرمی کے ساتھ موسیٰ بن عمران کی سرزمین پر اتارنا۔ راوی کہتا ہے کہ جب

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے شہر پہنچے تو خداوند ذوالجلال سے عرض کی کہ اے میرے رب تو نے اس بندہ کو یہ مرتبہ کس عمل کی بناء پر عطا کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بندہ میری آزمائشوں پر صبر کرتا ہے اور میری قضاء وقدر پر راضی رہتا ہے اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔

(۱۵) حسن بن ابی الحسن دیلمی اپنی کتاب میں وہب بن منبہ سے روایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ اے داؤد جو اپنے حبیب سے محبت کرتا ہے اس کے قول کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے حبیب پر راضی رہتا ہے اس کے افعال پر بھی راضی رہتا ہے جسے اپنے حبیب پر بھروسہ ہو وہ اس پر اعتماد کر لیتا ہے جو اپنے حبیب کا مشتاق ہو وہ اس کی زیارت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اے داؤد ذکر کرنے والے کے لیے میرا ذکر ہے اطاعت کرنے والے کے لیے میری جنت ہے اور میرا شوق رکھنے والے کے لیے میری محبت ہے اور میں اپنے محبان کے لیے خاص ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میری اطاعت کرنے والے میرے مہمان ہیں اور جو میرا شکر کرتے ہیں میں انھیں زیادہ عطا کرتا ہوں اور میرا ذکر کرنے والا میری نعمتوں کے سایہ میں ہے اور میں گنہگاروں کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا ہوں اگر توبہ کرلیں تو میں ان کا حبیب ہوں، پکار پر میں انہیں جواب دیتا ہوں، اگر مریض ہوجائیں تو میں ان کو شفا دیتا ہوں، مصیبتوں اور مشکلات سے ان کو چھٹکارہ میں ہی دیتا ہوں گناہوں اور عیوب سے انھیں پاک کرتا ہوں

(۱۶) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

"ما جلس قوم يذكرون الله الا ناداهم مناد من السماء قوموا فقد بدلت سيئا تكم حسنات و غفرت لكم جميعا وما قعد عدة من اهل الارض يذكرون الله الا قعد معهم عدة من الملائكة" جب بھی کوئی قوم ذکر خدا کرنے کے لیے بیٹھتی ہے تو آسمان سے منادی ندا دیتا ہے کہ اٹھو خدا نے آپ کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا ہے اور تمام گناہ معاف کر دیے ہیں اور اہل زمین کا کوئی گروہ جب خدا کے ذکر کے لیے بیٹھتا ہے تو ان کے ساتھ ملائکہ کا گروہ بھی بیٹھتا ہے

(۱۷) روایت میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ کے باغیچوں میں مزے اور فراوانی کی زندگی گذارو۔

صحابہ نے عرض کی کہ جنت کے باغیچے کیا ہیں؟

رسول خدا نے فرمایا کہ محافل ذکر ہیں۔ صبح وشام خدا کا ذکر کیا کرو اور جو شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ خدا کے ہاں اسکی کتنی

منزلت ہے؟ تو اسے اس امر سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس کے ہاں خدا کی کتنی منزلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اتنا مقام عطا کرتا ہے جتنا اس بندے نے اپنے ہاں خدا کو مقام دیا ہوا ہو۔ اور تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے مالک کے ہاں آپ کا بہترین عمل، اورسب سے زیادہ پاکیزہ عمل، اور سب سے زیادہ درجات والا عمل اور اس بھری کائنات میں سب سے بہترین چیز ذکر خدا ہے۔

کیونکہ خود خداوند ذوالجلال نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ میں ذکر خدا کرنے والے کا ساتھی ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ 'تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا'' تم مجھے اطاعت وعبادت کے ساتھ یاد کرو اور میں تمھیں اپنی نعمتوں، احسان رحمت اور اپنی رضاء سے یاد کروں گا۔

(۱۸) حضرات معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ

" ان فی الجنة قیعانا فاذا اخذ الذاکر فی الذکر اخذت الملائکة فی غرس الاشجار فربما وقف بعض الملائکة فیقال له لم وقفت؟فیقول:ان صاحبی قد فتر ۔یعنی عن الذکر " جنت میں کاشت کرنے کے لیے ایک قسم کی کھیلیاں ہیں جب ذکر خدا کرنے والا ذکر کرتا ہے تو ملائکہ اس میں درخت لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کبھی کبھار ملائکہ باغیچہ لگانے میں رک جاتے ہیں جب ان سے دوسرے ملائکہ پوچھتے ہیں کہ کیوں رک گئے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارا ساتھی رک گیا ہے یعنی اس نے ذکر کرنا بند کر دیا ہے۔

فصل

استحباب ذکر تمام اوقات میں

ہر وقت ذکر کرنا ایک مستحب امر ہے۔ کسی وقت بھی ذکر خدا مکروہ نہیں ہے

حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ **" لا بأس بذکر الله و انت تبول فان ذکر الله حسن علی کل حال ولا تسائم من ذکر الله "** رفع حاجت کی حالت میں بھی ذکر خدا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ذکر خدا ہر حال میں اچھا ہے اس سے کبھی بھی اکتانا نہیں چاہیے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خالق کائنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی میں فرمایا کہ

"یا موسیٰ لا تفرح بکثرة المال ولا تدع ذکری علی کل حال فان کثرة المال تنسیٰ الذنوب و ان ترک ذکری یقسی القلب" اے موسیٰ علیہ السلام کثرت مال سے خوش نہ ہو، اور کسی حال میں بھی ذکر خدا کو ترک نہ کرو کیونکہ

مال کی فراوانی گناہوں کو بھلادیتی ہے، اور میرا ذکر ترک کرنا قساوت قلبی کا موجب بنتا ہے۔

حضرت ابی حمزہ ثمالی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں " مکتوب فی التوراۃ التی لم تغیر ان موسیٰ سئل ربہ فقال الٰھی تأتی علیّ مجالس اعزك و اجلك ان اذکرك فیھا ۔ فقال :۔ یا موسیٰ ان ذکری حسن علی کل حال " جس توریت کی تحریف نہیں ہوئی اس میں مکتوب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ اے میرے مالک بسا اوقات میں ایسی حالت میں ہوتا ہوں جس میں تیرا ذکر کرنا تیری عظمت اور جلالت کے منافی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ اے موسیٰ میرا ذکر ہر حالت میں اچھا ہے۔

فائدہ:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بسا اوقات خالق کائنات اپنے بندے کے ذکر خدا کرنے کو پسند کرنے کی وجہ سے اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے تا کہ وہ بار بار اللہ کا ذکر کرے اور اسے پکارے ۔ اور اسے ہم نے باب دعا میں ذکر کیا ہے۔

ابو صباح نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مؤمن کو جو مصیبت پہنچتی ہے کیا یہ اس کے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے؟

تو امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ خالق کائنات اس کی آہ وزاری اور شکوہ اور اس کی دعا سننا چاہتا ہے تا کہ اس کے نامہ اعمال میں اس کے لیے نیکیاں لکھی جائیں اور اس کے عوض اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے ۔ جس طرح بھائی اپنے بھائی سے عذر پیش کرتا ہے خالق کائنات بھی اپنے بندے سے عذر پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بروز محشر فقیر لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمائے گا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم میں نے تجھے اس لیے فقر وفاقہ میں مبتلاء نہیں کیا تھا کہ تو میرے سامنے حقیر تھا بلکہ میں نے تیرا امتحان لیا تھا ۔ اور اب ذرا اس حجاب کو ہٹاؤ مؤمن اس حجاب کو اٹھائے گا تو جب اس کی نظر اس اجر وعوض پر پڑے گی جسے خدا نے اسے دنیاوی فقر وفاقہ کے عوض عطا کی ہوگی تو ایک دم اس کی زبان سے نکلے گا اے میرے پروردگار دنیا میں تو نے مجھے جن چیزوں سے محروم کیا تھا اس میں میرا خسارہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی قوم سے محبت کی تو اسے آزمائش میں مبتلا کیا اور یقیناً عظیم اجر عظیم آزمائشوں پر ہوا کرتا ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جن میرے مؤمن بندوں کا دین، مال وثروت اور محبت وعافیت کے بغیر نہیں سنور سکتا میں انھیں اسی میں مبتلاء کر دیتا ہوں ۔ اور جن کے دین کی اصلاح فقر وفاقہ میں پنہا ہوتی ہے تو انھیں فقر وفاقہ

میں آزماتا ہوں اس طرح وہ آسانی سے دین پر باقی رہ سکتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندے سے عہد لیا ہے کہ (دنیا میں) اس کی بات کو جھٹلایا جائے گا اور دشمنوں سے انتقام لینے کی قدرت نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو بحر مصائب میں غوطہ زن کرتا ہے اور جس بندے نے جب دعا مانگی تو جواب ملتا ہے کہ اے میرے بندے جو بھی تو نے مجھ سے مانگا ہے میں اس پر قادر ہوں لیکن میں نے جو تیرے لیے (آخرت کے لیے) خزانہ کر رکھا ہے وہ تیرے حق میں کہیں بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے لوگوں کی طرف سے ملنے والی اذیتوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے شکایت کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مؤمنین اس دنیا میں کبھی بھی راحت سے نہیں رہ سکتے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

" ان فی الجنة منازلاً لا ینالها العباد باعمالهم لیس لها علاقة من فوقها ولا عمادمن تُحتها ـ قیل: یا رسول الله من اهلها ؟ فقال صلی الله علیه و آله وسلم هم اهل البلایا والهموم جنت میں کچھ ایسی منازل ہیں جن تک بندے اپنے اعمال کی بدولت نہیں پہنچ سکتے اور ان منازل کی کیفیت یہ ہے کہ نہ ان کا اوپر سے کوئی تعلق ہے جس سے باندھی گئی ہوں، اور نہ ہی ان منازل کا کسی ستون پر اعتماد ہے جو انھیں اٹھائے ہوئے ہیں سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ایسی منازل میں بسنے والے کون ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ان منازل کے اہل ہیں جو مصائب و مشکلات پر صبر کرنے والے ہیں۔

فصل

محفل کا ذکر خدا سے خالی نہ ہونا

انسان ہر وقت ذکر خدا میں مشغول رہے، اس کی کوئی نشست بھی ذکر خدا سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔

راوی ابو بصیر حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ

" مااجتمع قوم فی مجلس لم یذکروا الله ولم یذکرونا الا کان ذالك المجلس حسرة علیهم یوم القیامة " جب کوئی قوم کسی محفل میں اللہ اور ہمارا ذکر نہ کرے تو وہ محفل ان کے لیے قیامت کے دن حسرت کا موجب بنتی ہے۔

پھر اس کے بعد امام باقر علیہ السلام کا قول ذکر کیا کہ

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ''ہمارا ذکر حقیقت میں اللہ کا ذکر ہے اور ہمارے دشمنوں کا ذکر کرنا شیطان (لعین) کا ذکر ہے۔

اسی امام سے ایک اور جگہ پر منقول ہے کہ

''جو شخص بھی یہ چاہے کہ قیامت کے دن اس کے اعمال وزنی ہوں تو اسے اٹھتے وقت یہ پڑھنا چاہیے ''**سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام علىٰ المرسلين والحمد لله رب العالمين**'' میرا پروردگار ان صفات سے پاک و پاکیزہ ہے جو وہ (مشرکین و کفار) بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام ہو اور دونوں جہانوں کے رب کی حمد ہو۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''جب ملائکہ ذکر کرنے والوں سے گذرتے ہیں تو ان کے سروں پر رک جاتے ہیں، جب آسمانوں کی طرف جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود پوچھتا ہے کہ تم کہاں تھے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ذکر کی محفل سے آرہے ہیں۔ یہ لوگ تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ تیری بزرگی بیان کرتے ہیں، جہنم کی آگ کا خوف رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آپکو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے، اور جہنم کی آگ کہ جس کا وہ خوف رکھتے ہیں میں نے انھیں امان عطا کر دی ہے۔

ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ! ان لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی بیٹھے تھے جنہوں نے تیرا ذکر نہیں کیا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ میرا ذکر کرنے والے لوگوں کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے لہٰذا انھیں بھی میں نے بخش دیا ہے کیونکہ میرا ذکر کرنے والوں کی اتنی عظمت ہوتی ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والے لوگ بھی سعادت مند بن جاتے ہیں۔

فصل

غافل لوگوں میں اللہ کا ذکر

جب انسان ذکر خدا سے غافل لوگوں کے درمیان ہو تو اس وقت خدا کا ذکر کرنا مستحب مؤکد ہوتا ہے، کیونکہ ان کے ذکر کرنیکی وجہ سے وہ سب ممکنہ بلاء و مصیبت سے محفوظ ہو جائیں گے

حضرت امام صادق علیہ السلام نے بھی اس امر کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

''**الذاكر لله فى الغافلين كالمقاتل عن الهاربين**'' غافل لوگوں کے درمیان ذکر خدا کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو بھاگنے والوں میں سے جہاد اور جنگ کر رہا ہو

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے منقول ہے کہ ''غفلت کی وادی میں رہنے والے لوگوں کے درمیان ذکر خدا کرنا اس شخص کی مانند ہے جو فرار کرنے والوں میں سے جنگجو ہو۔اور ان میں سے جنگجو جنتی ہوتا ہے۔''

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''جس شخص نے بازار میں اس وقت مخلص ہوکر ذکر خدا کیا جب لوگ غفلت میں ہوں اور اپنی مصروفیات میں غرق ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار نیکی لکھے گا اور روز قیامت اس کی ایسی مغفرت فرمائے گا کہ جس کا کبھی بھی اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

فصل

اوقات ذکر

ذکر خدا کے لیے سب سے افضل وقت صبح اور شام کا وقت ہوتا ہے اور اسی طرح عصر کے مابعد بھی ذکر خدا کرنا افضل ہوتا ہے

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''قال اللہ تعالیٰ : یابن آدم اذکرنی بعد الصبح ساعة و بعد العصر ساعة أکفك ما اھمك'' اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم علیہ السلام صبح وعصر کے بعد میرا ذکر کرو اور میں تیرے لیے ہر وہ چیز پوری کروں گا جو تو چاہے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ

''ان ابلیس علیہ لعائن اللہ یبث جنود اللیل من حین تغیب الشمس و حین تطلع فاکثرو اذکر اللہ فی ھاتین الساعتین و تعوذوا باللہ من شر ابلیس و جنودہ و عوذوا صغار کم فی تلك الساعتین فانھما ساعتاغفلة'' ابلیس پر خدا کی لعنت ہو وہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں اپنے لشکر (انسان کے بہکانے کے لیے) بھیجتا ہے،لہٰذا اس وقت بہت زیادہ ذکر خدا کرنا چاہیے ابلیس اور اس کے لشکر سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیے۔اور اپنی اولاد کو بھی خدا کی پناہ میں دو۔کیونکہ یہ دونوں وقت غفلت کے اوقات میں سے ہیں

حضرت امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول **''و ظلالھم بالغدو والآصال''** سورۃ الرعد آیت ۱۵ کی تفسیر یہ ہے کہ انسان کو سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے دعا کرنی چاہیے اور اسی وقت دعا جلد قبول ہوتی ہے

فصل

ذکر کو چھپانا

ذکر خدا کو مخفی طور پر بجا لانا ایک مستحب امر ہے کیونکہ یہ ریا کاری سے زیادہ دور اور اخلاص کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا

" یا ابا ذر اذکر اللہ ذکراً خاملاً _ قلت ماالخامل؟ قال: الخفی" اے ابوذر اللہ کا ذکر خامل ہو کر کیا کرو ابوذر نے عرض کی کہ "خامل" سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مخفی ذکر کیا کرو۔

حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہما السلام سے منقول ہے کہ

"جس نے چھپا کر ذکر کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور منافقین لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن تنہائی میں خدا کو یاد نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "یـراء ون النـاس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا" ترجمہ:۔ وہ لوگوں کے سامنے ریا کاری کرتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا کلام حق ترجمان ہے کہ

" قال اللہ تعالیٰ: من ذکرنی سرا ذکرتہ علانیۃ" جس نے تنہائی میں میرا ذکر کیا میں اعلانیہ اس کا ذکر کرتا ہوں۔

حضرت زرارہ علیہ الرحمۃ نے حضرت امام باقر علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ

"فرشتہ وہی لکھتا ہے جسے اس نے سنا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اپنے اندر عاجزی اور خوف سے خدا کو یاد کرو"

پس ذکر کی اتنی عظمت ہے کہ انسان جب اپنے نفس میں چھپا کر خدا کو یاد کرتا ہے تو اس کا ثواب سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا"

ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ میں تھے جب سب لوگ ایک وادی میں پہنچے تو لوگوں نے بلند آواز سے (لا الہ الا اللہ) اور تکبیر کی صدائیں بلند کیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ "یـا ایھـا النـاس اربـعوا علی انفسکم اما انکم لا تدعون اصماً ولا غائباو انماتدعون سمیعا قریبا معکم" اے لوگو! ذرا ٹھہرو، تم کسی بہرے اور غائب کو تو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم اسے پکار رہے ہو جو ہر شی کو سنتا ہے اور تم سے قریب ہے۔

فصل

ذکر کی اقسام

ذکر کی کئی اقسام ہیں

(ا) التحمید (حمد خدا کرنا):۔ایک راوی فضل سے روایت کرتا ہے کہ فضل کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولا میں آپ پر قربان ہو جاؤں مجھے کوئی جامع دعا کی تعلیم دو۔تو آپ نے مجھے اس دعا کی تعلیم فرمائی کہ"اللہ کی حمد کرو کیونکہ ہر نماز پڑھنے والا جب"سمع اللہ لمن حمدہ"پڑھتا ہے تو تم بھی اس دعا میں شریک ہوتے ہو(ا)

حاشیہ:(لغت عربی میں حقیقت میں یہ دعائیہ جملہ ہے جس کا معنی یوں ہے"خدایا حمد کرنے والے کی حمد کو سن")

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ہر وہ کلام کہ جس کو حمد خدا سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتی ہے۔

ابو مسعود امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ

"من قال اربع مرات اذا أصبح : الحمد لله رب العالمين فقد ادیٰ شكر يومه و من قالها اذا امسیٰ فقد ادیٰ شكر ليلته"جو شخص صبح ہوتے وقت چار دفعہ" الحمد لله رب العالمين" کہتا ہے تو اس نے اس پورے دن کا شکر ادا کر دیا ہے اور جو اسے شام کے وقت کہتا ہے تو اس نے پوری رات کا شکر ادا کر دیا۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے"الحمد للہ کما ھو اہلہ"کہا تو اس نے لکھنے والے فرشتوں کو مصروف کر دیا اور وہ خدا سے عرض کرنے لگے کہ بار الہا ہم غیب کو نہیں جانتے (تاکہ اس جملہ کے مطابق اس شخص کے نامہ اعمال میں ثواب لکھیں) خالق کائنات فرمائے گا کہ اے فرشتو!تم اس جملہ کو اسی طرح درج کر دو جیسے میرے بندے نے پڑھا ہے اور اس کا ثواب مجھ پر چھوڑ دو۔

تمجید (بزرگی خدا بیان کرنا):۔علی بن حسان نے اپنے بعض اصحاب کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادق کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ"ہر وہ دعا جس کی ابتداء میں خدا کی بزرگی نہ بیان کی جائے تو وہ بے برکت ہوتی ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے خدا کی بزرگی بیان کی جائے پھر حمد علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر وہ دعا کہ جس کی ابتداء میں خدا کی بزرگی بیان نہ کی جائے تو وہ بے برکت ہوتی ہے۔لہذا ضروری ہے کہ پہلے خدا کی بزرگی بیان کی جائے پر حمد ہو راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی بزرگی بیان کرنے کی کیا ادنیٰ مقدار ہے تو امام صادق علیہ السلام نے جواب دیا کہ یوں کہو" اللھم انت

الاول فليس قبلك شی و انت الآخر فليس بعدك شیء و انت الظاهر فليس فوقك شی ء و انت الباطن فليس دونك شی ء و انت العزيز الحكيم " خدایا تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی نہیں تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شی نہیں، تو باطن ہے اور تو ہی غالب اور حکمت والا ہے،

یک اور مقام پر اسی سند روایت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ بزرگی ء خدا بیان کرنے کی کم سے کم کیا مقدار ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یوں کہو" **الحمد لله الذی علا فقهر و الحمد لله الذی ملك فقدر و الحمد لله الذی بطن فخبر و الحمد لله الذی يحی الموتیٰ ويميت الاحياء وهو علی كل شی قدير** " حمد ہے اس ذات کے لیے جو بلند عظمتوں کی مالک ہے اور قہار ہے حمد ہے اس کے لیے جو ہر چیز کا مالک ہے اور ان پر قادر ہے حمد و ثناء ہے اس ہستی کے لیے جو باطن ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے اور حمد ہے اس کے لیے جو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے، اور وہ ذات ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲) تھلیل و تکبیر:۔ذکر کی اقسام میں سے تہلیل و تکبیر کرنا ہے (تہلیل سے مراد" لا الہ الا اللہ" کہنا ہے اور تکبیر سے مراد 'اللہ اکبر" کہنا ہے۔

ربعی راوی نے ایک اور شخص سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ

" **اكثروا من التهليل و التكبير فانه ليس شیء احب الیٰ الله من التكبير و التهليل** " تہلیل و تکبیر کثرت سے کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تہلیل و تکبیر سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

" **خير العبادة قول لا اله الا الله** " یعنی:۔سب سے بہترین عبادت لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔

(۳) تسبیح :۔یونس بن یعقوب روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ جو شخص "سبحان اللہ" کو سو دفعہ کہے کیا وہ ان میں سے شمار ہوگا جو بہت زیادہ ذکر خدا کرتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ! ہاں وہ شخص بہت زیادہ ذکر کرنے والوں میں سے ہے

ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے لشکر کی چھاؤنی ایک سو فرسخ لمبی اور ایک سو

فرسخ چوڑی تھی ان میں سے پچیس فرسخ جنات کے لیے خاص تھے اور اسی طرح پچیس فرسخ انسانوں کے لیے خاص تھے اور پچیس پرندوں کے لیے اور پچیس جنگلی جانوروں کے لیے خاص تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے لکڑی پر شیشے سے بنا ہوا ایک ہزار گھر تھا۔ جن میں ان کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں رہتی تھیں۔ اور جنات نے آپ کے لیے سونے اور ریشم سے ایک ایسا بچھونا بنایا جسکی لمبائی دو فرسخ اور چوڑائی ایک فرسخ تھی اور سونے سے تیار شدہ آپ کا منبر اس بچھونے کے درمیان رکھ دیا جاتا تھا اور جب آپ اس منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو سونے اور چاندی کی ایک ہزار کرسی آپ کے اردگرد سجادی جاتی۔ سونے کی کرسیوں پر انبیاء اور چاندی کی کرسیوں پر علماء بیٹھتے تھے اور ان کے آس پاس لوگ ہوتے تھے اور لوگوں کے ہر طرف جن اور شیاطین ہوتے تھے اور سورج کی دھوپ سے بچنے کے لیے پرندے سایہ کرتے تھے۔ صبح کی ہوا اس بچھونے کو اڑاتی اور مہینہ کا سفر ایک دن میں ہوتا روایت میں ملتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تیز ہوا کو حکم دیتے کہ حضرت کو چلائے اور نرم ہوا کو حکم دیتے کہ انھیں اٹھالے۔ اسی دوران کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان چل رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نے آپ کے ملک وسلطنت میں ایک اور چیز کا اضافہ کیا ہے۔ کہ جب بھی کوئی کسی سے بات کرے گا تو اسے ہوا آپ تک پہنچائے گی یہی وجہ ہے کہ حکایت کیا جاتا ہے کہ ایک کسان کے پاس سے گذرے جو حسرت سے یہ کہہ رہا تھا کہ ابن داؤد کو عظیم سلطنت عطا ہوئی ہے۔ ہوا نے یہ بات حضرت تک پہنچا دی تو آپ اس کسان کی طرف چل پڑے اور کہا کہ میں تیری طرف اس لیے آیا ہو کہ ایسی شی کی تمنا نہ کرو جس پر تم قادر نہیں ہو پھر فرمایا کہ تیری ایسی ایک تسبیح خدا کرنا جو اللہ کے ہاں مقبول ہو وہ آل داؤد کی سلطنت اور حکومت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ

"کیونکہ اللہ کے ہاں مقبول تسبیح کا ثواب باقی رہے گا جبکہ ملک وسلطنت سلیمان فنا ہو جائے گی"۔

تسبیح اور تحمید

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

"قال امیر المؤمنین علیہ السلام :التسبیح نصف المیزان و التحمید یملأ المیزان و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر یملأ مابین السمٰوات و الارض،، امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے فرمایا کہ تسبیح کرنا آدھا میزان عمل ہے۔ اور حمد خدا میزان عمل پر کر دیتا ہے، اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر آسمان و زمین کو بھر دیتا ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ

" اشهـدا ان لا الـه الا الله وحده لا شريك له الٰها واحداً احداً فرداً صمداً لم يتخذ صاحبة ولا ولدا" اس ذکر کو جو پنتالیس دفعہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی چار کروڑ پچاس لاکھ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھے گا۔ اور چار کروڑ پچاس لاکھ برائیوں کو مٹا دے گا۔ اور چار کروڑ پچاس لاکھ درجات بلند کرے گا۔ اور یہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے قرآن مجید کی بارہ ہزار مرتبہ ایک دن میں تلاوت کی ہو، اور اس کا ٹھکانہ جنت میں ہوگا۔

(۵) پانچ کلمات:۔

ذکر کی اقسام میں سے "پانچ کلمات" ہیں

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں ایسے پانچ کلمات کی تعلیم نہ دے دوں جو زبان پر تو آسان ہیں لیکن نامہ اعمال میں بہت وزنی ہیں۔ اور ان سے رحمان راضی ہو اور شیطان بھاگ جائے، اور یہ جنت کے خزانوں میں سے ہیں اور عرش کے نیچے ہیں۔ اور یہ پانچ کلمات ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والی نیکیوں میں سے ہیں۔

صحابہ کرام نے عرض کی کہ! کیوں نہیں اے رسول خدا ہمیں ان کی تعلیم فرماؤ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہو: **سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم**۔

اور فرمایا کہ یہ پانچ کلمات آپ کو مبارک ہوں کیا انکی شان ہے اور ان سے بڑھ کر اور کیا ہے جو میزان اعمال میں بھاری ہو۔

(۶) تسبیحات اربعہ:۔

ذکر کی اقسام میں سے "تسبیحات اربعہ" ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسے شخص سے گزر ہوا جو پودے لگا رہا تھا۔ آنحضرتؐ اس کے پاس ٹھہر گئے اور اسے فرمانے لگے کہ کیا تجھے ایسے درخت کی خبر دوں جسکی جڑ بہت پختہ ہو اور بہت تیزی سے پروان چڑھے اور اس کا پھل بہت مزیدار اور دیرپا ہو؟

وہ شخص کہنے لگا! ہاں یا رسول اللہ فرمایئے کہ وہ کون سا درخت ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ صبح و شام "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر،، کا ذکر کیا کر اگر تو نے اس کا ذکر کیا تو جنت میں تیرے لیے ہر تسبیح کے عوض دس درخت مختلف پھلوں والے ہوں گے اور تسبیحات باقی رہ جانے والی نیکیاں ہیں۔

اس آدمی نے عرض کی کہ ! اے اللہ کے رسول میں آپ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میرا یہ باغ فقیر مسلمانوں کیلئے صدقہ ہو،اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی "**فاما من اعطیٰ و اتقی و صدق بالحسنیٰ فسنیسره للیسری**" ترجمہ:۔جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو اس کے لیے ہم آسانی کا انتظام کر دیں گے۔

محمد بن خالد برقی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتا ہے اور امام صادق علیہ السلام اسے اپنے آباؤ اجداد سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " **من قال: سبحان الله غرس الله له بها شجرة فی الجنة و من قال:الحمد لله غرس الله له بها شجرة فی الجنة و من قال : لا اله الاالله غرس الله له بها شجره فی الجنة و من قال: الله اکبر ، غرس الله له بها شجرة فی الجنة**" جوشخص "سبحان اللہ" کہتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے ایک درخت لگاتا ہے اور جس نے "الحمد للہ" کہا اس کے لیے بھی جنت میں ایک درخت ہے اور جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا اس کے لیے بھی جنت میں ایک درخت ہے اور جس نے "اللہ اکبر" کہا جنت میں اس کے لیے بھی ایک درخت ہے۔

یہ سن کر قریش کے ایک آدمی نے کہا کہ پھر تو جنت میں ہمارے بہت سارے درخت ہوں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے لیکن انھیں آگ سے جلا نہ دینا۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ (یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم) سورہ محمد آیت ۳۲ " اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو"

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "اگر تم اپنا پورا اثاثہ ایک دوسرے پر رکھ کر جمع کر دو تو کیا آپ آسمان تک پہنچ جاؤ گے؟تو سب اصحاب نے عرض کی نہیں اے اللہ کے رسولؐ

پھر رسول خدا نے فرمایا کہ کیا میں آپ کو ایسی چیز کی رہنمائی نہ کردوں جس کی جڑ زمین میں ہے اور شاخ آسمان تک بلند ہے؟

صحابہ نے عرض کی ! کیوں نھیں ضرور فرمایئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ تم میں سے جب بھی کوئی فریضہ نماز سے فارغ ہو چکے تو تیس مرتبہ پڑھے " **سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر** " کیونکہ ان تسبیحات کی اصل زمین میں ہے او

شاخیں آسمان کی طرف بلند ہیں اور ان کے ذریعہ غم دور ہوتا ہے درندوں سے محفوظ رہتا ہے، اور یہ ذلت کی موت سے حفاظت کرتی ہیں۔اور اس دن نازل ہونے والی آسمانی آفات کو دور کرتی ہیں، اور یہ باقیات صالحات ہیں۔

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج کرایا گیا تو جنت الفردوس میں ایک نورانی مکان دیکھا جس میں ملائکہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے محل تعمیر کر رہے تھے اور کبھی رک جاتے تھے تو میں نے ان سے رکنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہم اس عمارت کا تعمیراتی میٹریل پہنچنے پر رک جاتے ہیں میں نے پوچھا کہ وہ میٹیریل کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ وہ مؤمن کا قول ہے "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر" جب وہ اس کا ذکر کرتا ہے تو ہم بنانا شروع کر دیتے ہیں۔اور جب اسے پڑھنا چھوڑ دے تو ہم اسے بنانا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

(۷) استغفار:۔

یہ بھی ذکر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے،

سکونی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دعا استغفار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح تانبے کو زنگ لگتا ہے اسی طرح دلوں کو بھی زنگ لگتا ہے ۔لہٰذا دلوں کو استغفار پڑھ کر چمکایا اور صاف کیا کرو

ایک اور مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ!

"من أكثر الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجا ومن كل ضيق مخرجا ورزقه من حيث لا يحتسب"، جس نے بہت زیادہ استغفار کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہم وغم کو دور کر دیتا ہے اور اسے ہر تنگی اور مشکل گھڑی میں نجات دیتا ہے۔اور ایسی جگہ سے اسے رزق ملتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا۔

زرارہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ

جب بندہ کثرت سے استغفار کرتا ہے تو اس کے صحیفہ اعمال کو نورانی کر کے عرش بریں کی طرف بلند کیا جاتا ہے ۔

حضرت امام ثامن الائمۃ علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ

استغفار سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درختوں سے (خزاں میں) پتے جھڑتے ہیں۔استغفار کرنے کے بعد گناہ

کرنا گویا خدا کا مذاق اڑانا ہے۔

ایک اور مقام پر انہی امام علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی محفل میں بیٹھتے تھے تو پچیس مرتبہ استغفار کیے بغیر نہیں اٹھتے تھے۔ چاہے وہ مختصر وقت کی محفل ہی کیوں نہ ہوتی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دن کی صبح ستر دفعہ استغفار پڑھتے یعنی (استغفر اللہ) اور ستر دفعہ خدا سے توبہ مانگتے (وا توب الیہ)۔

انھی امام علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "**استغفار اور لا الہ الا اللہ**" کہنا ایک بہترین عبادت ہے۔

ہر چیز پر غالب اور جبار اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

"**فاعلم انہ لا الہ الا اللہ و استغفر لذنبک**" سورہ محمد ۱۹

ترجمہ:۔یقین رکھو اس بات پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرو۔(۱)

---

(۱) "باب استغفار" کے ذیل میں بعض ایسی روایات کا ذکر ہوا ہے جس میں واضح طور پر ملتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیؐ خدا سے توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔اور اس مذکورہ آیہ میں بھی آنحضرتؐ کو اپنے اور دیگر مومنین کے گناہوں کی مغفرت کرنے کا خدا کی طرف سے حکم ملا ہے۔

تو یہاں پر قابل غور امر یہ ہے کہ آنحضرتؐ معصوم تھے ابتدائی زندگی سے لیکر آخر تک ہر قسم کے گناہوں سے پاک و پاکیزہ تھے۔جو کہ مذہب امامیہ کا ایک مسلم عقیدہ ہے۔تو استغفار کے کیا معنیٰ ہوئے؟ اس مقام پر علماء کرام کی مختلف آراء ونظریات ہیں۔بعض علماء کا قول ہے کہ آنحضرتؐ کا استغفار کرنا اور توبہ کی دعا کرنا یہ حقیقت میں لوگوں کو تعلیم دینی تھی۔اور لوگوں کو بندگی اور خدا سے خوف کا درس دینا تھا۔

جبکہ بعض علماء کے نزدیک یہ استغفار فقط لوگوں کے لیے تعلیم نہ تھی۔ بلکہ یہ استغفار آنحضرت اپنے لیے فرماتے تھے۔اور وہ اس لیے کہ بسا اوقات مشغولیت کی وجہ سے ذکر نہ کر پاتے تھے جو کہ آنحضرتؐ سے ہمیشہ مقصود تھا۔لہذا بعض اوقات میں ذکر نہ کرنا وہ اپنے لیے گناہ تصور کرتے تھے۔تو اس بناء پر استغفار کیا کرتے تھے نہ یہ کہ العیاذ باللہ کوئی اور گناہ سرزد ہوتے تھے جس کی وجہ سے وہ استغفار کیا کرتے تھے۔بلکہ ان کا بعض اوقات میں ذکر نہ کرنا بھی اپنے لیے ایک گناہ سمجھتے

فصل

ذکر کے بہترین اوقات

ذکر خدا کے لیے بہترین اوقات سحر کا وقت اور صبح وعصر کے مابعد کا وقت ہے۔

حضرات امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

اپنے صحیفہ اعمال کے اوّل (صبح کے وقت) اور آخر (شام) کو نیکیوں سے بھر دو اور ان دونوں وقتوں کے درمیان خدا بخش دیگا۔

ہارون بن موسیٰ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جس نے ہر روز عصر کے بعد ایک مرتبہ کہا

" استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم ذو الجلال والاکرام واسأله ان یتوب علی توبة عبد ذلیل خاضع فقیر بائس مسکین مستکین مستجیر لا یملك لنفسه نفعا ولا ضراً ولا حیاة ولا موتا ولا نشورا " میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ حی و قیوم صاحب عظمت وکرم

تھے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ (**حسنات الابرار سئیات المقربین**) یہاں پر ایک اور جواب بھی دیا جاتا ہے جو اسکے مشابہ ہے جسے ہم نے سابقاً حضرت موسیٰؑ کو جلد توبہ کرنے کے حکم خدا کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ مقام اعلی پر فائز ہونے کے باوجود ہر روز ایک ایسے مقام پر ترقی کرتے تھے جو کہ پہلے والے مقام سے زیادہ اعلیٰ وافضل ہوتا تھا۔تو آنحضرت اپنے سابقہ مقام کو گناہ کی طرح تصور کرتے تھے۔اور اپنے لئے ایک نقص تصور کرتے تھے۔اگر چہ وہ خود ایک مقامات عالیہ میں سے مقام تھا۔

اسی امر کو سابقاً ہم نے تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ تمام اعلی صفات پر فائز ہونے کے باوجود ممکن الوجود تھے۔اور خالق کائنات واجب الوجود ہے۔اور ممکن الوجود ہمیشہ کمال کی طرف سفر کرتا رہتا ہے لیکن امکان کی صفت کی وجہ سے واجب الوجود کے سامنے ناقص ہوتا ہے۔جس کی مغفرت کرتے رہتے ہیں۔اور (ذنب) لغت عربی میں (نقص) کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔تو ادنی مقام سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنا سابقہ مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک (ذنب) یعنی (نقص) ہے۔تو لہذا وہ اسی کی مغفرت کرتے تھے۔) (فتأمل فانہ دقیق)

ہے۔ میں خدا کی بارگاہ میں ایک عاجز وفقیر اور ناچار و پناہ ڈھونڈنے والے کی طرح توبہ کا سوال کرتا ہوں اور میں نہ اپنے نفع کا مالک ہوں اور نہ نقصان کا۔ مجھ فقیر کے بس میں نہ زندگی ہے اور نہ موت ہے اور نہ ہی قبر سے اٹھنا اختیار میں ہے۔

اس مذکورہ دعا کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دیتا ہے کہ اس شخص کے صحیفہ اعمال کے سیاہ اوراق کو پھاڑ دو۔

حضرات معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ درود وسلام بھیجتا ہے ان لوگوں پر جو سحر کو اٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

روایت میں ملتا ہے کہ ابوالقمقام جو کہ ایک صاحب حرفت وصنعت انسان تھا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے پیشہ کی حضرت (ع) سے شکایت کی اور عرض کی کہ مولا اس سے میری حاجت پوری نہیں ہوتی۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز صبح کے بعد دس مرتبہ پڑھو "سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ واسألہ من فضلہ"

ابوالقمقام کہتا ہے کہ میں نے اس ذکر کو باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا ابھی کچھ ہی دن گذرے تھے کہ گاؤں سے لوگ میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ میری قوم کا ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اور اس کا میرے علاوہ کوئی وارث نہ تھا۔ پس میں گیا اور مجھے اس کی میراث ملی پھر اس کے بعد میں نے فقر کو نہیں دیکھا۔

فصل

بعض اوقات کی خاص دعائیں

پہلی دعا:۔ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام جب صبح کرتے تھے تو تین مرتبہ پڑھتے تھے "**سبحان اللہ الملک القدوس**" اور پھر کہتے "**اللھم انی اعوذ بك من زوال نعمتك و تحویل عافیتك ومن فجأۃ نقمتك ومن درك الشقاء ومن سوء القضاء ومن شر ما سبق فی الکتاب اللھم انی اسئلك بعزۃ ملکك و شدۃ قوتك وبعظیم سلطانك و بقدرتك علیٰ خلقك**"

اے اللہ میں نعمت کے زائل ہونے، عافیت کے جانے، اچانک عذاب کے نازل ہونے، بدبختیوں اور نامہ اعمال کی سیاہ کاریوں سے آپکی پناہ مانگتا ہوں، اے الٰہی تجھے تیری حکومت کے غلبہ، تیری شدید قوت اور عظیم سلطنت و بادشاہت اور مخلوق پر تیری قدرت کا واسطہ دیتا ہوں۔ (اس کے بعد اپنی حاجت مانگو ان شاء اللہ پوری ہوگی)۔

دوسری دعا: حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام صبح کے وقت دعا مانگتے تھے،

" مرحبا بکما من ملکین حفیظین کریمین املی علیکما ما تختاران ان شاء الله " اے کریم اور نامہ اعمال لکھنے والے فرشتو! خوش آمدید ہو۔ انشاء اللہ وہی چیز آپکو لکھواؤں گا (یعنی نیک اعمال) جسے آپ چاہتے ہو۔ پھر اس دعا کے بعد مولائے کائنات مسلسل تسبیح و تحلیل میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ اور اسی طرح عصر کے بعد بھی تسبیح و تحلیل میں مصروف رہتے تھے۔

تیسری دعا: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو یہ چاہتا ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ سے ملاقات اس حالت میں کرے کہ اس کے نامہ اعمال میں خدا کی وحدانیت اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی درج ہو اور اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں اور اسے ولی کا رتبہ عطا ہو اور جس دروازے سے داخل ہونا چاہے اسے جنت میں داخل ہونیکی اجازت ہو تو پھر صبح و شام اسے یوں دعا کرنی چاہیے۔

" بسم الله الرحمٰن الرحیم اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله و اشهد ان الساعة آتیة لا ریب فیها و ان الله یبعث من فی القبور علیٰ ذالك احیاء و علی ذالك أموت و علی ذالك ابعث حیا ان شاء الله اقرأ محمدا منی السلام ـ الحمد لله الذی أذهب باللیل مظلمابقدرته و جاء بالنهار مبصراً برحمته خلقا جدیداً" یعنی:۔ رحمان و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں ، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں اور قیامت کے دن کی گواہی دیتا ہوں ، اور اللہ تعالیٰ اہل قبور کو اٹھائے گا ، میں اسی عقیدہ پر زندہ ہوں اور اسی پر مجھے موت آئیگی اور ان شاء اللہ اسی پر محشور ہوں گا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرا سلام ہو۔ حمد ہے اس اللہ کی جو اپنی قدرت سے رات کی تاریکی کو لے گیا اور روشن دن کو نئی مخلوق کی صورت میں عطا کیا۔

پھر دائیں طرف متوجہ ہو کر کہے "مرحبا بالحافظین" (اعمال لکھنے والے فرشتو! خوش آمدید) اور پھر بائیں طرف منہ کر کے یوں کہے " حیاکما الله من کاتبین " (کراما کاتبین کی سلامتی ہو)۔

چوتھی دعا: ایک راوی حماد بن عثمان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز کے بعد کسی سے بات کیے بغیر یوں کہا " رب صل علی محمد و علیٰ اهل بیته " تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم کی آگ کے جھونکوں سے محفوظ رکھے گا۔

پانچویں دعا:۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہوکر یہ دعا پڑھے اللہ اس کی ہر حاجت کو پورا فرماتا ہے۔ " **بسم اللہ وصلی اللہ علی محمد و آلہ .. و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد فوقاہ اللہ سیئات ما مکرو ا ، لا الہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہ و نجیناہ من الغم و کذالک ننجی المؤمنین ، حسبنا اللہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء ما شاء اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ لا ماشاء الناس،ما شاء اللہ وان کرہ الناس حسبی الرب من المربوبین حسبی الخالق من المخلوقین حسبی الرازق من المرزوقین حسبی اللہ رب العالمین حسبی من ھو حسبی ،حسبی من لم یزل حسبی حسبی من کان منذ کنت لم یزل حسبی ، حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم**" نام خدا سے شروع کرتا ہوں۔ الٰہی محمد و آل محمد پر درود بھیج ۔ اور میں اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے خدا نے مکر کرنے والوں کے مکر سے بچالیا۔ الٰہی تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، تو ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے اور میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے تھا، تو ہم نے ان کی دعا کو قبول کرلیا اور انھیں غم سے نجات دلا دی کہ ہم اس طرح صاحبان ایمان کو نجات دلاتے رہتے ہیں ۔ ہمارے لیے خدا کافی ہے اور وہی ہمارا ذمہ دار ہے، پس یہ مجاہدین خدا کے فضل و کرم سے یوں پلٹ آئے کہ انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں ہے ۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ یہ کہ لوگ جو چاہیں، اگر لوگ اسے ناپسند ہی کریں لیکن خدا جو چاہتا ہے وہ ہوجاتا ہے۔ لوگوں کے مقابلے میں عالمین کا پالنے والا میرے لیے کافی ہے، میرے لیے وہی خالق و رازق اور عالمین کا رب ذات کردگار کافی ہے ۔ وہی ذات کافی ہے اور ہمیشہ کے لیے کافی ہے، جب سے میں ہوں وہ مجھے کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور میں نے اس پر توکل کیا ہے اور وہی باعظمت عرش کا پروردگار ہے۔

چھٹی دعا:۔ زوال کے بعد جو دعائیں مانگی جاتی ہیں ان میں سب سے افضل دعا یہ ہے، " **اللھم انک لست باء لہ استحدثناک............ الخ**"(۱)

(۱) یہ ایک طویل و عریض دعا ہے۔ جو کہ مفصلاً کتب ادعیہ مثلاً مصباح المتہجد وغیرہ میں مذکور ہے ۔ مصباح المتہجد میں صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۳۵ پر مذکور ہے۔)

اور جمعہ کے دن زوال کے بعد کی دعاؤں میں سے بہترین اور افضل دعا ''دعاء سمات'' ہے اور اسی طرح مذکورہ اوپر والی دعا ہر روز پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا جمعہ کے دن بھی دعا سمات کے بعد اسے پڑھا جائے۔

ساتویں دعا:۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر روتے تھے اور یوں دعا کرتے تھے

سبیل سکینہ حیدرآباد، سندھ، پاکستان

'' امسی ظلمی مستجیراً بعفوك و امست ذنوبی مستجیرة بمغفرتك و امسی خوفی مستجیراً با مانك و امسی ذلی مستجیراً بعزك و امسی فقری مستجیراً بغناك وامسی وجهی البالی الفانی مستجیراً بوجهك الدائم الباقی اللهم البسنی عافیتك وغشنی رحمتك و جللنی امنك وقنی شر خلقك من الجن والانس یا الله یا رحمن یا رحیم،،۔ میں اس اندھیرے شام کے وقت تیری عفو و درگذر کی پناہ طلب کرتا ہوں اور میری گناہوں بھری شام تجھ سے مغفرت طلب کرتی ہے۔ اور میرا خوف تیری امان کا طلب گار ہے، اور میری عاجزی تیری عزت کی آڑ چاہتی ہے، میرا فقر تیرے غنا کا سہارا طلب کرتا ہے، میری فنا ہونے والی جان تیری ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کی امان چاہتی ہے، اے اللہ مجھے عافیت کا لباس پہنادے اور مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے مجھے اپنی امان دے، اور مجھے جن وانس کے شر سے محفوظ فرما، اے اللہ، اے رحمان، اے رحیم۔

آٹھویں دعا:۔ راوی سلیمان جعفری کہتا ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سنا انھوں نے فرمایا کہ جب شام ہوجائے اور سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھو تو یوں کہو!

'' بسم الله و بالله والحمدلله الذی لم یتخذ صاحبة ولا ولداً ولم یکن له شریك فی الملك ولم یكن له ولی من الذل و كبره تكبیراً والحمد لله الذی یصف ولا یوصف والحمد لله الذی یعلم ولا یعلم یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور واعوذ بوجه الله الكریم وبسم الله العظیم من شر ما ذراء و برأ ومن شر ما تحت الثریٰ ومن شر ما ظهر ومابطن ومن شرما وصفت وما لم أصف والحمد لله رب العالمین ''،

اللہ کے نام سے اور اس کی ذات کے سہارے شروع کرتا ہوں، حمد ہے اس ذات کے لیے جس کی نہ بیوی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے بلکہ وہ اس سے منزہ اور پاک ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور اس کا کوئی بوجہ عجز مددگار نھیں ہے اور اس کی بڑائی بیان کرو، حمد ہے اس خدا کی جو ہر ایک کی صفات بیان کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت صفات بیان نھیں کی جاسکتیں۔ اس اللہ کی حمد ہے جو ہر چیز کا جاننے والا ہے، لیکن اس کی حقیقت سے کوئی آگاہ نہیں ہے، وہ آنکھوں کی حرکت اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ میں خدا کے کرم کا واسطہ دیکر اس کی پناہ مانگتا ہوں ہر پیدا ہونے والے شر سے اور

ہر اس شر سے جو زمین کے اندر چھپا ہوا ہے اور ہر ظاہر و مخفی شر سے میں اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور ہر اس چیز کے شر سے جسے میں نے ذکر کیا ہے اور جسے میں نے ذکر نہیں کیا ہے۔ تمام حمد ہے اس اللہ کے لیے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔

اس دعا کے فوائد:۔ اس کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دعا خونخوار درندوں سے امان میں رکھتی ہے اور شیطان مردود اور اس کی اولاد جن و انس سے پناہ دیتی ہے، اور یہ دعا ہر ڈسنے والے اور کاٹنے والے حیوان سے محفوظ رکھتی ہے۔ اور اس کی تلاوت کرنے والا چور وغیرہ سے نہیں ڈرے گا۔ پھر اس کے بعد راوی نے عرض کی کہ مولا میرا پیشہ شکار کرنا ہے اور مجھے رات کو جنگلات میں رہنا پڑتا ہے جبکہ مجھے وحشت محسوس ہوتی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جنگل میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں رکھ کر یوں دعا کرنا ''بسم اللہ و باللہ''

اور اسی طرح جنگل سے نکلتے وقت بھی خدا کا نام لینا کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائیگی۔

نویں دعا:۔ حضرت شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ اپنے سلسلہ سند سے عبداللہ الانصاری سے روایت کرتے ہیں اور وہ خلیل بکری راوی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے سنا کہ حضرت امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب علیہما السلام ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہر روز یہ با فضیلت کلمات پڑھا کرتے تھے۔

" لا الہ الاالله عدد الليالی و الدهور، لا اله الا الله عدد أمواج البحور ، لا اله الا الله و رحمته خير مما يجمعو ن، لا اله الا الله عدد الشوك و الشجر ، لا اله الا الله عدد الشعر و الوبر ،لا اله الا الله عدد الحجر و المدر ، لا ا له الا الله عدد لمح البصر لا اله الا الله عدد قطر المطر لا اله الا الله في اليل اذا عسعس و في الصبح اذا تنفس ، لا اله الاالله عدد الرياح في البوارى و الصخور ، لا اله الاالله من اليوم الى يوم ينفخ في الصور" زمانوں اور راتوں کے عدد کے برابر اس کا ذکر ''لا الہ الا اللہ'' ہو، سمندروں کی موجوں کے حساب سے لا الہ الا اللہ'' ہو'' لا الہ الا اللہ'' کا ذکر اور خدا کی رحمت ہر اس شی سے افضل ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں، درختوں اور کانٹوں کی مقدار'' لا الہ الا اللہ'' ہو(حیوانات کے) بالوں اور اون کے برابر'' لا الہ الا اللہ ہو'' پتھر اور مٹی کے برابر'' لا الہ الا اللہ'' کا ذکر ہو۔ پلک جھپکنے کی تعداد برابر لا الہ الا اللہ کا ذکر ہو'' بارش کے قطروں برابر لا الہ الا اللہ'' ہو جب رات اپنا سیاہ لباس پہن لے اور صبح کو جب طلوع ہو'' لا الہ الا اللہ'' ہو صحراؤں اور چٹانوں میں چلنے والی ہواؤں کے برابر لا الہ الا اللہ ہو۔ یہ ذکر آج سے لیکر صور پھونکے جانے والے دن تک جاری رہے (یعنی صبح قیامت تک جاری رہے)۔

پھر امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے ان کلمات کو دس دن ہر روز دس مرتبہ پڑھا تو خداوند ذوالجلال

اسے اس ذکر کے عوض جنت الفردوس میں موتیوں اور یاقوت کا ایک درجہ عطا فرمائے گا اور ان دو درجوں کی لمبائی اس قدر ہوگی کہ تیز چلنے والے سوار کے ایک سو سال سفر کے برابر ہے ہر درجہ میں ایک شہر ہوگا جس میں ایک جوہر سے بنا ہوا ایک ایسا محل اور قصر ہوگا جو فقط اسی ایک جوہر سے تیار کیا گیا ہوگا مختلف جواہر سے نہیں بنا ہوگا۔ان شہروں میں سے ہر شہر میں گھر ، قلعے ، بالا خانے ، مکان ، بستر ، بیویاں ، تختے ، موٹی پیاری آنکھوں والی حوریں ، دسترخوان ، خادم ، نہریں ، درخت ، زیورات ، اور خوبصورت نئے نئے لباس ہوں گے اور یہ سب چیزیں ایسی ہوں گی کوئی بھی ان کی حقیقی صفات بیان نہیں کر سکے گا۔سب ان کے سامنے خیرہ اور عاجز ہوں گے جب وہ قبر سے کھڑا ہوگا تو اس کا ہر بال نور سے چمک رہا ہوگا اور ستر ہزار ملائکہ اس کی طرف جلدی سے آئیں گے اور وہ ملائکہ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے چلیں گے۔یہاں تک کہ اسے جنت کے دروازہ پر پہنچائیں گے۔اور جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو ملائکہ اس کے پیچھے اور وہ ان کے سامنے چلے گا اور وہ جنت میں ایسے شہر میں پہنچے گا جو باہر سے سرخ یاقوت اور اندر سے سبز زبرجد سے تیار کیا گیا ہوگا اور اس میں خدا کی پیدا شدہ جنت کی تمام نعمتیں فراوان ہوں گی جب وہ ان نعمتوں تک پہنچے گا تو ملائکہ پوچھیں گے اے اللہ کا خاص بندہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شہر اور جو کچھ اس میں ہے کس لیے ہے؟ وہ جواب دے گا نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔آپ بتائیں آپ کون ہیں؟ ملائکہ جواب دیں گے کہ ہم وہ ملائکہ ہیں جو دنیا میں اس دن آپ کے گواہ بنے تھے جس دن آپ نے اللہ کا یہ ذکر ''لا الہ الا اللہ'' کیا تھا لہٰذا یہ شہر اور جو کچھ اس میں ہے سب تجھے اس ذکر کے ثواب میں ملا ہے۔

اور آپ کو اس سے بھی زیادہ ثواب کی بشارت ہو۔جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دارالسلام میں آپ کے لیے تیار کر رکھا ہے۔اور یہ اللہ کے جوار میں ہے اور خدا کی عنایات کبھی فنا نہیں ہوتیں۔اب خلیل راوی کہتا ہے کہ اس ذکر کو جتنی بار زیادہ پڑھ سکتے ہو پڑھا کرو۔

دسویں دعا:۔ حضرت ابی درداء رضوان اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ

ایک دن انہیں کہا گیا کہ آپ کا گھر جل گیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ نہیں جلا ہے پھر ایک اور شخص نے بھی یہی خبر دی لیکن پھر بھی انکار کر دیا اسی طرح تیسرا شخص آیا اور اس نے بھی اسے گھر جلنے کی خبر دی تو اسے بھی یہی جواب دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے گھر کے آس پاس سب کچھ جل گیا ہے لیکن ان کا گھر محفوظ رہا اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ گھر نہیں جلا ہے؟

تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس

نے کسی دن صبح کو یہ کلمات پڑھے اسے کوئی برائی نہیں پہنچے گی اور جس نے رات کو پڑھے تو رات کے ہر نقصان سے محفوظ رہے گا اور میں نے یہ کلمات پڑھے ہوئے تھے اس لیے مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور وہ کلمات یوں ہیں "اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیك توکلت وانت رب العرش العظیم ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن اعلم ان اللہ علی کل شی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شی علما اللھم انی اعوذ بك من شر نفسی ومن شر قضاء السوء ومن شر کل ذی شر ومن شر الجن والانس ومن شر کل دابة انت آخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم" اے میرے اللہ تو میرا پروردگار ہے اور تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں ہے تجھ پر ہی بھروسہ ہے تو عرش عظیم کا رب ہے اللہ کے سوا کسی اور کے ہاں طاقت و قوت نہیں ہے وہ بلند و بالا اور عظمتوں والا ہے، جسے اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور بیشک اس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کے شر سے، اور میرے حق میں بری تقدیر کے شر سے، اور ہر شریر کے شر سے اور جن وانس کے شر سے اور ہر اس چیز کے شر سے جو زمین پر چلنے والی ہے اور جس کی باگ ڈور تیرے قبضۂ قدرت میں ہے، بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔

فصل: دعا سے علاج: یہ فصل دعا کے ذریعہ امراض سے شفایابی حاصل کرنے اور ادعیہ کو تعویزات کے طور پر استعمال کرنے کے بارے میں ہے اس کی چند ایک اقسام ہیں۔

پہلی قسم بیماریوں کو دور کرنا: اس کیلئے چند ایک دعائیں ہیں۔

پہلی دعا: ابو نجران اور ابن فضال نے ایک امامی راوی سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام صادقؑ بیماری کے وقت یوں پڑھا کرتے تھے اللھم انك قد عیرت اقواما فقلت" قل ادعوا الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم و لا تحویلا" فیا من لا یملك کشف ضری و لا تحویله عنی احد غیرك صل علی محمد وآله واکشف ضری و حوله الی من یدعو معك الھا آخر لا الہ غیرك) ترجمہ: اے الٰہی تو نے قوموں کو عار دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ (ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ خدا کے علاوہ جن کا بھی خیال ہے سب کو بلا لیں کوئی نہ ان کی تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ان کے حالات کے بدلنے کا اے وہ ذات تیرے بغیر کوئی اور نہ میری تنگی اور تکلیف کو دور کر سکتا ہے اور نہ میرے حالات کو تبدیل کر سکتا ہے اے خدایا محمد اور ان کی آل پر رحمت ہو اور میری مشکل اور سختی کو دور فرما اور ان میں ایسے شخص کو مبتلاء فرما جو تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے۔ حالانکہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں ہے۔

دوسری دعا: راوی داود ابن رزین سے روایت ہے کہتا ہے کہ میں ایک دن مدینہ میں بہت مریض ہو گیا جب حضرت امام صادقؑ کو علم ہوا تو میری طرف یہ لکھ کر بھیجا کہ آپکی بیماری کی اطلاع پہنچی ہے اس طرح کرو کہ تین کلو گندم خرید کر چت لیٹ کر انھیں اپنے سینے پر پھیلا دو اور یہ پڑھے (اللهم انی اسئلك با سمك الذی اذا سالك به المضطر کشفت ما به من ضر و مكنت له فی الارض و جعلته خلیفتك علی خلقك ان تصلی علی محمد وعلی اهل بیته و ان تعافینی من علتی) ترجمہ: الہی میں تجھے تیرے اس نام کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ جس کا کسی تکلیف اور مشکل میں مبتلاء انسان نے واسطہ دیا تو تو نے اس کی مصیبت و مشکل کو دور کر دیا اور تو نے زمین میں اسے قدرت عطا کی اور اسے (اس کے صدقے) اپنی مخلوق پر خلیفہ قرار دیا اور محمد و آل محمد علیہم السلام پر رحمت نازل فرما اور مجھے میری بیماری سے چھٹکارا عطا فرما پھر امامؑ نے فرمایا کہ سیدھے بیٹھ کر ارد گرد کی گندم کو جمع کر کے یہی دعا پڑھو اور اس کے بعد اس گندم کو ایک ایک مد (تین پاؤ) کی مقدار کے برابر مسکینوں میں بانٹ دو جب کہ زبان پہ یہی دعا جاری رہے اب راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا تو یوں معلوم ہوا میں کسی قید سے ابھی آزاد ہوا ہوں اور اسی طرح میرے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی یہ عمل انجام دیا تو انہیں بھی فوائد حاصل ہوئے تیسری دعا (بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین حسبنا الله و نعم الوكیل تبارك الله احسن الخالقین لا حول ولا قوة الابالله العلی العظیم) نماز صبح کے بعد اس دعا کو چالیس دفعہ پڑھ کر بیماری والی جگہ پر ہاتھ کو مس کرئے جو بھی بیماری ہو شفا ملے گی خصوصاً جسم کے ٹوٹنے پھوٹنے کی بیماری سے ان شاء اللہ شفا پائے گا یہ ایک مجرب عمل ہے

چوتھی دعا: یونس بن عمار کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی مولا میں آپ پر قربان ہو جاؤں میرے چہرہ پر جو بیماری کے آثار ہیں لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا کسی مومن بندے کو اس میں مبتلا نہیں کرتا امامؑ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ مومن آل فرعون کی انگلیاں مشلول تھیں اور وہ اسے اس ہاتھ کو اٹھا کر کر کہتا تھا (یا قوم اتبعوا المرسلین) (اے میری قوم رسولوں کی اتباع کرو) راوی کہتا ہے کہ پھر امامؑ نے فرمایا: کہ رات کے پہلے حصہ کی آخری تہائی کے وقت وضوء کر کے نماز کے لئے کھڑے ہونا اور دوسری رکعت کے آخری سجدہ میں یوں کہو!

یا علی یا عظیم یا رحمن یا رحیم یا سامع الدعوات یا معطی الخیرات ، صل علیٰ محمد وال محمد واعطنی من خیر الدنیا والاخرةما انت اهله واصرف عنی من شر الدنیا و الاخرة ما انت اهله واذهب عنی هذا الوجع فانه قد أغاظنی و أحزننی : ترجمہ: اے بلند و بالا، اے عظیم، اے رحمٰن و رحیم، اے دعاؤں کا سننے والا

، اے خیرات عطا کرنے والا، محمد وال محمد پر درود ہو۔

مجھے دنیا و آخرت کی ایسی نعمات عطا فرما جو تیری شان کے لائق ہو۔

اور دنیا و آخرت کا شر مجھ سے اس طرح دور فرما جس کا تو اھل ہے۔

اور میرے اس دکھ درد کو دور فرما کیونکہ اس نے مجھے پریشان اور رنجیدہ کر دیا ہے۔

امام نے فرمایا کہ بار بار اس دعاء کو مانگنا (خدا تجھے شفا دے گا)

راوی کہتا ہے کہ ابھی میں کوفہ نہیں پہنچا تھا کہ خدا نے مجھے مکمل طور پر شفاء دے دی۔

پانچویں دعاء: ایک راوی صادق آل محمد علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین دفعہ پڑھو: اللہ اللہ اللہ ربی حقاً لا اشرک بہ شیئاً اللھم انت لھا و لکل عظیمۃ ففرِقھا عنّی ۔

ترجمہ: اللہ اللہ اللہ میرا پروردگار حق ہے میں اس کا کوئی شریک نہیں ٹھہراتا۔ خدایا تو ہی میرے اس درد اور ہر بڑی مصیبت کیلئے ہے۔ مجھے اس درد سے نجات دے۔

چھٹی دعا: مفضل نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ دردوں کے وقت یوں کہا کرو، بسم اللہ و باللہ کم من نعمۃ للہ فی عرق ساکن و غیر ساکن علیٰ عبد شاکر و غیر شاکر ۔

ترجمہ: خدا کے نام اور اس کی ذات سے شفا اور استغاثت طلب کرتا ہوں کتنی خدا کی ساکن اور متحرک حالت میں ہر بندہ پر نعمات ہیں۔ چاہے وہ خدا کا شکر ادا کرے یا نہ کرے۔

پھر اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز فریضہ سے فراغت کے بعد دائیں ہاتھ سے داڑھی کو پکڑ کر تین مرتبہ یوں کہو، (اللھم فرّج عنی کربتی و عجّل عافیتی و اکشف ضرّی)۔ ترجمہ الٰہی میری اس مشکل کو دور فرما اور مجھے جلد شفاء دے کر میری سختی کو دور فرما۔ روایت میں ملتا ہے کہ اس دعا کو پڑھتے وقت آنکھیں پرنم ہوں۔ اور اسے تین دفعہ پڑھو۔

ساتویں دعا: حضرت ابوحمزہ ثمالی روایت کرتے ہیں کہ مجھے گھٹنے میں درد ہونے لگا تو میں نے اس درد کی امام باقر علیہ السلام سے شکایت کی تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جب نماز پڑھو تو یوں کہو، (یا اجود من اعطی و یا خیر من سئل و یا ارحم من استرحم ارحم ضعفی و قلّۃ حیلتی و اعفنی من وجعی) ترجمہ: اے سب سے زیادہ عطا کرنے والے اے سب سے بہترین سوال کرنے کا مقام، اے وہ کہ جس سے رحمت طلب کی جائے تو سب سے زیادہ رحم فرماتا ہے۔ میری کمزوری پر رحم فرما اور میری بے سرو پائی پر نظر کرم فرما اور مجھے اس درد سے شفاء عطا فرما۔ راوی کہتا ہے جو نہی

اس دعا کو میں نے پڑھا درد سے آرام آ گیا۔

آٹھویں دعا: حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام مریض ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور اس دعا کی تعلیم فرمائی، **اللھم انی اسئلك تعجیل عافیتك او صبراً علیٰ بلّیتك او خروجاً الیٰ رحمتك** ۔ترجمہ: الٰہی مجھے جلد صحت وعافیت عطاء فرما مجھے اس آزمائش پر صبر کرنے کی توفیق عطاء فرما اور مجھ پر اپنی رحمت کا نزول فرما۔(۱)

نویں دعا: راوی کہتا ہے کی جب میں نے اپنے درد کی حضرت امام صادق علیہ السلام سے شکایت کی تو مولا نے مجھے فرمایا کہ

---

(۱) مذکورہ بالا تمام روایات اور خصوصاً حضرت علیؑ کو رسول خداؐ کی طرف سے تعلیم شدہ دعا سے یہ امر واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ حضرات معصومینؑ ہمیشہ خدا ہی سے شفاء یابی اپنے لیے طلب فرماتے تھے۔اور دوسرے لوگوں کو بھی ایسے مضامین پر مشتمل ادعیہ کی تعلیم فرماتے تھے جن سے یہ واضح ہو کہ خدا ہی شفاء دیتا ہے اس کے علاوہ کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے۔اگر کوئی اور شفاء دینے والا ہوتا تو کسی ان مذکورہ ادعیہ میں یا دیگر ادعیہ میں اس ہستی کا ذکر ہوتا۔لہذا ایک موحد مومن بندہ کو اپنی ادعیہ کے مضامین پر متوجہ رہنا چاہیے۔اور ایسے الفاظ کو استعمال نہ کرے جن سے شرک اور غیر اللہ سے حاجات کی طلب کی بو آتی ہو۔خلق و رزق اور موت وحیات کیطرح شفاء دینا ایک ایسا امر ہے جو خداوند ذوالجلال کی ذات اقدس سے مختص ہے۔اور اس امر پر بکثرت روایات اور آیات قرآنیہ دلالت کرتی ہیں۔

(**واذا مرضت فھو یشفین**)۔ہاں یہ اور بات ہے کہ حکمت خداوندی کے تحت اس دنیا میں امور اسباب ومسببات کے قاعدہ کے تحت چل رہے ہیں لہذا اس بناء پر ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا اور دوا کا استعمال کرنا اور اسی طرح دیگر احتیاطی تدابیر اور طبیب کی نصائح پر عمل کرنا یہ سب شفاء یابی کے اسباب ہیں۔ان سے عقل مند انسان کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔اور اس توھم فاسد میں بھی نہیں پڑنا چاہیے کہ جب شفاء خدا ہی دیتا ہے تو ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا بے سود ہے۔یہ ایک شیطانی وسوسہ اور لادینی فکر ہے۔طبیب کی طرف رجوع کرنے پر اخبار وآثار معصومین علیہم السلام میں ترغیب دلائی گئی ہے۔لہذا اس کی اتباع ضروری ہے۔اور سیرت ائمہ علیہم السلام بھی اسی پر قائم ہے۔کہ مرض کی حالت میں اطباء کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔جیسا کہ شب ضربت امیر المومنینؑ (انیسویں رمضان المبارک) کو ایک طبیب کا آنا اور مولاؑ کو دوا دینے کا معروف واقعہ مجالس ومحافل اور کتب سیر وتواریخ میں ذکر ہوتا ہے۔)

ہاتھ کو درد والی جگہ پر رکھ کر یوں کہو، أعوذ بعزة الله و أعوذ بقدرة الله و أعوذ برحمة الله وأعوذ بجلال الله و اعوذ بعظمة الله وأعوذ بجمع الله وأعوذ برسول الله و أعوذ باسماء الله من شرِ ما أحذر ومن شرِ ما أخاف عليٰ نفسي ؛ترجمہ: اللہ کی عزت کی پناہ چاہتا ہوں، اللہ کی قدرت کی پناہ چاہتا ہوں، اس کی رحمت، جلال اور اس کی عظمت کی پناہ چاہتا ہوں ۔اور خدا کے جمع یعنی انبیاء، ملائکہ، اوصیاء اور خدا کے نیک بندے اور مجاہدین خدا کی پناہ چاہتا ہوں، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ چاہتا ہوں، اور اللہ کے اسماء حسنیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ۔ ہر اس شر سے جس سے مجھے ڈر ہے اور ہر اس چیز کے شر سے جس سے میں اپنے نفس پر خوف زدہ ہوں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس دعا کو سات مرتبہ پڑھو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا تو خدا نے مجھے درد سے نجات عطا فرمائی۔

دسویں دعا: حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک لونڈی کے گلے میں گلٹیاں پڑ گئیں تو امامؑ نے اسے اس دعا کو پڑھنے کو کہا، یا رؤوف ،یا رحیم ،یا ربّ ،یا سیدی : فرمایا کہ جب لونڈی نے ان کلمات کو پڑھا تو خدا نے اسے شفاء عطا فرمائی۔ پھر امام نے فرمایا یہ وہی دعا ہے جسے جعفر بن سلیمان نے پڑھا تھا۔

دوسری قسم: مشکلات سے بچاؤ کی دعائیں۔

پہلی دعا: ابن سکان نے ابی حمزہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوحمزہ کیا وجہ ہے جب تجھے کوئی مہم امر پیش آتا ہے جس کے بارے میں آپ کو خوف ہو تو آپ اپنے گھر کے ایک کونے یعنی قبلہ کی طرف رخ کر کے دو رکعت نماز کیوں نہیں بجالاتے ہو؟ اور پھر نماز کے بعد ستر 70 مرتبہ یہ کیوں نہیں کہتے ہو،، یا ابصر الناظرين و يا اسمع السامعين و يا اسرع الحاسبين و يا ارحم الرحمين: ہر مرتبہ دعا کو پڑھنے بعد حاجت کو طلب کرو (انشاء اللہ پوری ہوگی)۔

دوسری دعا: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ شیبۃ الھذلی نامی شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا اے رسول خدا میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں لہذا جن اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ، حج و جہاد وغیرہ کی عادت تھی اب میں انہیں انجام نہیں دے سکتا ہوں لہذا مجھے ایک ایسی کلام تعلیم دو جس کے سبب مجھے کوئی فائدہ اخروی حاصل ہو۔ اور مجھ پر آسانی ہو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ بات تین مرتبہ دہروائی ۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تیرے آس پاس کا ہر

درخت اور مٹی کا ذرہ ذرہ تجھ پر رحمت کھاتے ہوئے روپڑے ہیں ۔جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتو یوں پڑھا کرو ،،سبحان الله العظیم و بحمده ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم :اس دعا کے صدقے خداوند ذوالجلال تجھے اندھے پن،مجنون،جذام کی امراض اور فقر و بڑھاپے کی شدت سے محفوظ رکھے گا۔

پھر وہ شخص عرض کرنے لگا یا رسول اللہ یہ تو دنیا کیلئے ہے آخرت کیلئے کیا ہے؟آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد یہ پڑھ،،(اللهم اهدنی من عندك و افض علی من فضلك و انشر علی من رحمتك و انزل علی من بركاتك) ۔پھر اس نے ان کلمات کو پلے باندھ لیا۔پھر ایک دن ابن عباس کو ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کتنی عظیم چیز ہے جسے تیرے ماموں نے مضبوطی سے لے لیا ہے ۔پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خبردار سن لو!اگر ان کلمات کی روز قیامت تک حفاظت کی اور کبھی عمداً انہیں ترک نہ کیا ۔تو ان کلمات کی حفاظت کرنے والے کیلئے جنت الفردوس کے آٹھ دروازے کھل جائیں گے اور جہاں سے چاہے جنت میں داخل ہو۔

تیسری دعا: حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ صادق آل محمد علیہ السلام کو اہم امر پیش ہوتا تو یہ دعا پڑھتے تھے ،اللهم صل علیٰ محمد و آل محمد وا غفرلی وارحمنی وزك عملی ویسر منقلبی واهد قلبی و آمن خوفی و عافنی فی عمری كله و ثبت حجتی وا غسل خطایای ،وبیض وجهی واعصمنی فی دینی و سهّل مطلبی ووسعّ علی فی رزقی فانی ضعیف و تجاوز عن سیّیء ما عندی بحسن ما عندك ولا تفجعنی بنفسی ولا تفجع فی حمیمی وهب لی یا الهیٰ لحظة من لحظاتك تكشف بها ما به ابتلیتنی و تردّنی بها علیٰ احسن عاداتك عندی فقد ضعفت قوتی وقلّت حیلتی و انقطع من خلقك رجائی ولم یبق الا رجاؤك وتوكلی علیك وقدرتك یا رب علی ان ترحمنی وتعافینی كقدرتك علی ان تعذبنی وتبتلینی الهی ذكر عوائدك یؤنسنی والرجاء لا نعامك یقوینی ولم اخل من نعمك منذ خلقتنی فانت ربی وسیدی و مفزعی وملجئی والحافظ لی والذابُّ عنی والرحیم بی والمتكفل برزقی وعن قضائك وقدرتك كلما أنا فیه فلیكن یا سیدی ومولای فیما قضیت و قدّرت و حتمت تعجیل خلاصی مما أنا فیه جمیعه والعافیةفانی لا اجد لدفع ذلك احداً غیرك ولا اعتمد فیه الا علیك فكن یا ذاالجلال والاكرام عند حسن ظنی بك و رجائی لك وارحم تضرّعی واستكانتی و ضعف ركنی وامنن بذالك علی وعلی كل داعٍ دعاك یا ارحم الراحمین و صلی الله علیٰ محمد و آله اجمعین۔

ترجمہ: الہیٰ محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمتوں کا نزول فرما اور میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور میرے عمل کو (ریا کاری وغیرہ سے) پاکیزہ فرما، اور میری عقل کو ہدایت دے، اور مجھے خوف سے امان دے، اور مجھے اپنی عمر میں صحت وسلامتی سے رکھ، اور میرا عذر قبول فرما اور میری خطاؤں سے درگزر فرما اور میرے چہرے کو نورانی فرما، اور میرے دین میں مجھے غلطیوں سے محفوظ رکھنا اور میرے مطلب کو آسان فرما میرے رزق میں وسعت پیدا کر (الہیٰ) میں کمزور ہوں۔ میری برائیوں کو اپنی اچھائیوں سے درگزر فرما۔ اور میرے نفس کی وجہ سے مجھے مصیبت میں گرفتار نہ کرنا، اور میں اپنے اقرباء کیلئے باعث غم نہ بنوں۔

الہی مجھ پر نظر کرم فرما۔ اور اس نظر شفقت کے ذریعہ مجھے اپنی اسی حالت میں لوٹا دے جس میں میرے ساتھ تیرا سلوک انتہائی اچھا تھا۔ الہی میری کوئی قوت و طاقت نہیں ہے اور میں بے آسرا ہوں تیری مخلوق سے امید کی کوئی کرن نہیں ہے۔ اور اب تیرے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اور تجھ پر ہی میرا بھروسہ ہے۔ الہی تو مجھ پر رحم کرنے اور مجھے عافیت دینے کی اتنی قدرت رکھتا ہے جتنی تو مجھے عذاب دینے اور آزمائشوں میں مبتلاء کرنے کی قدرت رکھتا ہے الہی تیری مہربانیوں کو یاد کرنے سے انس ملتا ہے اور تیرے انعامات کی امید کرنے سے تقویت ملتی ہے۔ اور جب سے مجھے تو نے پیدا کیا مسلسل تیری نعمات کی مجھ پر بارش ہو رہی ہے۔ پس تو ہی میرا پروردگار اور آقا و مالک ہے۔ بوقت خوف سہارا ہے، اور تو میرا ٹھکانہ ہے۔ اور میرا محافظ و نگہبان ہے، اور تو ہی مصیبت کے وقت دفاع کرتا ہے اور تو میرے ساتھ رحم کرتا ہے اور میرے رزق کا ضامن تو ہے اور ہر وقت مجھے تیری قضاء و قدر شامل ہے۔ پس چاہتا ہوں کہ اب تیری قضاء و قدر اور میرے بارے میں تیرا حتمی فیصلہ مجھے اس (مشکل کی) حالت سے نکال کر نجات کی حالت کی طرف کا ہو۔ کیونکہ میری ان مشکلات کا حل کرنے والا تیرے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اور مجھے فقط تیری ذات پر اعتماد ہے۔ اے صاحب عظمت ذرا میرے حسن ظن کو سچ بنا دے۔ اور میری عاجزی اور سروپائی اور کمزوری پر رحم فرما۔ اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے مجھ پر اور ہر وہ جو تجھے پکار رہا ہے اس پر رحم فرما اور محمد آل محمدؐ پر رحمتوں کا نزول فرما۔

چوتھی دعا: راوی عاصم بن حمید نے اسماء سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جسے کوئی مشکل اور رنج و غم ہو تو اسے یہ کہنا چاہیے، اللہ ربی لا اشرک بہ شیاء توکلت علی الحی الذی لا یموت۔

پانچویں دعا: ہشام بن سالم حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت نازل ہو، کسی شدت میں گرفتار ہو تو اسے اپنے ننگے بازوؤں سے اور گھٹنوں کے زمین پر رکھ کر سجدہ کرنا چاہیئے اور اسی طرح سینہ بھی زمین پر لگا ہوا ہو پھر سجدہ کی حالت میں دعا کو طلب کرے (انشاءاللہ پوری ہوگی)۔

چھٹی دعا: رزق کے بارے میں صادق آلِ محمدؑ سے یہ دعا مروی ہے، **یا الله یا الله یا الله اسئلك بحق من حقه علیك عظیم ان تصلی علیٰ محمد و آل محمدؑ و ان ترزقنی العمل بما علمّتنی من معرفة حقك و ان تبسط علیّ ما حظرت من رزقك** ۔

ترجمہ: اے اللہ اے اللہ اے اللہ میں تجھے اس کا واسطہ دیتا ہوں جس کا تجھ پر بڑا حق ہے۔ محمد و آل محمدؑ پر رحمتوں کا نزول فرما۔ اور مجھے جس طرح تو نے اپنے حق کی معرفت کی تعلیم دی ہے اسی طرح مجھے عمل کی بھی توفیق فرما۔ اور جس رزق سے تو نے مجھے محروم کر رکھا ہے اسے میرے لئے کشادہ فرما۔

ساتویں دعا: راوی کہتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز مغرب کے فوراً بعد کسی سے کلام کئے بغیر اور کوئی حرکت کرنے سے پہلے سو (100) مرتبہ یوں کہو، **بسم الله الرحمن الرحیم لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**۔ اور اس طرح نماز صبح کے بعد بھی سو دفعہ پڑھو۔ جس نے ان کلمات کو پڑھا اسکی سو قسم کی امراض اور مشکلات دور کردی جائیں گی۔ سب سے چھوٹی مصیبتیں برص، جذام، شیطانی وسوسہ اور حاکم و سلطان کی طرف سے آنیوالی مصیبتیں ہیں۔

آٹھویں دعا: برے خواب کے انجام بد سے بچنے کیلئے نیند سے جاگنے کے بعد بغیر کسی فاصلہ کے فوراً سجدہ میں جانا چاہیئے اور خدا کی حمد و ثنا کرے، محمد و آل محمدؑ پر درود و سلام بھیجے اور بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگے کہ انجام اچھا کرے۔ اور خدا اس سے محفوظ رکھے۔ ایسا کرنے سے خدا کے فضل و کرم سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔

نویں دعا: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ اچھا خواب خدا کی طرف سے ہوتا ہے، اگر کوئی خواب میں پسندیدہ چیز دیکھے تو اس کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے مگر کسی خاص اور اپنے محبوب شخص کو بیان کرے۔ اور اگر کوئی برا خواب دیکھے تو دائیں جانب تین بار تھوک دے اور شیطان اور اس خواب کے شر سے خدا کی پناہ مانگے اور کسی سے اسے بیان نہ کرے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (**الرؤیا من الله والحلم من الشیطان**) ترجمہ (اچھا اور نیک) خواب اللہ کی طرف سے ہے اور جھوٹا خیال شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نیک انسان کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

دسویں دعا: حضرات اہل بیت اطہار علیہم السلام سے مروی ہے کہ جب کوئی برا خواب دیکھے تو اپنی کروٹ تبدیل کرکے یوں پڑھے۔ (**انّما النجویٰ من الشیطان لیحزن الذین امنوا ولیس بضارّهم شیاءً الا باِذن الله، واعوذ بالله**

بما عاذت بہ ملائکتہ المقربون و انبیائہ المرسلون و الائمۃ الراشدون المھدیون و عبادہ الصالحون من شرّ ما رأیت و من شرّ رؤیای ان تضرّ نی فی دینی اؤ دنیای و من الشیطان الرجیم) ترجمہ: برے خواب و خیالات شیطان کی طرف سے صاحبان ایمان کو دکھ پہنچانے کیلئے ہوتے ہیں۔حالانکہ وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے جب تک خدا اجازت نہ دے۔اور میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کی اس کے مقرب ملائکہ اور خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اور ہدایت کرنے والے آئمہ اور خدا کے نیک و صالح بندوں نے پناہ مانگی۔اور میں ہر چیز کے شر سے جسے میں نے خواب میں دیکھا اور دینی و دنیاوی نقصان پہنچانے والے خواب کے شر سے اور شیطان مردود کے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

گیارہویں دعا: علی بن مھزیار کہتا ہے کہ محمد بن حمزہ العلوی نے مجھے لکھا کہ میں امام باقر علیہ السلام کیطرف لکھوں کہ وہ اسے ایسی دعا کی تعلیم دیں جس سے اسکی مشکلات دور ہوں۔

تو پس امام علیہ السلام نے میری طرف لکھا کہ اسے کہو اس دعا کو پابندی سے پڑھے،، یا من یکفی من کل شیء و لا یکفی منہ شیء اکفنی ما اھمّنی،، ان شاء اللہ اسکی مشکل دور ہوجائیگی۔

بارہویں دعا: حضرت شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ اپنے سلسلہ روایت سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا میں نے جنگ بدر سے ایک رات پہلے حضرت خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو میں نے انہیں کہا کہ مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم دو جس سے دشمنوں پر کامیابی ہو تو انہوں نے فرمایا کہو!،، یاھو یا من لا ھو الاّ ھو،،

حضرت امیر المونین علی بن ابی طالب علیھما السلام فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ سب کچھ رسول اکرم کو بتا دیا آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تجھے اسم اعظم کی تعلیم دی گئی ہے۔پس حضرت امیر المومنینؑ بدر کے دن انہی کلمات کا زبان سے ورد کر رہے تھے روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ بدر کے دن (قل ھو اللہ احد) کی تلاوت کے بعد (یا ھو یا من لا ھو الاّ ھو اغفر لی و انصرنی علی القوم الکافرین) کا ورد فرما رہے تھے اور جنگ صفین میں بھی انہی کلمات کے ورد کے ساتھ دشمنان اسلام کو بچھاڑ رہے تھے۔

تیسری قسم:

امان کی دعائیں: حفظ و امان اور نقصان پہنچانے والوں سے پناہ کیلئے چند دعائیں ہیں۔

ا: عبداللہ بن یحیی کاھلی روایت کرتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب درندہ کا سامنا ہو تو آپ آیت الکرسی کی تلاوت کرو۔

اور یوں کہوں۔

(عز مت علیك بعز یمة الله و عز یمة محمدؐ و عز یمة سلیما ن بن دا ؤ د و عز یمة امیر المو منینؑ و الا ئمـــه مـن بعده) ترجمہ: میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، محمد مصطفیؐ کی قسم دیتا ہوں اور حضرت سلیمان بن داؤد کی قسم دیتا ہوں اور امیر المومنین علیؑ اور ان کے بعد

ائمہ اطہارؑ کی قسم دیتا ہوں۔

ایسا پڑھنے سے انشاء اللہ وہ درندہ آپ سے منہ موڑ لے گا۔

راوی کہتا ہے کہ ایک دن میں نکلا اچانک ایک درندہ سے سامنا ہوا تو میں نے جونہی اسے پڑھا تو وہ راستہ سے ہٹ گیا۔ اور کچھ بھی نقصان نہیں دیا۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنا سر جھکا کر اپنی ٹانگوں کے بیچ میں کر لیا اور پیچھے ہٹ گیا۔

عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا جب کسی درندہ سے آمنا سامنا ہو جائے تو یہ پڑھیے (اعو ذ بر ب دا نیال و الجب من شر کل اسد مستأ سد)

۲: حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کیا آپ کو چند ایسے کلمات نہ تعلیم دے دوں جنہیں بوقت مشکل پڑھا کرو۔(بســم الله الر حمن الر حیم لا حو ل ولا قو ة الا با لله العلی العظیم)

خداوند ذوالجلال اس کے ذریعہ آپ کی بہت سی مشکلات کو حل فرمائے گا۔

۳: حضرت پیغمبر اکرمؐ سے منسوب ہے کہ آنحضرتؐ کسی غزوہ میں تھے آپ کے ساتھیوں نے پسوؤں کی شکایت کی کہ وہ انھیں بہت اذیت دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا سوتے وقت یوں کہو(ایهـا الا سـو د الـو ثـا ب الذی لا یبا لی غـلقاً ولا با باً عز مت علیکم با م الکتا ب الا تو ٔذو نی و اصحا بی الیٰ ان یذ هب اللیل ویجئی الصبح بما جا ء) بعض روایات میں آخر میں یوں ہے (الی ا ن یو ٔ و ب الصبح بما آ ب)

۴: محمد بن یعقوب کے سلسلہ سند سے روایت ہے کہ محمد بن ہارون نے حضرت امام محمد باقرؑ سے ان ہواؤں کے بارے میں کوئی تعویذ بھیجنے کو لکھا جو ہوائیں بچوں کو نقصان دیتی ہیں امامؑ نے اپنے دست مبارک سے اس کی طرف لکھا۔(الـلـه اکبـر اشهد ان محمداً ر سو ل الله ، الله اکبر لا اله الا الله ، ولا رب لی الا الله له الملك وله الحمد ، لا شـر یك لـه ، سبـحـا ن الـله ، ما شا ء الله کا ن ، وما لم یشا ء لم یکن اللهم یا ذا الجلال و الا کر ام ، رب مـو سـی و عیسیٰ و ابر اهیم و ابر اهیم الذی وفی اله ابر ا هیم و اسما عیل و اسحا ق ویعقوب و الا سبا ط ، لا

الـه الا انـت سبحا نك مع ما عددت من آ يا تك و بعظمتك و بما سا ٔلك به النبيو ن و با نك رب الـنـا س كـنـت قبل كل شي ء و انت بعد كل شي ء اسا ٔلك بكلما تك التى تمسك السما ء ان تقع على الا رض الا با ذنك وبكلما تك التى تحيى بها المو تى ان تجير عبد ك(فلاناً) من شر ما ينز ل من الـسـمـا ء ومـا يعر ج فيها وما يخر ج من الا رض وما يلج فيها والسلام على المر سلين و الحمد لله رب العا لمين)

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔خدا بڑا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔اس کے علاوہ میرا کوئی رب نہیں۔اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔خدا پاک و پاکیزہ ہے۔جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جسے نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔اے صاحب عظمت وجلالت وکرم والا خدا اے موسیٰ وعیسیٰ اور ابراہیم کے پروردگار جس نے پورا حق ادا کیا ہے اے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق و یعقوب اور انکی ذریت کے معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔تو پاک و پاکیزہ ہے ان نشانیوں کے ساتھ جنہیں تو نے شمار فرمایا ہے اور تیری عظمت کا واسطہ ہو۔اور اس چیز کا واسطہ جس کے ذریعہ انبیاء کرام نے تجھ سے سوال کیا ہے اور اس (اعتراف وعقیدہ) کا واسطہ کہ تو لوگوں کا پروردگار ہے اور تو ہر چیز سے پہلے تھا اور سب ختم ہو جائیگا تو باقی رہے گا۔تجھے تیرے ان کلمات کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں مگر یہ کہ تیرا حکم ہو اور ان کلمات کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جن کے ذریعہ مردہ زندہ ہوتے ہیں۔سوال کرتا ہوں کہ اپنے فلان (یہاں پر شخص کا نام لیا جائے) بندہ کو ہر اس چیز کے شر سے پناہ دے جو آسمان سے (مصیبت بن کر) نازل ہوتی ہے،یا آسمان کیطرف بلند ہوتی ہے،اسی طرح زمینی شر سے بھی محفوظ رکھ۔سلام ہو رسولوں پر اور حمد ہے اللہ کیلئے جو عالمین کا رب ہے۔

۵:حضرت امام محمد باقرؑ سے ایک اور دعا مروی ہے جسے آپ نے اپنے دست مبارک سے لکھا۔(بسم الله ،وبالله، والیٰ الله ، و كما شا ء ا لله وبعز ة الله، وجبر ت الله ، وقدر ةالله ،وملكو ت الله ،هذا الكتا ب اجعله يا الله شفا ءً لفلان بن فلان ابن عبدك وابن امتك عبد الله صلى الله علىٰ رسو ل الله)

۶:حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ نے حضرات حسنین علیہما الصلواۃ السلام پر یہ تعویذ پڑھا۔(اعيـذ كـما بكلما ت الله التا مة و اسما ئه الحسنى كلها عا مة من شر السا مة والها مة ومن شر عين لا مة ومن شر حا سد اذا حسد) ترجمہ: میں تم دونوں (حسنؑ وحسینؑ) کوخدا کی پناہ میں دیتا ہوں اس کے مکمل کلمات کی پناہ،اور خدا کے اسماءِ حسنیٰ جو کہ عام ہیں انکی پناہ میں دیتا ہوں۔ہر مہم اور بڑی مشکل کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے،اور نظر بد کے شر

سے، اور حاسد کے حسد کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ پھر آنحضرت نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیل و اسحاق کو اسی طرح تعویذ دیا تھا۔

۷: حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے جس شخص نے (**لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**) پڑھا اللہ تعالیٰ اسکی ستر مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔ ان میں سے سب سے کم مصیبت جنون کی ہے۔

پھر امامؑ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھے (**بسم اللہ الرحمن الرحیم**) تو دو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ تو نے ہدایت پالی۔ اور جب کہا (**لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**) تو اسے کہتے ہیں کہ تجھے (دنیا سے) بے نیاز کر دیا ہے۔ پھر شیطان (مایوس ہو کر) کہتا ہے کہ اب میں ایسے شخص کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس نے ہدایت پالی، محفوظ ہو گیا اور مستغنی ہو گیا۔

۸: حضرت ابوحمزہ ثمالی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کے پاس حاضر ہونے کیلئے اذن طلب کیا تو امامؑ میری طرف نکلے اور ان کے ہونٹ مبارک حرکت کر رہے تھے تو میں نے عرض کیا مولا آپ کیا پڑھ رہے تھے؟ تو امامؑ نے فرمایا اے ثمالی کیا تو نے یہ جان لیا؟ ابوحمزہ ثمالی کہنے لگے ہاں۔ مولا آپ پر فدا ہو جاؤں۔ امامؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے ایسی کلام پڑھی ہے جب کسی نے اسے پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے امور میں کافی ہوتا ہے۔ اور اس کی مشکلات کو حل فرماتا ہے

ابوحمزہ ثمالی کہتا ہے مولا مجھے بھی اس کی تعلیم دو۔

امامؑ نے فرمایا! اچھا ٹھیک ہے۔ پھر امامؑ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی و دینی امور کو پورا کرتا ہے۔

(بسم اللہ حسبی اللہ توکلت علی اللہ اللھم انی اسئلک خیر اموری کلھا واعوذ بک من خزی الدنیا و عذاب الاخرۃ)

نویں دعا: حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو بستر پر لیٹنے سے پہلے کہے (**اعیذ نفسی و دینی و اھلی وولدی و خواتیم عملی وما رزقنی ربی وما خولنی بعزۃ اللہ وعظمۃ اللہ و جبروت اللہ وسلطان اللہ و رحمۃ اللہ ورأفۃ اللہ و غفران اللہ و قوۃ اللہ**

و قدرة الله وجلال الله و بصنع الله و ارکان الله و بجمع الله وبرسول الله و قدرة الله علی ما یشاء من شر السامة والهامة و من شر الجن والانس ومن شر کل ما دب علی الارض وما یخرج منها ومن شر ما ینزل من السماء وما یعرج فیها ومن شر کل دابة ربی اخذ بنا صیتها ان ربی علی صراط مستقیم وهو علی کل شیء قدیر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم) ترجمہ: میں اپنا نفس، دین، اپنے اہل، اپنی اولاد، اپنے اعمال کی انتہاء اور جو کچھ پروردگار نے مجھے عطا فرمایا، اور جو کچھ خدا نے میرے کنٹرول میں دیا ہے۔ اسے اللہ کی عزت، اور عظمت خدا، جبروت الٰہی اور سلطنت خداوندی، اور رحمت الٰہی، لطف خدا، مغفرت پروردگار، قوت کردگار، قدرت الٰہی، اور جلال خداوندی اور اس کی صنعت، اور اس کے ارکان اور اس کے انبیاء و رسل اور ملائکہ اور صالحین، اور رسول خدا کی پناہ میں دیتا ہوں، اور میں اپنا سب کچھ اس کی اس قدرت کی پناہ میں دیتا ہوں جس سے وہ جو چاہے کرسکتا ہے، میں ہر زہریلی بلاء اور حشرات کے شر سے، اور جن وانس کے شر سے، اور تمام زمینی اور آسمانی شر سے، اور زمین پر چلنے والے حیوان کے شر سے جس کی باگ ڈور خدا کے

قبضہ قدرت میں ہے ان تمام کے شر سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

بے شک میرا پروردگار صراط مستقیم پر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور سوائے خدا کے کسی کے پاس کوئی طاقت وقوت نہیں ہے۔ اور وہ ذات بلند وبالا ہے۔

پھر امام علی ابن ابی طالب علیہا السلام نے فرمایا کہ اسی دعا کا رسول خداؐ نے حضرات حسنین شریفین علیہما السلام کو تعویذ پہنایا تھا۔ اور اس دعا کی عظمت بیان فرمائی تھی۔

دسویں دعا: حضرت امیر المومنین علیؑ سے منقول ہے کہ سوتے وقت اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسارے کے نیچے رکھ کر یوں پڑھو! (بسم الله وضعت جنبی لله علی ملة ابراهیم و دین محمد وولایة من افترض الله طاعته ما شاء الله کان وما لم یشاء لم یکن) جس شخص نے اس دعا کو پڑھا وہ چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہے گا۔ اور ملائکہ اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے۔

گیارہویں دعا: ابوبصیر حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کرتا ہے کہ امامؑ نے فرمایا جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اور خدا ہی اس کے تمام امور میں کافی ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کی برائی اور شر سے اسکی حفاظت فرماتا ہے وہ دعا یوں ہے (اعوذ بما عاذت به ملائکة

اللہ من شر.ھذا الیو م الجد ید الذی اذا غا بت شمسه لم یعد من شر نفسی ومن شر غیر ی ومن شر الشیطان ومن شر من نصب لا ؤ لیا ء الله ومن شر الجن والا نس ومن شر السبا ع والھو ام ومن شر ر کو ب المحا رم کلھا اجیر نفسی با لله من کل سو ء)

چھٹا باب

تلاوت قرآن کے بارے میں: تلاوت قرآن ذکر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔اور جس قدر دعا اور ذکر کی ترغیب دلائی گئی ہے اسی طرح تلاوت قرآن کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے۔اور''ذکر''و''دعا''کیطرح''تلاوت قرآن'' بھی ضرر کو دور کرتی ہے اور منافع کے حصول کا موجب ہوتی ہے۔آنیوالی ابحاث میں اس امر پر زیادہ روشنی ڈالی جائے گی۔بلکہ بعض وجوہات کی بنا پر''تلاوت قرآن''ان دونوں (دعا،ذکر) سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

پہلی وجہ: قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔

دوسری وجہ: قرآن کریم میں اسم اعظم کا ہونا یقینی ہے۔

تیسری وجہ: قرآن کریم علم کا چشمہ ہے۔

ایک راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہما السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قرآنی آیات علم کے خزانہ ہیں جب خزانے کھلیں تو آپکو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کیا ہے)

چوتھی وجہ: قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور بکثرت تلاوت کرنا حقیقت میں رسول خداؐ کے معجزہ کی ترویج کرنا ہے۔اور اسے آنیوالی نسلوں میں باقی رکھنا ہے۔

پانچویں وجہ: قرآن مجید کے ہر حرف پر ثواب ملتا ہے۔جسے ہم آگے بیان کریں گے۔اور یہ ثواب اتنا عظیم ہوگا جو کسی اور کے بارے میں نہیں ہے۔اس ضمن میں وارد ہونیوالی اخبار و روایات میں سے بہت تھوڑی مقدار میں ہم ذکر کرتے ہیں۔

ا۔حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ خداوند ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ جس بندے کو قرآن کی تلاوت نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا تو میں اسے شکر کرنے والوں کے ثواب میں سے افضل ترین ثواب دوں گا۔

۲:ایک اور مقام پر ختمی مرتبت ارشاد فرماتے ہیں (جس کو خدا نے قرآن عطا کیا ہو اور وہ سمجھے کہ جو اسے دیا گیا ہے اس سے کوئی افضل چیز کسی کو دی گئی ہے تو اس نے عظیم چیز کو چھوٹا بتایا اور چھوٹی چیز کو عظیم کردیا)

۳:حضرت رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ (جب آپ کسی مشکل میں گھر جاؤ جیسے تاریک رات کا سفر کا ٹنا ہوتو اس وقت قرآن مجید کا سہارا لو۔کیونکہ وہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت رد نہیں ہوتی۔اور وہ ایسا شاھد ہے جس کے قول کی تصدیق کی جاتی ہے۔جو قرآن کو نمونہ بنا تا ہے وہ جنت تک پہنچتا ہے۔اور جس نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔قرآن ایک بہترین راستہ کی طرف واضح اور روشن دلیل ہے جس نے قرآن والی بات کہی اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔اور اسے توفیق الٰہی حاصل ہوتی ہے۔جو قرآن کے ذریعہ حکم لگاتا ہے اس نے عدل وانصاف کیا۔جس نے قرآن کا دامن پکڑا اسے اجر دیا جائیگا)

۴:راوی حضرت نبی اکرمؐ سے نقل کرتا ہے کہ (اپنے گھروں کو قرآن مجید سے منور کرو۔اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ جس طرح یھود و نصاریٰ نے بیع اور کنائس (یہ ان کے عبادت خانے ہیں) میں نمازیں پڑھیں اور اپنے گھروں کو خالی چھوڑ دیا۔(تو گویا ان کے گھر قبروں کی طرح ہو گئے کوئی ذکر کرنے والا نہ تھا) اگر گھروں میں تلاوت قرآن زیادہ ہوتی ہے تو اس میں خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔اور اس کے اھل کو مال ومتاع ملتا ہے۔اور وہ گھر آسمان والوں کیلئے اس طرح روشن ہوتا ہے جس طرح آسمان کے ستارے زمین والوں کیلئے روشن ہوتے ہیں۔)

۵:حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ **(ان البیت اذا کان فیه المسلم یتلو القرآن یتراءاه أهل السماء کما یتراءی اهل الدنیا الکوکب الدری فی السماء)** ترجمہ: جب کسی گھر میں مسلمان تلاوت قرآن مجید کرتا ہے تو وہ گھر آسمان والوں کیلئے ایسے چمکتا ہے جیسے زمین والوں کیلئے آسمان کا کوکب دری چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

۶:حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا اپنے گھروں میں قرآن پڑھا کرو کیونکہ جب گھر میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان پر کشادگی ہوتی ہے۔اور اس گھر میں خیر و برکت کے نزول میں اضافہ ہوتا ہے۔اور اس گھر کے رہنے والوں میں کثرت ہوتی ہے۔اور جب کسی گھر میں قرآن کی تلاوت نہ ہو تو اس کے اھل پر تنگی ہوتی ہے۔اور خیرات میں کمی ہوتی ہے۔اور اس گھر کے رہنے والوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

۷:حضرت امام صادقؑ آل محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں **(ینبغی للمؤمن ان لا یموت حتی یتعلم القرآن او یکون فی تعلمه)** ترجمہ: مومن کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر لے یا اس میں مشغول ہو۔

۸:**(قراءة القرآن افضل من الذکر والذکر افضل من الصدقه والصدقه افضل من الصیام والصوم جنة من النار)** ترجمہ: قرآن مجید کی تلاوت کرنا ذکر سے افضل ہے۔اور ذکر خدا کرنا صدقہ دینے سے افضل ہے۔اور صدقہ روزے سے افضل ہے۔اور روزہ جہنم کی آگ سے بچنے کیلئے ڈھال ہے۔

پھر صادق آل محمد نے فرمایا! جو شخص حالت نماز میں کھڑے ہو کر تلاوت قرآن کرتا ہے تو اسے ہر حرف کے بدلہ سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اور جو بیٹھ کر تلاوت کرے تو اسے پچاس ملتی ہیں۔ اور جو نماز کے علاوہ با طہارت ہو کر قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اسے پچیس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور جو بغیر طہارت (یعنی وضو کے) قرآن پڑھتا ہے تو اسے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ "المر" ایک حرف ہے بلکہ اسے الف کی دس نیکیاں اور لام کی دس نیکیاں اور میم کی دس اور راء کی دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۹: حضرت امام حسین ابن علی علیہما السلام فرماتے ہیں کہ جس نے نماز کی حالت میں کھڑے ہو کر کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہر حرف کے بدلہ میں سو نیکیاں لکھتا ہے اور اگر نماز کے بغیر پڑھے تو ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں لکھتا ہے۔ اور جو قرآن مجید کو غور سے سنتا ہے اسے ہر حرف کے بدلہ ایک نیکی ملتی ہے۔ اور کوئی رات کو قرآن مجید ختم کرے تو صبح ہونے تک ملائکہ اس پر درود بھیجتے ہیں۔ اور اگر دن کو ختم کرے تو ملائکہ شام ہونے تک اس پر درود بھیجتے ہیں۔ اور اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور اس کے لیے زمین و آسمان کے مابین ہر چیز میں خیر ہوتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی! مولاً یہ تو اس کے لیے ہے جو قرآن مجید پڑھ سکتا ہے۔ جو قرآن مجید کو نہ پڑھ سکتا ہو تو اس کیلئے کیا ہے؟ فرمایا! اے بنی اسد کے بھائی اللہ تعالیٰ سخی، بزرگ اور کریم ہے۔ جو کچھ قرآن میں سے آتا ہے پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسے قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا۔

۱۰: حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ (من قراء القرآن قائماً فی صلاته کتب الله له بکل حرف مائة حسنة ومن قراء فی صلاته جالساً کتب الله له بکل حرف خمسین حسنة ومن قراء فی غیر صلاة کتب الله له بکل حرف عشر حسنات) ترجمہ: جس نے اپنی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن شریف کی تلاوت کی تو اسے ہر حرف کے بدلہ سو نیکیاں ملیں گی۔ اور جس نے نماز میں بیٹھ کر قرآن پڑھا تو اسے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیاں ملیں گیں۔ اور جس نے نماز کے بغیر قرآن پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں لکھتا ہے۔

۱۱: حضرت امام صادق آل محمدؑ سے مروی ہے کہ جس نے نماز کی حالت میں بیٹھ کر قرآن کا ایک حرف پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ اسے پچاس نیکیاں عطا کرتا ہے۔ اور اس کی پچاس برائیاں ختم کر دیتا ہے۔ اور اسے پچاس درجہ کی بلندی عطا کرتا ہے۔ اور جس نے نماز میں کھڑے ہو کر ایک حرف پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں سو نیکیوں کا اضافہ فرماتا ہے اور اس کی سو برائیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اسے سو درجہ کی بلندی عطا کرتا ہے۔ اور جس نے قرآن مجید کو ختم کیا تو اس کی دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے۔ چاہے جلد ہو یا دیر سے ہو بہر حال مستجاب ہوتی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا اللہ تعالی مجھے آپ پر فدا کرے کیا پورے قرآن کو ختم کرے؟ فرمایا ہاں پورے قرآن کو ختم کرے۔ راوی منصور حضرت صادق آل محمدؐ سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اپنے والد ماجد سے کہتے ہوئے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا ''قرآن مجید کو جہاں تک جانتا ہے وہاں تک ختم کرے''

۱۲: حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ (من استمع حر فاً من کتا ب الله من غیر قر ا ئة کتب الله له حسنة ومحا عنه سیئة ور فع له در جةً) ترجمہ: جس نے بغیر پڑھے قرآن مجید کا ایک حرف غور سے سنا تو اللہ تعالی اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک برائی مٹا دیتا ہے اور ایک درجہ بلندی عطا کرتا ہے۔

۱۳: حضرت ابی حمزہ ثمالیؒ سے روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ''جس نے قرآن مجید کو مکہ مکرمہ میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ختم کیا یا اس سے بھی کم یا زیادہ مدت کو جمعہ کے دن ختم کیا تو اللہ تعالی اس کے لیے پہلے جمعہ سے لیکر جو دنیا میں اس کا پہلا جمعہ تھا اس آخری جمعہ تک جو اس کی زندگی کا آخری جمعہ ہوگا اس شخص کیلئے ثواب لکھتا ہے اور اگر کسی اور دن میں ختم کرے تو بھی اس کا ثواب یونہی ہوتا ہے۔

۱۴: حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں (من قر اء عشر آ یا ت فی لیلة لم یکتب من الغا فلین ومن قر اء خمسین ا یة کتب من الذا کر ین ومن قر اء ما ئة ا یة کتب من القا نتین ومن قر اء ما ئتی ا یة کتب من الخا شعین ومن قر اء ثلا ثما ئة ا یة کتب من الفا ئز ین ومن قر اء خمسما ئة ا یة کتب من المجتهد ین ومن قر اء الف ا یة کتب له قنطا ر من بر ّالقنطار خمسة عشر الف مثقا ل من ذ هب المثقال ار بعة وعشر ون قیر اطاً ا صغر ها مثل جبل احد و اکبر ها ما بین السما ء والا رض) ترجمہ: جس نے رات کو دس آیات قرآنیہ کی تلاوت کی تو وہ غافل رہنے والوں کی فہرست میں نہیں ہوگا۔ اور جس نے پچاس آیات کی تلاوت کی تو وہ خدا کا ذکر کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ اور جس نے سو آیت پڑھی تو وہ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے شمار ہوتا ہے۔ اور جس نے دو سو آیت پڑھی تو وہ خدا کی بارگاہ میں خشوع و خضوع کرنے والوں میں سے ہوتا ہے اور جس نے قرآن کریم کی تین سو آیات کی تلاوت کی تو اس کا نام کامیاب لوگوں کی فہرست میں درج ہوتا ہے۔ اور جس نے پانچ سو قرآنی آیات کی تلاوت کی تو اس کا شمار راہ خدا میں جدوجہد کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ اور جس نے ایک ہزار قرآنی آیات کی تلاوت کی تو اس کے لیے نیکیوں کا ایک قنطار لکھا جاتا ہے۔ اور ایک ''قنطار'' سونے کے پندرہ ہزار مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ اور ایک مثقال چوبیس قیراط کے برابر ہوتا ہے۔ اور چھوٹے سے چھوٹا قیراط احد کے پہاڑ کی مثل ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑا قیراط زمین و آسمان کے درمیانی حصہ کو بھر دیتا ہے۔

فصل: نیند سے پہلے تلاوت قرآن کرنا:

انسان کو اس وقت تک نہیں سونا چاہیے جب تک کچھ مقدار میں قرآن کریم کی تلاوت نہ کر لے۔

فضیل بن یسار نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا تم میں سے وہ تاجر کہ جو بازار میں مصروف رہتا ہے جب اپنے گھر واپس آتا ہے تو اسے کیا چیز روکتی ہے کہ سونے سے پہلے قرآن مجید کی کوئی سورہ پڑھ لے تو اس کے لیے ہر آیت کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور دس برائیاں مٹادی جاتی ہیں۔

فصل: قرآن مجید کا گھر رکھنا اور تلاوت کرنا:

گھر میں قرآن مجید کا رکھنا ایک مستحب امر ہے۔ حضرت صادق آل محمدؑ ارشاد فرماتے ہیں (**انہ لیعجبنی ان یکون فی البیت مصحف یطرد اللہ عز و جل بہ الشیاطین**) ترجمہ: گھر میں قرآن مجید کا ہونا مجھے بہت اچھا لگتا ہے اس سے خدا شیطان کو گھر سے دور رکھتا ہے۔ اور انسان کو چاہیے کہ قرآن کو دیکھ کر پڑھے اگر چہ اسے حفظ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ صادق آل محمدؑ کے اس فرمان باصواب کی طرف دھیان دینا چاہیے حضرتؑ فرماتے ہیں کہ (**ثلاثة تشکوا الی اللہ العزیز الجلیل مسجد خراب لا یصلی فیہ اهلہ وعالم بین جهال ومصحف معلق قد وقع علیہ الغبار لا یقراء فیہ**) ترجمہ: تین چیزیں بارگاہ ایزدی میں شکوہ کریں گی۔

۱: وہ خراب مسجد جس کے اہل اس میں نماز نہ پڑھیں۔

۲: اور وہ عالم جو کہ جاہلوں کے مابین ہو۔

اور وہ قرآن مجید جو لٹکا دیا ہو (زینت کے لیے) اور اس پر غبار پڑتا رہے اور اس کی تلاوت نہ کی جائے۔

راوی اسحاق بن عمار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کی! مولا میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ میں قرآن مجید کو حفظ کر رہا ہوں تو کیا اسے زبانی پڑھوں تو زیادہ فضیلت ہے یا قرآن سے دیکھ کر پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا! نہیں۔ بلکہ قرآن سے دیکھ کر پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ قرآن کی طرف نظر کرنا عبادت ہے حضرت صادق آل محمدؑ سے منقول ہے کہ (**من قراء فی المصحف متع ببصرہ و خفف عن والدیہ ولو کانا کافرین**) ترجمہ: جس نے قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھا اس کی بینائی محفوظ رہے گی۔ اور اس کے والدین سے عذاب کی تخفیف کی جائے گی چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ انہی امامؑ سے ایک اور مقام پر روایت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا (**لیس شیء اشد علی الشیطان من القراءة فی المصحف نظراً والمصحف فی**

البیت یطرد الشیطان) ترجمہ: قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنے سے بڑھ کر اور کوئی چیز شیطان پر گراں نہیں ہے۔ اور گھر میں قرآن مجید کا ہونا شیطان کو بھگا دیتا ہے۔

فصل

پابندی سے تلاوت کرنا............

حافظ قرآن مجید کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرتا رہے تا کہ کہیں بھول نہ جائے جس کی وجہ سے قیامت کے دن حسرت اور افسوس ہو ایک راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ مولا میں آپ پر قربان ہو جاؤں، مجھے اسقدر دکھ اور غم ملے ہیں کہ میرے پاس جو کچھ بھی تھا میں سب بھول گیا ہوں حتی کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ میں نے حفظ کیا تھا وہ بھی بھول گیا ہوں، راوی کہتا ہے کہ جب میں نے قرآن کے بھول جانے کا ذکر کیا تو امامؑ ایک دم چونک اٹھے اور فرمانے لگے" جو شخص قرآن کی ایک سورۃ کو بھلا دیتا ہے قیامت کے دن یہ سورۃ اس کے پاس آئے گی یہاں تک کہ جنت کے درجات میں سے کسی درجہ سے اس شخص کو مخاطب ہو کر کہے گی السلام علیک وہ جواب سلام دے گا اور پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ میں وہ فلاں سورۃ ہوں جسے تو نے بھلا دیا تھا اور ضائع کر دیا تھا اگر تو مجھ کو نہ بھلاتا تو آج اس درجہ پر ہوتا (پھر امامؑ نے انگلی سے اس درجہ کی طرف اشارہ کیا)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن سیکھنا آپ پر ضروری ہے لوگوں میں سے کچھ اس لیے قرآن سیکھتے ہیں تا کہ انہیں قاری کے ساتھ پکارا جائے اور جو آواز بنانے کے لیے سیکھتے ہیں تا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں کی آواز بہت اچھی ہے حالانکہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور جو لوگ قرآن مجید سیکھ کر شب و روز قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ حقیقت میں مخلص ہوتے ہیں اور ان کا یہ عمل لوگوں کے لیے نہیں ہوتا۔

صادق آل محمد علیہم السلام فرماتے ہیں (من نسی سورۃ من القرآن مثلت له فی صورۃ حسنة و درجة رفیعة فی الجنة فاذا راها قال ما انت؟ ما احسنك لیتك لی فتقول اما تعرفنی؟ انا سورۃ کذا و کذا لو لم تنسنی لرفعتك الی هذا) جو شخص قرآن کی سورۃ کو یاد کر کے بھلا دیتا ہے قیامت کے دن یہ سورۃ اس کے سامنے بہترین شکل اور بلند درجہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے تو یہ شخص اس سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو کتنا بلند مقام ہے کاش یہ میرے لیے ہوتا ؟ تو جواب میں کہتی ہے کہ میں وہی فلاں سورت ہوں جسے تو نے یاد کر کے بھلا دیا تھا اگر مجھے بھلایا نہ ہوتا تو آج اس درجے پر فائز ہوتا۔

ایک اور مقام پر انہی امامؑ سے مروی ہے کہ (القران عهد الله الی خلقه فینبغی للمسلم ان ینظر فی عهده و ان یقرأ منه فی کل یوم خمسین آیة) قرآن مجید اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے عھد ہے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس عھد نامہ کا پاس کریں اور ہر روز اس سے پچاس آیات کی تلاوت کریں۔

ہیثم بن عبید روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو قرآن مجید کو یاد کر کے بھلا دے اور پھر اسے یاد کرے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ امامؑ نے فرمایا نہیں کوئی حرج نہیں ہے، راوی کہتا ہے کہ میں نے اس سوال کو امامؑ سے تین بار پوچھا اور حضرت نے جواب دیا کہ نہیں کوئی حرج نہیں ہے۔

فصل:

قرآن مجید کو بطور شفاء اور تعویذ استعمال کرنا......

جان لو کہ: قرآن مجید میں عجیب و غریب قسم کے فوائد اور خصوصیات ہیں اور قرآن مجید ایک تعویذ ہے، قرآن مجید عجیب معجزات و کرامات کا حامل ہے بلند و بالا پہاڑ کی عظمت و بلندی اس کتاب الٰہی کے سامنے ہیچ ہے اور نہ ہی ایک عظیم سمندر اس کے فوائد و عوائد کی وسعت کی نظیر بن سکتا ہے، چونکہ قرآن بہت وسیع ہے جس کا احاطہ نہیں ہوسکتا اگر وعظ و نصیحت کو دیکھو تو ایک فصیح و بلیغ خطیب بھی اسی بحر بے کراں سے فیض یاب ہوتا ہے اور اگر احکام شریعت حلال و حرام کے حوالہ سے ملاحظہ کیا جائے تو ایک ماہر فقیہ اسی سمندر سے اپنی بساط کے مطابق اپنی پیاس کو بجھاتا ہے اگر قرآن کی فصاحت و بلاغت کا ملاحظہ کیا جائے تو بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اس کے سامنے دنگ رہ جاتے ہیں اور اسی سے درس بلاغت لینے میں اپنے لیے فخر محسوس کرتے ہیں اور اس بحر بے کنار کی مدح و ثناء خداوند ذوالجلال نے جو کی ہے وہی اس کے لیے کافی ہے ارشاد خداوندی ہوتا ہے (فبای حدیث بعده یومنون) سورۃ الاعراف آیت ۱۸۵۔ اس کے بعد وہ کس کلام پر ایمان لائیں گے۔

ایک اور مقام پر یوں قرآن کی مدح کی گئی ہے کہ (ما فرطنا فی الکتاب من شئی) سورۃ الانعام آیت ۳۸۔ ہم نے کتاب میں کسی شئی کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

اور اگر قرآن مجید کو بیماریوں سے شفاء دینے اور اسے ایک حرز و تعویذ کی رو سے دیکھا جائے تو یہ ایک ایسا شفاء خانہ ہے جہاں سے ہر قسم کی مرض کی دوا میسر ہوتی ہے اور یہی ہر چیز کے لیے کافی و وافی ہوتا ہے اللہ کا یہ کلام انسان کو دیگر اشیاء سے بے نیاز کر دیتا ہے اور قرآن مجید قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔

ہم ان تمام امور اور فضائل قرآن کو ذیل میں تین اقسام میں بیان کرتے ہیں۔

القسم الاول: قرآن بیماریوں کا علاج ......

قرآن مجید سے مختلف بیماریوں کا علاج طلب کیا جاتا ہے اور خدا نے اسے شفاء کا وسیلہ قرار دیا ہے ہم اپنے اس دعوی پر چند ایک دلیلوں کو ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

حقیقت میں قرآنی فوائد وعوائد بیان کرنا سوائے نبیؐ اکرم اور ان کے اوصیاء کرام علیہم السلام جو کہ ترجمان وحی خدا ہیں اور کوئی بیان نہیں کرسکتا چند روایات کا یہاں پر بطور دلیل تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد علیہم السلام سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں اپنے سینے کے درد کی شکایت کرتا ہے تو آنحضرتؐ نے اسے فرمایا (**استشف بالقرآن فان الله عز و جل یقول و شفاء لما فی الصدور**) قرآن کے ذریعے علاج کرو کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ (قرآن) سینے کی امراض کے لیے شفاء ہے۔

(۲) حضرت شیخ الصدوقؒ اپنے سلسلہ سند سے ختمی مرتبتؐ سے نقل کرتے ہیں (**شفاء امتی فی ثلاث : آیة من کتاب الله العزیز او لعقة من عسل او شرطة حجام**) میری امت کی شفاء تین چیزوں میں ہے، قرآن مجید کی آیت میں، شہد میں، پچھنا لگانے میں۔

(۳) حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام سے منقول ہے (**من لم یبرا ہ الحمد لم یبرا ہ شئی**) جسے سورۃ حمد شفاء نہ دے اسے کوئی چیز ٹھیک نہیں کرسکتی۔

(۴) حضرت امام ثامن الائمۃ علیہ السلام سے مروی ہے (**من قرا آیة الکرسی عند منامه لم یخف الفالج و من قرا ھا فی دبر کل صلاۃ لم یضرہ ذو حمة**) جو شخص سوتے وقت آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے اسے فالج نہیں ہوتا اور جو ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھے اسے زہریلا جانور نقصان نہیں پہنچاتا۔

(۵) اصبغ بن نباتہ ایک طویل وعریض حدیث میں بیان کرتا ہے کہ ایک شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں آکر کہتا ہے کہ میرے پیٹ میں زرد پانی ہے آیا اس کا کوئی علاج ہے؟ تو امام نے فرمایا ہاں اس کا علاج ہے اور مفت علاج ہے وہ یہ کہ آیۃ الکرسی کو پیٹ پر لکھو اور اسے کسی برتن میں لکھ کر اس کا پانی پیو خداوند ذوالجلال تجھے شفاء عطا فرمائے گا، پس اس بندہ نے ایسا ہی کیا تو اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو گیا۔

القسم الثانی: قرآن کا حفاظت کرنا ....

قرآن انسان کی حفاظت کرتا ہے اور یہ مومن انسان کے لیے نسخۂ کیمیا ہے اس بارے میں بہت کچھ اخبار و آثار

میں ملتا ہے لیکن یہاں پر اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے تھوڑی سی مقدار کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(۱) راوی کہتا ہے کہ میں نے امام موسی بن جعفر علیہما السلام کو کہتے ہوئے سنا کہ جس نے مشرق سے لیکر مغرب تک کسی آیت سے اپنی حفاظت طلب کی ہو تو اگر اسے اس پر یقین کامل ہے تو یہ اس کی حفاظت کرتی ہے۔

(۲) مفضل بن عمر امام موسی کاظم علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا اے مفضل (بسم اللہ الرحمن الرحیم) اور (قل ھو اللہ احد......) کے ذریعے تمام لوگوں سے امان حاصل ہوتی ہے اور اسے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے اور اوپر نیچے پڑھا کرو، اور اگر ظالم حکمران کے ہاں جانے لگو تو جونہی تمہاری نگاہ اس پر پڑے تو اسے تین بار پڑھو اور بائیں ہاتھ کی مٹھی کو بند کرلو اور وہاں سے باہر نکلنے تک نہ کھولو۔

(۳) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ چوروں سے محفوظ رہنے کے لیے بستر پر لیٹتے وقت ان آیات کو پڑھے (قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن) (سورت کے آخر تک) پڑھے۔(۱)

حضرات آئمۃ علیہم السلام سے مروی ہے کہ جس نے سوتے وقت ان دو آیتوں کی تلاوت کی تو صبح ہونے تک خداوند متعال ہر سرکش شیطان اور جبار دشمن سے اس شخص کی حفاظت فرمائے گا۔

(۴) حضرات معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جس چیز کو چھپا کے رکھنا ہو اور خزانہ کرنا ہو اس پر سورۃ القدر پڑھو محفوظ رہے گی۔

(۵) شیاطین سے محفوظ رہنے کے لیے منقول ہے کہ سوتے وقت آیت السخرہ کی تلاوت کی جائے (ان ربکم الذی خلق السموٰات و الارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا و الشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین) بے شک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے اور رات تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا کرتی ہے اور آفتاب و مہتاب اور ستارے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں اسی کے

---

(۱) یہ کل دو آیتیں ہیں۔اور آخر تک یوں ہیں۔

(قل ادعو ا اللہ او ا دعو ا الر حمن ایا ما تد عو ا فلہ الاسماء الحسنیٰ ولا تجھر بصلا تک ولا تخا فت بھا وابتغ بین ذلک سبیلاً و قل الحمد للہ الذی لم یتخذو لداً ولم یکن لہ شر یک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل و کتبرہ تکبیراً) سورۃ الاسراء ۱۱۰-۱۱۱

لیے خلق بھی ہے اور امر بھی، وہ نہایت ہی صاحب برکت اللہ ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اس آیت کی تعلیم حاصل کی، اتفاق سے اس کا ایک ایسی بستی سے گزر ہوا جو خراب اور تباہ ہو چکی تھی اس آیت کی تلاوت کیے بغیر اس نے اس بستی میں رات بسر کی، تو شیاطین اس پر غالب آگئے اور اس کی داڑھی کو پکڑے ہوئے تھے شیطان کو اس کے ساتھی نے کہا اس کی طرف دیکھ اتنے میں وہ آدمی جاگ اٹھا اور اس نے انہیں آیات کی تلاوت کرنا شروع کی تو اب شیطان اپنے ساتھی کو کہتا ہے کہ خدا تیرا برا کرے اب صبح ہونے تک اس کی حفاظت کر، جب یہ شخص حضرت علی علیہ السلام کے ہاں واپس آ کر اس واقعہ کی خبر دیتا ہے تو آپ نے فرمایا تیری کلام میں شفاء اور سچ دکھائی دیتا ہے، پھر وہ شخص سورج طلوع ہونے کے بعد چلا جاتا ہے تو اچانک اس کی نگاہ شیطان کے بالوں پر پڑتی ہے جو اس آیت کے پڑھنے کی وجہ سے اس کے زمین پر گھسیٹنے کے نتیجہ میں گرے تھے۔

(۶) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جس شخص نے سورہ بقرہ کی پہلی چار آیات اور آیت الکرسی اور اس کے بعد والی دو آیات اور سورۃ بقرۃ کی آخر والی تین آیات پڑھیں وہ اپنی زندگی میں کوئی مکروہ چیز نہیں دیکھے گا اور نہ ہی شیطان اس کے قریب جائے گا اور وہ قرآن بھی نہیں بھولے گا۔

(۷) حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کے ہاں جائے جس سے خوفزدہ ہو تو جونہی اس کے سامنے پہنچے (کٓھٰیٰعٓصٓ) کو پڑھے اور اپنے دائیں ہاتھ کی ایک ایک انگلی ہر حرف کے پڑھنے پر بند کرتا جائے پھر کہے (حٰمٓ عٓسٓقٓ) اسی طرح ہر حرف پڑھنے پر بائیں ہاتھ کی انگلی کو بند کرتا جائے پھر یوں پڑھے (و عنت الوجوہ للحی القیوم و قد خاب من حمل ظلما) سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۱۔ اس دن سارے چہرے خدائے حیّ و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے اور ظلم کا بوجھ اٹھانے والا ناکام اور رسوا ہوگا اور پھر ان دونوں مٹھیوں کو اس ظالم شخص کے سامنے کھول دے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(۸) حضرت امام ثامن الائمۃ علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ (اذا خفت امرا فاقراء مأة آیة من القرآن من حیث شئت ثم قل اللهم ادفع عنی البلاء۔ ثلاث مرات۔ جب آپ کو کوئی مشکل درپیش ہو تو قرآن مجید میں سے کوئی سی سو آیات کی تلاوت کرو پھر اس کے بعد تین مرتبہ یوں دعا کرو ''الٰہی مجھ سے مصیبت کو ٹال دے''۔

(۹) حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ایک دن ابو المنذر ہشام بن السائب الکلبی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؑ نے

اسے کہا کیا تو قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہے؟ وہ کہنے لگا جی ہاں، پھر حضرت نے اس سے کہا کہ اللہ تعالی کے اس قول جو اپنے نبی کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا (**و اذا قرات القرآن جعلنا بینك و بین الذین لا یومنون بالآخرة حجابا مستورا**) سورۃ اسراء ایت ۴۵۔ اس کی تفسیر کرو اور بتاؤ وہ کون سا قرآن ہے جسے نبیؐ اکرم جب پڑھتے تو ان کے اور لوگوں کے مابین پردہ حائل ہو جاتا؟ اس شخص نے جواب میں کہا میں یہ نہیں جانتا ہوں حضرتؑ نے فرمایا کہ پھر کیسے مفسر قرآن ہونے کا دعوی کیا ہوا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے مولاؑ کی خدمت میں عرض کی اے فرزند رسولؐ اگر مناسب ہو تو مجھے ان آیات کی تعلیم دیجئے اور یہ آپ کی مہربانی ہوگی ، امامؑ نے فرمایا کہ وہ قرآن جس کے پڑھنے سے لوگوں اور رسولؐ کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے اور لوگ رسولؐ اللہ کو دیکھ نہیں سکتے وہ یہ آیات ہیں ایک سورت جاثیہ کی ایت ہے (**افرایت من اتخذ الهه هواه و اضله الله علی علم و ختم علی سمعه و قلبه و جعل علی بصره غشاوة فمن یهدیه من بعد الله افلا تذکرون**) آیت ۲۳۔

اور ایک سورت نحل کی آیت ہے (**اولئك الذین طبع الله علی قلوبهم و سمعهم و ابصارهم و اولئك هم الغافلون**) آیت ۱۰۸۔

اور ایک سورت کہف کی آیت ہے (**و من اظلم ممن ذکر بایات ربه فاعرض عنها و نسی ما قدمت یداه انا جعلنا علی قلوبهم اکنة ان یفقهوه و فی اذانهم وقرا و ان تدعهم الی الهدی فلن یهتدوا اذا ابدا**) ایت ۵۷۔ اب راوی کہتا ہے کہ اہل ہمذان میں سے ایک دیلم خاندان کے شخص کو میں نے ان آیات کی تعلیم دی وہ شخص اس خاندان میں دس سال رہا اور ان آیات کو اپنا ورد بنایا وہ کہتا ہے کہ جب میں لوگوں کے سامنے سے گزرتا، ان کی دکانوں کے سامنے سے گزرتا تو لوگ مجھے نہیں دیکھتے تھے میرے اور ان لوگوں کے درمیان حجاب سا حائل ہوتا یہاں تک کہ میں مسلمانوں کی سرزمین میں آ گیا، اسی طرح راوی کہتا ہے کہ میں نے ان آیات کی ایک ایسی قوم کو تعلیم دی جو کوفہ سے بغداد کی طرف کشتی کے ذریعے روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ سات اور کشتیاں بھی نکلیں لیکن چھ کشتیوں کو راستہ میں لوٹ لیا گیا مگر وہی ایک کشتی محفوظ رہی جس میں ان آیات کی تلاوت کی گئی تھی۔

فائدۃ: بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ شخص جس سے ان قرآنی آیات کے بارے میں امام علیہ السلام نے سوال کیا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

(۱۰) کسی محبوس چیز کو آزاد کرنے کے لیے ورقے پر یوں دعا لکھ کر لٹکایا جائے (**بسم الله الرحمن الرحیم انافتحنا**

لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر و يتم نعمته عليك و يهديك صراطا مستقيما) سورہ الفتح آیت ۱-۲ ۔ پھر اس کے بعد سورۃ النصر لکھی جائے اور پھر ان آیات کو لکھا جائے (و من آياته ان خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها و جعل بينكم مودة و رحمة ان فى ذلك لآيات لقوم يتفكرون) سورۃ روم آیت ۲۱ ۔ (ادخلوا عليهم الباب فاذا دخلتموه فانكم غالبون) المائدۃ آیت ۲۳۔

(ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر و فجرنا الارض عيونا فالتقى الماء على امر قد قدر) سورۃ القمر ۱۱-۱۲۔

(قال رب اشرح لى صدرى و يسر لى امرى و احلل عقدة من لسانى يفقهوا قولى) سورۃ طٰہٰ ۲۵-۲۸ ۔ (و تركنا بعضهم يومئذ يموج فى بعض و نفخ فى الصور فجمعناهم جمعا) سورۃ الکہف آیت ۹۹۔

پھر اس کے بعد جس کو جس سے آزاد کراتا ہو ان دونوں کا نام لکھا جائے، پھر یہ آیت لکھی جائے (لقد جائكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رئوف رحيم فان تولوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم) سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸-۱۲۹۔

القسم الثالث : اجابت دعا کے متعلق............

پورے قرآن مجید کی یہ شان ہے کہ اس کی تلاوت کرنے کے بعد جو بھی دعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے آداب دعا میں ذکر کیا ہے، لیکن قرآن مجید کے کچھ مقامات کی زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ ان کے بعد دعا جلد قبول ہوتی ہے، ان میں سے ہم بعض کو یہاں ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مقام::

حضرت امام صادق آل محمد علیہم السلام اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ختمی مرتبت نے فرمایا جب اللہ تبارک وتعالی نے "سورة الفاتحه، آيه الكرسى اور شهد الله ...... اور قل اللهم مالك الملك...... بغير حساب" کو نازل کرنا چاہا اس وقت یہ آیات عرش بریں پر تھیں خداوند ذوالجلال اور ان آیات کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے ان آیات نے اللہ تعالی سے نازل ہوتے وقت کہا کہ الٰہی تو ہمیں گناہوں کی وادی (دنیا) میں بھیج رہا ہے اور ہمیں اس جگہ بھیج رہا ہے جہاں تیری معصیت ہوتی ہے حالانکہ ہم تو طہارت اور قداست (عرش بریں) کے دامن میں رہنے کی عادی ہیں؟ اس وقت اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم جس بندے نے بھی ہر نماز کے بعد تمہاری تلاوت کی اگرچہ وہ جس حال میں بھی ہوگا میں اسے جنت الفردوس کے اعلی مقام پر فائز کروں گا اور ہر روز ستر

مرتبہ اس پر اپنی نظر کرم کروں گا اور ہر روز اس کی ستر حاجات کو پورا کروں گا جن میں سے سب سے کم اس کی مغفرت و بخشش ہے اور اسے ہر دشمن سے پناہ دوں گا اور دشمنوں پر اس کی نصرت و مدد کروں گا اور سوائے موت کے اور کوئی چیز اسے جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکے گی۔

دوسرا مقام:

بعض روایات میں ملتا ہے کہ (ان الدعاء بعد قراة الجحد عشر مرات عند طلوع الشمس من یوم الجمعة مستجاب) جمعہ کے دن سورج طلوع ہوتے وقت دس مرتبہ سورۃ جحد پڑھنے کے بعد دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

تیسرا مقام::

حضرت امام امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے (من قرا مأة آیة من ای آی من القرآن شاء ثم قال یا اللہ۔ سبع مرات۔ فلو دعا علی صخرة لفلقها الله تعالی)جو شخص قرآن مجید کی کہیں سے بھی سو آیات کی تلاوت کر کے پھر سات مرتبہ یا اللہ کہہ کر جو دعا مانگے گا پوری ہوگی اگرچہ وہ چٹان شگاف ہونے کی ہی کیوں نہ دعا ہو خدا اسے بھی شگافتہ کردے گا۔

فصل: خواص آیات اور سور............

یہاں پر مختلف سورتوں اور آیات کے مختلف خواص بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا(من قرأ الهاکم التکاثر عند النوم وقی فتنة القبر) جس نے سوتے وقت "سورۃ الھا کم التکاثر" کی تلاوت کی تو وہ آزمائش قبر سے محفوظ ہوگا۔

(۲) صادق آل محمد علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن مجید سمندر میں گر گیا تمام آیات کے مٹنے کے باوجود یہ آیت باقی رہی (الا الی الله تصیر الامور) سورۃ شوری ۵۳۔

(۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ قرآن اور فرقان دو الگ چیزیں ہیں یا ایک چیز کے دو نام ہیں ؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا (القرآن جملة الکتاب و الفرقان المحکم الواجب العمل به) قرآن پوری کتاب کو کہا جاتا ہے جبکہ فرقان ان محکم آیات کا نام ہے جو واجب العمل ہیں۔

(۴) سب سے پہلی جو آیات نازل ہوئیں وہ (بسم الله الرحمن الرحیم اقرأ باسم ربك) ہیں اور آخر میں نازل ہونے والی (اذا جاء نصر الله و الفتح) ہے۔

(۵) حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سوتے وقت تین بار سورۃ قل ھو اللہ کی تلاوت کرتا ہے خدا اسے پچاس ہزار فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے جو رات بھر اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

حضرت شیخ صدوقؒ اپنی کتاب التوحید میں روایت کرتے ہیں کہ سورۃ التوحید پڑھنے سے پچاس سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

(۶) ابو بکر حضرمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ (**من كان يومن بالله و اليوم الآخر فلا يدع ان يقرأ فى دبر كل فريضة قل هو الله احد فانه من قرأ ها جمع الله له خير الدنيا و خير الآخرة و غفر له و لوالديه و ما ولدا**) جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے ہر فریضہ نماز کے بعد سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھنا ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جو اس کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالی اسے دنیا و آخرت کی خیر و خوبی عطا کرتا ہے اور اسے اور اس کے والدین اور اس کی اولاد کی مغفرت فرماتا ہے۔

(۷) حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی دعا کی تعلیم نہ دے دوں جس کی وجہ سے تم کبھی بھی قرآن نہ بھولنے پاؤ وہ دعا یہ ہے (**اللهم ارحمنی بترك معاصيك ابدا ما ابقيتنى و ارحمنى من تكلف مالا يعنينى وارزقنى حسن الظن فيما يرضيك و الزم قلبى حفظ كتابك كما علمتنى وارزقنى ان اتلوه على النحو الذى يرضيك عنى اللهم نور بكتابك بصرى و اشرح به صدرى و اطلق به لسانى واستعمل به بدنى و قونى به على ذالك و اعنى عليه انه لا يعين عليه الا انت لا اله الا انت**) الٰہی مجھ پر رحم و کرم فرما کہ تیری نافرمانی نہ کروں۔ اور مجھ پر رحم فرما کہ لایعنی چیزوں میں نہ الجھوں۔ اور اپنی رضا کی توفیق عطا فرما۔ اور میرے دل کو اپنی کتاب (قرآن مجید) کا خزانہ قرار دے۔ اور مجھے اسطرح اس کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرما جس طرح تو راضی ہو۔ نور قرآن سے میرے دل کو منور فرما۔ اور میرے سینے کو کشادہ فرما۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ اور مجھے احکام قرآن پر پابند فرما۔ اور مجھے اپنی اطاعت پر قوت و طاقت عطا فرما چونکہ تیرے علاوہ اور کوئی مددگار نہیں ہے۔ اور تو ہی معبود حقیقی ہے۔ یہی دعا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہوئی ہے۔

(۸) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس نے پورے دن کی نمازوں میں سورۃ توحید کی تلاوت نہ کی ہو تو قیامت کے دن اسے کہا جائے گا کہ تو نمازی نہیں ہے۔

(۹) چھٹے امامؑ سے مروی ہے کہ جسے کوئی بیماری یا سختی لاحق ہو اور اس نے اس مصیبت میں سورۃ توحید کی تلاوت نہ کی ہو تو اگر وہ اسی مرض میں مر گیا تو وہ جہنمی شمار ہوگا۔

(۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس نے جمعہ والے دن سورۃ توحید کی تلاوت نہ کی اور پھر وہ مر گیا تو وہ ابولہب کے دین پر مرا ہے۔

(۱۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد محترم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جو بھی قرآن کے بعض کو دوسرے بعض سے ٹکرائے تو اس نے کفر کیا۔

(۱۲) راوی چھٹے امام سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا جس نے سورۃ کہف کی آخری آیات کی تلاوت کی تو وہ جب چاہے نیند سے بیدار ہو تو وہ اسی وقت پر بیدار ہوگا۔(۱)

(۱۳) زہری سے روایت ہے کہ اس نے امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا(**الحال المرتحل**) سب سے اچھا عمل ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی آقا اس سے کیا مراد ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا اس سے مراد قرآن کو کھولنا اور پھر آخر تک اسے ختم کرنا یعنی جب اس کی ابتداء کی جائے تو اسے آخر تک پڑھا جائے۔

(۱۴) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ (**من قرأ بنی اسرائیل فی کل لیلة جمعة لم یمت حتی یدرك القائم علیه السلام و یکون معه و من قرأ سورة الکهف کل لیلة جمعة لم یمت الا شهیدا و بعثه الله مع الشهداء**) جس نے ہر شب جمعہ سورۃ بنی اسرائیل کی تلاوت کی تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جبتک امام زمانہ علیہ السلام کی زیارت نہ کر لے اور وہ امام زمانہ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ہوگا اور جس نے ہر شب جمعہ سورۃ کہف کی تلاوت کی تو وہ جب بھی مرے گا شہید مرے گا اور خدا اسے شہداء کے ساتھ محشور فرمائے گا۔

(۱۵) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے (**من اوتر بالمعوذتین و قل هو الله احد قیل له یا عبد الله ابشر فقد قبل ذکرك**) جو نماز وتر میں سورۃ الناس، سورۃ الفلق اور سورۃ توحید کی تلاوت کرتا ہے تو اسے خدا کی طرف سے نماز وتر کی قبولیت کی بشارت دی جاتی ہے ۔

---

(۱) اور وہ آخری آیات یہ ہیں (**قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الهکم اله واحد فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرك بعبادة ربه احداً**) آیت نمبر ۱۱۰

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک اور اکیلا ہے لہذا جو بھی اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے۔اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔)

(۱۶) راوی کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اپنے گھر سے نکلتے ہوئے دس بار سورۃ التوحید کی تلاوت کی تو وہ گھر واپس آنے تک خدا کی حفظ و امان میں رہتا ہے۔

(۱۷) وہ کیڑا جو فصلوں اور کھیتوں کو نقصان دے اس سے بچاؤ کے لیے کاغذ کے چار ٹکڑوں یا ہڈیوں وغیرہ پر ایک دعا لکھ کر کھیت کے چاروں کونوں میں رکھ دیا جائے تو مراد پوری ہوگی وہ دعا یوں ہے (ایھا الدود ایھا الدواب و الھوام و الحیوانات اخرجوا من ھذہ الارض و الزرع الی الخراب کما خرج ابن متی من بطن الحوت و ان لم تخرجوا ارسلت علیکم "شواظ من نار و نحاس فلا تنتصران ")سورۃ رحمان ۳۵۔الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا)سورۃ بقرۃ ۲۴۳۔(اخرج منھا فانک رجیم) سورۃ حجر ۳۴۔ (فخرج منھا خائفا یترقب) سورۃ قصص ۲۱۔(سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی) سورۃ اسراء آیت ۱۔(کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیة او ضحھا)سورۃ النازعات آیت ۴۶۔ (فاخرجناھم من جنات و عیون)الشعراء ۵۷۔(و زروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیھا فاکھین)سورۃ دخان ۲۶۔۲۷۔(فما بکت علیھم السماء و الارض و ما کانوا منظرین)سورۃ دخان ۲۹(فاھبط منھا فما یکون لک ان تتکبر فیھا فاخرج انک من الصاغرین) سورۃ الاعراف آیت ۱۳۔(اخرج منھا مذئوما مدحورا)سورۃ الاعراف ۱۸ ۔(فلنأتینھم بجنود لا قبل لھم بھا و لنخرجنھم منھا اذلة و ھم صاغرون)نمل آیت ۳۷۔

(۱۸) سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ حضرت رسول اکرم نے فرمایا جس شخص نے وضو کر کے مسجد کی جانب چلتے ہوئے یہ پڑھا(بسم اللہ الذی خلقنی فھو یھدین)تو اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت فرماتا ہے اور اگر یوں کہے (والذی ھو یطعمنی و یسقین) تو اللہ تعالیٰ جنت کے کھانوں میں سے کھانا اور شراب جنت عطا فرمائے گا اور اگر کہے (و اذا مرضت فھو یشفین)تو خدا اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیتا ہے اور اگر کہے (والذی یمیتنی ثم یحیین) تو خدا اسے شہداء کی موت عطا کرتا ہے اور سعید لوگوں کی زندگی سے نوازتا ہے اور اگر کہے (والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین) تو خدا اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے چاہے وہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں اور اگر کہے (رب ھب لی حکما و الحقنی بالصالحین) خدا اسے علم و حکمت عطا فرماتا ہے اور گزشتہ و آئندہ آنے والے تمام صالحین کے ساتھ ملحق کر دیتا ہے اور اگر کہے (واجعل لی لسان صدق فی الآخرین) تو اللہ تعالیٰ اسے سچے ہونے کی سند عطا کرتا ہے اور اگر کہے (واجعلنی من ورثة جنة النعیم)اللہ تعالیٰ اسے جنت میں منازل عطا فرماتا ہے اور اگر یوں کہے (واغفر لابی انه کان من الضالین) خداوند ذوالجلال اس کے والدین کو بخش دیتا ہے۔

(۱۹) حضرت نبیؐ اکرم سے منقول ہے کہ جس شخص نے سوتے وقت اس آیت کو پڑھا (قل انما انا بشر...... ولا یشرك بعبادة ربه احدا) سورۃ کہف آیت ۱۱۰۔ تو اس سے ایک ایسا نور چمکتا ہے جو مسجد الحرام تک پھیل جاتا ہے اور وہ نور ملائکہ سے پر ہوتا ہے جو صبح ہونے تک اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

اختتام اور نصیحت : مذکورہ بالا بیان سے ذکر اور دعا کی فضیلت واضح ہوگئی ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ان دو میں سے جو مخفی ہوگا اس کی زیادہ فضیلت اور عظمت ہے اور تنہائی میں کیا جانے والا عمل لوگوں کے سامنے بجالائے ہوئے عمل سے ستر گنا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

حضرات امامین صادقین علیہما السلام میں سے ایک امام سے زرارہ نقل کرتا ہے کہ انسان جب اپنے نفس میں ذکر خدا کرتا ہے یہ اس قدر عظیم ہوتا ہے کہ اللہ کے سواء اور کوئی اس کے ثواب کا حساب نہیں کر سکتا، اس کلام حق ترجمان سے ایک تیسری قسم کے ذکر کی طرف اشارہ ملتا ہے جو سابقہ مذکورہ دونوں اقسام ذکر (علنی اور مخفی) سے بھی زیادہ باعث ثواب اور بلند ہے اور وہ تیسری قسم انسان کا اپنے نفس میں ذکر کرنا ہے جسے سوائے اللہ تعالی کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ان تین اقسام کے علاوہ ذکر کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جو کہ گزشتہ تینوں اقسام ذکر سے افضل ہے اور وہ خدا کے اوامر اور نواہی پر خدا کا ذکر کرنا ہے اس کے نتیجے میں عظمت خدا کے خوف سے اس کے اوامر کو بجالانا اور جن امور سے خداوند ذوالجلال نے منع فرمایا ان کو ترک کرنا ہے۔

ابو عبیدہ حذا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام نے مجھے فرمایا کیا میں آپ کو خدا کے شدید ترین امر کی خبر نہ دے دوں؟ راوی کہتا ہے پھر امامؑ نے فرمایا خدا کی طرف سے فرض شدہ شدید ترین حکم یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے نفس سے انصاف دو اور اپنے مال میں اپنے مسلمان بھائیوں سے ہمدردی کرو اور بہت زیادہ ذکر خدا کیا کرو اور ذکر خدا سے میری مراد " سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر " نہیں ہے اگر چہ اس کے ذکر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے لیکن میری مراد یہ ہے کہ خدا کے حلال و حرام پر اس کا ذکر کیا جائے یعنی اگر کوئی حکم خداوندی ہو تو اسے بجالایا جائے اور مقام معصیت سے اجتناب کیا جائے (۱)

---

(۱) حضرت امام صادق آل محمدؐ کے کلام حق ترجمان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کثرت سے تسبیح وغیرہ کرنا فقط ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ دیگر امور کو سر انجام نہ دیا جائے۔ خدا کی طرف سے بندہ مومن پر معین شدہ فرائض میں سے شدید ترین فرض یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے لوگوں کو انصاف مہیا کرے۔ اور یہی حق

اور اسی سے ملتا جلتا رسولؐ خدا کا قول مبارک ہے کہ جس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی اس نے خدا کا بکثرت ذکر کیا اگر چہ اس کی نماز و روزہ اور تلاوت قرآن کم ہی کیوں نہ ہو، آنحضرتؐ کے اس کلام حق ترجمان میں اطاعت خدا وندی کو ذکر کثیر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر چہ نماز وروزہ وغیرہ کم ہی کیوں نہ ہو، اور اسی کی مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ہے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے میں کہنے والے کی کلام کو نہیں دیکھتا ہوں بلکہ میں اس کے نفس اور اس کے ہم وغم کو دیکھتا ہوں اگر یہ میری محبت اور رضا کے کسب کرنے میں ہوں تو میں اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد و تسبیح شمار کرتا ہوں۔
یہ ایک غور طلب امر ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کے نفس میں ذکر کو اور رضا الٰہی کے ہدف کو ثواب و

عدالت ہے۔اور لوگوں کے درمیان تو انصاف کے فیصلے کرنا ایک آسان امر ہے لیکن اگر ایک طرف اپنا نفس فریق ہو تو کمال اس وقت ہے جب اپنے نفس سے انصاف مہیا کرے۔اور اگر اس پر کوئی عقوبت اور دوسروں کے کوئی حقوق عائد ہوتے ہوں تو ان کی آدائیگی میں انصاف سے کام لیتے ہوئے شجاعت کا مظاہرہ کرے۔
اور حقیقت میں ایک مشکل ترین مرحلہ ہے۔انسان اپنے قریبی احباب واقرباء کے بارے میں دامن عدالت وانصاف کو نہیں تھام سکتا چہ جائیکہ اپنی ذات اور نفس کا مرحلہ ہو تو عدالت کا مظاہرہ کرے اور یہی وجہ ہے کہ جب اپنی ذات اور نفس کا مرحلہ آتا ہے تو ایمان متزلزل نظر آتا ہے۔ستون عدالت وانصاف منہدم ہو جاتے ہیں۔اور تاویلات کا ایک لا متناہی جھوٹا باب کھول دیا جاتا ہے اور اپنے تئیں جھوٹے اعتبارات پیدا کرنے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔تا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے نفس کو بری کیا جائے۔اور لوگوں کو اس سے انصاف نہ دیا جائے۔اور اس مقام پر تیسرے خلیفہ کو بھی اقرباء پروری اور نفس پرستی میں ماردے دیتے ہیں لیکن حضرت علیؑ کی عدالت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ جو اتنا عادل تھا دشمن اسلام کو اس غصہ وغضب کے ساتھ بھی مارنا گوارا نہیں کر رہا جس میں اپنے ذاتی غصہ کی ملاوٹ کا شبہ ہو۔عمرو بن عبدود کو بچھاڑنے کے بعد اس کے سینہ سے نیچے اتر آتے ہیں تا کہ یہ گمان نہ ہو کہ اس کی طرف سے اہانت کرنے کی بناء پر قتل کیا ہے اور اپنے سگے بھائی عقیل کو مال غنیمت کی زیادتی کی طلب پر گرم لوہا تھما کر یہ درس دے دیا کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔اور حضرت علیؑ کے پاس ولایت بھی تھی۔تاویلات کا باب کھول سکتا تھا۔لیکن عام فہم لوگوں کیلئے یہ علی کی عدالت پر عار ہوتا۔۔اور آج دشمن بھی علی کی عدالت کی یوں گواہی دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ شدت عدالت کی وجہ سے علی شہید کیے گئے۔
اے جعفر صادقؑ کی محبت کا دم بھرنے والو! ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ آیا ہم ان کی تعلیمات پر بھی عمل پیرا ہیں یا نہیں؟ آیا ہم نے کوئی علیحدہ دین تو اختراع نہیں کر رکھا؟ ہم ہر وقت اپنے حقوق کی بات تو کرتے ہیں کبھی اپنے او پر عائد ہونیوالے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی بات کی ہے؟)

عقاب کا دارو مدار قرار دیا ہے اور یہ اس بات پر واضح دلالت کرتا ہے کہ خداوند ذوالجلال ہر کلام کو قبول نہیں کرتا بلکہ اسے شرف قبولیت عطا کرتا ہے جو خدا کی طرف حقیقی طور پر مائل بھی ہو، اور اس کے اوامر کو بجالاتا ہو اور جن چیزوں سے خدا نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرتا ہو، اور جب مومن انسان ان صفات حمیدہ کا حامل ہوتا ہے تو اس وقت اس کی خاموشی بھی عبادت اور تسبیح شمار ہوتی ہے، اور یہی وہ مراد ہے رسولؐ خدا کے اس قول سے "اگر چہ اس کی نمازیں کم ہی کیوں نہ ہوں" (۱)

اور اسی سے ایک ملتا جلتا آنحضرتؐ کا ایک اور فرمان ہے (**یکفی من الدعاء مع البر ما یکفی الطعام من الملح**) نیکی واطاعت (اخلاص) کے ساتھ دعا کی اس قدر مقدار کافی ہے جتنا نمک کھانے میں کافی ہوتا ہے۔

اچھی سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ معمولی مقدار میں کی ہوئی دعا کافی ووافی ہوتی ہے بنسبت اس دعا اور ذکر خدا کے جس کے ساتھ انسان اچھے اعمال بجا نہ لائے اور محرمات شرعیہ سے اجتناب نہ کرے۔

جیسا کہ ختمیؐ مرتبت کا فرمان ہے (**مثل الذی یدعو بغیر عمل کمثل الذی یرمی بغیر وتر**) جو بغیر نیک اعمال کیے دعا مانگتا ہے یہ اس شخص کی طرح ہے جو بغیر کمان کے تیر چھوڑے۔

---

(۱) اس سے قطعاً یہ مراد نہ لی جائے کہ اب نمازوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور بعض صوفیوں کی طرح عقیدہ فاسدہ رکھ لیا جائے کہ باطنی عبادت ہونی چاہیے اور جب منزل تک پہنچ جائے تو تمام اعمال کو ترک کر دیا جائے۔ ایسی ہرگز بات نہیں ہے بلکہ نماز ہی سے تو رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ جس کی طرف حدیث مبارک میں ترغیب دلائی گئی ہے۔ اگر نمازیں چھوڑ دی جائیں تو پھر کونسی رضائے الٰہی حاصل ہوگی؟ اور کن اوامر الٰہی کی اطاعت ہوگی جسے معیار عقاب وثواب حدیث میں قرار دیا گیا ہے؟ اگر بنظر غائر ملاحظہ کیا جائے تو یہ ان نمازیوں کیلئے ہے جو رضائے الٰہی کا ھدف نہ رکھتے ہوں۔ اور ریاکاری سے اعمال بجالاتے ہوں۔ اور نماز تو پڑھتے ہوں مگر دیگر اوامر اور نواہی کی پابندی نہ کرتے ہوں۔ جبکہ خدا کو ایسی نماز مطلوب ہے جو منکرات اور فحشات سے انسان کو دور لیجائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے (ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر) اور یہ سب کچھ اس وقت حاصل ہوگا جب ہدف رضائے الٰہی ہو، خوف خدا کا جذبہ ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے خالق کی بارگاہ میں کثرت اعمال معیار نہیں ہے بلکہ حسن عمل معیار ہے۔ انسان کثرت عمل بہت آسانی سے پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن حسن عمل بہت مشکل کام ہے۔ اور کثرت عمل کا تعلق تکرار عمل سے ہے لیکن حسن عمل اخلاص سے پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کی وجہ سے ایک "ضربت" بھی "ثقلین" کی عبادت سے افضل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قول خداوندی ہے (**لیبلو نکم ایکم احسن عملاً**)

اسی طرح ایک اور مقام پر رسولؐ خدا کا کلام وحی ترجمان ہے کہ (الدعاء مع اکل الحرام کالبناء علی الماء) حرام غذا سے اجتناب کیے بغیر دعا کرنا پانی پر عمارت بنانے کے مترادف ہے، جیسا کہ وحی الٰہی میں ملتا ہے کہ حرام غذا کے ساتھ عمل خیر بجالانا ایسا ہی ہے جیسے چھلنی کے ساتھ پانی کو منتقل کرنا ہے، اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس طرح نمازیں پڑھو کہ تمہاری کمریں جھک جائیں اور اتنی کثرت سے روزے رکھو کہ کمان کی طرح کمزور ہو جاؤ جب تک تقوی نہ ہو ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے اسی طرح ایک اور مقام پر آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ تقوی و پرہیز گاری دین کی جڑ اور اساس ہیں پرہیز گار ہو جاؤ تو سب سے بڑے عبادت گزار شمار ہو گے، تقوی کے ساتھ اعمال کو ہمیشہ بغیر تقوی والے اعمال پر فوقیت دی گئی ہے کیونکہ تقوی کے ساتھ کیا ہوا عمل قلیل نہیں ہوتا بھلا وہ عمل کیسے قلیل ہو سکتا ہے جس کی قبولیت کی سند خود خدا عطا فرمائے کیونکہ خداوند ذوالجلال فرماتا ہے (انما یتقبل اللہ من المتقین) سورۃ المائدہ آیت ۲۷۔ اللہ تعالی صرف صاحبان تقوی کے (اعمال) قبول کرتا ہے۔ پس تقوی ہی قبولیت اعمال کا دارو مدار ٹھہرا۔

تقوی کی تفسیر:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تقوی کی تفسیر پوچھی گئی تو حضرتؑ نے فرمایا کہ (ان لا یفقدك اللہ حیث امرك ولا یراك حیث نھاك) اللہ تعالی تجھے واجبات میں پیچھے نہ دیکھے اور محرمات میں مرتکب ہوتے ہوئے نہ دیکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول مقبول آپ کے اس کلام سے ملتا جلتا ہے جو اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ کے حلال و حرام پر ذکر خداوندی کرنا۔ اگر مقام اطاعت ہو تو اسے انجام دینا اور مقام معصیت سے اجتناب کرنا اور یہی تقوی کی تعریف اور اس کا مفہوم ہے اور جنت الفردوس کی اعلی منازل تک پہنچنے کے لیے دنیا کے سفر کو طے کرنے کے لیے تقوی بہترین زادراہ ہے بلکہ یہ دنیوی و اخروی مصائب اور مشکلات سے بچنے کے لیے ایک ڈھال ہے اور ہر ذی شعور انسان کی زبان پر تقوی کی مدح ہے اور ہر انسان کے لیے یہ شرف اور وقار ہے اور قرآن مجید تقوی کی مدح و ثناء میں چھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے لیے خالق کائنات کا یہی فرمان کافی ہے (ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و ایاکم ان اتقوا اللہ) سورۃ النساء آیت ۱۳۱۔ ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو اور اب تمہیں یہ وصیت کی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اگر کائنات میں تقوی سے بڑھ کر کوئی اور ایسی خصلت ہوتی جس میں بندہ کے لیے زیادہ فائدہ اور نفع ہوتا اور وہ قدر و منزلت میں بلند ہوتی اور آرزوؤں کے پورا ہونے میں زیادہ سود مند ہوتی اور خوف خدا کے پیدا کرنے

میں ممد و معاون ہوتی تو اللہ تعالی یقیناً اس خصلت کی وصیت کی ہوتی چونکہ وہ حکیم اور رحیم ہے لیکن جب خالق کائنات نے تمام اولین و آخرین کو اسی خصلت (تقوی) کی وصیت فرمائی اور اسی پر اکتفاء کیا تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح و لائح ہوگئی کہ حقیقت میں ہدف بشریت یہی ہے جس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا اور اس کے علاوہ کسی چیز پر بھی اکتفاء نہیں کیا جا سکتا۔

مدحت تقوی قرآنی آیات میں............

آیات قرآنیہ تقوی کی مدح و ثناء میں بھری ہوئی ہیں ہم یہاں پر تقوی و صاحبان تقوی کی مدح میں چند صفات و خصال کو آیات قرآنیہ کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) (و ان تصبروا و تتقوا فان ذالك من عزم الامور) آل عمران ۱۸۶۔ اگر تم صبر کرو گے اور تقوی اختیار کرو گے تو یہی امور میں استحکام کا موجب ہے۔

(۲) تقوی کے ذریعے دشمنان سے حفظ و امان حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے (و ان تصبروا و تتقوا لا یضرکم کیدهم شیئا) آل عمران آیت ۱۲۰۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو تمہیں ان کے مکر سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

(۳) خدا کی طرف سے صاحبان تقوی کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (ان اللہ مع المتقین) سورۃ بقرہ آیت ۱۹۴۔ خدا تقوی والوں کے ساتھ ہے۔

(۴) صاحبان تقوی کے اعمال کی خدا اصلاح کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے (یا ایها الذین اٰمنوا اتقوا الله و قولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم) سورۃ احزاب آیت ۷۰۔۷۱۔ ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو تا کہ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے۔

(۵) تقوی کی بدولت گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے (و یغفر لکم ذنوبکم) سورۃ احزاب آیت ۷۱۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے۔

(۶) تقوی سے محبت خدا حاصل ہوتی ہے ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ (ان الله یحب المتقین) سورۃ توبہ آیت ۴۔ خدا تقوی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۷) اعمال کی قبولیت کی سند تقوی ہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد الہی ہے کہ (انما یتقبل الله من المتقین) سورۃ المائدۃ آیت ۲۷۔ خدا صرف صاحبان تقوی کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔

(۸) تقوی سے خداوند ذوالجلال کے ہاں کرامت اور شرف ملتا ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) سورۂ حجرات آیت ۱۳۔ بے شک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

(۹) صاحبان تقوی کو موت کے وقت بشارت ملتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے (الذین آمنو او کانوا یتقون لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا و فی الاخرۃ) سورۂ یونس آیت ۶۳، ۶۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے ان کے لیے زندگانی دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔

(۱۰) تقوی سے جہنم کی آگ سے چھٹکارہ ملتا ہے (ثم ننجی الذین اتقوا) سورۂ مریم ۷۲۔ پھر ہم صاحبان تقوی کو نجات دے دیں گے۔

(۱۱) صاحبان تقوی ہی جنت میں ہمیشہ رہیں گے ارشاد خداوندی ہے (اعدت للمتقین) آل عمران آیت ۱۳۳۔ جنت صاحبان تقوی کے لیے مہیا کی گئی ہے۔

(۱۲) بروز قیامت صاحبان تقوی کے حساب و کتاب میں آسانی ہوگی (وما علی الذین یتقون من حسابھم من شئی) سورۂ انعام آیت ۶۹۔ اور صاحبان تقوی پر ان کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

(۱۳) تقوی ہی کے ذریعہ مشکلات سے نجات اور رزق حلال ملتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شئی قدرا) سورۂ طلاق آیت ۲، ۳۔ جو بھی تقوی اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کے لیے کافی ہے بے شک خدا اپنے حکم کا پہنچانے والا ہے اس نے ہر شئی کے لیے ایک مقدار معین کر دی ہے۔

وضاحت ......

ایک مومن انسان کو غور و فکر کرنا چاہیے کہ تقوی جیسی شریف خصلت اپنے اندر کس قدر سعادات اور بہترین صفات کو جمع کیے ہوئی ہے لہذا آپ کو بھی ان صفات طیبہ سے اپنا حصہ لینا چاہیے اور پھر تقوی کی مدح میں ذکر کی جانی والی آخری آیت کا بغور ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک آیت چند ایک مہم امور پر دلالت کرتی ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) تقوی ایک محفوظ قلعہ اور موجب امن و امان ہے کیونکہ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے کہ (یجعل لہ مخرجا) اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔

(۲) اورتقوی ایک ایسا خزانہ ہے جو انسان کو ہر قسم کے خزانوں سے بے نیاز کر دیتا ہے کیونکہ اسی آیت مذکورہ میں خالق ارشادفرماتا ہے (و یرزقه من حیث لا یحتسب) اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کے خیال میں بھی نہیں ہوتا۔

(۳) مذکورہ آیت خدا پر توکل کرنے کی فضیلت بیان کرتی ہے اور اس امر پر آیت قرآنی دلالت کرتی ہے کہ خدا توکل کرنے والوں کا ضامن ہے کیونکہ اسی آیت میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے (فهو حسبه) جب خدا متوکل علی اللہ کی کفایت کا ضامن بن رہا ہے تو پھر انسان کو فکر کس بات کی ہے جبکہ خدا اپنے قول میں سب سے سچا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے (و من اصدق من الله قیلا) سورۃ النساء آیت ۱۲۲۔ اس امر کی تائید رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول مبارک سے بھی ہوتی ہے (لو ان الناس کلهم اخذوا بهذه الآیه لکفتهم) اگر سب لوگ اس آیت کو لے لیتے (عمل کرتے) تو ان کے لیے یہ کافی ہوتی۔

(۴) خداوند ذوالجلال اس آیہ مذکورہ میں اپنے بندوں کو اپنا اس طرح تعارف کرا رہا ہے کہ وہ (خدا) جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے وہ کسی شئی کے سامنے عاجز نہیں ہے اور اس کا ہر ارادہ ومطلوب پورا ہوتا ہے کیونکہ ارشاد ہوتا ہے (ان الله بالغ امـــره) تا کہ خدا نے لوگوں کو تقوی اختیار کرنے اور اس کے کافی ہونے اور خدا پر توکل کرنے پر جس حفاظت اور ان کی رعایت کا وعدہ کیا ہے اس پر لوگوں کا اعتماد اور بھروسہ رہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مفہوم توکل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا (ان لا یخاف مع الله شیئا) خدا کے علاوہ کسی اور شئی سے نہ ڈرے۔ اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اس آیت میں ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے درس ہدایت ہے اور مقصود تک پہنچنے والوں کے لیے کفایت ہے۔

احمد بن حسین میثمی اپنے سلسلہ سند سے روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے کسی صحابی کی طرف ایک جوابی خط بھیجا جس میں امامؑ نے فرمایا "بعد از حمد وثناء الٰہی میں آپ کو خوف خدا اور تقوی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ خدا نے صاحبان تقوی کو ضمانت دے رکھی ہے کہ انہیں اچھے حالات میں رکھے گا اور وہاں سے رزق دے گا جہاں سے ان کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو۔ خداوند ذوالجلال کو اس کی جنت پر دھوکہ نہیں دیا جا سکتا خدا کے پاس جو کچھ ہے سوائے اس کی اطاعت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا (انشاء اللہ)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ خالق کائنات فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم مجھے اپنی عظمت و بزرگی کی قسم، مجھے اپنے نور، بلندی مقام ورفعت و

منزلت کی قسم کوئی بھی شخص اپنی خواہشات کو میری رضا پر ترجیح نہیں دیتا مگر یہ کہ میں اس کے امور کو پراگندہ کر دیتا ہوں اور دنیا کو اس پر مشتبہ کر دیتا ہوں اور اس کے دل کو دنیا میں مشغول کر دیتا ہوں اور جتنا میں نے اس کے لیے دنیا کا رزق مقدر کیا ہے اسے دے دیتا ہوں اور مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم، اپنی عظمت و بزرگی اور رفعت مقام کی قسم جس بندہ نے میری رضا کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی ملائکہ اس کے لیے حفاظت طلب کرتے ہیں اور آسمان و زمین اس کے رزق کی کفالت اٹھاتے ہیں اور میں اس کی خاطر ہر تاجر کی تجارت کی نگرانی کرتا ہوں اور چار و ناچار دنیا اس پر ٹوٹ پڑتی ہے۔

ابوسعید خدری روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ اکرم سے یہ سنا جب آپ احد سے واپس تشریف لا رہے تھے اور لوگوں نے آپکو گھیرے ہوئے تھا تو آپ وہاں ببول کے درخت کا سہارا لے کر فرمانے لگے" اے لوگو جس کام کے لیے آپ کو خدا کی طرف سے احکام صادر ہوئے اس کی طرف بڑھو اور وہ اپنی آخرت کی اصلاح ہے اور جس کی خود خدا نے تمہاری ضمانت لی ہے اس کی پرواہ نہ کرو اور وہ دنیا اور تمہارا رزق ہے اور کبھی بھی اپنے ان اعضاء و جوارح کو معصیت خدا میں استعمال نہ کرو تا کہ خدا غضب ناک ہو اور یاد رکھو یہ اعضاء نعمات خداوندی سے پروان چڑھے ہیں اور خدا سے اپنی مغفرت کی طلب میں مشغول رہو اور اطاعت خداوندی سے اپنی مشکلات اور دکھوں اور غموں کو دور کرو اور جس نے دنیا سے اپنا حصہ اور نصیب لینے کی سعی کی تو اس کی آخرت کا حصہ بھی یہی ہو گا جبکہ دنیا سے بھی اسے اپنا مطلوب نہیں ملے گا اور جس نے آخرت کے نصیب اور حصہ کی سعی کی اسے دنیا سے بھی اپنا مقدر اور نصیب مل جائے گا اور آخرت میں بھی جو چاہے گا پا لے گا"۔

عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا جس مومن نے اطاعت خداوندی جو کہ محبوب خدا ہے میں پہل کی خداوند ذوالجلال سب سے پہلے اس کی مرادوں کو پورا کرتا ہے اور جس شخص نے تقوی الہی سے اپنے آپ کو گناہوں سے بچایا تو اللہ تعالی بھی اسے محفوظ رکھتا ہے اور جس کی نگہبانی خدا فرمائے اور وہ خود نظر کرم فرمائے تو پھر اسے کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے چاہے آسمان بھی ٹوٹ کر زمین پر نہ آ پڑے اور چاہے تمام اہل زمین پر خدا کی طرف سے مصیبت کیوں نہ ٹوٹ پڑے لیکن صاحب تقوی خدا کی حفظ و امان میں ہو گا، کیا خداوند ذوالجلال کا یہ ارشاد گرامی نہیں ہے (ان المتقین فی مقام امین) سورۃ دخان آیت ۵۱۔ بے شک صاحبان تقوی محفوظ مقام پر ہوں گے۔

فصل : تقویٰ اور شدائد سے بچاؤ............

حضرت امام صادق آل محمد علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا اور اس کی سلطنت میں ایک قاضی تھا اور قاضی کا ایک بہت سچا بھائی تھا اور اس کی ایک بیوی تھی جو کہ انبیاء کی اولاد میں سے تھی ایک دن بادشاہ نے قاضی کو کہا کہ مجھے کسی کام کے لیے ایک باوثوق شخص کی ضرورت ہے قاضی نے کہا کہ میں اپنے بھائی سے بڑھ کر کسی اور کو باوثوق نہیں جانتا ہوں پس قاضی نے اپنے بھائی کو بلایا بادشاہ کی طرف روانہ کرنے کے لیے لیکن اس کے بھائی نے جانا پسند نہ کیا اور کہنے لگا کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو ضائع کر دوں لیکن قاضی نے اس کے جانے پر اصرار کیا تو اسے مجبوراً جانا پڑا اور اپنے بھائی سے کہا کہ میں اپنے بعد کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ رہا ہوں جو میری بیوی سے بڑھ کر اہمیت کی حامل ہو لہذا یہ آپ کی گردن پر ضمانت ہے قاضی نے کہا ٹھیک ہے اس کی بیوی اس کے جانے پر راضی نہ تھی مگر وہ چلا گیا۔

قاضی اپنے بھائی کے گھر کی تمام ضروریات کو پورا کرتا اسی اثناء وہ عورت اسے پسند آگئی قاضی نے اسے اپنی طرف آنے کی دعوت دی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا قاضی نے اسے دھمکیاں دینی شروع کر دیں کہ اگر تم نے دعوت پر آمادگی کا اظہار نہ کیا تو میں بادشاہ کو تیری فحاشی کی خبر دوں گا اس عورت نے کہا جو کچھ کرنا ہے کرو میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گی قاضی بادشاہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ میرے بھائی کی بیوی نے فحاشی کی ہے اور یہ فحاشی میرے نزدیک ثابت ہو چکی ہے بادشاہ نے اسے حکم جاری کرنے کو کہا قاضی نے عورت کو آکر کہا کہ بادشاہ کی طرف سے تجھے سنگسار کرنے کا حکم ملا ہے لہذا کیا خیال ہے سنگسار ہونا ہے یا میری دعوت کو قبول کرنا ہے؟

اس عورت نے کہا جو کرنا ہے کر لو مگر میں تیری تمنا کبھی بھی پوری نہیں کروں گی قاضی نے اسے گھر سے نکالا اور اس کے لیے ایک گڑھا کھدوایا اور لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور اسے سنگسار کر دیا جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ مر گئی ہے تو اسے چھوڑ کر واپس آگیا اتنے میں رات چھا گئی اور اس میں زندگی کی آخری رمق باقی تھی تو حرکت میں آئی اور اس گڑھے سے نکلی اور چل پڑی یہاں تک کہ اس شہر سے باہر چلی گئی اور ایک عبادت گاہ میں پہنچی جس میں ایک عابد تھا اور وہ عورت اسی عبادت گاہ کے دروازے پر سو گئی جب صبح ہوئی عابد نے دروازہ کھولا تو عورت کو دروازہ پر دیکھ کر اس سے اس کا ماجرا پوچھا عورت نے اسے اپنا حال بتایا تو اسے اس پر رحم آگیا اور عورت کو اپنی عبادت گاہ میں لے گیا اس کا ایک بیٹا تھا اس کے لیے اس کے پاس کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا لہذا یہ عابد عورت کو دیکھ کر خوش ہو گیا اور اس نے عورت کا علاج معالجہ

کروایا یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہوگئی اور اس کے تمام زخم مندمل ہو گئے پھر اپنا بیٹا دیکھ بھال کے لیے اس کے حوالے کیا یہ عورت اس کی تربیت کرتی تھی اس عابد کا ایک وکیل تھا جو اس کے بیرونی کام انجام دیتا تھا یہ عورت اس وکیل کو پسند آ گئی اس نے اسے اپنی طرف بلایا لیکن عورت نے صاف انکار کر دیا اس وکیل نے ہر ممکن کوشش کی مگر سوائے انکار کے اور کچھ نہ ملا اب اس نے قتل کی دھمکی دے دی عورت نے کہا جو کرنا ہے کرو مجھے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہے وکیل نے آگے بڑھ کر اس عابد کے بیٹے کی گردن دبا کر مار دیا اور پھر عابد کو آ کر کہتا ہے کہ اس عورت نے برائی کا اعتراف کیا ہے اور آپ کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا ہے جب عابد نے اپنے بیٹے کو مقتول دیکھا تو عورت سے کہنے لگا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ کیا تو جانتی ہے کہ میں نے تیرے ساتھ کیا حسن سلوک کیا ہے؟ عورت نے اسے پورے قصہ کی خبر دی، تو اس نے کہا کہ اب میں گوارہ نہیں کرتا ہوں کہ تو میرے پاس رہے لہذا یہاں سے چلی جاؤ۔

رات کے وقت عابد نے عورت کو وہاں سے نکال دیا اور اسے زادراہ کے لیے بیس درھم دیکر خدا حافظ کر دیا، عورت رات کو نکل پڑی صبح کو ایک بستی میں جا پہنچی تو ایک آدمی کو سولی پہ لٹکے ہوئے دیکھا اور وہ ابھی تک زندہ ہے عورت نے اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ بیس درھم کا مقروض ہے اور ہمارے ہاں صاحب قرض کو حق حاصل ہے کہ قرض کی عدم ادائیگی پر قرضدار کو سولی پہ لٹکا دے، عورت نے فورا بیس درھم نکالے اور قرضخواہ کے حوالے کر دیے، اب وہ شخص سولی سے نیچے اتار دیا گیا وہ اس عورت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ آپ سے بڑھ کر مجھ پر کسی نے احسان نہیں کیا ہے تو نے مجھے موت سے نجات دلوائی ہے لہذا اب میں تیرے ساتھ ہی رہوں گا یہ کہہ کر اس کے ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ ساحل سمندر پر جا پہنچے اچانک اس کی نظر لوگوں اور کشتیوں پر پڑی تو عورت سے کہنے لگا کہ تم یہاں بیٹھو میں ان کے ہاں جاتا ہوں تا کہ ان کی کوئی مزدوری کر کے اپنے لیے کھانے کا کوئی انتظام کریں، وہ شخص ان کے ہاں آ کر پوچھتا ہے کہ تمہاری اس کشتی میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ مال تجارت ہے اور دوسری کشتی میں ہم سوار ہیں ان سے پوچھا یہ مال کتنی قیمت کا ہے انہوں نے کہا کہ اس کا کوئی حساب نہیں ہے اب اس شخص نے کہا کہ میرے ساتھ ایک ایسی قیمتی اور عالی شان چیز ہے جو تمہاری اس کشتی کے تمام مال سے بہتر ہے انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ میرے ساتھ ایک کنیز ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے لوگوں نے کہا کہ اس کو ہم پر فروخت کرو اس نے کہا کہ میں آمادہ ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم میں سے کوئی ایک جا کر اسے دیکھے، لیکن اسے اس امر کی خبر نہ دے اور اس کی قیمت میرے حوالے کرنا میرے چلے جانے کے بعد اسے آگاہ کرنا وہ لوگ اس بات پر متفق ہو گئے اور اب ان میں سے ایک شخص اس عورت کو دیکھنے گیا اس نے واپس آ کر کہا کہ میں نے کبھی ایسی حسین وجمیل عورت نہیں دیکھی لہذا ان لوگوں نے اس عورت کو دس

ہزار درھم میں خرید لیا اور یہ درھم اس آدمی کے حوالہ کر دیا جب وہ غائب ہوا تو وہ اس عورت کے پاس آئے اور اسے اپنے پاس کشتی میں بیٹھنے کو کہا تو عورت نے کہا کیوں میں آپ کے ساتھ بیٹھوں، انہوں نے کہا کہ ہم نے تجھے تیرے آقا سے خرید لیا ہے عورت نے کہا کہ وہ میرا آقا نہیں ہے وہ لوگ اس پر مصر تھے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے لہذا آپ ہمارے ساتھ سوار ہوں ورنہ ہم خود اٹھا کر سوار کریں گے۔

عورت یہ بات سن کر ان کے ساتھ چل پڑی جب ساحل پر پہنچے تو ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر اس عورت کے بارے میں مطمئن نہ تھا اس وجہ سے اسے مال تجارت کی کشتی میں سوار کر دیا اور خود دوسری کشتی میں سوار ہو گئے خداوند متعال نے ایک تیز ہوا بھیجی جس سے وہ تمام غرق ہو گئے مگر جس کشتی میں عورت تھی وہ محفوظ رہی اب یہ کشتی چلتے چلتے سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ پر جا ٹھہرتی ہے عورت نے اس کشتی کو وہاں کنارے لگا کر خود جزیرہ میں چکر لگانے لگی اچانک اسے پھل دار درخت اور پانی نظر آیا اس کے دل میں خیال آیا یہاں پر ٹھہر جاتی ہوں اور عبادت خدا کرتی رہوں گی اور ان پھلدار درختوں کو اپنی غذا بناؤں گی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کی طرف وحی نازل فرمائی کہ وہ اس بادشاہ کے پاس جائے اور کہے کہ سمندر کے فلاں جزیرہ میں میری ایک مخلوق رہتی ہے لہذا اپنی رعیت کے ساتھ اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرو اور اس سے اپنی خطاؤں کی مغفرت طلب کرو اگر اس نے تمہیں معاف کر دیا تو میں بھی معاف کر دوں گا۔

اب بادشاہ اپنی رعیت سمیت اس جزیرہ کی طرف چل نکلا تو اچانک اس عورت کو دیکھا اور اس کی طرف بڑھ کر کہنے لگا کہ یہ میرا قاضی ایک دن میرے پاس آکر کہنے لگا کہ میرے بھائی کی بیوی نے فعل حرام کیا ہے تو میں نے اسے اس عورت کے سنگسار کرنے کا حکم دیا جبکہ اس نے میرے سامنے کوئی گواہ پیش نہیں کیے تھے لہذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں نے ناجائز کام تو نہیں کیا ہے اب میں چاہتا ہوں کہ تو میرے لیے مغفرت طلب کر، عورت نے کہا خدا آپ کو معاف کرے آؤ یہاں تشریف رکھو پھر اس کا شوہر آگے بڑھا لیکن اس نے عورت کو نہ پہچانا اور کہنے لگا کہ میری ایک بیوی تھی جو صاحب فضل تھی میں اسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا جبکہ اسے یہ پسند نہ تھا واپسی پر میرے بھائی نے مجھے خبر دی کہ اس نے فحاشی کا ارتکاب کیا جس کی بدولت اسے سنگسار کر دیا گیا اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں نے اپنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی نہ کی ہو لہذا میرے لیے دعائے مغفرت کیجئے عورت کہنے لگی بیٹھ جاؤ خدا تجھے معاف کرے ، پھر اس کے بعد قاضی آگے بڑھتا ہے اور عورت سے کہنے لگا کہ میرے بھائی کی بیوی تھی جو کہ مجھے پسند آ گئی تو میں نے اسے اپنی طرف دعوت دی جبکہ اس نے میری دعوت کو ٹھکرا دیا تو میں نے بادشاہ کو خبر دی کہ اس نے برائی کی ہے بادشاہ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور میں نے

اسے سنگسار کر دیا جبکہ یہ سراسر میری طرف سے تہمت اور جھوٹ تھا لہذا آپ میرے لیے خدا سے طلب مغفرت کریں عورت نے کہا کہ خدا تجھے معاف کرے بیٹھ جاؤ۔

پھر یہ عورت اپنے شوہر کی طرف رخ کر کے کہتی ہے کہ سن لو ماجرا کیا ہے۔اب عابد آگے بڑھتا ہے اور اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ میں نے رات کو ایک عورت کو نکال دیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے کوئی درندہ نہ کھا گیا ہو لہذا میرے لیے بھی بخشش کی دعا کیجئے عورت نے کہا خدا آپ کو معاف کرے پھر اسی طرح عابد کا وکیل اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے عورت سے طلب مغفرت کی تو اس وقت عورت نے عابد کو کہا کہ وکیل کی بات کو ذرا غور سے سن لو پھر اس کے بعد تختہ دار پر لٹکایا جانے والا شخص آیا جسے اس عورت نے سولی سے نجات دلوائی تھی اپنا قصہ بیان کرتا ہے تو عورت نے کہا خدا تجھے کبھی بھی معاف نہ کرے پھر عورت اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر کہتی ہے کہ میں تیری وہی بیوی ہوں جسے تو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور جو کچھ تو نے یہ سنا ہے یہ سب میرے ساتھ ہی ہوا ہے اور اب مجھے مردوں کی کوئی حاجت نہیں ہے میں چاہتی ہوں کہ آپ یہ سفینہ اور جو کچھ اس میں مال و زر ہے لے جاؤ اور مجھے اپنے حال پہ چھوڑ دو اور میں اس جزیرہ میں خدا کی عبادت کرتی رہوں گی مردوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے سب تو نے دیکھ لیا ہے۔

اس کے شوہر نے ایسا ہی کیا اور وہ کشتی وغیرہ کو لیتا گیا اور بادشاہ اور دیگر تمام لوگ واپس لوٹ گئے۔

تبصرہ:: مومن انسان کو اس دردناک واقعہ پر غور کرنی چاہیے اور اس عورت کے تقوی و زہد سے درس لینا چاہیے، انسان کو ملاحظہ کرنا چاہیے کہ خدا نے کیسے اسے تین بہت بڑے مشکل مراحل سے نجات دی ہے سب سے پہلے اسے سنگسار ہونے سے بچایا پھر عابد کے وکیل کی تہمت سے محفوظ رکھا اور اس کے بعد آخر میں تاجروں کی غلامی سے محفوظ رکھا، انسان کو اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ اللہ کے ہاں کس منزلت و رتبہ پر یہ عورت فائز تھی کہ خدا نے اپنی رضا و مغفرت کو اس عورت کی رضا و مغفرت پر موقوف کر دیا اور مقام تأمل ہے یہ بات کہ جس نے بھی اس عورت کے ساتھ مکر و فریب کیا خدا نے اسے اس کے سامنے جھکا دیا اور اس سے مغفرت اور رضا کا طلب گار بنا دیا اور کیا بلند شان ہے اس عورت کی کہ اللہ تعالی نے اس کے ذکر کو اس طرح روشن کیا کہ اللہ نے اپنے نبی کو وحی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بادشاہ، قاضی اور عابد جنہوں نے اسے دھوکہ دیا تھا سب اس کے سامنے حاضر ہو کر رضائے خدا کے لیے وسیلہ قرار دیں، یہی معنی ایک حدیث قدسی سے بھی مستفاد ہوتا ہے (**يابن آدم انا غنى لا افتقر اطعنى فيما امرتك اجعلك غنيا لا تفتقر يابن ادم انا حى لا اموت اطعنى فيما امرتك اجعلك حيا لا تموت ، يابن ادم انا اقول للشئى كن فيكون اطعنى فيما امرتك اجعلك تقول للشئى كن فيكون**) اے ابن آدم میں بے نیاز ہوں کسی کا محتاج نہیں ہوں تو میرے احکام

کی اطاعت کر میں تجھے ایسا غنی اور بے نیاز بنا دوں گا کہ تو کسی کا محتاج نہیں ہوگا، اے ابن آدم میں زندہ ہوں میرے لیے موت نہیں ہے اگر تو نے میرے اوامر کی اطاعت کی تو تجھے بھی ایسی حیات بخشوں گا کبھی موت نہیں آئے گی تیرا ذکر ہمیشہ زندہ رہے گا، اے ابن ادم میں کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ ہو جاتی ہے اگر تو نے میرے احکام و اوامر کی اطاعت کی تو تو بھی مظہر صفات خداوندی ہوگا کہ جس کے ہونے کا ارادہ کرے گا وہ ہو جائے گی۔

حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی'' کہ اے داؤد میرے بندوں میں سے جو بھی میری اطاعت کرے گا میں اسے سوال کرنے سے پہلے عطا کروں گا اور دعا مانگنے سے پہلے اس کی دعا کو مستجاب کروں گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالی نے حضرتؑ داؤد کو وحی میں ارشاد فرمایا کہ اپنی قوم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ جس نے بھی میری اطاعت کی اس کا مجھ پر حق ہے کہ میں بھی اس کی حاجات کو پورا کروں، اور اپنی اطاعت پر اس کی مدد کروں سوال کرنے پر اسے عطا کروں اسکو حفظ و امان میں رکھوں اور اس کی کفالت کروں اور لوگوں کے دھوکہ وفریب سے اسے نجات دوں۔

زرعہ بن محمد سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی تھا جس کے پاس ایک قیمتی کنیز تھی وہ ایک شخص کو پسند آ گئی تو اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس امر کو ذکر کیا تو امامؑ نے اسے فرمایا کہ جب بھی کنیز کو دیکھو تو یوں کہو (**اسئل اللہ من فضلہ**) میں خدا کے فضل و کرم کا طلبگار ہوں اس شخص نے ایسا ہی کیا تو تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس کنیز کے ولی کو کہیں سفر پر جانا پڑا وہ اس شخص کے پاس آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو میرا ہمسایہ ہے اور ایک با اعتماد شخص ہے لہذا میں اپنی کنیز کو آپ کے حوالہ کر کے سفر پہ جاتا ہوں اس شخص نے کہا کہ میری بیوی نہیں ہے اور میں گھر پہ اکیلا ہوتا ہوں لہذا یہ کنیز اکیلی میرے گھر میں کیسے رہ سکتی ہے اس کے مالک نے کہا کہ پھر میں تجھے بیچتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تو اس قیمت کا ضامن ہوگا واپسی پر تو مجھے بیچ دینا اور اس عرصہ میں یہ تجھ پر حلال ہوگی اب اس شخص نے ایسا ہی کیا اور بہت زیادہ قیمت پر بیچ کر چلا گیا اور یہ کنیز اس کے گھر میں رہی پھر بنو امیہ کے کسی خلیفہ کا قاصد پہنچا جو خلیفہ کے لیے کنیزیں خرید رہا تھا جن کنیزوں کو خریدنا تھا ان میں سے اس کنیز کا نام بھی تھا مدینہ کے والی نے اس آدمی کی طرف پیغام بھیجا کہ اس کنیز کو بیچو اس شخص نے کہا کہ اس کا مالک فلاں ہے جو کہ اب سفر پر ہے لیکن والی مدینہ نے اسے بیچنے پر مجبور کر دیا اور اسے بہت زیادہ قیمت دی جب کنیز کو لیکر مدینہ سے باہر چلے تو ادھر اس کا آقا بھی پہنچ گیا سب سے پہلے اس نے کنیز کے بارے میں پوچھا

کہ وہ کیسی ہے؟ اس آدمی نے اس کا سارا قصہ بیان کیا اور پورا مال اس کے حوالے کر دیا اب آقا نے مال لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اتنا مال ہی لوں گا جتنے پر میں نے تجھے بیچی تھی اور جو اس کے علاوہ ہے وہ تیرا نصیب ہے اس شخص کی حسن نیت کی بدولت اللہ تعالی نے اس کا سبب مہیا کر دیا کہ اس کا اصلی مالک جب سفر پر گیا تو یہ کنیز اسے مل گئی، معلوم ہونا چاہیے کہ تقوی کے دو حصے ہیں ایک حصہ سے کمائی ہوتی ہے اور دوسرے حصہ کا نام اجتناب ہے پہلا حصہ اطاعت کرنے سے ہے

اور دوسرا حصہ محرمات کو ترک کرنے کا نام ہے تقوی کا دوسرا حصہ انسان کے لیے زیادہ صالح اور مفید ہے اور پہلے حصہ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اجتناب والے حصہ کے ساتھ اگر کمائی والے حصہ کی قلیل مقدار بھی حاصل ہو جائے تو وہ سودمند ہوتی ہے اور یہ نبی اکرمؐ کے اس قول مبارک سے واضح ہوتا ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں (**یکفی من الدعاء مع البر ما یکفی الطعام من الملح**)نیکی اور خیر کے ساتھ دعا کی اتنی مقدار کافی ہوتی ہے جتنی کھانے میں نمک کی مقدار کافی ہوتی ہے۔

اس قسم کے اور بھی فرامین ملتے ہیں جنہیں خوف طوالت سے ترک کرتے ہیں لیکن تقوی کا پہلا حصہ اس وقت تک فائدہ مند نہیں ہوتا جب تک تقوی کا دوسرا حصہ جو کہ گناہوں اور محرمات سے اجتناب ہے وہ ساتھ نہ ہو اور یہ امر بھی ہماری کتاب کی گزشتہ مباحث سے واضح ہو چکا ہے اور معاذ والی روایت اس امر کی وضاحت کے لیے کافی ہے اور قرشی راوی کے اس قول سے بھی واضح ہے کہ جس نے کہا کہ "بے شک پھر تو جنت میں ہمارے بہت زیادہ باغیچے ہوں گے تو رسولؐ خدا نے جواب میں فرمایا (**نعم و لکن ایاکم ان ترسلوا علیها نیرانا فتحرقوها**)ہاں ایسا ہی ہے مگر اس بات سے ڈرو کہ کہیں (اعمال بد کے ارتکاب کی وجہ سے) آگ بھیج کر انہیں جلا نہ دو۔

آپؐ سے مروی ہے کہ (**الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب**)حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ (**جدوا و اجتهدوا و ان لم تعملوا فلا تعصوا فان من یبنی ولا یهدم یرتفع بنائه وان کان یسیرا و ان من یبنی و یهدم یوشك ان لا یرتفع له بناء**) محنت اور کوشش کرو اگر (کثرت سے) اعمال خیر نہ کرو تو کم از کم معصیت خدا نہ کرو کیونکہ جو صرف بناتا ہے گراتا نہیں ہے تو اس کی عمارت بلند ہوتی رہتی ہے چاہے تھوڑا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو لیکن جو بناتا ہے اور ساتھ ہی گراتا رہتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی عمارت بالکل کھڑی ہی نہ ہو سکے۔

پس ایک مومن انسان کو تقوی کے دونوں ستونوں کو حاصل کرنے کی جد و جہد کرنی چاہیے تا کہ تقوی کی حقیقت کو کامل طور پر پالے اور شیطانی شکنجوں سے صحیح و سالم رہ سکے لیکن اگر تقوی کے صرف ایک حصہ کے حصول کی قدرت رکھتا ہو تو پھر محرمات سے اجتناب والے حصہ کو حاصل کرے یعنی اگر انسان فوائد حاصل نہ کر سکے تو کم از کم عذاب وعقاب سے اپنے آپ کو بچائے ورنہ اس کے علاوہ دونوں حصے ہاتھ سے جاتے رہیں گے لہذا اے بندہ خدا تجھے رات بھر کی عبادت اور مشقت کوئی فائدہ نہ دے گی جبتک محرمات کا ارتکاب کرتا رہے گا، مثلا لوگوں کی عزتوں پر حملہ کرنا یا اس قسم کی دیگر برائیوں کا ارتکاب کرنا۔

حضرت نبیؐ اکرم نے فرمایا کہ ضرورت سے زیادہ کھانے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ کثرت طعام قساوت قلبی کا موجب ہوتا ہے اور اعضاء و جوارح کو اطاعت خداوندی میں سست کر دیتا ہے اور وعظ ونصیحت سننے سے قوت سماعت کو بہرہ کر دیتا ہے اور انسان کو خواہ مخواہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہوا و ہوس کا بیج بوتا ہے اور غفلت کو جنم دیتا ہے اور تمہیں لالچ کو شعار نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ دل کو شدت حرص و لالچ سے بھر دیتا ہے اور دلوں پر دنیا کی محبت کی مہریں لگ جاتی ہیں اور لالچ ہی ہر معصیت کی چابی ہے اور ہر خطا کاری کی بنیاد ہے اور لالچ ہی ہر نیکی کو ضائع کر دیتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مبارک آپ کے مذکورہ قول باصواب کی مثل ہے کہ (وایاکم ان ترسلوا علیھا نیرا نا فتحرقوھا) ڈرو اس بات سے کہ کہیں (برے اعمال کی بدولت) آگ بھیج کر نیک اعمال کو جلا نہ دو۔

حضرت شیخ کلینیؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوحمزہؒ ثمالی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت کی خدمت میں ایک آدمی آ کر عرض کرتا ہے اے ابومحمدؑ میں عورتوں سے مبتلاء ہوں ایک دن زنا کرتا ہوں اور دوسرے دن روزہ رکھتا ہوں کیا یہ کفارہ ٹھہرے گا تو امامؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کو سب سے پسند بات یہ ہے کہ اس کی اطاعت اس کی نافرمانی کے بغیر کی جائے پس تو نہ زنا کر اور نہ روزہ رکھ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس شخص کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور فرمانے لگے کہ "تو جہنمیوں والے کام کرتا ہے اور جنت کی امید رکھتا ہے"۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ایسی قومیں آئیں گی جن کی نیکیاں تہامہ کے پہاڑوں کی مانند ڈھیر لگی ہوئی ہوں گی مگر اس کے باوجود انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، سوال کرنے والے نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا وہ نمازی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نماز پڑھتے ہوں گے روزے بھی رکھتے ہوں

گے رات بھر عبادت خدا میں مشغول رہتے ہوں گے لیکن جب بھی دنیا کی کوئی چیز دیکھتے تو اس پر اندھے ہو کر ٹوٹ پڑتے تھے۔ لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مومن انسان اس وقت تک ایمان کی منازل عالیہ پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے نفس امارہ سے جہاد نہ کرے کیونکہ یہ تمام دشمنوں سے زیادہ مضر ہے اور بہت سی مصیبتوں کا سبب ہے اور یہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے اور نفس امارہ ہی مرکز شہوات ہے خداوند ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ (فاما من طغی و اثر الحیاۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی و اما من خاف مقام ربه و نهی النفس عن الھوی فان الجنة ھی الماوی) سورۃ النازعات ۳۷-۴۱۔ پھر جس نے سرکشی کی اور زندگانی دنیا کو اختیار کیا جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف کیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ (اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك) تیرا سب سے بڑا دشمن اپنا نفس ہے جو کہ تیرے پہلو میں ہے۔

پس مومن انسان کو اپنے اس بدترین دشمن سے کبھی بھی غافل نہیں رہنا چاہیے اور اسے تقوی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہیے اور تین چیزوں سے اس کے غرور کو توڑنا چاہیے۔

(۱) شہوات نفس کو روک کر اس کے غرور کو توڑا جائے کیونکہ تیز چلنے والی سواری کا اگر چارہ کم کر دیا جائے تو وہ نرم پڑ جاتی ہے۔

(۲) نفس پر عبادات خداوندی کا بوجھ ڈالا جائے کیونکہ جب سواری کا بوجھ بڑھ جائے اور چارہ کم ہو جائے تو مطیع ہو جاتی ہے۔

(۳) خدا سے معاونت طلب کی جائے اور اسی کے سامنے خضوع و خشوع کیا جائے تا کہ خدا انسان کو نفس پر کنٹرول کرنے کے لیے معاونت کرے اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول مبارک کی طرف توجہ کرنی چاہیے (ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی) سورۃ یوسف آیت ۵۳۔ نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ پروردگار رحم فرمائے۔

اگر مذکورہ بالا تین امور سرانجام دے دیئے تو خدا کے فضل و کرم سے نفس مطیع ہو جائے گا اور یہ انسان کی ملکیت میں آ جائے گا اور انسان اسے آسانی سے لگام دے سکے گا، کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ نفس شہوت کے وقت چوپایہ ہوتا ہے اور یہی نفس غضب کے وقت درندہ ہوتا ہے اور مصیبت کے وقت بچہ ہوتا ہے اور یہ نفس نعمت کے وقت فرعون بن جاتا ہے اور سیر ہونے پر اکڑ جاتا ہے اور اگر بھوکا رکھا جائے تو چیخ و پکار کرتا ہے اس کی حالت اس بدخصلت گدھے والی ہے جسے چارہ سے سیر کیا جائے تو ٹانگیں مارتا ہے اگر بھوکا رکھا جائے تو آوازیں نکالتا ہے کسی عالم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "نفس کی جہالت اور گھٹیا پن میں سے ہے کہ جب وہ کسی معصیت کا ارادہ کرے یا شہوت اسے ابھارے تو اس وقت اگر اسے تمام انبیاء و ملائکہ اور آسمانی کتابوں کا بھی واسطہ دیا جائے تو بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور موت، جہنم اور

عذاب قبر بھی یاد دلانے پر اسے کوئی اثر نہیں ہوتا اور شہوت سے باز نہیں آتا اور اگر اسے روٹی کا ٹکڑا مل جائے تو اسے سکون آ جاتا ہے یہ ہے نفس کا گھٹیا پن اور اس کی جہالت'' لہذا کبھی بھی انسان کو اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ اس کے خالق نے فرمایا ہے (ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی)۔

ایک عقل مند انسان کے لیے تنبیہ کے طور پر اتنی مقدار کافی ووافی ہے لہذا انسان کو قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ سے درس عبرت لینا چاہیے اور نفس کو تقوی کی لگام ڈالی جائے اور امید کی رسی سے اسے کھینچا جائے اور خوف کی چھڑی سے اسے ہانکا جائے اور تقوی کے زور سے اس کی منہ زوری کو توڑا جائے اور جہاں تک خوف کا تعلق ہے تو یہ دو چیزوں کے لیے ضروری ہے۔

(۱) خوف کے ذریعہ معصیت خدا سے رک جاتا ہے کیونکہ یہ نفس برائی اور شر کی طرف رغبت دیتا ہے اور یہ سوائے سختی کے ساتھ ڈرانے اور دھمکانے سے باز نہیں آتا۔

(۲) اور دوسرا اس لیے کہ نفس اطاعت اور عبادت پر اترائے نہیں کیونکہ خود پسندی ہلاکت کا موجب ہے لہذا ہمیشہ نفس کی مذمت کرتے رہنا چاہیے اور اسے غلطیوں کے ارتکاب پر احساس دلواتے ہوئے خوف میں رکھا جائے تاکہ یہ سرکش ہمیشہ ذلیل اور مطیع بن کر رہے۔ اور جہاں تک امید کا تعلق ہے تو یہ بھی دو چیزوں کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔

(۱) امید کے ذریعہ اطاعت وعبادت خداوندی کے لیے نفس امادہ ہوتا ہے کیونکہ نیکی کرنا اسے ایک بار محسوس ہوتا ہے اور ادھر شیطان بھی اسے روکنے کی مسلسل کوششیں کرتا رہتا ہے اور بذات خود نفس سستی اور کاہلی کی طرف مائل ہوتا ہے لہذا امید کی رسی سے عبادت کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے

(۲) امید کی وجہ سے انسان سختیوں اور مشقتوں کو با آسانی جھیل سکتا ہے کیونکہ انسان کو جب کسی چیز کی امید اور مطلوب کے حصول کی جستجو ہو تو اس کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے۔

جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ شہد اتارنے والا جب شہد کی مٹھاس کا تصور کرتا ہے تو پھر شہد کی مکھیوں کے ڈسنے کی پرواہ نہیں کرتا، اور اسی طرح مزدور مزدوری حاصل کرنے کی لذت کی خاطر پورا دن انتہائی محنت ومشقت سے کام میں لگا رہتا ہے اور کسان اپنی زیادہ کمائی کے لیے اپنے کھیتوں میں سارا سال گرمی وسردی کی پرواہ کیے بغیر مشقت کرتا ہے لہذا عقلمند انسان کو اس دور دراز سفر کے لیے جد وجہد سے کام لینا چاہیے اور مصیبت میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

ما ضر من کانت الفردوس مسکنہ ماذا تحمل من بؤس واقتار

جس کا ٹھکانا جنت ہو اسے تنگی اور فقر نقصان نہیں دیتا جو اس نے برداشت کیا ہے۔

تراہ یمشی کیبا خائفا وجلا الی المساجد یمشی بین اطمار

تو اسے شکستہ دل، خوف زدہ اور سہا ہوا مساجد کی طرف پھٹے پرانے لباس میں چلتا ہوا پائے گا۔

پھر جب عبودیت کی علامت یہی ہے کہ انسان اطاعت خداوندی کرے اور معصیت سے اجتناب کرے اور یہ سب کچھ نفس امارہ کے ساتھ اس وقت ہوسکتا ہے جب اسے بیم و رجاء کے مابین رکھا جائے، یعنی ایک طرف اسے خوف دلایا جائے اور دوسری طرف جنت کی امید کی کرن بھی ہو کیونکہ نفس امارہ ایک اڑیل سواری کی طرح ہے جسے آگے سے کھینچا جاتا ہے اور پیچھے سے ہانکنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح شعور کامل نہ رکھنے والا بچہ صرف اس لیے سکول جاتا ہے کہ اسے والدین اور استاذ سے امید اور خوف دونوں ہوتے ہیں یہ نفس بھی بالکل اسی طرح ہے خوف اس کے لیے چھڑی کی مانند ہے جو اسے پیچھے سے دھکیلتا ہے اور امید اس کے لیے چارہ کی مانند ہے جو اسے آگے کی طرف کھینچتی ہے پس اسی طرح نفس امارہ جنت کی لالچ اور جہنم کے عذاب کے خوف سے دنیا کے دلدل سے محفوظ رہ سکتا ہے لہذا نفس کو جنت کے ثواب کو یاد کروانا اسے لالچ دینے کے مترادف ہے اور جہنم کے عذاب کو یاد کروانا اسے خوف دلانا ہے۔(۱)

---

(۱) عام نفوس اطاعت خداوندی جنت کے لالچ میں کرتے ہیں اور معصیت خدا سے اجتناب اس کے عذاب کے خوف سے کرتے ہیں۔جبکہ یہ اولیاء اللہ کا حال نہیں ہے۔بلکہ حضرت سید الموحدین امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اس قسم کی عبادت کو تجار یا غلاموں جیسی عبادت قرار دیتے ہیں۔اور درس حریت دینے والا یہ امام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ (یا الھی ما عبدتک طمعاً فی جنتک فانہ عبادۃ التجار و لا عبدتک خوفاً من نارک فانہ عبادۃ العبید بل وجدتک اھلاً للعبادۃ فعبدتک) ”اے الہی میں نے تیری جنت کے لالچ میں عبادت نہیں کی کیونکہ یہ تاجروں والی عبادت ہے۔اور میں نے نہ ہی تیری جہنم کے عذاب کے خوف سے عبادت کی ہے کیونکہ یہ غلاموں والی عبادت ہے۔بلکہ میں نے تجھے عبادت کا اہل پایا اس لیے میں نے تیری عبادت کی“ یہ ہے مخلصین خدا کی عبادت کا حال۔اور ظاہر ہے جب عبادت کسی لالچ اور خوف کی بناء پر کی گئی ہو تو اس کا اجر بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔اور جب عبادت فقط خدا کے لئے ہو تو اس کا درجہ اور اجر بھی بلند و برتر ہوتا ہے۔اور یہ سب کچھ معرفت خدا اور عقیدہ توحید پر مبنی ہے۔جتنی معرفت بلند ہو گی اعمال کی نیت میں بھی اتنی ہی بلندی ہو گی۔اور جتنی معرفت کم ہو گی نیت بھی ویسی ہو گی۔)(اللھم ارزقنا ھذہ المعرفہ)

خاتمہ

اسماء اللہ الحسنٰی: فصل: میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اپنی اس کتاب کو خداوند ذوالجلال کے اسماء حسنٰی کے ذکر اور بیان پر اختتام کروں۔ کیونکہ ان پر کتاب کو ختم کرنیکی دو وجہیں ہیں۔

ا:اس کتاب کی تالیف کرنیکی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ قارئین کو ان امور کی تنبیہ کروں جن کی وجہ سے دعا مستجاب ہوتی ہے۔جیسا کہ خالق کائنات اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ (**ولله الأسماء الحسنیٰ فادعوه بها**) سورۃ الاعراف ۱۸۰

اور اسی طرح الشیخ صدوق ؒ اپنے سلسلہء سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام ثامن الآ ئمۃ اپنے آباؤ اجداد علیہم السلام سے بیان فرماتے ہیں کہ (**قال رسول اللہؐ ان لله تسعة و تسعون اسماء من دعا الله بها استجاب له و من احصاها دخل الجنة**) خداوند ذوالجلال کے ننانوے نام ہیں جوان کے صدقہ خدا سے دعا کرتا ہے خدا اس کی دعا مستجاب کرتا ہے۔ بلکہ جوانھیں شمار کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۲:اور دوسری وجہ یہاں پر اسماء حسنٰی کے ذکر کرنے کی یہ ہے کہ کتاب مستطاب ان اسماء حسنٰی کے ذکر سے مشرف ہو جائے اور اس کا خاتمہ ایک عظیم الشان امر پر ہو۔

اور پھر اس کے بعد کوشش کروں گا کہ یہاں پر نہ فقط اسماء حسنٰی کے ذکر پر اکتفاء کروں بلکہ مختصر سی ان اسماء حسنٰی کی تفسیر و تشریح بھی کردوں اور یہ شرح جامع و مانع ہوگی اور یہاں پر طوالت ممل اور اختصار مخل سے پرہیز کیا گیا ہے۔

یہاں پر ان اسماء حسنٰی کی مختصر شرح ذکر کرنے سے اس کتاب کے قاری اور ان اسماء حسنٰی کی معرفت رکھنے والوں کے عقیدہ توحید کو جلاء پہنچے گی۔

شاید حضرت الشیخ صدوق ؒ نے گزشتہ حدیث کی شرح میں اسی امر کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے کہ" اسماء حسنٰی کا احصاء و شمار کرنے سے مراد ان کے معنی و مفاہیم پر آگاہی حاصل کرنا ہے۔اور ان کی صحیح معرفت رکھنا ہے۔نہ یہ کہ فقط انھیں شمار کرنا اور گننا ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت الشیخ صدوق ؒ حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا قول مبارک نقل کرتے ہیں ۔جس میں امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ

(**قال رسول الله صلى الله عليه و اله وسلم ان لله تبارك وتعالى تسعة و تسعين اسماء مائة الا واحدا من احصاها دخل الجنة و هي :الله ،الواحد، الأحد ،الصمد ،الأوّل ،الآخر ،السميع، البصير**)

،القدير ،(القاهر)،العلی ،الأعلی ،الباقی ،البديع ،البارىء، الأكرم ،الظاهر ، الباطن ،الحیّ ،الحكيم ، العليم ،الحليم ، الحفيظ ،الحق ،الحسيب ،الحميد، الحفی ،الرب ، الرحمن ،الرحيم ،الذارىء ،الرّازق ، الرقيب ،الرؤوف ،الرّائی، السّلام ، المؤمن ، المهيمن ،العزيز ، الجبار، المتكبر ،السيد، السبوح، الشهيد ،الصادق ،الصانع ،الطاهر ،العدل ، العفو ،الغفور ،الغنی ،الغياث ،الفاطر ،الفرد ، الفتاح ،الفالق ، القديم، الملك ،القدوس ، القوی ،القريب ،القيوم ،القابض ،الباسط ، قاضی الحاجات،المجيد، المولی،المنان، المحيط،المبين ،المقيت،المصور ،الكريم ،الكبير ،الكافی ،كاشف الضر،الوتر ،النور ،الوهاب ،الناصر،الواسع ،الودود، الهادی،الوفی ،الوكيل،الوارث ،البر،الباعث ،التواب ،الجليل ،الجواد،الخبير ،الخالق ،خير الناصرين ،الديان ،الشكور ،العظيم ،اللطيف،الشافی)

اسماء حسنیٰ کی شرح

اب ہم ذیل میں ایک ایک اسم مبارک کی مختصر شرح کرتے ہیں۔

ا:اللہ: یہ تمام اسماء الٰہیہ سے معروف و مشہور اسم الٰہی ہے۔اور ذکر و دعا میں بہت اہمیت کا حامل اسم ہے۔بلکہ باقی تمام اسماء کی پہچان اسی اسم جلالہ سے ہوتی ہے۔

۲۔۳:الواحد،الأحد: یہ دونوں اسماء ذات باری تعالیٰ سے اجزاء اور بعضیت کی نفی کرتے ہیں۔اور اس کے یکتا ہونے اور اس کے مرکب نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔اور ان دو اسماء کے آپس میں درج ذیل فروق ہیں۔

(ا): **''واحد''** ذات میں تنہا اور یکتا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

جبکہ ''احد'' صفات میں یکتا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲): **''واحد''** عاقل اور غیر عاقل دونوں کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔جبکہ ''احد'' فقط عاقل کیلئے صفت بن سکتا ہے۔

(۳): **''واحد''** تعداد اور شمار کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے۔جبکہ ''احد'' گنتی و شمار میں داخل نہیں ہوتا۔

۴:**الصمد:** اس سید و سردار کو کہتے ہیں جسکی طرف تمام مصیبتوں میں رجوع کیا جاتا ہو۔

لغوی طور پر "صمد" کے معنی "قصد کرنے کو" کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے (صمدت صمد الامر) یعنی (قصدت قصدہ) میں نے اس کا ارادہ وقصد کیا ہے۔اور اسی طرح ایک قول کے مطابق جو جسم وجسمانیات سے منزہ ہو اسے صمد کہتے ہیں۔

۵: **الاول**: جو تمام اشیاء سے سابق اور پہلے ہو اسے اول کہتے ہیں۔اور "خدا" تمام مخلوق سے پہلے تھا۔اور کوئی چیز اس سے قبل نہیں ہے۔

۶: **الآخر**: پوری مخلوق کے فناء ہونے کے بعد باقی رہ جانے والے کو "آخر" کہتے ہیں۔اور یہاں پر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو آخر میں ہو اور جس کی انتہاء ہو۔اور اسی طرح "اوّل" کے بھی یہ معنی یہاں پر مراد نہیں ہیں کہ جس کی ابتداء ہوئی ہو۔

۷: **السمیع**: اس سننے والے کو کہتے ہیں جو ہر مخفی اور پوشیدہ باتوں کو سنتا ہو۔اور اس کے ہاں آشکار و مخفی چیزیں برابر ہوں۔حتی کہ دل کے خیالات جو کہ ابھی الفاظ کی صورت میں نہیں آئے انھیں بھی سنتا ہے۔

اور "سمیع" دعا کے قبول کرنے والے پر بھی بولا جاتا ہے۔اور توبہ قبول کرنے والے کو بھی سمیع کہا جاتا ہے۔

۸: **البصیر**: جو مخفی چیزوں کو جاننے والا ہو۔اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جو مبصرات (یعنی دکھائی دینے والی چیزوں) کا عالم ہو اسے بصیر کہتے ہیں۔

۹: **القدیر**: اسے کہتے ہیں جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہو۔اور کوئی چیز بھی اس کے ارادہ ومراد کے سامنے رکاوٹ کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔اور اس کے ارادہ واختیار سے خارج نہ ہو۔

۱۰: **القاهر**: جو بڑے بڑے ظالم وجابر پر غالب ہو۔اور موت سے ان پر غلبہ حاصل ہو۔اور کسی امر کے نافذ کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔بلکہ اس کی برتری اور غلبہ ہو۔

۱۱: **العلی**: جو مخلوقین کی صفات سے پاک وپاکیزہ ہو۔اور مخلوق کے نقائص سے بری ومنزہ ہو۔اور یہ اسم کبھی فوقیت اور برتری کے معنی میں بھی آتا ہے۔یعنی مخلوق پر قدرت رکھنے کی وجہ سے ان سے بلند وبالا ہے۔اور ان پر فوقیت رکھتا ہے۔

اور اسی طرح اس کے یہ معنی بھی کیے جاسکتے ہیں کہ جو ان شریکوں اور ہم سر سے بلند وبالا ہے جو جاہل لوگوں کے وسواس میں ہیں یعنی وہ اس سے بلند وبرتر اور پاک ومنزہ ہے جو ظالم ومشرک لوگ اس کے بارے میں گمراہ فکر رکھتے ہوئے

اس کا ہم سر اور شریک ٹھہراتے ہیں۔

۱۲: **الاعلیٰ**: اس کے معنی غالب کے ہیں۔ جیسا کہ قول خداوندی ہے کہ (لاتخف انک انت الاعلیٰ) سورۃ طہٰ ۶۸۔

ترجمہ: ڈریں نہیں آپ غالب ہیں۔

اور یہ بھی کبھی امثال وشرکاء سے پاک ومنزہ کے معنی میں آتا ہے۔

۱۳: **الباقی**: اسے کہتے ہیں جسے زوال نہ ہو۔ اور اس کی بقاء کی کوئی مدت معین نہ ہو۔ اور محدود نہ ہو۔ اور یہاں پر بقاء کی صفت جنت وجہنم کا باقی رہنا اور دائم رہنا کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کیلئے "بقاء" ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جبکہ جنت وجہنم میں بقاء اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ ابدی تو ہے لیکن ازلی اور ابتداء سے نہیں ہے۔ (ازلی) اسے کہتے ہیں جو ابتداء سے ہے۔ جبکہ جنت وجہنم مخلوق ہیں۔ نہ یہ کہ ابتداء سے ہیں بلکہ دونوں نہ تھیں پھر خلق ہوئیں۔ یہی ان دو "بقاء" کے درمیان فرق ہے۔

۱۴: **البدیع**: اس ذات کو کہتے ہیں جس نے کسی مثال کو دیکھے بغیر مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور فاعل کے معنی میں ہے۔ جیسے "الیم" مؤلم کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور (بدع) اسے کہتے ہیں جو ہر شیء سے پہلے ہو۔ ایک نئی چیز ہو۔

جیسے ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ (قل ما کنت بدعاً من الرسل) سورۃ الاحقاف ۹

(اے رسول) کہہ دیجیے کہ میں کوئی انبیاء میں سے نیا نہیں ہوں۔ یعنی (اے نبی) آپ کوئی پہلے نبی نہیں ہیں۔

۱۵: البارىء: اس سے مراد "خالق" کے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ براء اللہ الخلق یعنی "خلقھم" یا یوں کہا جاتا ہے کہ (باری ء البرایا) اس سے مراد یہ ہے کہ خالق الخلائق۔ یعنی پوری مخلوق کو خلق کرنے والا۔

۱۶: الاکرم: یہ کریم کے معنی میں آتا ہے۔ اور صیغہ (افعل) صفت مشبہ (فعیل) کے معنی میں آتا رہتا ہے۔ جیسا کہ قول خداوندی ہے کہ (وھو اھون علیہ) سورۃ الروم ۲۷۔ یعنی (ھین علیہ)۔ ایک اور مقام پر بھی قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (ولا یصلیھا الا الأشقیٰ) سورۃ اللیل ۱۵۔

(وسیجنبھا الاتقی) سورۃ اللیل ۱۷۔ تو یہاں پر (اشقیٰ اور اتقیٰ) (شقی اور تقی) کے معنی میں ہیں۔ اور اسی طرح کلام عرب میں بھی اشعار میں اس طرح کے استعمالات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

ان الذی سمک السمآء بنی لنا بیتا قوائمہ اعز و اُطول

تو یہاں پر (اعز و أطول) دونوں (طویل اور عزیز) کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۷: **الظاھر**: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ براھین قاطعہ اور روشن و واضح دلیلوں سے واضح و آشکار ہے۔ اور دنیا میں ہر قسم کے آثار اور وجود اس کی ربوبیت اور واحدانیت پر شاہد صدق ہیں۔ اور ہر اختراع وصنعت اسکی واحدانیت وتوحید کو بانگ دہل ثابت کر رہی ہے۔ جیسا کہ ایک شعر بھی ہے۔

و فی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر چیز اس کے وجود اور واحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

اور ظاہر کبھی کبھار غالب وقادر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ "فأصبحوا ظاھرین" سورۃ الصف ۱۴۔

۱۸: **الباطن**: وہ جو ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ اور انسانی افکار وخیالات اس کی عظمت وحقیقت کو درک نہیں کر سکتے۔ تو وہ ظاہر ہونے کے باوجود مخفی ومستور ہے۔ یعنی وہ آثار و وجودات سے ظاہر ہے لیکن ادھام وخیالات اس کی تہہ وحقیقت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ تو وہ ذات کے اعتبار سے مخفی ہے لیکن اپنی عطاء وعنایات اور آثار کے اعتبار سے عیاں ہے۔ اور "باطن" کبھی کبھار "بطون یعنی "خبر" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بطانۃ الرجل" یہ عربی میں رازدار اور صاحب اسرار شخص کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خالق دو جہاں بھی اپنی مخلوق کے اسرار اور خفایا کا عالم ہے۔ اور ان کے دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف وآشنا ہے اور جو دوسروں پر مخفی اور غیب ہیں وہ اس پر عیاں ہیں۔

۱۹: **الحی**: جو صاحب ادراک ہو۔ اور بذات خود زندہ ہے زندگی کسی کی عطا کردہ نہ ہو۔ اور کبھی بھی اس پر فناء اور موت کاری نہ ہو۔

۲۰: **الحکیم**: اس ذات کو کہتے ہیں جو اشیاء کے خلق کرنے میں محکم ہو اور مخلوق کی تدبیر میں مضبوط ہو۔ اور احسن طریقہ سے ان کے امور کو چلائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ

"حکیم" سے مراد "عالم" ہے۔ جیسا کہ (الحکیم) کا لغوی معنی "العلم" کیا جاتا ہے۔ اور اسی معنی میں قول خداوندی بھی ہے "یوٴتی الحکمۃ من یشاء" سورۃ البقرۃ ۲۶۹۔ وہ جسے چاہے علم وحکمت عطا کرتا ہے۔ اور اسی طرح "حکیم" اسے بھی کہتے ہیں جو قبیح کو سرانجام نہ دے۔ اور امور کو مناسب جگہ پر رکھے۔ اور اسکی تدبیر وتقدیر میں کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔

۲۱: **العلیم**: مخفی و مستور چیزوں کے عالم کو کہتے ہیں۔ان امور سے باخبر ہو جن سے مخلوق بے خبر ہو۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**و ھو علیم بذات الصدور**) سورۃ الحدید ۶

ترجمہ: وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔

(**لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض**) سورۃ سباء ۳۔

زمین و آسمان کی ذرہ برابر کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

اور علیم اسے کہتے ہیں جو معلومات کو تفصیل سے جانے اور معلومات کے پیدا ہونے سے پہلے اور بعد بھی تفاصیل سے جانے۔

۲۲: **الحلیم**: اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی غضب میں آ کر تبدیل نہیں ہوتا۔اور کسی گناہگار اور خطا کار کی خطاء پر غضب ناک ہو کر متغیر نہ ہو۔اور جاہلوں کی جاہلانہ حرکت اس پر اثر انداز نہ ہو۔

گویا معاف کر دینا، درگزر کرنے والے اور بردبار کو "حلیم" کہتے ہیں۔

۲۳: **الحفیظ**: کائنات کی حفاظت کرنے والے کو کہتے ہیں۔اور بندہ کو ہر قسم کی ہلاکت وخطرات سے محفوظ رکھنے والے کو (حفیظ) کہتے ہیں۔

۲۴: **الحق**: جس کا وجود متحقق ہو اور صحیح ہو اسے "حق" کہا جاتا ہے۔جیسا کہ جنت و جہنم کے وجود کو بھی حق کہا جاتا ہے۔

۲۵: **الحسیب**: جو شیء کافی و وافی ہو اسے حسیب کہتے ہیں۔مثلاً کہا جاتا ہے حسبک درھم۔یعنی کفاک۔درھم آپ کے لئے کافی ہے۔اور ارشاد خداوندی بھی ہے کہ (**حسبك الله ومن اتبعك من المومنین**) سورۃ الانفال ۶۴۔

یعنی (اے رسول) اللہ اور مخلص مومنین جو تیری اتباع کرنے والے ہیں وہ تجھے کافی ہیں۔اور اسی طرح "حسیب" "حساب کرنیوالے" کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**کفی بنفسك الیوم علیك حسیباً**) سورۃ الاسراء

یعنی آج تم خود اپنے حساب و کتاب کیلئے کافی ہو۔

اسی طرح (عالم) کو بھی (حسیب) کہتے ہیں۔

۲۶: **الحمید**: اسے کہتے ہیں جو اپنے افعال پر لائق حمد و ثناء ہو۔اور مصیبت و شدت خوشی و غمی، تنگدستی و کشادگی، ہر حالت

میں حمد وثناء کا مستحق ہے۔

۲۷: الحفی: اس کے معنیٰ عالم کے ہیں۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (**یسألونك عن الساعة كأنك حفی عنها**)سورۃ الاعراف ۱۸۷۔

یعنی قیامت کے وقت کا عالم ہے۔اور کبھی یہ "لطیف" کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۲۸: الرب: یہ مالک کے معنیٰ میں آتا ہے۔جو کسی چیز کا مالک ہو وہ اس کا رب ہوتا ہے۔قول خداوندی بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(**ارجع الی ربك**) سورۃ یوسف ۵۰۔ترجمہ: اپنے مالک کی طرف پلٹو۔

یہاں پر رب بمعنیٰ مالک اور سید وسردار کے استعمال ہوا ہے۔اور جیسا کہ "حنین" کے دن کسی نے یہ کہا کہ "میرے نزدیک قوم قریش میں سے کوئی شخص میرا رب ہو تو یہ بہتر ہے اس شخص سے جو ھوازن کی قوم میں سے میرا رب ہو۔کیونکہ رب حقیقت میں مجھے اپنا مملوک بنالیگا۔اور میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں کہ جو مجھے مملوک بنائے وہ ھوازن کی قوم میں سے ہو۔"

لفظ (رب) جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر استعمال ہو تو "الف ولام" کیساتھ استعمال ہوتا ہے جبکہ غیر اللہ پر استعمال ہوتے وقت بغیر الف ولام استعمال ہوتا ہے۔کیونکہ (الف ولام) معنی عام پر دلالت کرتا ہے۔اور یہ فقط خالق کائنات کے حق میں صحیح ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔جبکہ غیر اللہ میں یہ معنی عام صحیح نہیں ہے۔لہذا وہاں ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے اور اس مضاف الیہ کی نیت سے وہ مالک و رب ہوتا ہے۔(ربانیون) کو "رب" کیطرف نسبت اس لئے دی جاتی ہے چونکہ وہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر خدا سے لو لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور فناء فی اللہ کی منزل پر فائز ہونیکی وجہ سے انہیں (ربانیون) کہا جاتا ہے۔

۲۹: الرحمٰن: اسے کہتے ہیں جسکی رحمت تمام مخلوق کو شامل ہو۔اور سب کیلئے رزق اور دیگر اسباب معاش فراہم کرے۔اور اسکی رحمت مومن وکافر نیکوکار اور بدکار سب کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔

۳۰: الرحیم: اس ذات کو کہتے ہیں جس کی رحمت فقط مومنین کیلئے خاص ہو۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**وكان بالمومنين رحيماً**)سورۃ الاحزاب ۴۳۔

"رحمٰن" و "رحیم" دونوں اسم مبالغہ ہیں،اور رحمت سے ماخوذ ہیں۔اور اس سے مراد نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ (**وما ارسلناك الا رحمة للعالمين**) سورۃ الانبیاء ۱۰۷۔ترجمہ: (اے حبیب) ہم نے تجھے تمام جہانوں کیلئے رحمت

بنا کر بھیجا ہے۔ یہاں پر ''رحمت'' سے مراد یعنی آپؐ ان پر نعمت ہیں۔

کبھی غیر اللہ کو بھی ''رحیم'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔لیکن اسم ''رحمٰن'' ذات کردگار کیلئے خاص ہے۔چونکہ حقیقت میں رحمٰن اسے کہتے ہیں جو مشکلات کے حل کرنے پر اور بلاؤں کو دور کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔اور یہ قدرت خداوند ذوالجلال کے علاوہ کسی میں بھی نہیں ہے۔جبکہ مخلوق میں سے کسی کو''رحیم'' کہا جاتا ہے لیکن وہ مشکلات کے حل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ہوتا۔

قرآن اور بارش کو بھی ''رحمت'' یعنی نعمت کہا جاتا ہے۔اور اسی طرح کمزور و نرم دل والے شخص کو بھی ''رحیم'' کہا جاتا ہے۔کیونکہ نرم دلی کی وجہ سے اس سے ہمیشہ رحمت صادر ہوتی ہے اور لوگوں کے حق میں دعا کرتا ہے۔

لیکن خالق دو جہاں کے حق میں ''رحیم'' بمعنی ''رقت قلبی'' استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

لہذا یہاں پر ''رحیم'' کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند ذوالجلال نعمت کو لوگوں کیلئے خلق کرتا ہے۔اور ان کی مشکلات کو حل کرتا ہے۔

۳۱:**الذاری**: یہ خلق کے معنی میں آتا ہے۔لہذا جب کہا جائے کہ ''ذراء الخلق'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ ''خلق الخلق'' یعنی وہ مخلوق کا خالق ہے۔اور یہ زیادہ تر آخر کے ہمزہ کے حذف کیساتھ استعمال ہوتا ہے۔مثلاً ''الذاری''

۳۲:**الرزاق**: رزق دینے والے اور اس کے کفیل کو کہتے ہیں۔اور اسے کہتے ہیں جو رزق کے عطا میں مومن سے خاص نہ ہو بلکہ کفار و مشرکین اور بدکردار کو بھی رزق عطا کرتا ہو۔

۳۳:**الرقیب**: اسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ اور غائب نہ ہو۔اور اسی معنی میں قولِ خداوندی بھی ہے کہ (**ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید**) سورة ق ۱۸۔ترجمہ: وہ کوئی بات منہ سے باہر نہیں نکالتا ہے مگر یہ کہ ایک نگہبان اس کے پاس موجود رہتا ہے۔

۳۴:**الرؤف**: اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنے بندوں پر مہربان و لطف و کرم کرے۔

ایک قول ہے کہ ''رؤف'' شدت رحمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے گویا رحمت کا مبالغہ ہے۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''رحمت'' اعم ہے اور (رأفت) اس سے اخص ہے۔

۳۵:**الرائی**: یہ عالم کے معنی میں آتا ہے۔کیونکہ قرآن کریم میں جلی ''رؤیت'' کو ''علم'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے

جیسا کہ قول خداوندی ہے کہ (الم تر کیف فعل ربك بعاد) سورۃ الفجر ۶۔

اس آیت میں "الم تر" سے مراد (الم تعلم)ہے۔یعنی کیا تم نہیں جانتے؟۔

۳۶:السلام: ہر نقص وعیب سے پاک ومنزہ کے معنی میں یہاں پر استعمال ہوتا ہے۔اور "مسلمان" بھی اسی سے ہے۔کیونکہ مسلمان سے ہی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت (لهم دار السلام)سورۃ الانعام ۱۲۷۔

سے مراد ذات کردگار ہوسکتی ہے۔اور (دارالسلام) سے مراد جنت الفردوس بھی ہوسکتی ہے۔چونکہ وہاں پر بھی انسان ہر قسم کی آفات وبلیات سے سلامتی میں رہتا ہے۔لہذا اس مناسبت سے جنت کو بھی دارالسلام کے نام سے پکارا جاتا ہے

۳۷:المومن: یہ ایمان سے ہے۔اور لغت میں ایمان سے مراد تصدیق کے ہیں تو مومن سے مراد جو اپنے وعدہ کی تصدیق کرے۔اور اپنے مومن بندوں کی مرادوں اور تمناؤں کو رد نہیں کرتا۔

اور (امان) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو اس صورت میں خالق کے حق میں مومن سے مراد یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو ظلم وجور سے امان میں رکھتا ہے۔

کیونکہ حضرت امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ (سمی الباری عز وجل مومناً لانه یؤمن عذابه من اطاعه و سمی العبد مومناً لانه یومن علی الله فیجیر الله امانه)

خدا کو مومن کے نام سے اس لیے یاد کیا جاتا ہے چونکہ وہ اس کی اطاعت کرنے والوں کو عذاب سے امان میں رکھتا ہے۔اور بندوں کو مومن اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خدا پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی اور اللہ انھیں امان دے گا

۳۸:المھیمن: شاہد کے معنی میں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (مصدقاً لما بین یدیه من الکتاب و مهیمناً علیه)سورۃ المائدۃ ۴۸۔

ترجمہ: (قرآن مجید) اپنے سے پہلے کی کتب کی تصدیق کرتا ہے اور ان پر گواہ ہے۔لہذا جب کہا جاتا ہے کہ "اللہ المھیمن" تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی مخلوق کے ہر قول وفعل پر گواہ ہے۔کیونکہ اس سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غیب اور مخفی نہیں ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ "مھیمن" سے مراد امین کے ہیں۔اور بعض کے نزدیک یہ محافظ کے معنی میں ہے۔

۳۹:العزیز: اسے کہتے ہیں جس پر کوئی چیز غالب نہ ہوسکے۔اور اسی طرح یہ نام بے مثال، بے نظیر اور جس کا کوئی ہم

پلہ نہ ہوان کے معانی میں بھی آتا ہے۔قرآن مجید میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے کہ (و عزنی فی الخطاب) سورۃ ص ۲۳۔

ترجمہ: یعنی وہ مجھ پر کلام کے اصول میں غالب آ گیا۔

اور کبھی عزیز بادشاہ کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔جیسا کہ برادران یوسفؑ نے حضرت یوسف سے مخاطب ہو کر کہا کہ (یا ایھا العزیز) سورۃ یوسف ۷۸۔

یعنی اے بادشاہ و حاکم۔

۴۰: الجبار: وہ ذات جو لوگوں کو زندگی کے اسباب فراہم کرے۔اور ان کی غربت و افلاس کو دور کرے۔

اور ''جبار'' ہر اس بلند چیز کو کہا جاتا ہے جہاں تک رسائی نہ ہو سکے اسی لیے بلند و بالا کھجور کے درخت کو عربی میں ''جبارة'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اور جبر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو کسی کام پر مجبور اور مقہور کرنا۔

اور اسی معنی میں امام جعفر صادقؑ کا قول مبارک ہے۔

(و لا جبر ولا تفویض ولکن امر بین الامرین)

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے لوگوں کو گناہوں پر مجبور نہیں کیا ہے۔اور نہ ہی انہیں تمام امور ان کے سپرد کر کے خود دستبردار (معاذ اللہ) ہو گیا ہے۔اب لوگ اس طرح خودمختار ہیں کہ جو چاہیں اپنی مرضی سے دین بناتے پھریں اور انجام دیتے

رہیں۔جبکہ خالق دو جہاں نے اپنے بندوں کیلئے قوانین و نظام شریعت کو نازل فرمایا ہے۔اور احکام و فرائض ان پر لاگو فرمائے ہیں۔لہذا اسلام کی ان حدود بندی کے ساتھ نظریہ تفویض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

۴۱: المتکبر: اسے کہتے ہیں جو مخلوق کی تعریف سے بلند و بالا ہو۔یہ کبریاء سے ماخوذ ہے۔

۴۲: السید: یہ سردار کے معنی میں ہے اسی لیے قوم کے بڑے کو اور بزرگ کو ''سید'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔جیسا کہ قیس بن عاصم کو کہا گیا کہ کیسے قوم کے سید و سردار بنے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ سخاوت کرنے اور لوگوں کو اذیت نہ پہنچانے اور ان کی نصرت و مدد کرنے سے میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔حضرت ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ (علی سید العرب) علی عربوں کے سید و سردار ہیں۔

حضرت عائشہ نے کہا کہ اے رسول خدا کیا آپ عربوں کے سید و سردار نہیں ہیں؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں پوری

بنی آدم کا سردار ہوں اور علیؑ عربوں کے سردار ہیں۔
تو پھر عائشہ کہتی ہے یا رسول اللہ ''سید'' کسے کہتے ہیں؟
حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ (هو من افترضت طاعته كما افترضت طاعتي) سید اسے کہتے ہیں جس کی اطاعت واجب ہو جیسے میری اطاعت (ان پر) واجب ہے۔لہذا اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ واجب الطاعۃ کو سید کہتے ہیں۔

۴۳: **السبوح**: اسے کہتے ہیں جو اوصاف قبیحہ سے متصف نہ ہو۔
لغت عربی میں یہ ''فعول'' کے وزن پر آتا ہے۔اور ''قدوس'' اس کے ہم وزن ہے۔
ان دو کے علاوہ اور کوئی اس وزن پر عربی زبان میں نہیں ہے۔اور ان دونوں (سبوح، قدوس) کا معنی بھی ایک ہے۔

۴۴: **الشہید**: اسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز غائب و مخفی نہ ہو۔اور ''شہید'' کبھی کبھار ''علیم'' کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ قول خداوندی ہے (شهد الله انه لا اله الا هو و الملائكة) سورۃ آل عمران ۱۸۔
اللہ اور اس کے ملائکہ گواہ ہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔
یہاں پر علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۴۵: **الصادق**: اس کا معنی ہے کہ اپنے وعدہ میں سچا ہونا۔اور اپنے وعدہ وعہد کو پورا کرنے والے کے اجر و ثواب کو کم نہ کرنا۔

۴۶: **الصانع**: ہر چیز کے بنانے والے کو صانع مطلق کہتے ہیں۔اور خدا ہر مخلوق کا خالق اور اس نے ہر انوکھی چیز کو نئے انداز سے خلق فرمایا ہے۔خدا کی صفت میں کوئی اس جیسا نہیں ہے۔اور لفظ ''صانع'' اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔اور ہر موجود اس کی کاریگری اور صنعت کاری کا بولتا ہوا ثبوت ہے۔اور یہ سب اس کی واحدانیت کا اعلان کر رہے ہیں۔اور اس کے شریک نہ ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

۴۷: **الطاھر**: جو ہر قسم کی شباہت، ہم سری، مثال، ضد اور دیگر تمام ممکنہ صفات سے پاک ومنزہ ہو۔جیسے حدوث و زوال اور حرکت و سکون، ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کرنا وغیرہ۔
غرضیکہ مخلوقات کی صفات اور ان کے معانی سے بلند و بالا ہو۔اور عقل بشری اس کی صفات کا ادراک حقیقی اور احاطہ نہ کر سکے

۴۸: **العدل:** اس ذات کو کہتے ہیں جو ہوا و ہوس پرست نہ ہو۔ اور فیصلوں میں ظلم و جبر نہ کرتا ہو۔
انسان تب عادل ہوسکتا ہے جب اس کے قول، فعل اور اس کے فیصلوں میں ظلم نہ ہو۔

۴۹: **العفو:** اسے کہتے ہیں جو انسان کو ہلاک کر دینے والے گناہوں کو مٹا دے۔ اور دو گنا نیکیوں میں تبدیل کر دے۔
کلمۃ ''عفو'' لغت عربی میں اثر مٹانے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے (عفت الریح الاثر یعنی محتہ) ہوا نے اثر کو زائل کر دیا ہے۔

۵۰: **الغفور:** اسے کہتے ہیں جو اخروی عقاب اور عذاب سے درگزر کر دے۔
''غفور'' عربی میں ''غفر'' سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی لیے سر چھپانے والی چیز کو بھی عربی میں ''مغفر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً (ہلمٹ وغیرہ)۔ لیکن ''عفو'' اور ''غفور'' میں فرق یہ ہے کہ ''عفو'' میں درگزر کا مبالغہ ہے۔ جبکہ ''غفور'' کے معنی میں اسطرح وسعت نہیں ہے۔ کیونکہ ''عفو'' اسے کہتے ہیں جو گناہوں کے آثار کو بھی مٹا دے جبکہ ''غفور'' کے معنی اس طرح نہیں ہیں بلکہ ہوسکتا ہے اثر گناہ رہے مگر اسے درگذر کرتے ہوئے چھپا دے۔

۵۱: **الغنی:** وہ ذات جو مخلوق سے بذاتہ بے نیاز اور مستغنی ہو۔ اور اسے مخلوق کی طرف کوئی حاجت درپیش نہ آئے۔ اور وہ ہر قسم کے آلات وغیرہ سے بھی بے نیاز ہو۔ جبکہ اس کے سوا ہر چیز محتاج ہے۔ اگر چہ وہ اپنے وجود میں ہی محتاج کیوں نہ ہو۔ لیکن ذات کردگار غنی مطلق ہے۔

۵۲: **الغیاث:** پریشان اور مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد رسی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور یہ مبالغہ کے معنی میں ہے۔ یعنی بہت زیادہ فریاد کو پورا کرنا۔

۵۳: **الفاطر:** وہ ذات جس نے مخلوق کو خلق کیا۔ اور اس کے سامنے کوئی اور مثال بھی نہیں تھی۔ تا کہ اسے دیکھ کر خلق فرماتا۔
لہذا بغیر نمونہ و مثال کے خلق کرنے والے کو ''فاطر'' کہتے ہیں۔

۵۴: **الفرد:** وہ ذات جو اپنی خدائی میں یکتا ہو۔ اور وہ جس کے ساتھ اور کوئی نہ ہو۔ بلکہ وہ لاشریک ہو۔ اور اپنے احکام کے صادر کرنے میں بھی تنہا ہو کسی کا محتاج نہ ہو۔

۵۵: **الفتاح:** وہ جو اپنے بندوں کے مابین فیصلے کرے۔ جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے ''فتح الحاکم بین الخصمین'' یعنی حاکم

نے دو گروہوں کے مابین فیصلہ کیا ہے۔

اور اسی معنی میں پر قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (ربنا افتح بیننا و بین قو منا بالحق وانت خیر الفاتحین) سورۃ الاعراف ۸۹۔

یعنی ہمارے درمیان حکم لگا اور فیصلہ کر۔

اور اسی طرح ''فتاح'' بندوں کے رزق کو کشادہ کرنے اور ان پر رحمت نازل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۵۶: الفالق: اسے کہتے ہیں جو رحم مادر سے بچہ کو اور درخت کو دانہ سے اور زمین کو پھاڑ کر اس کے خزانوں کو باہر لائے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی بھی ہے کہ (والارض ذات الصدع) سورۃ الطارق ۱۲۔

ظلمت سے نور صبح کو طلوع کیا، آسمان سے پانی کو برسایا۔ اور دریا کو موسیٰ کے راستہ بنانے کیلئے شگافتہ کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے (فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم) سورۃ الشعراء ۶۳۔ ترجمہ: چنانچہ دریا شگافتہ ہو گیا اور ہر حصہ ایک پہاڑ جیسا نظر آنے لگا۔

۵۷: القدیم: جو تمام چیزوں پر ہر جہت سے متقدم ہو۔ نہ یہ کہ اس کا وجود سب سے پہلے ہے اور عدم اس سے سابق نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر جہات سے ہر شیء سے متقدم ہے۔

۵۸: الملک: وہ ذات جو ہر چیز کی مالک ہو۔ اور ہر چیز اس کے کنٹرول میں ہو اور اس کے دائرہ ملکیت سے باہر نہ ہو۔ عالم ''ملکوت'' بھی اسی کے ملک میں ہے۔ تو یہ بھی ملک سے ہے آخر میں (تاء) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ''رھبوت'' اور ''رحموت'' کے آخر میں (تاء) کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں (رھبوت خیر من رحموت) خوف و ڈر ترحم سے بہتر ہے۔

۵۹: القدوس: یہ ''قدس'' سے ہے اور (فعول) کے وزن پر ہے۔ اور اس کے معنی طہارت و پاکیزگی کے ہیں۔ یعنی جو ہر قسم کے عیوب نقائص سے منزہ ہو۔ جیسا کہ ملائکہ کا قول خداوند ذوالجلال نے قرآن میں نقل فرمایا ہے کہ (ونحن نسبح بحمدك و نقدس لك) سورۃ البقرۃ ۳۰۔

ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

یعنی ہم تجھے پاک و پاکیزہ سمجھتے ہیں۔

اس لیے حظیرہ القدس اس پاک و پاکیزہ مکان کو کہتے ہیں جہاں پر دنیوی مصائب و شدائد اور نافرمانیوں کی غلاظت و

غیرہ نہ ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ قدیمی آسمانی کتب میں اللہ تعالیٰ کو "قدوس" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

۶۰: **القوی**: یہ کبھی "قادر" کے معنی میں آتا ہے۔یعنی جو کسی چیز پر قوت رکھے وہ اس پر قدرت بھی رکھتا ہوتا ہے۔لہذا اس کے معنی یہاں پر یہ ہیں کہ وہ جو کبھی بھی عاجز نہ ہو۔اور ضعف اس پر طاری نہ ہو سکے۔اور وہ کسی کی مدد کا محتاج نہ ہو۔

۶۱: **القریب**: جو پکارنے والوں کو جواب دے۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (اجیب دعوۃ الداع) سورۃ البقرہ ۱۸۶۔ پکارنے والے کی آواز کو سنتا ہوں۔

اور یہ کبھی اس معنی میں بھی آتا ہے کہ وہ ہر قسم کے خیالات اور قلبی وسوسوں کا عالم ہے۔اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔خدا اور مخلوق کے خیالات کے درمیان کوئی چیز حائل اور کوئی مسافت و فاصلہ نہیں ہے۔جیسا کہ قول خداوندی ہے کہ (و نحن اقرب الیه من حبل الورید) سورۃ ق ۱۶۔

اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

وہ اس طرح قریب نہیں ہے جیسے ایک انسان کسی چیز کے قریب ہوتا ہے کہ اسے حواس ظاہریہ وغیرہ سے مس کیا جا سکتا ہے۔بلکہ وہ عین قریب ہونے کے عین بعید بھی ہے۔لہذا وہ ممکنات کی طرح دور و قریب نہیں ہے۔بلکہ وہ اطاعت و عبادات سے قریب ہے۔جو زیادہ مطیع ہے وہ زیادہ قریب خداوندی ہے۔لہذا خالق دو جہاں کے حق میں فوقیت و تحتیت، قبل و بعد اور قرب و بعد کے وہ معنی و مفاہیم متصور نہیں ہو سکتے جو ممکنات کیلئے جائز ہیں۔چونکہ وہ ان تمام سے پہلے تھا۔نہ قبل تھا نہ بعد تھا نہ علو تھا اور نہ سفل تھا۔(تعالی الله عما یقولون الظالمون)۔

۶۲: **القیوم**: وہ جو بغیر زوال کے قائم و دائم ہو۔اور اسے کہتے ہیں جو ہر چیز پر توجہ اور اس کی رعایت کرے۔

۶۳: **القابض**: اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی حکمت کے تحت لوگوں کے رزق کو کم کر دے۔تاکہ انھیں صبر سے آزمائے۔اور آخرت میں ان کیلئے قیمتی اور عظیم اجر محفوظ کرے۔

اور روح کو قبض کرنے والے کو بھی قابض کہتے ہیں۔

ملکیت کے معنی میں بھی آتا ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے (قبض فلان) یعنی فلاں کے قبضہ و ملکیت میں ہے۔

اور اسی معنی میں قول خداوندی بھی ہے کہ (والارض جمیعاً قبضته یوم القیامة) سورۃ الزمر ۶۷۔

پوری زمین اسی کے قبضہ اور ملکیت میں ہے۔

جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے کہ (و له الملك يو م ينفخ في الصو ر) سورۃ الانعام ۷۳۔
جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن سارا اختیار اسی کے ہاتھوں میں ہوگا۔

(و الا مر يو مئذ لله) سورۃ الانفطار ۱۹۔
اس دن (قیامت کو) سارا اختیار اللہ کا ہوگا۔

۶۴: **الباسط**: وہ ذات جو اپنے فضل و کرم سے رزق میں کشادگی کر دے۔ تا کہ لوگ فقر و فاقہ میں نہ رہیں۔

۶۵: **القاضی**: جو بندوں پر اوامر و نواہی کے ذریعہ حکمرانی کرے اور ان پر حاکم ہو۔
یہ لفظ درحقیقت عربی زبان میں (قضاء) سے ماخوذ ہے اور اللہ تعالی کے حق میں قضاء کے تین معانی متصور ہو سکتے ہیں۔
۱: کسی چیز کا حکم کرنا، اسے لازم کرنا۔
جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (و قضىٰ ر بك الا تعبد و ا الا ايا ه) سورۃ الاسراء ۲۳۔
آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔
جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے کہ (قضی القاضی علیہ) یعنی قاضی و حاکم نے اس پر حکم لگایا ہے اور اس پر فلاں چیز لازم قرار دی ہے۔
۲: خبر دینا اور اعلان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (و قضينا الى بنى اسر ا ئيل في الكتا ب) سورۃ الاسراء ۴۔
اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ اطلاع بھی دے دی تھی۔
۳: تمام و کامل کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ قول خداوندی ہے کہ (فقضهن سبع سما و ا ت في يو مين) سورۃ فصلت ۱۲۔
پھر ان آسمانوں کو دو دنوں کے اندر سات آسمانوں میں مکمل کر دیا۔ اور اسی معنی میں عربی میں کہا جاتا ہے کہ (قضى فلان حا جته) یعنی اس نے اپنی حاجت کو مکمل اور تمام کر دیا ہے۔

۶۶: **المجید**: جو بہت زیادہ کریم ہو۔ جیسا کہ سخی شخص کو کہا جاتا ہے کہ (فلان ماجد) یعنی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔
کریم و عزیز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ قول خداوندی ہے کہ
(قرآن مجید) سورۃ البروج ۲۱۔ یعنی یہ بزرگ و برتر قرآن ہے۔ اور لغت میں یہ صاحب شرف و عزت کو کہتے ہیں۔

۶۷: **المولیٰ**:اس کے معنی مومنین کی مدد کرنے والے کے ہیں۔یعنی جو مومنین کو ثواب اور ان کے اکرام و احترام کا ذمہ دار ہو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ (**الله ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور**)سورۃ البقرۃ ۲۵۷۔

اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔

اور کبھی (مولی) کے معنی (اولی) بھی کیے جاتے ہیں۔جیسا کہ رسول خداؐ نے خطبہ غدیر میں حضرت علیؑ کے اعلان ولایت کے وقت اپنے خطبہ میں (مولیٰ) کو اسی معنی میں استعمال کیا تھا۔جیسا کہ ارشاد ہے کہ (**الست اولی منکم بانفسکم؟قالوا بلی یا رسول الله**)

قال : من کنت مولاہ ،فعلی مولاہ۔

کیا میں آپ کے نفوس کی نسبت آپ پر زیادہ حق تصرف اور میں اولی نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا جی ہاں رسول خداؐ پھر آپ نے فرمایا!(لہذا) جس کا میں مولا (یعنی اولیٰ) ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔یعنی علی کو اس کے نفس پر اولویت ہے۔

اور یہ مولا سرپرست کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اسی لیے بچوں کے سربراہ کو عربی میں (ولی) کہا جاتا ہے لہذا ہر وہ جو کسی کے امور کی نگرانی اور اصلاح کرے اسے اس کا ولی کہا جاتا ہے۔اور خداوند ذوالجلال کو بھی "ولی" اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں چونکہ وہ مومنین کے دینی و دنیوی امور کا ذمہ دار اور ان کی اصلاح کرنے والا ہے۔

۶۸: **المنان**:نعمتوں کو عطا کرنے والے کو کہتے ہیں۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**فامنن او امسك بغیر حساب**) سورۃ ص ۳۹۔

اب چاہے لوگوں کو عطا کرو یا اپنے پاس رکھو تم سے حساب نہ ہوگا۔

۶۹: **المحیط**: جو ہر شیء پر حاوی اور اس پر کنٹرول کیئے ہو۔اور کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہ ہو۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ (**فلا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلك ولا اکبر الا فی کتاب مبین**)سورۃ سباء ۳۔

اس کے علم سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ دور نہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا بلکہ سب کچھ اس کی روشن کتاب میں محفوظ ہے۔

(**قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مدداً**) سورۃ

الکھف۱۰۹۔ (اے حبیبؐ) آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات کیلئے سمندر بھی روشنی بن جائیں تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے ہی سارے سمندر ختم ہو جائیں گے چاہے ان کی مدد کیلئے ہم ان جیسے اور سمندر ہی کیوں نہ لے آئیں۔

(ولو ان ما فی الا رض من شجر ۃ اقلا م و البحر یمد ہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفد ت کلما ت اللہ) سورۃ لقمان ۲۷۔ اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر کو سہارا دینے کے لئے سات سمندر اور آ جائیں تو بھی کلمات الٰہی تمام ہونے والے نہیں ہیں۔لہذا کوئی بھی اس کی قدرت سے دور اور باہر نہیں ہے۔چاہے وہ چیونٹی ہو یا کوئی بڑی مخلوق ہو سب اس کے سامنے عاجز اور اس کی قدرت کے تحت ہیں۔اور اس گرفت میں مقہور ہیں۔چاہے عرش عظیم ہو یا فرش خاکی ہو عظیم مخلوق ہو یا چھوٹی و حقیر مخلوق ہو سب پر اسی کی بالا دستی اور اسی کا کنٹرول ہے۔**(و ھو علی کل شیء قد یر)** سورۃ المائدۃ ۱۲۰۔

(ما خلقکم و لا بعثکم الا کنفس و احدۃ) سورۃ لقمان ۲۸۔

تم سب کی خلقت اور سب کا دوبارہ زندہ کرنا ایک نفس کی طرح ہے۔

(وانما امر ہ اذا اراد شیا ءً ان یقول لہ کن فیکو ن) سورۃ یس ۸۲۔

اس کا امر صرف یہ ہے کہ کسی شیء کے بارے میں (کن) کا ارادہ کرے تو وہ ہو جاتی ہے۔

~~۷۰: المبین: وہ جو اپنے اثار خلقت اور آیات قدرت سے ظاھر و بین ہو۔~~

۷۱: **المقیت**: صاحب اقتدار کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ زبیر بن عبدالمطلب کا شعر بھی اسی معنی میں ہے کہ

وذی ضغن کففت النفس عنہ وکنت علی مساءتہ مقیتاً

میں نے حسد کرنے والے سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا جبکہ میں اس سے انتقام لینے پر قدرت رکھتا تھا۔

لغت قوم قریش میں یہ لفظ (انتقام) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جبکہ ان کے علاوہ کے ہاں یہ لفظ (مقیت) (حفیظ) کے معنی میں آتا ہے۔

اور روزی عطا کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۷۲: **المصور**: وہ ذات جس نے مخلوق کو مختلف اشکال اور صورتوں میں خلق فرمایا ہے تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل

نہ جائیں۔اور تعارف اور پہچان میں آسانی ہو۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (و صورکم فأحسن صورکم)سورۃ المومن ۶۴۔

۷۳:**الکریم**:سخاوت کرنے والا۔جیسا کہ کہا جاتا ہے (رجل کریم) یعنی جواد۔

اور یہ عزیز کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے کہ (فلان اکرم علی من فلان) یعنی فلاں شخص میرے نزدیک فلاں کی نسبت زیادہ عزیز ہے۔اور اسی سے قول خداوندی بھی ہے کہ (انہ لقرآن کریم) سورۃ الواقعہ ۷۷۔ یہ بڑا محترم و معزز قرآن ہے۔

۷۴:**الکبیر**:بزرگ و سردار کو کہتے ہیں۔جیسا کہ قوم کے بڑے کو کہا جاتا ہے کہ فلاں سید و سردار ہے۔

۷۵:**الکافی**:وہ جس پر بھروسہ و توکل کیا جائے۔اور وہ اس کی تمام حاجات کیلئے پورا بھی ہو۔کسی دوسرے کا محتاج نہیں کرتا۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے (ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ)سورۃ الطلاق ۳۔

جو خدا پر بھروسہ کرے خدا اس کیلئے کافی ہوتا ہے۔

۷۶:**کاشف الضر**:وہ جو مصیبتوں کو دور کرنے والا ہو۔جیسا کہ قرآن میں ہے کہ (امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء)سورۃ النمل ۶۲۔

جو مضطر کی فریاد کو سنتا ہے جب وہ اس کو آواز دیتا ہے۔اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔

۷۷:**الوتر**:جو ایک ہو۔ہر وہ چیز جو مفرد ہو اسے عربی میں "وتر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۷۸:**النور**:وہ جس کے نور کی ضیاء سے لوگوں کو ہدایت اور بصارت عطاء ہو۔

"نور" روشنی و ضیاء کے معنی میں ہے۔خدا منیر ہے۔لیکن چونکہ اہل آسمان و زمین کو اسی ذات سے ہدایت حاصل ہوئی ہے اس لئے اسے "نور" کہا جاتا ہے۔لہذا اس پر مصدر "نور" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

یا پھر اس وجہ سے اسے "نور" کہا جاتا ہے چونکہ وہ نور کا خالق ہے اور نور کو بھی نورانیت اسی ذات کردگار نے عطا کی ہے۔

۷۹:**الوھاب**:جو بہت زیادہ عطا کرے۔

۸۰:**الناصر**:جو مددگار ہو۔اور نصیر بھی اسی معنی میں ہے۔

۸۱: **الواسع**: وہ ذات جس کے غنی ہونے سے بندوں کا فقر دور ہو، اور جو پوری مخلوق کے رزق کو وسیع کرے۔

کہا گیا ہے کہ یہ بہت زیادہ غنی و بے نیاز کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اور یہ ''حسب قدرت'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے (**انفق علی قدر و سعك**) حسب قدرت خرچ کرو۔

۸۲: **الودود**: یہ ''ود'' سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں کہ اپنے بندوں سے محبت کرنا۔ یعنی ان سے راضی رہنا۔ اور ان کے اعمال کو قبول کرنا۔ اور یہ محبوب بنانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**سیجعل لهم الرحمن ودا**) سورۃ مریم ۹۶

عنقریب رحمٰن لوگوں کے دلوں میں انکی محبت پیدا کردے گا۔

۸۳: **الهادی**: جو لوگوں پر اپنی ہدایت کی نعمت کرے۔ اس نے لوگوں کو فطرت توحید و اسلام پر پیدا کر کے عزت بخشی ہے۔ اور لوگوں کو راہ ہدایت کی راہنمائی فرمائی ہے۔ اور انھیں عقل و الہام کی قوت عطاء فرمائی ہے۔ جس سے وہ ہدایت لے سکتے ہیں۔ اور پھر انبیاء کرام اور اوصیاء اور اولیاء عظام کے ذریعہ نظام ہدایت مکمل فرمادیا۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**لیهلك من هلك عن بینةو یحیٰ من حی عن بینة**) سورۃ الانفال ۴۲۔

تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ اور تمام لوگوں کی ہدایت کے انتظام کرنے کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ (**و اما ثمود فهدینا هم فاستحبوا العمی علی الهدی**) سورۃ فصلت ۱۷۔ اور قوم ثمود کو بھی ہم نے ہدایت دی لیکن ان لوگوں نے گمراہی کو ہدایت پر زیادہ پسند کیا۔

اور لوگوں کو فطرت توحید و اسلام پر پیدا کر کے نور ہدایت سے معزز کرنے کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ (**فطرت الله التی فطر الناس علیها**) سورۃ الروم ۳۰۔

دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

اور اسی طرح اس امر پر قول رسول اسلام بھی دلالت کرتا ہے کہ (**کل مولود یولد علی الفطرة و انما ابواه یهودانه و ینصرانه و یمجسانه**) ہر نومولود فطرت (دین الٰہی) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔

انبیاء کرامؑ کے ذریعہ دین کو نافذ فرمایا اور دین و ہدایت کے انوار کو انہیں کے ذریعہ ہر جگہ پھیلایا۔ اور لوگوں کو دین کی

طرف ترغیب دلائی اور مخالفت کرنے پر سزا کو سنا کر ڈرایا۔تا کہ لوگ راہ ہدایت پر چلیں ۔اور لوگوں کو توفیقات بھی عطاء کیں ۔اسی طرح خالق دو جہاں نے حیوانات کو بھی ہدایت فرمائی کہ کیسے اپنے لیئے رزق تلاش کرتا ہے۔اور کس طرح نقصان دہ چیزوں سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔اور یہ سب کچھ الطاف الٰہیہ میں سے ہے۔

۸۴:**الوفی**:اسے کہتے ہیں جو عہد و پیان کی وفاداری کرے۔

۸۵:**الوکیل**:وہ جو لوگوں کا متولی ہو۔اور انکی حفاظت کا ذمہ دار ہو۔

اور یہ معنی مال پر وکیل کے حق میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اور "وکیل" کبھی معتمد اور پناہ گاہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اور بندوں کے رزق کے کفیل ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**حسبنا الله و نعم الو کیل**)سورۃ آل عمران۱۷۳۔

اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کفالت کرنے والا ہے۔

۸۶:الوارث:وہ جس کی طرف موت کے بعد سب املاک لوٹتی ہیں۔اور وہی مالک و وارث ہے۔خالق کائنات پوری مخلوق کے فناء ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے تمام لوگوں کی وراثت ان کی موت کے بعد اسی ذات کردگار کی طرف پلٹتی ہے۔

۸۷:**البر**:وہ جو اپنے نیک بندوں پر مہربان ہو۔اس کے احسانات ساری مخلوق پر ہوں۔اور (بر) کبھی کبھار صادق کے معنی میں بھی آتا ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے (**بر ت یمین فلا ن**)یعنی فلاں کی قسم سچی تھی۔

۸۸:**الباعث**:وہ جو مخلوق کو موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے گا۔اور ان کا حساب و کتاب لے گا۔اور پھر وہ ہمیشہ کیلئے باقی رہیں گے۔

۸۹:**التواب**:وہ ذات جو توبہ کو قبول کرے۔اور خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

۹۰۔**الجلیل**:وہ جو صاحب قدرت و جلال ہو۔جو شان و عظمت والا ہے۔اور اس کے سامنے بڑی بڑی شان والے حقیر ہیں۔

۹۱:**الجواد**:وہ جو بہت زیادہ انعامات و احسانات کرے۔(کریم) اور (جواد) کے درمیان فرق یہ ہے کہ (کریم) سوال کرنے پر عطاء کرتا ہے جبکہ (جواد) بغیر سوال کے بھی عطاء کرتا ہے۔اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔

خداوند ذوالجلال کو سخی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ "سخاوت" اسکی صفت ہوسکتی جو نرم ہو۔ مثلاً جیسے کہا جاتا ہے کہ (ارض سخاویۃ) زمین نرم ہے۔ لہذا خدا کی ذات "نرم" وغیرہ کی صفات سے منزہ ہے جو کہ ممکن کی صفات ہیں۔

۹۲: **الخبیر**: وہ ذات جو ہر چیز سے آگاہ ہو۔ اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس سے مخفی ومستور نہ ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے (فلان عالم خبیر) یعنی وہ جو اشیاء کی حقیقت اور کنہ سے آگاہ ہے۔

۹۳: **الخالق**: وہ ذات جس نے بغیر نمونہ ومثال کے کائنات کو خلق فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**هل من خالق غیر الله**) سورۃ فاطر ۳۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ (**انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر**) سورۃ آل عمران ۴۹ میں تمھارے لئے مٹی سے پرندہ کی شکل بناؤں گا۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے پرندہ کی شکل میں مٹی سے مورتی کو مقدر کیا۔ جبکہ حقیقت میں اس کا خالق اور وجود عطاء کرنے والا اللہ تبارک وتعالی ہے

۹۴: **خیر الناصرین**: جو بہت زیادہ مدد کرنے والا ہو۔ جیسا کہ بہت زیادہ رحمت کرنے والے کو "خیر الراحمین" کہتے ہیں۔

۹۵: **الدیان**: وہ جو بندوں کو ان کے اعمال پر جزاء وسزاء دے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ (کما تدین تدان) جیسا کرو گے ویسا آپ کے ساتھ ہوگا۔

جیسا کہ عربی میں شعر بھی ہے کہ

کما یدین الفتی یوماً یدان بہ من یزرع الثوم لایقلعہ ریحاناً

ترجمہ: جو کسی کے ساتھ جیسا کرے گا ایک دن ضرور اس کی جزا پائے گا ایسا نہیں ہے کہ جو لہسن کاشت کرے وہ نیاز بو کاٹے گا۔

۹۶: **الشکور**: وہ جو بہت مختصر شکر کرنے پر بہت زیادہ ثواب واجر عطاء فرمائے۔ اور مختصر شکر پر راضی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ (**ان ربنا لغفور شکور**) سورۃ فاطر ۳۴۔

لغت میں نیکی واحسان کے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں پر محسن اور انعام کرنے والا ہے۔ چونکہ وہ اپنی اطاعت کرنے والے کو جزاء وثواب عطاء

کرتا ہے تو مجاز کے طور پر خداوند ذوالجلال کے حق میں بھی بندوں کیلئے ''شکر'' کو استعمال اور اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

۹۷: **العظیم**: صاحب جلالت وعظمت کو کہتے ہیں۔

۹۸: **اللطیف**: بندوں پر لطف وکرم کرنا۔ بندہ کو خبر تک نہیں ہوتی خدا اس پر لطف کرتا ہے۔ اور یہ بہترین تدبیر اور کام کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''لطیف'' کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے بہترین وغریب مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ اسے ''عظیم'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے عظیم مخلوق کو خلق فرمایا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ خدا کو لطیف اس لیے کہتے ہیں کہ چونکہ وہ ''لطف'' کا فاعل ہے۔ اور ''لطف'' اسے کہتے ہیں کہ ان امور کا دستیاب کرنا جن سے اطاعت خداوندی ہو اور گناہوں سے بچنے کیلئے مواقع فراہم کرنا۔

۹۹: **الشافی**: وہ ذات جو بغیر کسی واسطہ کے شفاء وعافیت عطا فرمائے۔ اور مختصر سی دعا سے مصیبتوں کو ٹال دے۔ جیسا کہ خالق کائنات نے قرآن میں حضرت ابراہیمؑ سے حکایت کرتے ہوئے قول نقل فرمایا کہ (واذا مرضت فھو یشفین) سورۃ الشعراء ۸۰۔ اور جب میں مریض ہوتا ہوں وہی ذات مجھے شفاء دیتی ہے۔

یہ مجموعہ اسماء حسنیٰ ہیں۔

تنبیہ: ان اسماء کو خصوصاً ذکر کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے علاوہ ذات کردگار کے اور کوئی اسماء نہیں ہیں۔ کیونکہ آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کی ادعیہ میں خداوند ذوالجلال کے لئے بہت زیادہ اسماء ذکر کیے گئے ہیں۔

لیکن خصوصاً ان اسماء کو ذکر کرنا اس لیے ہے کہ شاید انہیں بقیہ اسماء پر فضیلت اور اشرفیت حاصل ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اسماء متعددہ جو کہ متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اس سے ذات باری تعالیٰ کی ذات مقدس میں کسی قسم کا تعدد اور کثرت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ صفات اس کی عین ذات ہیں۔ اور ذات باری تعالیٰ ہر جہت اور اعتبارات سے واحد ویکتا ہے۔ (۱)

---

(۱) حتی کہ اسکے حق میں ہر جہت واعتبارات کا کہنا بھی حقیقت میں صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی تسامح ہے۔ کیونکہ وہ واحد ہے، لامحدود ہے، بسیط ہے، حق ہے، اس کے بارے میں جہات کا تصور کرنا اسے محدود کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن چونکہ الفاظ قاصر ہیں اصل مراد کے بیان کرنے کیلئے تو لہذا انہی قاصر اور تنگ الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو موتی کی ضرورت نہ صدف کی

صفات کے بارے میں تحقیق انیق: صفات باری تعالیٰ دو اقسام پر ہیں۔

۱: صفات حقیقیہ۔

۲: صفات اضافیہ۔

صفات حقیقیہ: وہ صفات ہیں جو بلحاظ ذات ہیں ۔تو انہیں ذاتیہ بھی کہا جاتا ہے۔جیسے حی،قدیم ،ازلی ،باقی،موجود،سرمدی صفات حقیقیہ ہیں۔

صفات اضافیہ: یہ ایسی صفات ہیں جو بلحاظ غیر ہیں مثلاً وہ صفات جو اس کے افعال کے لحاظ سے اس پر بولی جاتی ہیں۔جیسے قادر،رحیم،خالق،۔یہ ایسی صفات ہیں کہ
مقدور کے اعتبار ولحاظ سے اسے قادر کہا جاتا ہے۔اسی طرح اسے مخلوق کے لحاظ سے خالق اور جس پر رحم کرے اس لحاظ سے اسے رحیم کہا جاتا ہے۔تو یہ صفات صفات فعلیہ سے یاد کی جاتی ہیں۔
لیکن یہ صفات بھی اپنے کثرت معنی و مفاہیم کے باوجود ذات کردگار میں کسی قسم کا تعدد اور کثرت پر دلالت نہیں کرتیں۔تعدد وتکثر فقط ان کی طرف نسبت میں ہے۔وگرنہ ذات ایک ہی ہے۔اور اس میں کسی قسم کی جہات و اعتبارات کا بھی تعدد نہیں ہے۔جس وقت وہ قادر ہے بعینہ اسی وقت وہ خالق بھی ،رحیم بھی ہے۔اور اسی طرح دیگر صفات سے بھی موصوف ہے۔لیکن یہ تعدد فقط اور فقط ان امور خارجیہ جو کہ ملحوظات ہیں مثلاً مخلوق ،مرحوم،مقدور وغیرہ میں ہے۔وگرنہ اس کی ذات وحدہ لاشریک لہ میں کوئی تعدد نہیں ہے۔تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً۔

فصل: حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ (من عبد الله بالو هم فقد کفر و من عبد الا سم و لم یعبد المعنیٰ فقد کفر ،ومن عبد الا سم و المعنی فقد اشرك و من عبد المعنی بایقا ع الا سماء علیه بصفا ته التی و صف بها نفسه فعقد علیه قلبه و نطق به لسا نه فی سر ا ئر ه و علا نیته فا ؤ لئك اصحا ب امیر المو منین علیه السلا م) ایک اور حدیث میں یوں ہے کہ (فا ؤ لئك المومنو ن حقاً) جس نے وادی گمان میں رہ کر خدا کی عبادت کی وہ کافر ہے۔جس نے فقط اسم اور نام کی بغیر معنی کے عبادت کی وہ بھی کافر ہوا۔اور اسم و معنی دونوں کی عبادت کرنے والا مشرک ہے۔لیکن جس نے خداوند ذوالجلال کی ان معنی پر اس اعتبار سے عبادت کی کہ یہ اسماء ان معانی پر دلالت کرتے ہیں۔جو ایسا اعتقاد کرتے ہوئے عبادت خدا کرتا ہے وہ حقیقی مومن ہے۔اور وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے اصحاب میں سے شمار ہوگا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت صادق آل محمدؑ نے ھشام بن حکم کو فرمایا کہ (لله عز و جل تسعة و تسعون اسما فلو کان الاسم هو المعنیٰ لکان کل اسم منها هو اله ولکن لله معنی واحد یدل علیه بهذه الاسماء) اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اگر ہر اسم کا ایک معنی ہوتا تو ہر نام کا ایک خدا ہوتا (اور اس طرح خدا متعدد ہوتے) لیکن وہ ایک معنی ہے اور یہ تمام اسی ایک معنیٰ کے اسماء ہیں۔

فصل: حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیلؑ حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں ایک دعا لیکر فرحت و خوشی سے نازل ہوتا ہے۔ اور آنحضرتؐ پر سلام کرنے کے بعد عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ خداوند ذوالجلال نے آپکی طرف ایک ہدیہ بھیجا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ کونسا ہدیہ ہے؟ جبرائیلؑ نے عرض کی! کہ خالق دو جہاں نے آپ کو عرش الٰہی کے کلمات سے نوازکر مکرم کیا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ کون سے کلمات ہیں؟ جو عرش الٰہی سے نازل ہوئے ہیں۔ جبرائیل نے کہا کہ وہ کلمات یہ ہیں کہ

(یا من اظهر الجمیل و ستر القبیح یا من لم یواخذ بالجریرة و لم یهتك الستر یا عظیم العفو یا حسن التجاوز یا واسع المغفرة یا باسط الیدین بالرحمة یا صاحب کل نجوی و یا منتهی کل شکوی یا کریم الصفح یا عظیم المن یا مبتدئاً بالنعم قبل استحقاقها یا ربنا و یا سیدنا و یا مولانا و یا غایة رغبتاه اسألك یا الله ان لاتشوه خلقی بالنار)

اے وہ ذات جو اچھائی کو ظاہر کرتی ہے اور برائی و قبیح افعال کو چھپاتی ہے۔ اے وہ جو جرم پر گرفت نہیں کرتا۔ اے وہ جس نے پردہ فاش نہیں کیا، اے بہت معاف کرنے والے، اے بہترین درگزر کرنے والے اے وہ جسکی مغفرت وسیع ہے۔ اے وہ جسکی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اے ہر سرگوشی کے مالک، اے شکایت سننے والے، اے درگزری میں وسیع، اے بہت بڑے احسان کرنے والے، اے وہ جو اپنے فضل و کرم سے استحقاق سے پہلے نعمتوں کو عطا کرنے والے، اے ہمارے پالنے والے اور ہمارے سید و سردار، اے ہمارے مولا، اے ہمارا مقصود و مطلوب، یا الٰہی میں تجھ سے التجاء کرتا ہوں کہ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنا۔

پھر اس کے بعد رسول خدا نے فرمایا کہ اے جبرائیل ان کلمات کی تلاوت کرنے سے کیا ثواب حاصل ہوگا؟ تو جبرائیل نے عرض کی! کہ اگر آسمان و زمین کے تمام ملائکہ اس دعا کا ثواب بیان کرنے لگ جائیں تو روز قیامت کے سورج کے

طلوع ہونے تک اس کے ایک جز کا بھی ثواب ہرگز بیان نہیں کرسکیں گے۔

لہٰذا اگر بندہ "یا من اظهر الجمیل و ستر القبیح" کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا سایہ رحمت کرتے ہوئے اس کے گناہوں کو لوگوں سے چھپالیتا ہے۔اور آخرت میں اسے بخش دیتا ہے۔اور دنیا و آخرت میں ہزار طرح سے اسکی پردہ پوشی کرتا ہے۔

اور اسی طرح جو شخص "یا من لم یؤاخذ بالجریرة ولم یهتك الستر" کی تلاوت کرتا ہے تو خدا قیامت کے دن اس کا حساب نہیں لیتا۔اور جس دن سب کو فاش کیا جائے گا اس کے رازوں کو فاش نہیں کیا جائے گا۔اور اس کے اعمال کو آشکار نہیں کیا جائیگا۔

اور جو شخص " یا عظیم العفو "پڑھتا ہے۔خدا اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

اور جو شخص "یا حسن التجاوز" کی تلاوت کرتا ہے تو خدا اس کے گناہوں سے درگزر کر دیتا ہے یہاں تک کہ شراب خوری، چوری اور دیگر دنیاوی مصائب و مشکلات اور خطرناک جرائم سے درگزر کر دیتا ہے۔

اور جو بندہ "یا واسع المغفرة" کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے رحمت کے ستر دروازوں کو کھول دیتا ہے۔اور وہ رحمت خدا کے بحر میں غوطہ زن رہتا ہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائے۔

~~اور" یا باسط الیدین بالرحمة" پڑھنے سے اس پر رحمت خدا کی بارش ہوتی ہے۔~~

اور "یا صاحب کل نجوی و یا منتهی کل شکوی" کی تلاوت کرنے والے کو مصیبتوں میں مبتلاء شخص کا اجر عطاء کرتا ہے۔اور پریشان حال و مسکین و فقیر اور مریض و صحت مند شخص کا اجر اسے عطا کرتا ہے۔

اور" یا عظیم المن "پڑھنے سے خدا قیامت کے دن اسے ہر قسم کی آرزوؤں سے نوازتا ہے۔

اور جو شخص "یا مبتدئاً بالنعم قبل استحقاقها "پڑھتا ہے خدا اسے اپنی نعمات کا شکر ادا کرنے والوں کے عدد برابر ثواب عطا کرتا ہے۔

اور جو شخص "یا ربنا و یا سیدنا" کی تلاوت کرتا ہے تو خدا اپنے ملائکہ کو گواہ بنا کر اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔اور ملائکہ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ اے ملائکہ گواہ رہنا کہ میں نے اسے زمین و آسمان اور جنت و جہنم میں مخلوق کے عدد کے برابر،اور سورج، چاند، ستاروں بارش کے قطروں، پتھروں، درختوں، عرش و کرسی غرضیکہ پوری کائنات کے برابر اجر عطا فرمایا ہے۔

اور جو شخص ''یا مولا نا'' کی تلاوت کرتا ہے خداوند ذوالجلال اس کے دل کو ایمان سے بھر دیتا ہے۔

اور جو ''یا غایة رغبتاہ'' کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالی قیامت کے دن اسے اپنی رغبت اور مخلوق کی رغبتوں کے برابر اس کی آرزؤں کو پورا کرتا ہے۔

اور جو شخص ''اسالك یا الله ان لا تشوه خلقی بالنار'' کی تلاوت کرتا ہے تو خداوند ذوالجلال اپنے ملائکہ کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے میرے ملائکہ گواہ رہنا میرے اس بندہ نے مجھ سے جہنم سے آزادی و چھٹکارہ کا مطالبہ کیا ہے تو میں نے اسے، اس کے والدین، اس کے بھائیوں غرضیکہ اس کے خاندان کے تمام افراد اور پڑسیوں کو جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ اور ایک ہزار آدمیوں کیلئے اس کی شفاعت کو بروز قیامت قبول کروں گا۔ اور انہیں جہنم کی آگ سے پناہ دوں گا۔

پھر جبرائیلؑ نے عرض کی کہ! اے محمدؐ اس دعا کو متقین کو تعلیم دو۔ اور اسے منافقین کو تعلیم نہ دینا۔ چونکہ اس دعا کے پڑھنے والے کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور یہ دعا بیت معمور (خانہ کعبہ) کے گرد طواف کرتے وقت پڑھی جاتی ہے۔

آخر میں مصنف علام اپنے لیے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ!

الٰہی اس کتاب کے ذریعہ مجھے اور دیگر قارئین کو فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اور اسے میرے لیے اور قارئین کیلئے اخروی نجات کا ذریعہ قرار دے۔ اور عذاب آخرت سے محفوظ رہنے کیلئے اسلحہ قرار دے۔

اور اس کے ذریعہ ہر مشکل و مصیبت سے نجات دے۔

والحمد لله رب العالمين و صلى الله على سيدنا محمد واله الطاهرين۔

مترجم بھی دست دعا بلند کیے ہوئے ہے کہ خداوند ذوالجلال بحق محمدؐ و آلہ الطیبینؑ میرے لیے یہ ذخیرہ آخرت قرار دے۔ اور قارئین کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انہ ولی التوفیق۔

وصلى الله على محمد خاتم النبيين وآله الطيبين الطاهرين۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس مختصر کاوش کو

منجیٔ بشریت، ہادی برحق، ھادم ابنیۃ، الشرک والکفر والنفاق، مہدی دوراں، منتظر زمان حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف وسھل اللہ مخرجہ کی ذات والا صفات کے نام کرتا ہوں اور اسے اپنے لیے دنیا و آخرت میں باعث شرف سمجھتا ہوں۔

احقر العباد
سید ضیاء الحسن نقوی النجفی
محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

سپاس نامہ

یہ انتہائی ناشکر گزاری ہوگی کہ ان احباب کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں ہم سے دامے 'درمے' سخنے تعاون فرمایا خداوند تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ ہم خصوصی طور پر

مولانا سید حسن رضا صاحب

مولانا جعفر علی صاحب

مولانا ظفر علی صاحب

کے انتہائی مشکور ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت سے لمحات نکال کر اس کتاب کی نشر و اشاعت میں معاونت فرمائی۔

قارئین سے استدعا ہے کہ!

جملہ مومنین مرحومین، مومنات مرحومات کیلئے بالخصوص!

سید معصوم علی شاہ (مرحوم) سیوا سادات — سید کریم شاہ (مرحوم) مدینہ سیداں

سید احمد علی شاہ (مرحوم) سیوا سادات — سید سردار شاہ کریم شاہی (مرحوم) مدینہ سیداں

زوار مشتاق احمد ملانہ (مرحوم) گڑھ مہاراجہ — ڈاکٹر غلام ہانی جمشید (مرحوم)

نور دین ملانہ (مرحوم) — مولوی احمد دین ملانہ (مرحوم)

کہ جن کے ایصال ثواب کیلئے یہ کتاب شائع کی گئی ہے سورۃ فاتحہ تلاوت فرمائیں۔ شکریہ!